



روزانہ درس قرآن پاک

○

تفسیر

① سُورَةُ الْأَنْفَالِ (مکمل)

② سُورَةُ التَّوْبَةِ (مکمل)

جلد : ۹

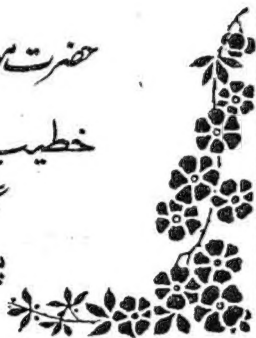
(فادات)

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید رواتی دام مجسم

خطیب جامع مسجد نور

گوجرانوالہ

پاکستان



# (جملہ حقوق بحق مکتبہ محفوظ ہیں)

طبع باراں

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ انفال و توبہ مکمل) جلد ۹
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین صاحب ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار لاہور
تعداد طبع	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطاطین سید نفیس رقم مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ضخامت	۶۲۴ صفحات
طابع و ناشر	مکتبہ دروس القرآن محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت	۱۸۰ روپے
تاریخ طباعت پنجم	محرم ۱۴۲۱ھ بمطابق ۱ بل ۲۰۰۰ء
تاریخ طبع ششم	رجب ۱۴۲۳ھ بمطابق ستمبر ۲۰۰۲ء
تاریخ طبع	مارچ ۲۰۰۸ء بمطابق ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

## ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، رلیجہ بازار اور اولپنڈی
- (۲) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون پور گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ علمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۷) اسلامیہ کتب خانہ، اڈا گامی، ایبٹ آباد



# فہرست مضامین معالم العرفان فی درس القرآن

جلد: ۹

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۸	آیات و ترجمہ	۱۸	پیش لفظ
"	رابط آيات	۲۱	سخنہائے گفتنی
۳۹	مؤمنین کی صفات (۱) خوف خدا	۲۵	سورۃ انفال
۴۰	۲۔ ایمان میں اضافہ	۲۶	درس اول آیت ۱
۴۱	۳۔ توکل علی اللہ	"	آیات و ترجمہ
"	۴۔ اقامت صلوٰۃ	"	کوائف سورۃ
۴۲	۵۔ انفاق فی سبیل اللہ	۲۷	سابقہ سورتوں کے مضامین
۴۳	حقیقی مؤمن	۲۸	عالمگیر دعوت
۴۵	مومنوں کے لیے انعامات	۲۹	جہاد کی اہمیت
"	۱۔ درجات	۳۰	جہاد کی ضرورت
"	۲۔ مغفرت	۳۱	جہاد کی غایت
"	۳۔ باعزت روزی	"	قانون صلح و جنگ
۴۷	گداگری حرام ہے	۳۲	جامعتی نظم و ضبط
۴۸	درس سوئم آیت ۵ تا ۸	"	مال غنیمت
"	آیات و ترجمہ	۳۳	شان نزول
۴۹	رابط آيات	۳۴	مال غنیمت کے حقیقی مالک
"	۶۔ کما بطور تشبیہ	۳۵	صلح جوئی
۵۰	کما بطور علت	۳۶	اسلامی نظام حکومت
"	عزودہ بدر کا پس منظر	"	درس دوم آیت ۲ تا ۴
۵۱	مشرکین کا تجارتی قافلہ	۳۸	
۵۲	عائشہ کا خواب		

۷۳	کفار کی گھڑی	۷۳	اسلامی لشکر کی روانگی
"	فیصلے کی گھڑی	۷۴	مشورہ اور حتمی فیصلہ
۷۶	درششم آیت ۲۰ تا ۲۳	۷۶	اللہ کا وعدہ
"	آیات و ترجمہ	"	حق و باطل کا فیصلہ
"	ربط آیات	۷۷	درس چہارم آیت ۹ تا ۱۴
۷۷	اللہ اور رسول کی اطاعت	"	آیات و ترجمہ
۷۸	سماعت سے معذوری	۷۸	ربط آیات
۷۹	بدترین جانور	۷۹	اللہ تعالیٰ سے فریاد
۸۰	قرآن پاک سے اعراض	"	نزول ملائکہ
۸۳	درس ہفتم آیت ۲۴ تا ۲۶	۸۰	ادنگھ کے ذریعے سکون
"	آیات و ترجمہ	۸۱	بارانِ رحمت کا نزول
۸۴	ربط آیات	۸۳	فرشتوں کی کارگزاری
"	ابدی زندگی	"	مخالفین کے لیے سزا
۸۵	نبی کی دعوت اور نماز	۸۶	درس پنجم آیت ۱۵ تا ۱۹
۸۷	دلوں کی تبدیلی	"	آیات و ترجمہ
"	پوری قوم سے مواخذہ	۸۷	ربط آیات
۸۸	جنگ کے دوران ثابت قدمی	۸۸	بعض خواہشات کی ممانعت
۸۸	ریاست کا فتنہ	۸۸	مقابلہ کے لیے معیار کا تقرر
۸۹	اہل ایمان پر انعامات	۸۹	اسلامی فلسفہ جنگ
۹۰	شکر خداوندی	۹۰	پیانی کی سزا
۹۲	درس ہشتم آیت ۲۷ تا ۲۹	"	استثنا کی صورتیں
"	آیات و ترجمہ	"	ہر میں امداد غیبی
"	ربط آیات	۹۱	منہجی بھر سنگریزے
۹۳	حقوق اللہ میں خیانت	۹۲	

	۹۵	حقوق العباد میں خیانت
۱۱۶	۹۶	مال اور اولاد کا فتنہ
۱۱۷	۹۷	تقویٰ کی برکات
۱۱۸	۹۹	درس نہم آیت ۳۰ تا ۳۴
۱۲۰	"	آیات و ترجمہ
"	۱۰۰	ربط آیات
"	۱۰۱	حضور علیہ السلام کے خلاف مشورہ
۱۲۱	۱۰۲	قید کی تجویز
"	"	جلد وطنی
۱۲۲	۱۰۳	قتل کا مضبوطہ
۱۲۳	"	اللہ تعالیٰ کی تدبیر
"	۱۰۴	غار ثور میں قیام
۱۲۴	۱۰۵	آیات قرآن کا انکار
"	"	کفار کی بدعت
۱۲۵	"	نہر اکاخذائی قانون
۱۲۶	۱۰۶	توہیت مساجد کا قانون
۱۲۷	۱۰۸	احترام مساجد
۱۲۸	۱۰۹	درس دوازدہم آیت نمبر ۱
"	۱۱۰	آیات و ترجمہ
"	"	ربط آیات
۱۲۹	۱۱۱	ربط آیات
۱۳۰	"	مشرکین کی عبادت
۱۳۱	۱۱۲	آداب مساجد
۱۳۲	۱۱۳	سیٹیاں اور تائیاں
	۱۱۴	اللہ کے راستے میں رکاوٹ

۱۵۲	رابط آیات	۱۳۳	مجاہدین کی طرح تقسیم
۱۵۳	اکثر اور ریا کی ممانعت	۱۳۴	عمورتوں، بچوں اور غلاموں کا حصہ
۱۵۵	اللہ کے راستے میں رکاوٹ	۱۳۶	اسرار و خفیوں پر ایمان
"	شیطان کی طرف سے حوصلہ افزائی	"	درس سیزدہم آیت ۴۲ تا ۴۴
۱۵۶	شیطان کی چال بازی	۱۳۷	آیات و ترجمہ
۱۵۷	افشائے راز	"	رابط آیات
۱۵۹	درس شانزدہم آیت ۴۹ تا ۵۴	۱۳۹	بدریہ اتفاقی اجتماع
"	آیات و ترجمہ	۱۴۰	جنگ کے لیے خدائی حکمت
۱۶۰	رابط آیات	۱۴۱	قلت و کثرت کی حکمت
"	میں سے منافق	۱۴۲	خواب پیغمبر کی صداقت
۱۶۱	منافقین کا طعن	"	میدان جنگ میں قلت و کثرت
۱۶۲	منرا بوقت موت	۱۴۳	طے شدہ امر
۱۶۳	کفار اور آل فرعون میں مماثلت	۱۴۵	درس چہار دہم آیت ۴۵ تا ۴۶
۱۶۴	نعمت کی تبدیلی	"	آیات و ترجمہ
۱۶۵	گنہگاروں کی ہلاکت	"	رابط آیات
۱۶۶	کفر اور تکذیب	۱۴۶	ثابت قدمی
"	اہل ایمان کے لیے تسلی	"	عاموشی بہتر ہے
۱۶۸	درس ہفزدہم آیت ۵۵ تا ۵۸	۱۴۷	ذکر اللہ کی کثرت
"	آیات و ترجمہ	۱۴۸	اللہ اور رسول کی اطاعت
"	رابط آیات	۱۴۹	جھگڑے کی ممانعت
۱۶۹	میشاق مدینہ	۱۵۰	صبر کا دامن
۱۷۰	بدترین جاہل	۱۵۱	درس پانزدہم آیت ۴۷ تا ۴۸
۱۷۱	عہد شکن لوگ	"	آیات و ترجمہ

۱۹۳	درس سبتم آیت ۶۵ تا ۶۶	۱۷۲	عہد شکنی کی سزا
"	آیات و ترجمہ	۱۷۳	معاہدے کی منسوخی
۱۹۴	رابط آیات	۱۷۵	درس ہشودہم آیت ۵۹ تا ۶۰
"	جہاد کی ترغیب	"	آیات و ترجمہ
۱۹۵	مومن اور کافر کی عدلی نسبت	"	کفار کی خام خیالی
۱۹۶	نظریات کا اختلاف	۱۷۶	مکمل جنگی تیاری
۱۹۷	اہل ایمان کا یقین	۱۷۸	مالی جہاد کی ضرورت
۱۹۸	حکم میں تخفیف	۱۷۹	مسلمانوں کی غفلت
"	صابرین کا درجہ	۱۸۰	وسائل سے استفادہ
۲۰۰	درس سبست ویک آیت ۶۷ تا ۶۹	۱۸۱	مسلمانوں کے جنگی معرکے
"	آیات و ترجمہ	۱۸۲	جہاد ذریعہ حیات ہے
"	رابط آیات	۱۸۳	مالی جہاد کا اجر
۲۰۱	غزوہ بدر کے مسائل	۱۸۴	درس نوزدہم آیت ۶۱ تا ۶۲
"	۱۔ غنیمت	"	آیات و ترجمہ
۲۰۲	۲۔ جنگی قیدی	۱۸۵	رابط آیات
۲۰۳	عقاب اور درگزر	"	صلح پر آمادگی
۲۰۴	دنیا یا آخرت	"	صلح کے فوائد
۲۰۵	غنیمت پاکیزہ ترین مال ہے	۱۸۶	توکل بر خدا
۲۰۷	درس سبست و آیت ۷۰ تا ۷۳	۱۸۷	مشرکین کی بدعتی پر نصرت الہی
"	آیات و ترجمہ	۱۸۸	مناخرین کے لیے لائحہ عمل
۲۰۸	جنگی قیدیوں کا مسئلہ	۱۹۰	الفتن بین المسلمین
۲۰۹	بہتر اجر کا وعدہ	۱۹۱	اساس اتحاد حکم توحید ہے
۲۱۰	خیانت کی سزا	۱۹۲	کفایت الہی

۲۳۱	سورتوں کی ترتیب	۲۱۲	دبا عین اور انصار کی موافات
۲۳۲	کوائف اور موضوع	۲۱۳	دوستی کا معیار
۲۳۳	اعلان بنیاری	۲۱۴	غیر دبا عین کی امداد
۲۳۶	درس دومم آیت ۲ تا ۴	۲۱۵	مسلمانوں کی بے بسی
"	آیات و ترجمہ	۲۱۶	درس سبت سہ آیت ۴ تا ۵
۲۳۷	اعلان بنیاری	"	آیات و ترجمہ
"	حضرت علیؑ بطور مامور	"	ربط آیات
۲۳۸	اعلان کا متن	۲۱۸	ایمان اور ہجرت
۲۴۰	حج اکبر کا دن	۲۱۹	باطنی ہجرت
۲۴۱	مشترکین سے اظہار بنیاری	"	جہاد کے مختلف شعبے
۲۴۲	معاهدے کے پابند مشترکین	۲۲۰	پناہ اور نصرت
۲۴۳	درس سومم آیت ۵ تا ۶	۲۲۱	اہل ایمان کی مرکزی جماعت
"	آیات و ترجمہ	۲۲۲	معفرت اور باعزت رذی
"	ربط آیات	۲۲۳	متاخرین کا درجہ
۲۴۵	حرمت والے مہینے	"	موافات اور دراشت
"	بعد از مہلت	۲۲۵	دراشت کا عام قانون
۲۴۶	توبہ کا دروازہ	۲۲۷	سورة توبہ
"	نماز اور زکوٰۃ	۲۲۸	درس اول آیت ۱ تا ۲
۲۴۷	نماز کے فوائد	"	آیات و ترجمہ
۲۴۸	زکوٰۃ کے فوائد	"	سورة کے مختلف نام
۲۴۹	پناہ طلبی	۲۲۹	سورة سے پہلے بسم اللہ
۲۵۲	درس چہارم آیت ۷ تا ۱۱	۲۳۰	جمع قرآن
"	آیات و ترجمہ		
۲۵۳	ربط آیات		

۲۷۶	آیات و ترجمہ	۲۵۴	معادہات پر استقامت
۲۷۷	رابط آیات	۲۵۵	مخالفین کی مخالفت
۲۷۸	مشرکین اور مساجد	۲۵۶	دنیاوی مفاد پرستی
۲۷۹	مساجد کی حقیقی آبادی	۲۵۷	دینی بھائی
۲۸۰	مساجد کی تولیت	۲۵۸	ظاہری حالت پر فیصلہ
۲۸۱	نئی ایمان پر موقوف ہے	"	تارک نماز کے لیے وعید
۲۸۲	اعظم کے متحقین	۲۶۰	درس پنجم آیت ۱۲ تا ۱۵
۲۸۳	درس ہفتم آیت ۲۲ تا ۲۴	"	آیات و ترجمہ
"	آیت و ترجمہ	۲۶۱	رابط آیات
۲۸۵	رابط آیات	"	آئمہ الکفر سے جنگ
"	کفر بمقابلہ ایمان	۲۶۲	اسلام کے خلاف محاذ آرائی
۲۸۷	مانعات جہاد	۲۶۳	جہاد کی وجوہات
"	۱۔ قرابتداری	۲۶۵	مشرکین کی سزایابی
"	۲۔ مال اور تجارت	۲۶۶	دلوں کی شفا
۲۸۸	۳۔ پسندیدہ مکانات	۲۶۸	درس ششم آیت ۱۶
۲۸۹	دنیا بمقابلہ دین	"	آیات و ترجمہ
"	ترک جہاد کا وبال	"	رابط آیات
۲۹۲	درس نہم آیت ۲۵ تا ۲۷	۲۶۹	آزمائش بذریعہ جہاد
"	آیات و ترجمہ	۲۷۰	جہاد کی مختلف صورتیں
۲۹۳	رابط آیات	۲۷۱	جہاد بطور عبادت
"	نصرت الہی	۲۷۳	مسلمانوں میں امداد و باہمی
۲۹۴	دشمن کا جی منصوبہ	۲۷۴	دوستی اور رازداری
"	مسلمانوں کی تیاری	۲۷۶	درس ہفتم آیت ۱ تا ۲۲

۳۱۵	اہل کتاب کی تذیل	۲۹۵	معرکہ حنین
۳۱۷	درس دوازدهم آیت ۳۱ تا ۳۱۷	۲۹۶	مال غنیمت کی تقسیم
"	آیات و ترجمہ	۲۹۷	زول میکنہ
"	ربط آیات	۲۹۸	بارہ ہزار کے لیے خوشخبری
۳۱۸	عقیدہ ابنیت	۳۰۰	درس دہم آیت ۲۸
۳۲۰	حجاب سود معرفت	"	آیات و ترجمہ
۳۲۱	مختار کل اللہ ہے	"	ربط آیات
"	کفار سے مشابہت	"	مسجد حرام سے بے دخلی
۳۲۲	اللہ کے سوا رب	۳۰۱	مشرکین کی نجاست
۳۲۳	مستند قول	۳۰۲	ظاہری اور باطنی نجاست
۳۲۴	دین کو بگاڑنے والے	۳۰۳	تمام مساجد کا حکم
۳۲۵	درس سینہ دہم آیت ۳۲ تا ۳۲۵	۳۰۴	مسلمانوں کی اقتصادی حالت
"	آیات و ترجمہ	۳۰۵	درس یازدہم آیت ۲۹
"	ربط آیات	"	آیات و ترجمہ
۳۲۷	بھید نکوں سے یہ چراغ	۳۰۸	اہل کتاب کے خلاف جہاد
۳۲۸	ہدایت کی ضرورت	"	ایمان باللہ
"	دین حق کا غلبہ	۳۰۹	قیامت پر ایمان
۳۲۹	غلبہ باعتبار دلیل	۳۱۰	حلت و حرمت میں امتیاز
۳۳۰	اسلام کا سیاسی غلبہ	۳۱۱	دین حق کی اطاعت
۳۳۱	قیصر و کسری کی محکومیت	۳۱۲	غیر مسلم بحیثیت ذمی
"	مسلمانوں کا سیاسی تنزل	۳۱۳	جنوب کے خلاف پروپیگنڈا
۳۳۲	اسلام کے خلاف سازشیں	۳۱۴	جزیرہ بطورٹیکس
۳۳۳	محکومیت اور ڈکٹیٹر شپ	۳۱۵	جزیرہ کا دائرہ کار



۳۵۲	ادلے کا بدلہ	۳۳۵	درس چہار و دہم ۳۲ ۳۵۲
۳۵۳	حرام مینوں کا تبادلہ	"	آیات و ترجمہ
۳۵۴	شمسی اور قمری تقویم میں مطابقت	۳۳۶	رابطہ آیات
۳۵۵	بڑے اعمال کی تہنیں	"	اہل کتاب کی ضربیاں
۳۵۶	درس شانزدہم آیت ۳۸ ۳۹	"	ترک دنیا
"	آیات و ترجمہ	۳۳۷	بدعات کی ایجاد
"	سابقہ مضامین کا خلاصہ	۳۳۸	اکل حرام کے طریقے
۳۵۹	غزوہ تبوک کا پس منظر	۳۳۹	تعویذ گندے
۳۶۰	جنگ کے لیے تیاری	"	نہی رسوم
۳۶۱	منافقین کا کردار	۳۴۰	تبرکات کی زیارت
"	مسلمانوں کی دل شکنی	"	ایصال ثواب
۳۶۳	دنیا طلبی یا آخرت طلبی	۳۴۱	فوتیگی کی رسوم
"	ترک جہاد پر غلامی	۳۴۲	اللہ کے راستے سے روکنا
۳۶۵	قوم کی تبدیلی	۳۴۳	جمع مال و دولت
۳۶۶	ترکوں کا عروج و زوال	۳۴۴	بخیل کے لیے عذاب
۳۶۸	درس سہفدہم آیت ۴۰	۳۴۶	درس پانزدہم آیت ۳۶ ۳۷
"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
"	رابطہ آیات	۳۴۷	رابطہ آیات
۳۶۹	نصرت الہی کی مثال	۳۴۸	حالت و حرمت کا اختیار
۳۷۰	غارتور میں قیام	"	اسلامی کلیئر
۳۷۱	مشرکین کی ناکامی	۳۵۰	حرمت والے مینے
۳۷۲	صدیق اکبرؓ کی پریشانی	۳۵۱	تخصیص کی وجہ
۳۷۳	اللہ تعالیٰ کی معیت	۳۵۲	قمری تقویم کی تقدیم

۳۹۴	دین حق کا نبلہ	۳۷۴	مکرمی کا جلال
۳۹۵	درس لہجہ آیت ۴۹ تا ۵۴	"	سکینہ کا نزول
"	آیات و ترجمہ	۳۷۵	کلمہ توحید کی بلندی
۳۹۶	جبرع ابن قیس	۳۷۶	درس ہشتر دہم آیت ۴۱ تا ۴۲
۳۹۷	جہاد سے فرار کا رہبانہ	"	آیات و ترجمہ
۳۹۸	معرفت الہی کا ذائقہ	"	رابطہ آیات
۳۹۹	منافقین کی بد باطنی	۳۷۷	فریضہ جہاد
۴۰۰	دو میں سے ایک نبی	۳۷۹	شرائط بیعت
"	غذاب کا انتظار	"	ارکان اسلام اور جہاد
۴۰۱	مال کی عدم قبولیت	۳۸۰	جہاد بطور عبادت
۴۰۲	ہماز میں سستی	۳۸۱	ہر حالت میں جہاد
۴۰۳	بادلِ سخاوتہ خرچ	۳۸۲	منافقوں کی جیلہ سازی
۴۰۵	درس لہجہ آیت ۵۵ تا ۵۶	۳۸۳	فتح تبوک
"	آیت و ترجمہ	۳۸۴	منافقین کی اظہار معذوری
۴۰۶	رابطہ آیات	۳۸۵	درس نوز دہم آیت ۴۲ تا ۴۸
"	مال و اولاد معیارِ نبی نہیں	"	آیات و ترجمہ
۴۰۷	سزا کی مختلف صورتیں	۳۸۶	رابطہ آیات
۴۰۹	مومن اور کافر میں فرق	۳۸۷	رخصت میں جلدی
"	دعویٰ ایمان	۳۸۸	مؤمنین کا شیوہ
۴۱۰	خوشی اور ناخوشی کا معیار	۳۹۰	منافقین کا طرز عمل
۴۱۳	درس لہجہ آیت ۶۰	"	مثبت الہی
"	آیات و ترجمہ	۳۹۱	منافقین کی لگائی بجھائی
"	رابطہ آیات	۳۹۲	منافقین کی فتنہ پردازی

۴۳۵	قرآنی اصطلاحات	۴۱۳	مسائل زکوٰۃ و صدقات
۴۳۷	منافقین کے اوصاف	۴۱۷	مسئلہ تملیک مال
۴۳۸	منافقوں کے لیے سزا	"	نصاب و شرح زکوٰۃ
۴۳۹	سابقہ اقوام کے لیے مشابہت	۴۱۹	زکوٰۃ کے آٹھ مصارف
۴۴۰	اعمال کا ضیاع	"	فقر اور مساکین
۴۴۱	سابقہ اقوام کے حالات	"	عالمین زکوٰۃ
۴۴۲	مقام عبرت	۴۲۰	مؤلفہ القلوب
۴۴۳	درس لبست و بیچ آیت ۷ تا ۱۷	"	آزادی غلامان
"	آیات و ترجمہ	"	مقروض
۴۴۵	ربط آیات	۴۲۱	فی سبیل اللہ
۴۴۶	مرد و زن کی معاشرتی حیثیت	"	مسافر
"	مرد و زن کا دائرہ کار	۴۲۳	درس لبست و آیت ۶۱ تا ۶۶
۴۴۸	مومن مرد و زن کے خواص	"	آیات و ترجمہ
۴۴۹	حصول علم کا فریضہ	۴۲۵	ربط آیات
۴۵۰	مسلمانوں کی زبوں حالی	"	منافقین کی ایذا رسانی
"	صلوٰۃ و زکوٰۃ	۴۲۶	حضور کا خلق عظیم
۴۵۱	اللہ اور رسول کی اطاعت	۴۲۸	خوشنودی کی تلاش
۴۵۲	مؤمنوں کے لیے النعمات	۴۲۹	مخالف رسول کے لیے وعید
۴۵۳	رضائے الہی	"	پردہ فاشی کا خوف
۴۵۵	درس لبست و شوش آیت ۲ تا ۴	۴۳۱	منافقین کا عذر رنگ
"	آیات و ترجمہ	۴۳۳	درس لبست و چہار آیت ۷ تا ۱۰
۴۵۶	ربط آیات	"	آیات و ترجمہ
"	خطاب کی نوعیت	۴۳۵	ربط آیات

۴۷۸	آیات و ترجمہ	۴۵۶	چاگر دہول سے جہاد
۴۷۹	رہلہ آیات	۴۵۷	منافقین کے ساتھ جہاد
"	جہاد سے گریز	۴۵۸	جہاد کے ذرائع
۴۸۱	جہنم کی آگ	۴۶۰	ذرائع جہاد کا غلط استعمال
۴۸۳	رونے کا مقام	"	منافقین کی جھوٹی قسمیں
"	روزخیر کی آہ و زاری	۴۶۱	منصوبے کی ناکامی
۴۸۴	منافقین کی محرمی	۴۶۳	آخری موقع
۴۸۵	منافقوں کا جنازہ اور استغفار	۴۶۴	درس بہشت و بہشت آیت ۷۵ تا ۸۱
۴۸۷	درس سی آیت ۸۵ تا	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۴۶۵	رہلہ آیات
۴۸۸	رہلہ آیات	"	شان نزول
۴۸۹	مال ذریعہ آزمائش	۴۶۶	اتفاق سے اعراض
۴۹۰	صحابان استطاعت کی خدمت طلبی	۴۶۸	اتفاق کی پختگی
۴۹۲	رفاہیت بالغہ	"	وعدہ خلائی اور جھوٹ
۴۹۳	مومنین کا شیورہ	۴۷۰	خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے
۴۹۵	درس سی و یک آیت ۹۰ تا ۹۳	۴۷۱	درس بہشت و بہشت آیت ۷۹ تا ۸۰
"	آیات و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
۴۹۶	دیہاتی منافقین کی حیلہ سازی	"	رہلہ آیات
۴۹۷	حقیقی معذور لوگ	۴۷۲	صحابہ کی فراخ دلی
۴۹۹	نیکی کا رلوگ	۴۷۳	منافقین کا طعن
۵۰۰	سواری کے طلبکار	۴۷۵	منافقین کے لیے دعا مغفرت
۵۰۱	قابل مزاحضہ اختیار	۴۷۷	عدم حافی کا اعلان
۵۰۳	درس سی و دو آیت ۹۴ تا ۹۶	۴۷۸	درس بہشت و بہشت آیت ۸۱ تا ۸۴

۵۲۳	مخلوق کی رضا خالق پر	۵۰۳	آیات و ترجمہ
۵۲۵	بعض شہری اور دیہاتی بچے منافق	۵۰۴	بعد از جہاد جلد سازی
۵۲۶	منافقین کے لیے سزا	۵۰۵	اللہ کے حضور پیشی
۵۲۸	درس سی و پنج آیت ۱۰۲ تا ۱۰۶	۵۰۶	درگزر کرنے کی خواہش
"	آیات و ترجمہ	۵۰۸	باطنی نجاست کا نقصان
۵۲۹	ربط آیات	۵۰۹	خوشنودی کی تلاش
۵۳۰	مخلص مگر خطا کار مسلمان	۵۱۱	درس سی و سہ آیت ۹۷ تا ۹۹
۵۳۱	اعتراف جرم اور معافی	"	آیات و ترجمہ
۵۳۲	صدقات کی قبولیت	۵۱۲	ربط آیات
۵۳۴	اعمال کا محاسبہ	"	اعراب کے معانی
"	دوسرا گمراہ	۵۱۳	شہری اور دیہاتی میں امتیاز
۵۳۶	درس سی و شش آیت ۱۰۷ تا ۱۱۰	۵۱۳	حدود اللہ کی پاسداری
"	آیات و ترجمہ	"	اچھی سوسائٹی کی برکات
۵۳۷	ربط آیات	۵۱۵	گردش ایام کی خواہش
۵۳۸	ابو عامر راہب	۵۱۶	قرب الہی اور نبی کی دعائیں
۵۳۹	مسجد ضرار کی سازش	۵۱۹	درس سی و چہار آیت ۱۱۰ تا ۱۰۱
۵۴۰	مسجد قبا	"	آیات و ترجمہ
"	مسجد ضرار کی قباحت	۵۲۰	ربط آیات
۵۴۲	تعمیر مساجد کا مقصد	۵۲۱	اولین و سابقین
"	مسجد علی التقی	"	۱۔ مہاجرین
۵۴۳	آداب مساجد	"	۲۔ انصار
"	نیت کی ضروری	۵۲۲	اولین دور
۵۴۶	درس سی و ہفت آیت ۱۱۱	۵۲۳	دوسرا دور

۵۶۵	باب کے لیے ابراہیم کی علیہ السلام دعا	۵۴۶	آیات و ترجمہ
۵۶۶	حضور کے والدین	"	ربط آیات
۵۶۷	اتمام حجت	"	ایمان و مال کا سودا
۵۶۸	ہر ملک ملک خدا است	۵۴۷	نفع بخش اور غیر نفع بخش تجارت
"	حمایت و نصرت خداوندی	۵۴۸	جہاد کی ضرورت
۵۷۰	درس چیل آیت ۱۱۷ تا ۱۱۹	۵۴۹	عبداللہ ابن رواحہ کا ایمان
"	آیات و ترجمہ	۵۵۰	جہاد کی قسمیں
۵۷۱	ربط آیات	۵۵۱	اللہ کا سچا وعدہ
۵۷۲	مخافین تبوک	۵۵۳	اہل ایمان کے لیے بشارت
"	بنی کی ذات	۵۵۳	درس سی و ہشت آیت ۱۱۲
۵۷۳	مہاجرین اور انصار	"	آیات و ترجمہ
۵۷۵	تین مخلصین کی آزمائش	"	ربط آیات
۵۷۶	مقاطعہ کا شرعی حکم	"	۱۔ توبہ کرنے والے
"	توبہ کی قبولیت	۵۵۵	۲۔ عبادت گزار
۵۷۷	سچائی کی برکت	"	۳۔ تعریف کرنے والے
۵۷۹	درس چیل و یک آیت ۱۲۱ تا ۱۲۱	۵۵۶	۴۔ بیاحت کرنے والے
"	آیات و ترجمہ	۵۵۸	۵۔ رکوع و سجود کرنے والے
۵۸۰	ربط آیات	"	۶۔ اولاد و نواہی کے پابند
"	رسول اللہ کی عدم رفاقت	۵۵۹	۷۔ محافظت پر حدود شرع
۵۸۱	لائق تہجہ ذات	۵۶۱	درس سی و نہ آیت ۱۱۳ تا ۱۱۶
۵۸۳	جہاد کا اجر و ثواب	"	آیات و ترجمہ
۵۸۴	مال خرچ کرنے کا اجر	۵۶۲	ربط آیات
۵۸۶	درس چیل و دو آیت ۱۲۲	"	مشرکین کے لیے استغفار کا مسئلہ

۶۰۳	متقین کے لیے بشارت	۵۸۶	آیات و ترجمہ
۶۰۴	درس چہل و چہار آیت ۱۲۴ تا ۱۲۷	"	رابط آیات
"	آیات و ترجمہ	"	تقسیم کار
۶۰۵	رابط آیات	۵۸۷	فریضہ جہاد
"	دین کے چار دشمن	۵۸۸	فریضہ علم
۶۰۶	ایمان میں اضافہ	۵۸۹	علم دین کا حصول
۶۰۷	سجاست میں اضافہ	۵۹۱	علم فقہ
۶۰۸	منافقین کی آزمائش	۵۹۳	محنت کی ضرورت
۶۰۹	محبس سے فرار	۵۹۳	علم دین کا فقدان
۶۱۰	بے سمجھ لوگ	۵۹۵	درس چہل و سہ آیت ۱۲۳
۶۱۱	درس چہل و پنج آیت ۱۲۸ تا ۱۲۹	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	"	رابط آیات
۶۱۲	مضامین سورۃ توبہ	۵۹۶	جہاد کی مختلف صورتیں
"	عظیم الشان رسول	"	مسلمان اور فریضہ جہاد
۶۱۳	خیر خواہ رسول	۵۹۷	مکرر بیت اسلام
۶۱۵	اللہ تعالیٰ کی کفایت	۵۹۸	اسلامی نظام معیشت
۶۱۶	توکل علی اللہ	۵۹۹	جہاد کی طبعی ترتیب
۶۱۷	وسعت کائنات	۶۰۰	جہاد بالنفس
		۶۰۱	کفار کے ساتھ سختی

(نوٹ) الحمد للہ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ میں یہ تفسیر ۲ ضخیم جلدوں میں مکمل طبع ہو گئی ہے۔ (فیاض)

## پیش لفظ

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ (۱۱:۸)  
 أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ (۱۰:۴:۹)

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنے عاجز بندوں کو اپنے دین کی اشاعت کے قابل سمجھا اور ان سے یہ خدمت لی کہ وہ قرآن حکیم جیسی عظیم کتاب کو نہایت آسان اور عام فہم پیرائے میں پیش کر سکیں۔ سلسلہ دروس القرآن کی یہ نویں جلد پیش کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور سرنیاذ خم ہے۔ - سبع الطوال یعنی قرآن پاک کی لمبی سورتوں کا سلسلہ اس جلد پر ختم ہو رہا ہے اور پھر آگے سورۃ یونس سے منافی کا سلسلہ شروع ہو گا۔

یہ جلد سورۃ انفال اور سورۃ توبہ پر مشتمل ہے۔ ان دونوں سورتوں کے مضامین آپس میں ملنے جلتے ہیں جن میں سب اہم مضامین آپس میں ملتے جلتے ہیں جن میں سب اہم مضمون اسلام کا وژن صلح و جنگ ہے جو دونوں سورتوں میں مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے۔ ان سورتوں میں جہاد کے بڑے بڑے اصول بیان کیے ہیں، البتہ سورۃ انفال میں غزوہ بدر اور سورۃ توبہ میں غزوہ تبوک کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان دونوں سورتوں کا زمانہ نزول مختلف ہے، اہم مضامین کی مناسبت کے لحاظ سے ترتیب تلاوت میں ان کو اکٹھا رکھا گیا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان میں بسم اللہ بھی نہیں لکھی گئی۔ جہاد کے علاوہ دیگر متفرق مضامین بھی ان دونوں سورتوں میں بیان ہوئے ہیں جن کی ایک جھلک پیش خدمت ہے۔

یہ سورۃ ۸۰ میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی اور اس میں کفر و اسلام کی اس پہلی جنگ پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں جہاد باسیف کی ضرورت

سُورَةُ الْاَنْفَالِ



اہمیت اور غایت بیان کی گئی ہے، پھر مالِ غنیمت کی علت اور اسکی تقسیم کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے اس ضمن میں اپنا احسان بتلایا ہے کہ تعداد کی قلت اور سامانِ ضرب و حرب کی کمی کے باوجود مسلمانوں کی نصرت فرمائی اور انہیں فتح سے پہنچا رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی پانچ صفات کا ذکر کر کے ان کے لیے انعامات کا اعلان فرمایا ہے۔ جنگ بدر ہی کے سلسلے منافقین کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پھر ان کو ملنے والی سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہودیوں کی بار بار کی عہد شکنی کا ذکر بھی اس سورۃ میں آیا ہے، اس کے باوجود ان کی طرف سے صلح کی پیش کش پر مثبت رد عمل کے اظہار کی ہدایت فرمائی ہے۔ جنگ بدر ہی کے سلسلے میں پیدا ہونے والے دو بڑے مسائل یعنی مالِ غنیمت اور جنگی قیدیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ خاص طور پر جنگی قیدیوں کو ذریعہ کر چھوڑ دینے پر اظہارِ ناپسندیدگی کیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت مدینہ کا منظر بھی پیش کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں کفار کی طرف سے دارالندۃ میں ہونے والے منصوبہ کا ذکر بھی ہے۔ بیت اللہ شریف اور عام مساجد کے آداب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی تلقین کی گئی ہے اور ان کی حیات سے منع کیا گیا ہے۔

سورۃ توبہ | مکہ شہ میں فتح ہوا اور اس کے بعد ۹ھ میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ اسی سال کے آخر میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنایا جن کی قیادت میں مسلمانوں نے حج کا فریضہ ادا کیا۔ اسی دوران سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیتیں حضرت علیؑ کو دے کر مکے بھیجا تاکہ حج کے موقع پر مشرکین سے بیزاری کا اعلان کر دیا جائے اور انہیں آئندہ سال حج کے لیے آنے سے روک دیا جائے۔ بہر حال اس سورۃ کے مختلف حصے ۹ھ میں مختلف اوقات میں نازل ہوئے۔ چنانچہ سورۃ کی ابتدا میں کفار و مشرکین سے بیزاری کے اعلان کے بعد جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے متعلق قوانین کا تذکرہ ہوا ہے۔ ان احکامات سے اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کے خدوخال نظر آتے ہیں۔ اس میں غزوہ حنین اور پھر غزوہ تبوک کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ غزوہ تبوک ہی کے سلسلے میں منافقوں کی سازشوں کا حال بیان کیا گیا ہے بعض نے جھوٹے چلے بہانوں سے جنگ میں شامل ہونے سے معذرت کر لی اور بعض نے واپس

اگر صدر پیش کیے اور اس طرح حضور علیہ السلام سے معافی حاصل کر لی۔ اسی سلسلے میں مجلس  
مسلمانوں کے دو گروہوں کا ذکر بھی آیا ہے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے مگر انہوں  
نے جیلے بہانے بنانے کی بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ ان میں سے سات آدمیوں  
کے پہلے گروہ نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے بانڈھ دیا تھا، ان کی توبہ اللہ نے  
قبول فرمائی۔ تین آدمیوں کا ایک دوسرا گروہ تھا جسے سخت آزمائش میں ڈالا گیا، ان کا مکمل بھٹکا  
کیا گیا اور پھر پچاس روز کے بعد ان کی توبہ قبول فرمائی۔

اس سورۃ میں یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کا ذکر بھی ہے۔ ان کے مشائخ اور علماء کی ہمت  
بیان کی گئی ہے جو لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بھی بیان  
ہوئے ہیں اور ثعلبہ ابن ابی عاطب کا واقعہ بھی آیا ہے جس نے آسودہ مالی کے لیے حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم سے دعا کر لی مگر جب وہ مالدار ہو گیا تو زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اللہ نے منافقوں  
کا جائزہ پڑھنے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرما دیا ہے ان کے ساتھ زبانی  
جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ دنیائی منافقوں کی خاص طور پر قباحتیں بیان فرمائی ہیں۔ پھر اللہ نے اولین مساجد  
اور انصار کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے لیے انعامات کا اعلان فرمایا ہے۔ اسی سورۃ میں عام مساجد  
کی حیثیت اور منافقین کی تیار کردہ مسجد منار کا ذکر بھی آیا ہے جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ نے  
حضور علیہ السلام کو منع فرما دیا اور پھر وہ مسجد جلادی گئی۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق متفرق  
مسائل اور ان کی اصلاح کا پروگرام بھی آگیا ہے اور آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالوں  
کے ساتھ خیر خواہی اور آپ کے اوصاف جمیلہ کا ذکر ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان بھی آگیا ہے  
یہ جلد یہ قارئین کرتے وقت ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں کہ سلسلہ دوسرے القرآن میں ان کی دلچسپی  
نے ہماری حوصلہ افزائی کی ہے جو اس منصوبے کی رفتار کو تیز کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوئی ہے  
قارئین سے خصوصی دعاؤں کی التماس ہے۔

احق العباد

(الحق) لعل دین ایم لے (علوم اسلامیہ)

مشالہ مارٹاؤن۔ لاہور۔ پاکستان

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

## سمتے گفتنی

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ  
الْكَرِيْمِ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ  
وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ :- اَمَّا بَعْدُ

وہ قوم جس نے انسان کو انسانی حقوق سمجھائے، پوری دنیا میں آمروں اور ڈکٹیٹروں کے  
پیچھے استبداد میں جکڑے ہوئے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ظلم و ذلت سے عملًا نجات  
دلا کہ انسانی حقوق کی دولت سے بہرہ ور کیا، خالق حقیقی سے انسان کا تعلق مضبوط کیا، اور اسے اخلاق کامیابی  
کے ایسے مقام پر فائز کیا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

لیکن افسوس کہ آج اسی قوم کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے، روح مرچکی ہے اس کی عزت و  
شہرت خاک میں مل چکی ہے۔ ہر جگہ اور ہر موقع پر اسے ذلت و رسوائیوں کا سامنا ہے۔ اس کا مہنی  
انتہائی روشن اور حال انتہائی تاریک ہے اس کے بچے ذلت میں پیدا ہوتے ہیں، ذلت میں ہی نوجوان  
اور پھر بوڑھے ہو کر مر جاتے ہیں، جہالت و حماقت اس کی امتیازی علامت بن چکی ہے۔ اس کا خون  
دشمنوں کے لیے اور اُن کے اشاروں پر بہتا ہے، اس کا مال اپنے بجائے دشمنوں کے مفاد میں  
خرچ ہوتا ہے۔ اس کا ذہن استعار ہے اس کا منہ دشمنوں کے میڈیا سے معلومات حاصل کر کے  
اس کی روشنی میں سوچنا اور پلاننگ کرتا ہے۔

اس عظیم قوم کا اپنے منصبی مشن سے ہٹنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانی حقوق کا علم اُن خودخوار بیوی اور  
صلیبی درندوں نے تھام لیا، جن کا قانون جگل کے قانون سے زیادہ خطرناک اور ڈکٹیٹر شپ پر مبنی ہے  
جن کو انسان کہنے سے ہی جبین حیا پسینے سے شرابور ہو جاتی ہے، جن کے ہاتھ انبیاء علیہم السلام کے  
کے معصوم خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ جن کے ماضی اور حال میں سوائے ظلم و بربریت اور خونِ ناحق بہانے  
کے کوئی چیز نظر نہیں آتی جن کی وحیثیت پر پرائے تو کجا اُن کے اپنے بھی چیخ اٹھتے ہیں۔

آج پوری دنیا انسانی حقوق سے یکسر محروم ہے، انسانی حقوق کا علم ان منحوس ہاتھوں میں آنے کا ہی نتیجہ ہے کہ گلی محلے سے لے کر عالمی سطح تک غنڈہ گردی کا راج ہے، اور ہر غنڈہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دہناتا پھرتا ہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی رکھوالی دکھائے ہیں جن کی شرارتوں، سازشوں سے تنگ آکر اور ان کی اصلاح سے مایوس ہو کر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَا تَخْرُجَنَّ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ** میں لازماً یہود نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔ (مسلم ۹۴)

صلیبی ظلم کے سیاہ بادلوں اور یہودی ظلمتوں نے پوری دنیا کو تیرہ و تار یک بنا دیا ہے، اور عالم انسانیت کو قانون فطرت سے ہٹا کر جمہوریت کے پُر فریب جال میں پھنسا دیا ہے، آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ عام انسانی دنیا شخصی حکومتوں سے اس قدر ہلاکت و بربادی اور بامنی کا شکار نہیں ہوئی جس قدر اس فریب کا رانہ جمہوریت اور ان انسانی حقوق سے جو رہی ہے، وطن عزیز میں تو پوری قوم کے اناٹوں کو چند سرمایہ دار ٹھیکیداروں کے ہاتھ فروخت کرنے کی مکر وہ بنیاد رکھ دی گئی ہے آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا، اس کا ذمہ دار کون ہے، اساذی المحترم حضرت صفی صاحب دہم عالم انسانیت کو بھیڑیوں کے قبضہ میں لینے والے طبقہ کی نقاب کشائی سورۃ توبہ درس نمبر ۱۳ میں اس طرح فرماتے ہیں۔

”دین کو بگاڑنے والے یا تو بادشاہ ہیں یا پھر بڑے عالم اور بڑے درویش، اگر بادشاہ بگڑیں گے تو معیشت تباہ ہوگی، اگر عالم بگڑیں گے تو دین تباہ ہوگا اور اگر پیر صاحبان بگڑ جائیں گے تو اخلاق تباہ ہو جائے گا، اگر یہ تینوں طبقے بگڑ جائیں تو پھر قوم تنزل کی گہرائیوں میں جا گرے گی۔ چنانچہ یہ بگاڑ ہماری امت میں بھی آپکھ ہے مسلمانوں کے اکثر فقے ان تینوں گروہوں کے پیدا کردہ ہیں۔“

صورت حال بعینہ اسی طرح ہے اکثر علمائے دین نے سنن و مستحبات پر فرقہ بندی کر کے پوری صلاحیتیں اور توانائیاں اس پر خرچ کر دی ہیں، یا پھر اپنی ساری کارکردگی کو عقائد کی نشر و اشاعت تک محدود کر دیا ہے، نظام تعلیم، نظام معیشت اور دیگر نظام نے مملکت کو مکمل طور پر بے دین اور یہود و نصاریٰ کے تربیت یافتہ افراد کے لیے چھوڑ دیا ہے، اکثر پیر صاحبان کی پوری صلاحیتیں

اپنی گدی کے مرید بڑھانے اور اپنے مریدوں کو دوسرے گدی نشینوں کے دست بڑوسے بچانے پر خرچ ہو رہی، نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی اخلاقی تربیت یہودی اور صلیبی کہہ رہی ہے۔

بادشاہوں کی غفلت اور خود غرضی سے محبت کا حال یہ ہے کہ تیل کا اکثر حصہ سلطان ممالک کے نکلتا ہے لیکن

- ۱۔ تیل کی دریافت کے لیے صلیبی اور یہودی کمپنیاں منہ مانگی قیمت وصول کرتی ہیں۔
- ۲۔ تیل کی کھدائی کے آلات ان ممالک کے ہاتھ منہ مانگی قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔
- ۳۔ یہ کمپنیاں جن علاقوں میں کھدائی کا ٹھیکہ لیتی ہیں ان پر اپنی اجارہ داری قائم رکھتی ہیں۔
- ۴۔ تیل کی صفائی کے مرحلہ پر انتہائی مہنگی مشینری، فاضل پرزہ جات اور انتہائی اونچی تنخواہ والے انجنیئروں کے ذریعہ متعلقہ ممالک کی دولت اکٹھی کر کے یہودی اور صلیبی ممالک کو بھیج دیتی ہیں۔
- ۵۔ تیل کی نقل و حمل پائپ لائنوں کے ذریعہ ہوتا ہے ان کی تعمیر و ٹیکنالوجی پر ان کی اپنی اجارہ داری ہے اور اگر بحری جہازوں کے ذریعہ ہوتا بھی ہے بڑے بڑے بحری آئل ٹینکر یہودی اور صلیبی کمپنیوں کی اپنی ملکیت ہیں اور منہ مانگا کرایہ وصول کرتی ہیں۔

۶۔ تیل کی فروخت پر بھی ان کی مکمل اجارہ داری ہے، مختلف ممالک میں ان کے پٹرول پمپوں کا جال بچھا ہوا ہے، کالٹیکس، برامیل، ایسو وغیرہ کا تعلق انہی کمپنیوں سے ہے۔

۷۔ تیل کے کنوڈوں کی حفاظت کے لیے فوجی جہازوں، اسلحہ اور ان کی نقل و حمل کا خرچ اس کے علاوہ ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ بادشاہوں کے بگاڑ سے مسلمانوں کی ملکیت تیل کے منافع کا اکثر و بیشتر حصہ تیل پیدا کرنے والے ممالک کی بجائے یہودی اور صلیبی درندوں کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ وہ اسے دنیا بھر میں اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل پر خرچ کرتے ہیں۔

درروس القرآن ان بنیادی خامیوں کی نشاندہی ان الفاظ میں کرتا ہے: "دنیا نے اسلام کو قوت قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ صرف ان سے استفادہ کرنا ضرورت ہے، اقتصادی لحاظ سے دنیا میں تیل کو بہت اہمیت حاصل ہے، امن میں بھی اس کے بغیر گزارہ نہیں مگر جنگ کی

حالت میں تو تیل ایک ٹوٹر ہتھیار ہے، مسلمانوں کے پاس یہ چیز وافر مقدار میں موجود ہے، دیگر معنیات کی بھی کمی نہیں، اس کے باوجود ان کو دنیا میں عزت و وقار حاصل نہیں۔ عرب ممالک پچاس ساٹھ سال سے تیل پیدا کر رہے ہیں مگر اس کے لیے ماہرین ابھی تک اس کی ادھر جڑی سے آتے ہیں۔ آج تک اپنے انجینئر پیدا نہیں کر سکے۔ نقص پڑ جانے تو اسے درست نہیں کر سکتے، اس کے لیے بھی ماہرین درآمد کرنا پڑتے ہیں، خود تعلیم حاصل کریں اور تجربات کریں اور کم از کم اپنے کام میں تو خود کفیل ہو جائیں اور بیرونی ماہرین کو ادا کی جانے والی بڑی بڑی رقمیں بچا سکیں، یہ پستی کی نشانی ہے۔ (سورۃ انفال دس ۱۸)

قرآنی مطالب و تفسیری نکات، صحیح و مربوط واقعات، فقہی مسائل، مذاہب باطلہ کے احسن طریق سے رد کے علاوہ دورِ حاضر کے ان پیچیدہ اور گھمبیر مسائل کا فٹا، ایزدی کے مطابق حل اور مسلمانوں کی پستی کے اسباب کی سیدھے سادھے آسان الفاظ میں نشاندہی یقیناً قارئین دروس القرآن کا اختیار ہے سورۃ کا موضوع جہاد فی سبیل اللہ ہے مقصد جہاد و مجاہدین کی جماعت کو منافقین کے ٹولہ اور بنیادی غیروں سے پاک رکھنا ہے۔ موضوع کی اہمیت، استاذی المحترم مظلہ کے طرز بیان اور فکر ولی اللہی کے گہرے نقوش نے اس جملہ کو اب تک طبع ہر نوالی تمام جلدوں سے ممتاز کر دیا ہے۔

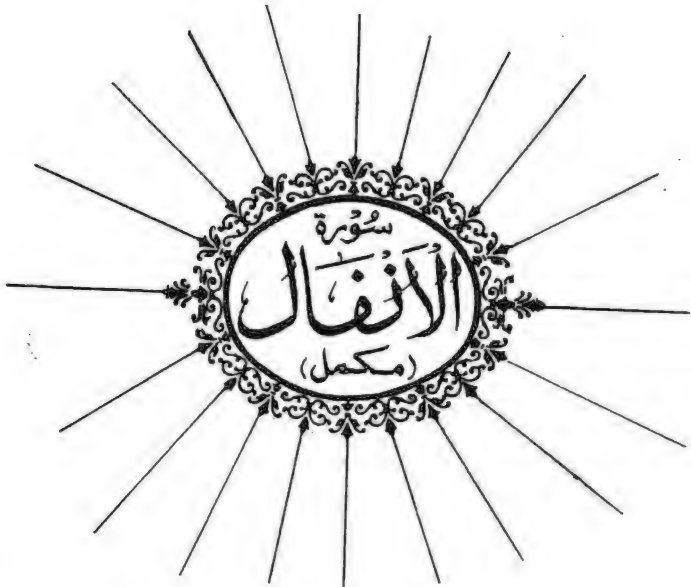
اس کے علاوہ اس جلد میں اسلام کا قانون صلح و جنگ، اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصول، غزوہ خین، اعدا اور غزوہ تبوک کے واقعات منافقین کی نشاندہی اور ان کی سازشوں کی نقاب کشائی کے علاوہ کفر و شرک کی تردید، توحید خداوندی، رسالت خاتم الانبیاء علیہ السلام اور دیگر انتہائی اہم مسائل کا ذکر بہت اچھے انداز میں موجود ہے۔

آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ورکس کو صاحبِ درس حضرت صوفی صاحبِ مظلہ انجنر مجاہد اشاعتِ قرآن کے جملہ اراکین و معاونین اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے دیگر تمام حضرات کی فوز و فلاح اور بخشش کا ذریعہ بنائے اور قیامت تک زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس سے مستفید ہو سکی تو فوقِ عطا فرمائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہا و آلہ اجمعین

فقط محمد شرف فاضل مدرسہ فقہاء العلوم و فائق المدارس العربیہ پاکستان

۱۲ شوال المعکم ۱۴۳۷ھ ۲۷ اپریل ۱۹۹۱ء



قَالَ الْعَلَاءُ  
دَرَسِ اَوَّل ۱

الانفال ۸  
آیت ۱

سُورَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَفِيهَا عَشْرُ كَوَاكِبٍ  
سُورَةُ الْاَنْفَالِ مدنی ہے اور یہ پچھتر آیتیں اور اس میں دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بید مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ اَقُلِ الْاَنْفَالِ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ  
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَسَاطِعُوا لِلّٰهِ  
وَرَسُولِهِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ①

ترجمہ :- سوال کرتے ہیں آپ سے قیمت کے بارے میں۔ آپ  
کہہ دیجئے کہ قیمتیں اللہ اور رسول کے لیے ہیں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ  
سے اور درست کرو اپنے درمیان کے معاملات کو۔ اور فرمانبرداری  
کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو اس کے رسول کی اگر تم ایمان رکھتے ہو ①

اس سُوْرۃ کا نام سُوْرۃ الْاَنْفَال ہے۔ جو کہ پہلی ہی آیت سے ماخوذ ہے۔ انفال نفل  
کی جمع ہے اور اس کا معنی زائد چیز کا ہونا ہے۔ یہ سُوْرہ ہجرت کے بعد ۲ء میں نازل ہوئی  
جب کہ غزوہ بدر واقع ہوا تھا، اس سُوْرۃ کی پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں۔ یہ سُوْرۃ ۱۶۳۱  
الفاظ اور ۶۲۹۴ حروف پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے سُوْرۃ اعراف اور سُوْرۃ النعام کی سُوْرۃ  
تھیں البتہ سُوْرۃ مائدہ، انا، آل عمران اور بقرہ مدنی تھیں۔ اسی طرح یہ سُوْرۃ مبارکہ بھی مدنی ہے۔  
اس کے بعد آنے والی سُوْرۃ توبہ بھی مدنی ہے اور ان دونوں سُوْرۃوں کا مضمون آپ میں ملتا جلتا  
ہے۔ سُوْرۃ انفال ہجرت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی جب کہ سُوْرۃ توبہ آخری حصہ میں سُوْرۃ  
کے بعد نازل ہوئی۔ سُوْرۃ انفال میں غزوہ بدر کے واقعات کا ذکر ہے جب کہ سُوْرۃ توبہ

کوائف  
سُوْرۃ



غزوہ تبوک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ تاہم یہ دونوں صورتیں جہاد اور اس کے قوانین سے متعلق ہیں۔

سابقہ سورتوں کے مضامین

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابتدائی سورۃ بقرہ میں زیادہ تر روئے سخن یہود کی طرف تھا۔ چنانچہ لیبیکنی (اسئلہ نیل سے شروع ہو کر ڈیڑھ پارے تک یہودیوں کا تذکرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اصلاح یہود کے پروگرام کے تحت یہودیوں کو ایمان لانے کی ترغیب دی ہے جیسا کہ پانچویں رکوع میں فرمایا **وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ** اے بنی اسرائیل! میری نازل کردہ اس چیز (قرآن) پر ایمان لے آؤ جو اس بات (تورات) کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اس کے بعد سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو موضوع سخن بنایا ہے، چنانچہ ابتداً نئے سورۃ سے لے کر آیت نمبر ۸۳ تک عیسائیت کا رد فرمایا ہے اور ان کی اصلاح کا پروگرام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ اگر عیسائی شرک کو چھوڑ کر ایمان قبول کر لیں تو ان کی اصلاح ہو جائیگی اور وہ فلاح کے حق دار بن جائیں گے، پھر سورۃ نساء اور مائدہ دونوں میں خاص طور پر عرب کے لوگوں کو دعوتِ ایمان دی گئی ہے۔ ان سورتوں میں عربوں کی خرابیوں کا ذکر کر کے ان کی اصلاح کا پروگرام پیش کیا گیا ہے۔ عقیدے اور عمل دونوں قسم کی خرابیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور پھر کھانے پینے میں حلال و حرام اور معاشرتی طور پر نکاح طلاق کے متعلق صحیح راستے کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔

سورۃ النعام میں اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں مجوسیوں کا ذکر فرمایا ہے مجوسیوں کا پایہ تخت ایران تھا اور نزولِ قرآن کے زمانہ میں یہ لوگ تقریباً آدھی دنیا پر چھائے ہوئے تھے، آگ کے یہ پجاری دوجہودوں کو مانتے ہیں ان کے نزدیک یزدان اور اہرمز دو عینہٴ مجہود ہیں، جن میں سے ایک خیر

کا اور دوسرا شرک، یا ایک نور کا اور دوسرا ظلمت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس باطل عقیدہ کا رد فرمایا ہے اور اُن کی راہِ راست کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ اس کے بعد سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کیا ہے اور سب کے سامنے قرآن پاک کی دعوت پیش کی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کر کے انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ بیان فرمائی ہے۔ مختلف انبیاء کی دعوت اور ان کی اقوام کے ردِ عمل کا ذکر کیا ہے اور پھر آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صاف کہلوا دیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ رَأَيْتُمْ دَسْوَلُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ بنی نوع انسان! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بھیج کر آیا ہوں۔ آپ کی دعوت صرف یہود و نصاریٰ یا مجوسی اقوام کے لیے نہیں بلکہ پورے نفع انسانی کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور انہیں دین حق کو مقبول کر لینے کی ترغیب دی گئی ہے۔

عالمگیر  
دعوت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس دعوتِ عام میں سے سعادت مند روحیں تو ابتداء میں ہی ایمان قبول کر لیتی ہیں۔ اچھے اور سعادت مند لوگ دعوت کو سنتے ہیں۔ اس کو سمجھتے ہیں اور پھر اسے آسانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں اکثر ایسا ہی ہونا آیا ہے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ لوگوں کی اکثریت شیطان کے پھندے میں گرفتار ہوتی ہے، اور وہ دعوتِ ایمان مقبول نہیں کرتی اور اپنے دین پر اڑی رہتی ہے۔ پھر آگے اس کی دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ غلط کار لوگ اپنے راستے پر حسب معمول چلتے رہیں اور اہل حق سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔ اور اس طرح اہل ایمان کو بھی اپنے راستے پر چلنے دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اہل باطل نہ صرف اپنے غلط پروگرام پر قائم رہیں بلکہ اُسے اہل حق پر غالب آنے کی کوشش بھی کریں۔ دوسرے لفظوں میں وہ

اہل ایمان کی دعوت کو نہ صرف ٹھکرا دیں بلکہ اُسے مٹانے کے لیے اپنے تمام قویٰ برے کار لائیں۔ ان حالات میں اہل حق پر کیا فرض عاید ہوتا ہے؟ کیا وہ باطل کی قوت سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اور کفر کا راستہ چھوڑ دیں کہ وہ جو چاہیں کہہ رہے ہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ راہ فرار اختیار نہ کریں بلکہ خاموش ہو جائیں اور گاندھی کی (اہنسا) یا سیتہ گروہ والا فلسفہ اختیار کر لیں جس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن سے مار کھاتے رہیں اور اُس کی زیادتیوں کا جواب تک نہ دیں حتیٰ کہ وہ خود ہی تھک ہار کر بیٹھ جائے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ جو لوگ باطل پر دگرام کو غالب کرنا چاہتے ہیں اور ایمان کی دعوت کو روکنا چاہتے ہیں، ان کا سرعام مقابلہ کیا جائے اور دین کی دعوت کو غالب کیا جائے یہی تیسری صورت صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کو بیان فرمایا ہے۔ اس کے اصول و ضوابط بیان فرمائے ہیں اور انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی کا نام جہاد ہے اور اسی کی اللہ تعالیٰ نے تم غیب دی ہے۔

جہاد کی  
اہمیت

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسلام کی دعوت پوری دنیا میں پہنچ چکی ہے مگر لوگوں کی غالب اکثریت اپنے باطل پر دگرام کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں بلکہ الٹ اسلام کو مٹانے پر کمر بستہ ہے ایسے حالات میں جہاد باللسان سے آگے بڑھ کر جہاد بالسیف ضروری ہو جاتا ہے مکی زندگی میں مسلمانوں کی کمزور حالت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا "قُواْ اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْسُوا الصَّلَاةَ" (النساء) اپنے ہاتھوں کو روک رکھو اور نماز ادا کرو۔ اُس وقت تک ابھی جماعت قائم نہیں ہوئی تھی۔ مقلد کی طاقت نہیں تھی بلکہ بڑی تکالیف کا دور تھا لہذا حکم ہوا کہ ابھی تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ پہلے تنظیم پیدا کرو، جماعت بندی کرو، اس کے بعد جہاد بالسیف کی اجازت ہوگی۔ اور پھر آخر وہ وقت بھی آگیا کہ مدینے میں جا کر مسلمان نے قوت جمع کر لی تو اللہ کا حکم آگیا "اِذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ بِاَنْفُسِهِمْ طَلَمُواْ"

(الحج) جن لوگوں پر ظلم کیا گیا، انہیں اجازت دے دی گئی کہ وہ طوار کے ذریعے دشمن کا مقابلہ کریں **وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (الحج) فرمایا اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اسی طرح اس سورۃ مبارکہ اور اگلی سورۃ توبہ دونوں کا موضوع جہاد ہے۔ اللہ نے اعلان فرمادیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ دشمنانِ دین کا مقابلہ تیرا تار اور نیزے کے ساتھ کیا جائے اور دین حق کے خلاف اُن کی تمام سازشیں ناکام بنا کر اُن کی اُمیدیں خاک میں ملا دی جائیں۔

جہاد کی ضرورت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جہاد میں اقدام اور دفاع دونوں فرض ہیں۔ ضرورت کے وقت تمام فوجاء الزل، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جہاد میں حصہ لیں۔ کفار بھڑے کی مانند ہیں، اگر ان کا آپریشن نہ کیا گیا تو یہ پودھی انسانی سوسائٹی کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے، لہذا ان کا قلع قمع ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے **وَمَا تَلَوْهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ مَحْلُوكٌ لِلَّهِ** (الانفال) خدا کی راہ میں اُن سے لڑتے رہو۔ بیانِ تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔ اس فتنہ سے مراد کفر اور شرک کا غلبہ اور فساد فی الارض ہے مقصد یہ ہے کہ دین اسلام کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ برداشت نہ کی جائے اور اسلام کو پوری دنیا میں پوری طرح غالب کر دیا جائے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام سے لے کر واقعہ صفین تک اسلام کو پچاس سال تک مکمل غلبہ حاصل رہا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے اچھی اختلاف کی وجہ سے دین اسلام کی گاڑی رُک گئی۔ عالمی حرکت کمزور ہو گئی، صفین تک مسلمان پیش قدمی ہی کرتے رہے۔ دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو ان سے ٹکر لے سکتی، لہذا اسلامی نظام مکمل طور پر قائم ہو گیا تھا اور یہی اللہ تعالیٰ کا مقصد تھا۔

جہاد کی  
غایت

مگر بعد میں مسلمان اپنے عروج کو قائم نہ رکھ سکے۔ اور رو بہ تنزل ہونے لگے۔ اہل اسلام کا نظریہ جہاد کفار سے بالکل مختلف ہے، ان کا مقصد فساد فی الارض ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ اختیار کی اٹاک پر قبضہ کرتے ہیں اور لوگوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا۔ ان کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ کس طرح ”كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا“ (التوبة) یعنی اللہ کی بات بلند ہو جائے۔ خدا کے دین کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ دنیا میں امن کا دور دورہ ہو اور دعوتِ ایمانیہ عام ہو جائے اس راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے ذرۃ الاسلام الجہاد یعنی اسلام کی کوہان یا بلندی جہاد میں مضمر ہے۔ جہاد کرنے سے فساد مٹتا ہے اور دنیا میں امن قائم ہوتا ہے۔ جب تک فتنہ کی سرکوبی نہ کی جائے دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ مگر آج کی دنیا میں بالکل الٹ ہو رہا ہے۔ فتنہ و فساد برپا کرنے والے لوگوں کی عزت افزائی کی جاتی ہے تاکہ ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ خود فساد کی تائید کے مترادف ہے۔ اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ فساد کی لوگ پھلتے پھوٹتے رہیں گے اور کمزور پتے رہیں گے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ سورۃ النفال اور توبہ کا موضوع جہاد ہے۔ اور ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا قانون صلح و جنگ بیان فرمایا ہے گنہ گشتہ سورۃ اعراف میں ذکر تھا اِنَّ وَلِيَ اللّٰهِ الذِّیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ یعنی میرا کارساز تو وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے کتاب نازل فرمائی۔ گویا ہمارا پروگرام تو اس کتاب میں ہے اور ہمارا مزاج یا اسی کے لیے ہے۔ اس راستے میں جتنے والوں کے متعلق فرمایا وَهُوَ یَتَوَلّٰی الصّٰلِحِیْنَ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی کارساز ہی فرماتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے پروگرام پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا جانی و ناصر ہوتا ہے۔ چنانچہ صالحین کی پہلی کارساز تو یہ فرمائی کہ انہیں قرآن جیسی عظیم کتاب عطا فرما

قانون  
صلح و جنگ

کر ان کی ہدایت کا سامان مہیا کیا۔ پھر جہاد باللسان یعنی زبانی تبلیغ کی توفیق عطا فرمائی جو کہ دین کا بنیادی اصول ہے۔ اس کے بعد جب جماعت تیار ہو گئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا قَاتِلُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ زَبَانُكُمْ یعنی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ اپنی زبانوں، مال اور جانوں کے ذریعے جہاد کرو کسی کے شکوک و شبہات کو رفع کرنا زبان کا جہاد ہے۔ یہ جہاد تو پہلے گزشتہ سورۃ میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کہلایا کہ اے دنیا جان کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ دعوت عام ہے۔ اگر مان لو تو ٹھیک ہے ورنہ تمہارے ساتھ میدان جنگ میں مقابلہ کیا جائے گا۔ تو گویا گزشتہ سورۃ میں جہاد باللسان کا ذکر تھا تو اس سورت میں جہاد بالیغ کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ یہ پہلی سورۃ کے ساتھ ربط بھی ہو گیا۔

سورۃ انفال کی اس پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جماعتی نظم و ضبط اور اس کی اصلاح کا قانون بیان فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی جماعت کے لیے اندرونی نظم و ضبط نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر جماعت خود انتشار کا شکار ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی اہل نہیں ہوگی۔ جس جماعت کے اپنے اندر اختلافات موجود ہوں وہ دوسروں کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جماعتی نظم پر زور دیا ہے۔ سب سے پہلے فکر کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں فکر کی پاکیزگی، اتفاق و اتحاد اور نظم و ضبط کا قانون بیان فرمایا ہے اور پھر اگلی آیت میں جماعت المسلمین کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ انہی صفات کی حامل جماعت آگے چل کر جہاد بالیغ کا فریضہ انجام دے گی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے جہاد کا اصل مقصد تو غلبہ دین ہے۔ جب دین کو غلبہ حاصل ہو گیا تو مقصد پورا ہو گیا۔ تاہم اس مقصد کی تکمیل کے

جماعتی  
نظم و ضبط

مال  
غیبت

ساتھ ساتھ کچھ نامہ چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں، یعنی جب دشمن مغلوب ہو جاتا ہے تو اس کا مال بھی ہاتھ آتا ہے، جسے مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ سابقہ امتوں میں فاتح قوم کے لیے یہ مال حلال نہیں تھا لہذا اس قسم کا سارا مال اکٹھا کر کے ایک جگہ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ آسمان سے آگ نازل ہوتی جو اسے جلا کر خاک کر دیتی۔ تاہم اس آخری امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال قرار دیدیا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مال غنیمت پہلی امتوں میں لے کر قتل لا حد من قتل کسی کے لیے حلال نہیں تھا۔ اللہ نے صرف آخری امت کے لیے حلال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی امتوں کے لوگ جہانی طاقت میں بڑھے ہوئے تھے، محنت محنت کر سکتے تھے، لہذا ان کے لیے مال غنیمت جائز نہیں تھا مگر اس امت کے کمزور لوگوں کو اللہ نے یہ رعایت بخشی ہے کہ وہ اس مال کو استعمال کر سکتے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جو مال دشمن کے ساتھ جنگ کر کے چل کیا جائے وہ مال غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال کسی معاہدہ صلح کے تحت چل ہو جائے اسے فے کہتے ہیں۔ مال غنیمت کا حکم تو سورۃ انفال میں آ رہا ہے کہ یہ مال کن مالت پر خرچ ہو سکتا ہے۔ البتہ مال فے کا حکم سورۃ حشر میں بیان ہوا ہے اس قسم کا مال جس میں باغ بھی تھے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے ساتھ معاہدہ صلح کے تحت مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا۔ بعض اوقات اس قسم کے معاہدات کے تحت مسلمانوں کو بھی مال خرچ کرنا پڑتا تھا۔ بہر حال اس سورۃ مبارکہ میں انفال سے بات شروع کی گئی ہے۔

شانِ نازل

اس آیت کا تعلق واقعہ غزوہ بدر کے ساتھ ہے۔ صحیح روایت میں آتا ہے کہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے ایک دشمن کے ساتھ مقابلہ میں اسے قتل کر دیا اور اس کی تلوار پر بھی قبضہ کر لیا۔ پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں آکر

عرض کیا کہ میں نے ایک بڑے جبری کافر کو مارا ہے اور اس کی تلوار بھی چھین لی ہے، مہربانی کر کے یہ تلوار مجھے ہی عنایت کر دی جائے، جیسا کہ توفی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، بھائی یہ مال غنیمت کی چیز ہے اور اسے لینے کا اختیار نہ مجھے ہے نہ تمہیں۔ اس کا حق نہ میرے لیے ہے اور نہ تیرے لیے۔ اس پر حضرت سعدؓ افسردہ خاطر ہو گئے اور خیال کیا کہ شاید یہ تلوار کسی ایسے شخص کے حصے میں آجائے جو کارکردگی میں میرے برابر نہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو یہ میرے لیے باعث امنوس ہوگا، چنانچہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر وحی فرمادی کہ مال غنیمت پر کس کا حق ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہوئی کہ نوجوان مجاہدین اور عمر غازیان میں کچھ اختلاف پائے پیدا ہو گیا، نوجوان مجاہد مال غنیمت اپنا حق سمجھتے تھے کیونکہ انہوں نے بہادری کے زیادہ جہم سر دکھائے تھے۔ دوسری طرف عمر مگر تجربہ کار غازیان تھے جو نوجوانوں کی پشت پر تھے۔ اور انہیں حرب و ضرب کے گروہ جلاتے تھے، وہ مال غنیمت کے لیے اپنا حق جلاتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ارشاد ہوتا ہے **يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ** آپ کہہ دیجئے کہ مال غنیمت، بنیادی طور پر نہ کسی بڑے کا حق ہے نہ جوان کا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے اگر اللہ تعالیٰ کی سبلی نازل نہ ہوتی تو مسلمانوں کو کیونکر غلبہ حاصل ہو سکتا تھا؟ آگے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طریقے سے مسلمانوں کی مدد کی تو انہیں فتح حاصل ہوئی۔ لہذا اس مال کا مالک یقیناً اللہ تعالیٰ ہے اور پھر اس کے بعد اس کا رسول ہے جو حکم الہی کے تحت اس مال کو تقسیم کرے گا۔ دوسرے معنوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس مال کے مالک افراد نہیں بلکہ اس کی مالک

مال غنیمت  
کے حقیقی  
مالک



اسلامی حکومت ہے اور یہ پورا مال STATE PROPERTY ریاست کا مال ہے جس پر  
 ریاست خود کوئی مسلمان قبضہ نہیں کر سکتا۔ لہذا مسلمانوں کو آپس میں جھگڑا نہیں کرنا  
 چاہیئے اور اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی منشا پر چھوڑ دینا چاہیئے یاد ہے کہ یہاں  
 پر حکومت سے مراد موجودہ زمانے کی حکومت نہیں ہے جو اپنی مرضی سے  
 انعام و اکرام کی بارش ناپنے لگانے والوں پر کرنے لگے اور اشاعتِ دین  
 کے لیے ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرے بلکہ یہاں پر اسلامی حکومت سے مراد  
 وہ خلافت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کی  
 صورت میں قائم کی۔ فرمایا یہی اسلامی حکومت مالِ غنیمت کے متعلق فیصلہ  
 کرنے کی مجاز ہے۔

صلح جوئی

فرمایا اس معاملہ میں عام مسلمانوں کا فرض یہ ہے **فَاتَّقُوا اللَّهَ** کہ  
 اللہ سے ڈر جاؤ اور کوئی ایسی ویسی بات نہ کرو کیونکہ مالِ غنیمت پر تمہارا  
 ذاتی طور پر کوئی حق نہیں ہے پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام  
 نے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ اختیار کی رو سے وہ تلوار حضرت سعدؓ کو ہی  
 عطا فرمادی اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب اللہ نے تقسیم غنیمت کا  
 قانون نازل فرمادیا ہے، حقیقی مالک وہی ہے، رسول اس کا نائب  
 ہے، لہذا اس نے اب یہ تلوار تمہیں ہی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارے  
 ذمے یہ ہے **وَأَصْلَحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ** آپس کے درمیان  
 حالات کی اصلاح کرو تاکہ کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔ جب مسلمانوں کا آپس میں  
 تنازعہ ہو گا تو دشمن کو ذلیل ہونے کا موقع ملے گا۔ آپس کے جھگڑوں کی  
 وجہ سے افراد، جماعتیں اور ملک تباہ ہو جاتے ہیں، لہذا آپس میں تنازعہ  
 کو صلح جوئی کے ذریعے طے کر لیا کرو۔ دیکھو! عراق ایران جنگیں دونوں  
 متحارب فریق مسلمان ہیں، ان کے درمیان جھگڑے کی وجہ سے کتنی  
 جانیں تلف ہو رہی ہیں اور دو مسلمان ریاستوں کا کتنا زبردست

نقصان ہو رہا ہے۔ مگر حالات کی درستگی کوئی صورت نظر نہیں آتی چوں  
 سے زیادہ مسلمان ریاستیں ہیں مگر وہ اس تنازعے کا تعین نہیں کر سکیں۔ اسی سے  
 مسلمانوں کی اجتماعی ذلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو قوم اپنے درجہ کیوں سے  
 درمیان صلح نہیں کر سکتی وہ سورۃ انفال، اعراف اور توبہ میں مذکور بڑے بڑے  
 امور کیسے انجام دے سکتی ہے۔ یہ مسلمانوں کی باہمی عداوت کا نتیجہ ہے کہ  
 غیر مسلم اقوام اس سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ انہوں نے دونوں ملکوں کو اسلحے  
 کی منڈی بنا رکھا ہے جہاں ان کا اسلحہ دھڑا دھڑا فروخت ہو رہا ہے، اور  
 مسلمان انفرادی اور مالی لحاظ سے کمزور رہے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے یہاں  
 پر فرمایا ہے کہ آپس میں صلح جوئی قائم کرو۔ سورۃ حجرات میں بھی فرمایا کہ اگر  
 مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں الجھ پڑیں فَاصْلِحْ بَيْنَهُمَا  
 اُن کی آپس میں صلح کرو۔ اور اُن میں جو جماعت آگے رہے بغیر رہے۔ اُن پر  
 دباؤ ڈال کر صلح پر آمادہ کرو کہ مسلمانوں کی یہ بات کوئی ندامت اور جبران آپس  
 کو نقصان پہنچا رہی ہے۔

آگے فرمایا فَاطِيعُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ اور اُس کے نواہی  
 کی اطاعت کرو۔ اگر مسلمان اس اصول کو اپنائیں گے تو دنیا میں ذلیل و خوار  
 ہونے بگڑا فسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں میں سے کوئی امریکہ کا نظام  
 اور کوئی روس کا حامی ہے، کوئی سرمایہ داری کی نعمت میں گرفتار ہے  
 اور کوئی اشتراکیت پر چل رہا ہے، کہیں ملکیت ہے اور کہیں ڈکٹیٹر شپ  
 ہمارے ملک کا بھی یہی حال ہے اور پرمارشل لا کی حکومت ہے اور نیچے مجلس  
 شوریٰ قائم کر رکھی ہے۔ کچھ ایسی شوریٰ کا کیا فائدہ جو مارشل لا کے ماتحت  
 ہو صحیح اسلامی شوریٰ تو بابت اختیار ہوتی ہے اللہ کا ارشاد ہے وَأَمْرُهُمْ  
 شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوری) مسلمانوں کے تمام کام تو باہمی مشورہ  
 سے طے پاتے ہیں اور شوریٰ کے مگر اہل اور نائب الیہ لوگ ہوتے

اسلامی  
نظام حکومت

ہیں اور خلیفہ اُن کے مشورے پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے بلکہ خود نبی بھی شوریٰ کا پابند ہوتا ہے۔ اللہ کا اپنے نبی کو حکم ہے ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ (آل عمران) اور معاملات میں اُن سے مشورہ کریں ”فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَشَاوِرْ عَلَى اللَّهِ“ پھر جب کوئی فیصلہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کر کے اس پر عمل درآمد کر دیں مقصد یہ ہے کہ شوریٰ کا مشورہ واجب ہے۔ اور اگر شوریٰ کو کوئی اختیار ہی نہ ہو تو وہ کیا مشورہ دیگی اور اُس پر کیا عمل درآمد ہو گا۔ اختیار تو سارا مارشل لا کے ہاتھ میں ہے۔ محض اسلام کا نام استعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ اب تین قوانین یک وقت چل رہے ہیں۔ ایک مارشل لا کا ضابطہ ہے، دوسرا انگریزی قانون ہے اور تیسری شرعی عدالتیں ہیں۔ مگر انگریزی قانون اسلامی فیصلے کو منسوخ کر دیتا ہے۔ کیا فائدہ ہوا؟ اگر اللہ اور رسول کی اطاعت اختیار کی جاتی تو ملک میں ایک ہی اسلامی قانون نافذ ہوتا جو صدر ضیاء پر بھی اُسی طرح لاگو ہوتا جیسا ایک عام آدمی پر۔ ملٹری اور پولیس بھی اسی قانون کے ماتحت ہوتی مگر ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے ہمیں کسی معاملے میں کامیابی حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ جب تک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں ہوگی معاملات درست نہیں ہو سکتے۔

فرمایا اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا رَسُولَهُ۔ اگر ایمان لائے ہو۔ اگر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہو تو پھر اپنی خواہشات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلنا ہو گا۔ ایسے کام کرنے ہوں گے جن سے اللہ راضی ہو اور جو اُس کے رسول کو پسند ہوں اللہ تعالیٰ نے یہ سرگزشتی نکتہ بیان کر دیا ہے اس کے بعد جماعت کی خصوصیات بیان کی جائیں گی کہ فلاح پانے والی جماعت کن اوصاف کی حامل ہونی چاہیے۔ اگلی آیت میں اللہ نے مومنوں کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔

قال الملاء ۹۱

الانفال ۸

دوسرے درجہ ۲

آیت ۲۲

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: ایک ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اُس کی آیتیں تو زیادہ ہوتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ﴿۲﴾ وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور جو ہم نے روزی دی ہے اس میں سے خرچہ کرتے ہیں ﴿۳﴾ یہی لوگ ایمان والے ہیں صبح۔ ان کے واسطے دسجے ہیں ان کے رب کے ہاں اور بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے ﴿۴﴾

رابطہ آیات گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جماعتی نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لیے باہمی اختلافات ختم کر کے آپس میں صلح جوئی کی پالیسی اختیار کرنے کی تلقین کی تھی، اللہ نے یہ بھی سنہرایا تھا کہ مال غنیمت پر کسی مجاہد یا غازی کا براہ راست کوئی حق نہیں ہے یہ اہل اللہ کی ملکیت ہے جسے اُس کا رسول ہدایت الہی کے مطابق تصرف میں لائے اور اُس کو تقسیم کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مرکزی بات یہ فرمائی کہ اللہ اور اُس کے رسول

کی اطاعت کو لازم پکڑو۔ فرمایا، اگر ان میں سے کسی معاملہ میں بھی مسلمانوں کی طرف سے کمزوری واقع ہوئی تو دشمن راہ پاک پر غلبہ حاصل کر لے گا، لہذا مذکورہ ہدایات پر سختی سے کاربند ہو جاؤ۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ جن کی وجہ انہیں دنیا اور آخرت میں فلاح نصیب ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ مَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اِذَا ذَكَرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ يَكْ اِيْمَانِ دِلے حقیقت میں وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ اہل ایمان کی یہ پہلی صفت ہے کہ خدا کے ذکر سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے، وہ بڑی عظمت اور ہندگی والا ہے۔ اگر ہم سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تو وہ پکڑ لے گا۔ یہی ایمان کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے متعلق بھی فرمایا ہے "يَدْعُونَآ رَغْبًا وَرَهْبًا وَكَانُوا لَنَا خَشِيعِيْنَ (الانبیاء)" وہ ہمیں پکارتے ہیں اس رغبت اور امید کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انعام و اکرام حاصل ہو۔ اور ہم سے ڈرتے بھی ہیں کہ کہیں گرفت نہ ہو جائے۔ دراصل ایمان خوف اور امید کے درمیان ہی ہے۔ اگر کسی آدمی پر اس قدر خوف طاری ہو جائے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہی ہو جائے تو یہ کفر کی نشانی ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اس پر امید ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کا خوف ہی دل سے جاتا ہے یہ بھی نافرمانی اور کفر کی علامت ہے۔ لہذا انسان کے دل میں اس کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف دونوں چیزیں موجود ہونی چاہئیں بہر حال مومنوں کی پہلی صفت یہ فرمائی کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہماری کسی کوتاہی سے ناراض نہ ہو جائے۔ اہل ایمان کو یہ فکر

مومنین کی  
صفات  
۱) خوف خدا

ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے۔

۲۰ ایمان  
میں اضافہ

فرمایا اہل ایمان کی دوسری صفت یہ ہے وَإِذَا تَلَّيْتُمْ عَلَيْهِمْ  
آيَاتِ اللَّهِ جب اُن پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا  
تو اُن کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یعنی اُن کے ایمان میں قوت  
پیدا ہو جاتی ہے۔ ایمان میں زیادتی کے متعلق محدثین اور فقہائے کرام  
کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حالات  
کے مطابق ایمان میں کبھی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے  
فقہاء و محدثین فرماتے ہیں کہ ایمان تو تصدیق قلبی کا نام ہے جو شخص پورے  
یقین کے ساتھ اللہ کی وحدانیت، اُس کے انبیاء کی رسالت، اور قیامت  
پر ایمان لاتا ہے۔ اس میں کبھی بیشی نہیں ہوتی، البتہ حالات کے لحاظ سے  
ایمان کی کیفیت میں فرق ہو سکتا ہے۔ بعض آدمیوں کا ایمان قوی ہوتا ہے  
اور بعض کا ضعیف۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص تصدیق قلبی کے بعد پورے  
خوشی سے خدا تعالیٰ کی اطاعت بھی کرتا ہے تو اس کے ایمان کی کیفیت  
انبیاء کے ایمان کی سی اعلیٰ درجے کی ہوگی۔ برخلاف اُس کے جو شخص تصدیق  
تو کرتا ہے مگر معاصی میں بھی آلودہ ہوتا ہے، اُس کے ایمان کی حالت  
کامل الایمان لوگوں جیسی تو نہیں ہو سکتی۔ مطلب یہ کہ ایمان میں تصدیق کے  
اعتبار سے تو کبھی بیشی نہیں ہوتی کیونکہ نبی اور کامل الایمان آدمی بھی انہی چیزوں  
کی تصدیق کرتا ہے جن کی تصدیق ایک عام آدمی کرتا ہے۔ البتہ  
کیفیت کے اعتبار سے ایک نبی کا ایمان ایک عام آدمی کے ایمان سے  
بدرجہ بالاتر ہوتا ہے بلکہ ان میں آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے۔ لہذا کوئی  
شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انبیاء اور عام آدمیوں کا ایمان برابر ہوتا ہے  
بہر حال یہ مؤمنین کی دوسری صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ جب وہ آیات الہی  
سنتے ہیں تو اُن کے ایمان میں تازگی اور قوت پیدا ہو جاتی ہے جسے ایمان

میں زیادتی پر مجبور کیا گیا ہے۔

۳۔ توکل  
علی اللہ

فرمایا اہل ایمان کی تیسری صفت یہ ہے وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ  
وہ اپنے رب پر مکمل بھروسہ رکھتے ہیں۔ ان کا اعتماد اسباب کی بجائے  
اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے وہ جانتے ہیں کہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ  
وَكَيْلًا (الزلزلہ) اُس کے سوا کوئی معبود نہیں لہذا کار ساز بھی اسی کہ پکڑو  
کہ اس کے سوا کار ساز بھی کوئی نہیں۔ ایمان والے یہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی  
سبب مؤثر بالذات نہیں ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو۔  
اللہ چاہے تو کوئی کام نہ بنائے اور چاہے تو کوئی کام بگاڑ دے۔ اسی لیے  
اہل ایمان صرف خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ سراسیمہ دار کو اپنے  
سراسیمہ پر بھروسہ ہوتا ہے، ایک تونمند شخص کو قوت بازو پر بھروسہ ہوتا ہے  
ہر ماہ پرست اپنے مادہ پر توکل کرتا ہے مگر ایمان والے صرف اللہ تعالیٰ  
کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ قرآن پاک میں انبیاء کا یہ بیان موجود ہے  
وَمَا لَنَا إِلَّا نَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَمَمْنَا سَبْكُنَا  
(ابراہیم) اہم خدا تعالیٰ کی ذات پر کیوں نہ بھروسہ کریں حالانکہ اسی نے ہمیں  
سیدھا راستہ بھی دکھایا ہے۔ اور اس پر چلنے کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔  
تمام اسباب کا دیا کہنے والا اور تمام چیزوں پر کنٹرول کرنے والا وہی  
ہے، لہذا بھروسہ بھی اسی کی ذات پر ہونا چاہیے نہ کہ ان عارضی اور فانی  
اسباب پر۔ کامل الایمان لوگوں کی یہ تیسری صفت ہوگئی۔

۴۔ اقامت  
صلوٰۃ

فرمایا چوتھی صفت یہ ہے الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ  
کہ وہ لوگ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک اہم ترین کام ہے۔ موطا  
اہم مالک میں حضرت عمرؓ کا وہ سرکلمہ موجود ہے جو آپ نے تمام صلوٰہوں  
کے حکام کو بھیجا تھا اور جس میں لکھا تھا اِنَّ مِنْ اَهَمِّ اُمُورِكُمْ  
عِنْدِي الصَّلَاةُ یعنی میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے

اہم کام نماز ہے۔ اس پر خود بھی کاربند رہو اور دوسروں سے بھی پابندی کرو۔ مطلب یہ کہ نماز کوئی پرائیویٹ چیز نہیں ہے کہ جس نے چاہا اس کو ادا کر لیا اور جس نے نہ چاہا چھوڑ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ جس نے نماز کی حفاظت کی وہ دین کی باقی باتوں کا بھی محافظ ہوگا اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا وہ باقی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ثابت ہوگا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست رکھنے کے لیے نماز بہترین ذریعہ ہے جب کسی شخص کا تعلق باللہ درست ہوگا تو وہ مخلوق کے ساتھ تعلق کو بھی درست کرے گا۔ اور وہ حقوق العباد کا بھی پابند ہوگا۔ برخلاف اس کے جس کا تعلق باللہ ٹھیک نہیں ہے اُس کا معاملہ مخلوق کے ساتھ بھی درست نہیں ہوگا، لہذا اہل ایمان کے لیے نماز کی پابندی بڑی ضروری ہے۔ یہ اُن کی چوتھی صفت ہے کہ وہ نماز کو ضائع نہیں کرتے۔

نماز باجماعت کے متعلق امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جنگل میں اگر تین آدمی بھی موجود ہوں تو وہ نماز باجماعت ادا کریں ورنہ ان پر شیطان چھپا جائیگا۔ البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے لیے چالیس آدمیوں کا اکٹھا ہونا ضروری ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تین آدمی بھی کافی ہیں نماز اجتماعت کا ذریعہ ہے۔ اس میں وقت کی پابندی، طہارت، مساوات اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کا درس ملتا ہے اور سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار ہوتا ہے۔ نماز میں خدا تعالیٰ کے حضور راجعات ہوتی ہے۔ اس میں تلاوت قرآن بھی ضروری ہے جس کے ذریعے فلاح کا پروگرام میسر آتا ہے۔ لہذا کامل الایمان لوگوں کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور اُسے ضائع نہیں ہونے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی ہے وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ جو روزی ہم نے انہیں دی ہے۔ وہ اُس



میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اگر صاحب نصاب ہیں تو سب سے پہلے  
 زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو کہ فرض ہے۔ البتہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال کے حقوق  
 ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے إِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا  
سِوَى الزَّكَاةِ یعنی زکوٰۃ کے علاوہ مالی عبادات میں حج اور عمرہ بھی ہے  
 اس کے علاوہ قربانی اور صدقہ فطر واجبات میں سے ہیں۔ اگر کسی صاحب  
 مال آدمی کا کوئی عزیز رشتہ دار نادر ہو تو اس کی اعانت بھی واجب ہو جاتی ہے  
 امام خصافؒ نے کتاب النفقات میں لکھا ہے کہ حنفی قانون کی مطابقت  
 صاحب ثروت کے لیے اپنے نادر رشتہ دار کا خرچہ واجب ہوتا ہے  
اللہ تعالیٰ بعض کو بعض پر مالی لحاظ سے فضیلت عطا کرتا ہے تو یہ مال  
ان کے لیے آزمائش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ اس کے عطا کردہ  
مال میں سے غریب مساکین اور دیگر متحقین کا حق ادا کیا گیا ہے یا نہیں۔ اللہ  
نے فرمایا وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ  
السَّبِيلِ اگر اللہ نے مال دیا ہے تو قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں  
 کا حق ادا کرو وَلَا تُبْذِرْ تَبْذِيرًا (بنی اسرائیل) اور فضول خرچی نہ  
 کرو۔ اس کو کھیل تماشے میں صرف نہ کرو۔ رسومات باطلہ اور حرام کاموں  
 میں دولت خرچ کرنے کا حکم نہیں ہے ذَهَبَىٰ عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ  
 حضور علیہ السلام نے مال کے ضیاع سے منع فرمایا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام  
 معیشت میں یہی قباحت ہے کہ مال کمانے والا سمجھتا ہے کہ خرچ  
 کرنا بھی بلا شرکت غیر اسی کا حق ہے۔ لہذا وہ جس طرح خرچ کئے  
 حالانکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کھائی کے لیے حلال ذرائع کی شرط عائد کی  
 ہے اسی طرح خرچ کرنے کے لیے بھی جائز امور کا حکم دیا ہے حضرت  
 شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کو یہی کہا تھا أَصَلَحَتْكَ تَأْمُرُكَ  
أَنْ تَتْرَكَ مَا كُنْتَ أَبَاؤُنَا أَوْ آبَاؤُكَ تَفْعَلُونَ

أَمْوَالِنَا هَذَا خَشَقًا (مہر) کیا تمہاری نماز تمہیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی سے تصرف نہ کریں مگر اللہ نے فرمایا کہ کامل الایمان وہ لوگ ہیں جو ہمارے عطا کردہ مالوں میں سے ہماری مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں ان اخراجات کی مدت عرض کر دی گئی ہیں۔ یہ پانچویں صفت ہو گئی۔

حقیقی  
مومن

فرمایا جن لوگوں میں یہ پانچ صفات پائی جائیں گی اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ حَقًّا یہی سچے مومن ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب آیات الہیہ عطا ہوتی ہیں تو ان کے ایمان تازہ ہو جاتے ہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل رکھتے ہیں۔ محالہ تجارت ہو یا زراعت صلح ہو یا جنگ معیشت ہو یا معاشرت وہ لوگ کام انجام دے کہ نتیجہ ہمیشہ اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ لوگ نماز کو قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہی کامل الایمان لوگ ہیں۔ اور ان صفات کی حامل جماعت سے ہی اسلامی نظام قائم کرنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ وہی دنیا میں امن و امان قائم کر سکتے ہیں اور انہیں کی سرکردگی میں انصاف کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَنْتُمْ لَا عَٰلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (آل عمران) اگر تم سچے مومن ہو گے تو دنیا میں بالادستی تمہیں حاصل ہوگی اور جب تمہارے ایمان میں طرابی آجائی تعلق باللہ خراب ہو جائیگا تو دنیا میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گے۔ عیش پرست اور آرام طلب ہو جاؤ گے۔ حریص اور غلام بن جاؤ گے۔ نیکی رخصت ہو جائیگی اور خدا تعالیٰ کی لڑائی تمہارے شامل حال ہو جائے گی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے کامل الایمان لوگوں کے لیے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ایسے لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں۔ سورۃ احقاف میں ہے وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ہر آدمی کے لیے اس کے اعمال کے مطابق درجے ہوں گے۔ درجات میں تفاوت اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ ایمان جنت کے دروازے کی چابی ہے۔ ایمان ہوگا تو جنت کا دروازہ کھل جائے گا۔ مگر وہاں یہ درجات عمل کے اعتبار سے حاصل ہوں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے، جنت کے سو درجے ہیں اور ہر درجہ ایک دوسرے سے اتنا بلند ہے جتنا آسمان زمین سے۔ غرضیکہ اہل ایمان کے لیے اپنی اپنی حیثیت، خلوص اور کارگزاری کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات ہوں گے۔

فرمایا مومنین کے لیے دوسرا انعام وَفَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰی کی بخشش ہوگی۔ دنیا میں جو کوتاہی، لغزش یا غلطی ہوگی تھی اس کی معافی مل جائے گی یہ بھی بہت بڑا انعام ہے، اسی لیے اللہ نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کی زبان سے کہلایا کہ يَا اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ یہ ظلم کیا فَاَنْ لَّمْ تَكُنْ لَّكَ غُفْرَةٌ لِّمَا كُنْتَ تَكْمُلُ اگر تو ہماری غلطیوں کو معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ دنیا میں انسانوں سے بہت سی کوتاہیاں سرزد ہوں گی۔ مگر کامل الایمان لوگوں کو معافی مل جائیگی۔

فرمایا تیسرا انعام یہ ہے وَرِزْقٌ كَرِيمٌ اہل ایمان کو باعزت روزی نصیب ہوگی۔ رزق کرم آخرت میں تو یقیناً میسر ہوگا اور اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ یہ کتنا بڑا انعام ہوگا۔ مگر اس

مؤمنین کے لیے انعامات کا ذکر

۲۔ معصرت

۳۔ باعزت روزی

دنیا میں بھی اطاعت کے ساتھ رزق حلال نصیب ہو جائے، تو اس سے بندہ کوئی روزی نہیں۔ جو کچھ معصیت کے ساتھ ملتا ہے وہ باعزت رزق نہیں بلکہ ذلت کی روزی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ایمان کو اختیار کرے گا۔ حلال ذرائع معاش اختیار کرے گا اُسے حلال روزی نصیب ہوگی اور وہ صحیح معنوں میں اس کا حقدار ہوگا۔

یاں پر عزت کا لفظ بتلا رہا ہے کہ اگر می چونکہ عزت کی روزی نہیں ہے لہذا یہ الثابت کی تذیل ہے اَلْخُبْرُ بِالْكَرَاهَةِ یعنی عزت کی روزی ہر آدمی کو ملنی چاہیے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ بیشتر لوگ خود ذلیل روزی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ فلم انڈسٹری اور گانا بجانا وغیرہ عزت کی روزی نہیں بلکہ تعیش ہے۔ عزت کی روزی وہ ہے جس میں انسان کے لیے تسکین اور بہتری ہو۔ اس سے ضروری ہے کہ انسان اس دنیا میں حلال ذرائع سے روزی اختیار کرے تاکہ اُسے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی رزق کریم میسر آسکے۔ لفظ کریم میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ وہ کونا راستہ ہے جسے اختیار کر کے مسلمانوں کو باعزت روزی نصیب ہو سکتی ہے اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔ ہم تو انگریز، امریکی روس اور دہریوں کے نظام معیشت پر چل رہے ہیں۔ اللہ کا عطا کردہ وہ پروگرام ہماری سمجھ میں نہیں آتا جو رزق کریم کا ذریعہ بن سکے اس ایک لفظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی نظام معیشت کے علاوہ تمام نظام باطل ہیں، کسی میں حلال روزی نہیں ہے ہر صاحب ایمان اپنے ایمان کی رز سے محبت عزت ہے۔ مال و دولت عزت نہیں بلکہ نفاق ہے۔ لوگ بڑے آدمی کے شر سے بچنے کے لیے اُسے سلام کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقی عزت کے قابل وہ شخص ہے جسے ایمان کی دولت حاصل ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اُس کے کامل ایمان بندوں

کاتیسرا انعام یہ ہے کہ انیس باعزت روزی نصیب ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں بھی رزق حلال سے مستفید ہوتے ہیں اور آخرت میں تو بہت بڑے انعامات کے حقدار ہوں گے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ گداگری چونکہ عزت کی روزی نہیں ہے، اس لیے ہمارے دین میں یہ حرام ہے۔ یہ بھی چوری اور ڈاکے کی طرح مضر پیشہ ہے۔ مگر ہماری حکومت اس پر قابو پانے سے قاصر ہے۔ اندا گداگری کے آرڈینس تجویز ہوتے ہیں مگر نافذ العمل نہیں ہو پاتے۔ نظام زکوٰۃ کے نفاذ سے گداگری کے انداک کی امید پیدا ہوئی تھی مگر اس مذموم پیشے پر قابو نہیں پایا جاسکا۔ یورپ کے اکثر ممالک میں بیکاری الاؤنس ملتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہاں گداگری نہیں ہے۔ یہ کام تو مسلمانوں کا ورثہ تھا جسے دوسروں نے اپنا لیا ہے مگر ہم اس لعنت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے۔ اس کا ختمہ قرآنی پروگرام سے ہی ممکن ہے ورنہ دولت سے جان نہیں چھوٹ سکتی۔

گداگری  
حرام ہے

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا  
 مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَاذِبُونَ ⑤ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ  
 بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ  
 وَهُمْ يَنْظُرُونَ ⑥ وَإِذْ يَعِزُّكُمْ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ  
 أَنَّهُمَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ  
 لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَ  
 يَقْطَعَ دَائِرَ الْكُفْرَيْنِ ⑦ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ  
 وَلِتُكْذِرَ الْمُجْرِمُونَ ⑧

ترجمہ :- جس طرح کہ نکاحِ سچہ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر  
 سے حق کے ساتھ اور بیشک ایک گروہ ایمان والوں میں سے اسکو ناپسند  
 کرتا تھا ⑤ وہ جھگڑتے ہیں آپ کے ساتھ حق بات میں جس  
 کے کہ بات واضح ہو چکی ہے نہایت کہ وہ پہلے ثابت ہیں موت  
 کی طرف اور وہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں ⑥ اور  
 (اس وقت کو یاد کرو) جب وعدہ کیا تھا کہ اللہ نے دو گروہوں  
 میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے ہاتھ تلے ہو گا اور تم پسند کرتے  
 تھے کہ جو کانٹے والا نہ ہو وہ تمہیں مل جائے اور اللہ تعالیٰ  
 چاہتا ہے کہ ثابت کرے حق کو اپنے کلمات کے ساتھ اور کھٹ  
 لے جسے کافروں کی ⑦ تاکہ ثابت کرے حق کو اور باطل کو مٹے

باطل کو اگرچہ مجرم ناپسند کرتے ہیں (۸)

اس سورۃ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی جماعت کے نظم و ضبط کا قانون بیان فرمایا۔ پھر کامل الایمان لوگوں کی پانچ صفات کا ذکر کیا اور آخر میں اُن انعامات کا ذکر کیا جو اُن کو ملنے والے ہیں۔ یہ تین انعامات درجات کی بلندی گناہوں کی معافی اور باعزت روزی ہیں۔ آج کا درس بھی اسی آیت کے ساتھ مربوط ہے کہ یہ انعامات اسی طرح یقینی ہیں جس طرح اے پیغمبر! آپ کو آپ کے پروردگار نے دینے سے نکال کر فتح سے ہٹا کر کیا یعنی جنگ بدر میں کامیابی عطا فرمائی۔

”کما“  
بطور تشبیہ

آج کا درس لفظ کما سے شروع ہو رہا ہے جس کا معنی ”جس طرح“ ہے۔ مفسرین کرام نے اس کی بہت سی توجیہات کی ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر یہ لفظ تشبیہ کے طور پر آیا ہے۔ یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگ بدر کے لیے بے سرو سامانی کی حالت میں نکالا تھا پھر فتح سے ہٹا کر کیا جس طرح یہ بات برحق ہے، اسی طرح مال غنیمت کی تقسیم بھی اللہ کے حکم کے مطابق آپ کے ذمے حق ہے۔ پہلے درس میں بیان ہو چکا ہے کہ غزوہ بدر میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق بعض مسلمانوں میں اختلاف اُٹھ پیدا ہو گیا تھا۔ نوجوان مجاہد اس پر اپنا حق جانتے تھے اور عمر رسیدہ غازیوں اپنا حق فائق سمجھتے تھے اور پھر دونوں فریق اپنی اپنی مرضی کی تقسیم چاہتے تھے، پھر اللہ نے یہ فیصلہ نازل کیا کہ مال غنیمت پر کسی کا حق نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ کا حق ہے جس نے اسباب پیدا فرما کر تمہیں فتح دلائی اور مال دیا، اب اس مال کی تقسیم بھی اللہ ہی کا حق ہے جو اپنے نبی کی معرفت ملے حق کے ساتھ تقسیم کر دیگا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے جنگ بدر کے لیے روانگی کے وقت سے تشبیہ دی ہے کہ جب تمہیں مدینہ طیبہ سے اس مہم پر تھکے گھروں سے نکالا تو اُس وقت بھی اہل ایمان کے دو گروہ بن گئے تھے جن میں سے ایک گروہ بے سرو سامانی کی حالت میں جنگ کو ناپسند کرتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو اس بے سرو سامانی کی حالت میں ہی دشمن پر غالب کرنا ہے، چنانچہ اللہ نے اپنا وہ وعدہ پورا کر

دیا، مسلمانوں کو فتح عطا کی اور مالِ غنیمت بھی دلایا۔ اسی طرح اللہ نے فرمایا کہ مالِ غنیمت کے معاملہ میں اِمْلُصْ كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ جس طرح اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے، اس کے مطابق چل پڑیں اور تقسیم کر دیں۔ اس میں کسی فریق کی پسند یا ناپسند کا خیال نہ کریں۔ اس طرح گویا گھمڑے نکلنے کو مالِ غنیمت کے ساتھ تشبیہ ہو گئی۔

”کما بطور  
علت

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر کما بطور سبب یا علت کے آیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مالِ غنیمت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور حکم ہی جاری ہونا بہتر اور اُس کی حکمت کے مطابق ہے کیونکہ آپ کو گھمڑے نکالنا ہی مالِ غنیمت کے حصول کا ذریعہ بنا۔ جب عثمان مدینہ طیبہ سے نکلے تھے تو اس وقت تو جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے بلکہ بعد میں حالات کے تقاضے کے مطابق اہل ایمان کو کفار کے بالمقابل صفت اراد ہونا پڑا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا فرمائے۔ آپ کو میدانِ جنگ میں لاکھڑا کیا اور پھر مالِ غنیمت بھی دیا تو اب تقسیم بھی اُسی کے حکم کے مطابق کریں اور لوگوں کی ذاتی آرا دلی پروا نہ کریں کیونکہ تمہارا گھمڑوں سے نکالنا ہی تو مالِ غنیمت کا سبب بنا حالانکہ تم میں سے ایک گروہ لڑائی پر آمادہ ہی نہیں تھا۔

غزوہ بدر  
کا پس منظر

ارشاد ہوا ہے كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ جس طرح نکالا آپ کے پروردگار نے آپ کو آپ کے گھر سے حق کے ساتھ۔ یہاں پر مفسرین نے بہت سی باتیں بیان کی ہیں مگر واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کو گھمڑوں سے نکالنا، دشمنوں سے ٹکرانا اور پھر فتح دلانا اُس کی تدریجی و مرحلہ وار حکمت کے مطابق تھا۔ اس واقعہ کا پس منظر سب سے کہ مکی زندگی میں حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کفار کے باغیوں بڑی تکالیف اٹھاتے تھے چونکہ اس وقت ابھی مکہ



تنظیم نہیں تھی۔ اس لیے جہاد کا حکم بھی نہیں تھا اور اللہ کا حکم بھی تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔ پھر جب مدنی زندگی میں آکر مسلمانوں نے قوت جمع کر لی تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت دے دی۔ پھر صرف اپنا دفاع کرنے کا حکم ہوا بلکہ آگے بڑھ کر دشمن پر کاری ضرب لگانے کی بھی اجازت مل گئی۔ غزوہ بدر کا واقعہ ۱۲ رمضان المبارک ۲۲ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء میں پیش آیا۔ اس واقعے سے پہلے بھی کفار کے ساتھ چند ایک معمولی جھڑپیں ہو چکی تھیں جن میں سے امام بخاریؒ نے ذات الفحیرہ کے غزوہ کا ذکر بھی کیا ہے مگر سب سے پہلے بڑا معرکہ بدر میں ہی پیش آیا۔

اہل اسلام کی مدینہ میں ہجرت کے بعد بھی مشرکین مکہ کی اسلام دشمنی میں کمی نہ آئی تھی بلکہ وہ مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس سے پہلے جب کچھ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو اُس موقع پر بھی کفار نے اپنے آدمی شاہ حبشہ کے پاس بھیج کر اُسے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی، سختے تحائف بھی بھیجے مگر ان کی دال نہ گلی۔ اسی طرح وہ اہل مدینہ کو بھی ہر سال کرتے رہتے تھے کہ تم نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے لہذا ہم مسلمانوں کے ساتھ تمہیں بھی نیست و نابود کر دیں گے۔ کفار مکہ نے یہودیوں کے ساتھ مل کر بھی مسلمانوں کے خلاف کئی ایک سازشیں کیں۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ بہر حال مشرکین اہل اسلام کو مدینہ میں سکون و چین کی زندگی نہیں بسر کرنے دیتے تھے بلکہ ہر وقت ڈرلاتے دھمکاتے رہتے تھے۔

ان حالات میں مسلمان بھی اپنے دفاع اور کفار پر ضرب لگانے کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ مکہ کے تاجر پیشہ لوگوں کا معمول تھا کہ وہ ہمدردی کے موسم میں مین جیسے گرم علاقے کی طرف تجارت کے

مشرکین کا  
تجارتی قافلہ

لیے جاتے تھے اور گریہوں میں شام و فلسطین جیسے سرعلاقوں کا مفر  
 اختیار کرتے تھے۔ اس دوران مشرکین مکہ نے پچاس ہزار دینار کے  
 تجارتی سامان کے ساتھ اپنا ایک قافلہ شام کی طرف روانہ کیا۔ یہ قافلہ  
 ڈیڑھ سو اونٹوں پر مشتمل تھا جس کی نگرانی کے لیے ابوسفیان اور عمرو ابن  
 العاص کی نگرانی میں چالیس آدمی ہمراہ تھے۔ قافلہ روانہ کرتے وقت  
 مشرکین نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس قافلے کا سارا منافع مسلمانوں کے  
 خلاف تیاری پر خرچ کیا جائے گا۔ جب یہ قافلہ شام سے واپس مکہ  
 کی طرف آ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کی خبر لے لی **وَاللَّهُ عَلِيمُ الْغُيُوبِ**  
 والسلام کو دے دی۔ آنے والے مدینہ کے مسلمانوں کو جمع کیا اور اس خبر  
 سے باخبر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس قافلے کا سارا منافع تمہارے خلاف  
 استعمال ہونے والا ہے، لہذا یہ طے پایا کہ اس قافلے کا تعاقب کیا  
 جائے اور پیشتر اس کے کریمہ مکہ پہنچ کر ہمارے خلاف استعمال ہو،  
 اسے راستے ہی میں پکڑ لیا جائے۔ چونکہ اس موقع پر کفار کے ساتھ کسی  
 جنگ کا پروگرام نہیں تھا لہذا مسلمان سامان حرب کے بغیر ہی قافلے  
 کے تعاقب میں نکل اٹھے ہوئے، اس مہم میں سب کا شریک ہونا  
 بھی ضروری نہیں تھا لہذا جتنے آدمی بھی جا سکے روانہ ہو گئے، اس کے  
 لیے زور نہ دیا گیا۔

اُدھر قافلے والے بھی چونکے تھے۔ انہوں نے بھی جاسوس چھوڑ رکھے  
 تھے۔ ان کو اطلاع مل گئی کہ مسلمان ان کے قافلہ پہ حملہ آور ہونے والے ہیں  
 چنانچہ ابوسفیان نے ایک تیز رفتار اونٹنی سوار مدد کے لیے مگے بھیجا۔ اُس نے  
 عربوں کے دستور کے مطابق اونٹنی کے ناک کان کاٹ دیے، کجاوہ الٹا  
 رکھ دیا اور اپنے کپڑے آگے پیچھے سے بھاڑ دیے وہ لوگ سخت خطرے  
 کے وقت ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان کا قصد جب اس حال

میں مکہ پہنچا تو وہاں ہلچل مچ گئی ابوہبل نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر  
اعلان کیا کہ مسلمان تمہارے تجارتی قافلے کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔  
لہذا اس کی مدد کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس طرح مسلمانوں سے مقابلے  
اور قافلے کی مدد کے لیے مکہ میں زور و شور سے تیاری شروع ہو گئی

عائکہ کا  
خواب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار پھوپھیاں تھیں۔ ان میں سے حضرت  
صفیہؓ تو بالیقین ایمان لے آئیں مگر دو کفر کی حالت میں ہی رہیں۔ عاتکہ کے  
کے متعلق دونوں قسم کی روایات ہیں مگر زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ بھی ایمان  
لے آئی تھیں۔ جن دنوں مکہ میں مسلمانوں کے خلاف غم و غصہ کی آگ بھڑک  
رہی تھی، عائکہ نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اتر رہا ہے۔

اُس نے پہاڑ سے ایک پتھر لے کر اس طریقے سے مارا ہے کہ وہ  
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مجھے کے ہر گھر میں ایک ایک ٹکڑا گر رہا ہے اس  
نے یہ خواب اپنے بھائی عباسؓ کے سامنے بیان کیا جنہوں نے آگے  
دوسروں کو بتایا تو اس خواب کا عام حیرانہ ہو گیا۔ اس پر ابوہبل کو بڑا غصہ آیا  
کہنے لگا پٹے اس خاندان کے مرد و نساء کا دعویٰ کرتے تھے اب  
عورتیں بھی مدعی بن رہی ہیں۔ یہ سب فضول ہے، کسی دہم میں مبتلا نہ ہو  
مسلمانوں کے خلاف نکل کھڑے ہو۔ اس طرح اُس نے اپنے آدمیوں  
کو زبردستی ساتھ ملا لیا۔

اسلامی لشکر  
کی روانگی

ادھر اللہ کا نبی ۲۱۳ یا ۲۱۹ کی جمعیت کے ساتھ تجارتی قافلے کے  
تعاقب میں نکلا۔ جب ولوی ذفران میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے  
ذریعے حضور علیہ السلام کو حالات سے باخبر کر دیا۔ قافلے والوں کو مسلمانوں  
کی تیاری کی خبر پہنچ چکی تھی، انہوں نے معروف راستہ چھوڑ کر ساحل مندر  
کا راستہ اختیار کر لیا۔ جو کہ اگرچہ قدسے راز تھا مگر نسبتاً محفوظ تھا۔ ادھر  
ابوہبل بھی مشرکین مکہ کے لشکر کے ساتھ نکلا۔ اُس کا مقصد تو تجارتی قافلے

کی حفاظت تھا مگر جب وہ بدر کے مقام پر پہنچے تو مسلمانوں کی جماعت  
 وادی ذفران میں پہنچ چکی تھی۔ جب مسلمانوں کو خبر ملی کہ قافلہ ساحل سمندر کی  
 طرف ہو گیا ہے اور ابو جہل مکے سے مکہ کے کمر چل نکلا تو حضور علیہ السلام  
 نے اس مقام پر صحابہ کرامؓ سے آئندہ پروگرام کے لیے مشورہ فرمایا اور ساتھ  
 ہی اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دے دی کہ دو باتوں میں  
 سے ایک ضرور تمہیں حاصل ہوگی۔ یا تو قافلہ تمہارے ہاتھ آئے گا یا تمہیں  
 میدان جنگ میں فتح حاصل ہوگی۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور  
 حضرت عمرؓ تو حضور علیہ السلام کے ہر حکم پر لبیک کہنے کو تیار تھے مگر  
 انصار صحابہؓ کی رائے کچھ مختلف تھی۔ وہ جنگ کے ارادے سے تو نکلے  
 نہیں تھے، آدمی بھی تھوڑے تھے اور اسلحہ بھی ہمراہ نہ تھا، لہذا ان کی رائے  
 یہ تھی جنگ کا خطرہ مول نہ لیا جائے۔ اور اس کی بجائے تجارتی قافلے پر  
 غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ اس کی حفاظت کے لیے  
 چالیس آدمی تھے جنہیں آسانی کے ساتھ مغلوب کیا جاسکتا ہے۔

مشورہ اور  
 حتمی فیصلہ

بہر حال جب حضور علیہ السلام نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا تو  
 بعض نے تصدیق کی اور بعض خاموش رہے۔ آپ بار بار فرماتے تھے  
 کہ اس معاملہ میں مشورہ دو۔ اسی موقع پر حضرت مقداد بن عمروؓ جو مہاجرین  
 میں سے تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا، حضور! آپ جس طرح حکم  
 دیں گے، ہم کمر گنہریں گے۔ آپ کے ایک اشارے پر ہم شخی اور  
 سمندر میں ہر جگہ جانے کو تیار ہیں اور ہر مشکل سے مشکل مقام میں گھس جائیں گے  
 ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے  
 "فَاَذْهَبَ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُنَا قَعِدُوْنَ"  
 (المائدہ) یعنی تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ ہم تو اپنی  
 جان پر کھیل جائیں گے۔ آپ نے اس پیشکش کی ستائش فرمائی۔

اس کے بعد پھر فرمایا، لوگو! مشورہ دو۔ آپ کا روئے سخن انصارِ مدینہ کی طرف تھا، اس پر حضرت سعد بن معاذ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے تقاریر کیں اور عرض کیا، حضور! ہم آپ کے ہر حکم پر تسلیم خم کریں گے۔ آپ کے اشارے پر ہم عدنِ ابنِ تکب جانے کو تیار ہیں جو کہ مکہ سے بہت دُور ہے۔ حضور علیہ السلام انصارِ مدینہ کی طرف سے بھی مطمئن ہو گئے اور اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ اور فرمایا سَيُؤْتِي عَلَىٰ بَنِي كَلْبَةَ اللَّهِ چلو اللہ کی برکت یعنی بدر کی طرف چلو جہاں ابوجہل اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔ اسی سورۃ میں ساری تفصیلات آرہی ہیں کہ مشرکین نے بدر کے مقام پر پہنچ کر اچھی جگہ پر پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا، تاہم بڑے گھمان کا معرکہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نصرت عطا کی، پوری دنیا میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور اس طرح اہل ایمان کا غلبہ شروع ہو گیا۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ اُس کی تدبیر اور مشیت میں کافروں کو مغلوب کرتا تھا حالانکہ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ اُنکے ہونے اہل ایمان میں سے ایک گروہ اس کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ بے سرو سامانی کی حالت میں جنگ کیسے کر سکیں گے۔ بعض کہتے تھے کہ جنگ کی بجائے قافلے کا تعاقب کرنا چاہیے۔ يُجَادِلُوْذَکَ فِی الْحَقِّ وہ حق بات میں آپ سے جھگڑا کرتے ہیں بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ اس کے بعد کہ بات واضح ہو چکی ہے۔ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ گویا کہ وہ چلائے جا رہے ہیں موت کی طرف، وَهُمْ يَنْظُرُونَ اور وہ دیکھ رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اُن پر یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ دونوں میں سے ایک فائدہ ضرور تم کو حاصل ہوگا۔ یا تو قافلہ ہاتھ آئے گا یا جنگ میں فتح ہوگی

اس کے باوجود انہیں میدان جنگ کی طرف جاتے ہوئے موت نظر  
آ رہی تھی۔

فرمایا وَإِذْ يَدْعُوكُمُ اللَّهُ إِلَى دِينِ اللَّهِ قُلْ بَارِكُوا فِي مَا هِيَ وَلَا تَتَذَكَّرُ إِلَّا عِنْدَ اللَّهِ اِس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے  
تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ اِجْعَلُوا فِيهَا لَكُمْ  
کہ دو گروہوں میں سے ایک ضرور تمہارا ہے۔ یعنی تجارتی مال بے گایا  
فتح چاہل ہوگی۔ فرمایا اِس کے باوجود وَلَوْ دُونََ أَنْ عَنِ ذَاتِ  
الشُّوْكَتِ تَكُونُ لَكُمْ تم پرندہ کرتے تھے کہ ایسی چیز چاہل  
ہو جس میں کائنات نہ گئے۔ یعنی تمہیں قافلے کا مال مل جائے اور جنگ کی  
مشقت نہ برداشت کرنی پڑے وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَيِّقَ الْحَقَّ  
بِكَلِمَتِهِ اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات یعنی ارشادات کے  
ساتھ حق کو ثابت کرے وَيَقْطَعُ ذَابِرَ الْكَافِرِينَ اور کافروں کی  
جڑ کاٹ کے رکھ دے۔

اللہ کا  
وعدہ

یہ اس لیے لِيُخَيِّقَ الْحَقَّ وَيُطْبِلَ الْبَاطِلَ اکثر ثابت  
کر دے حق کو یعنی ایمان اور توحید کا غلبہ ہو جائے اور کفر اور شرک کا باطل  
عقیدہ مغلوب ہو جائے اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل و خوار کر دے۔ وَلَوْ كُنْهَ  
الْمُجْرِمُونَ اگرچہ یہ بات مجرموں اور گنہگاروں کو ناگوار ہی گزرتے۔ مگر  
اللہ کی مشیت میں ہی ہے کہ کفر و شرک کا قلع قمع ہو اور اسلام کا بل بال  
اس کے بعد ہر میں پیش آنے والے جبرہ جبرہ واقعات کا ذکر اور فتح اسلام  
کا بیان آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ اصول بھی بیان کر دیے ہیں جو جنگ کی  
صورت میں قابلِ عمل ہوتے ہیں۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے جس طریقے سے  
سے اہل ایمان کی مدد فرمائی، اُس کا ذکر بھی آئے گا۔

حق و باطل  
کا فیصلہ

اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اِنِّي مُّمِدُّكُمْ  
 بِالْفِ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرَدِّينَ ۙ ۙ وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ اِلَّا  
 بُشْرٰی وَلِتَطْمَِٔنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ  
 اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ۙ ۙ اِذْ يُغَشِّيكُمُ النَّعَاسَ اَمَنَةً  
 مِنْهُ وَيُنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمُ  
 بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰی  
 قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۙ ۙ اِذْ يُوحٰی رَبُّكَ اِلٰی  
 الْمَلٰٓئِكَةِ اَنۡیۡ مَعَكُمْ فَثَبَّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَالِقِیۡ  
 فِیۡ قُلُوبِ الَّذِیۡنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوۡا فَوْقَ  
 الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوۡا مِنْهُمْ كُلَّ بَنٰنٍ ۙ ۙ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ  
 شَاقُّوۡا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ  
 اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۙ ۙ ذٰلِكُمْ فَذُوقُوْهُ وَاَنَّ  
 لِلْكَافِرِیۡنَ عَذَابَ النَّارِ ۙ ۙ

ترجمہ: جب کہ تم فریاد کرتے تھے اپنے پروردگار سے

پس وہ پہنچا تھا تمہاری فریاد کو (اُس نے فرمایا) بے شک میں

تمہیں مدد بھیجوں گا ایک ہزار فرشتوں کی لگا تار (آگے پیچھے) آنے

والے ۙ ۙ اور نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے اس (نزول ملائکہ) کو مگر خوشخبری

اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں اس کے ساتھ۔ اور نہیں مرد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے (۱۰) اس وقت کو یاد کرو جب کہ وہ ڈالنا تھا تمہارے اوپر اُونگھ امن دلانے کے لیے اپنی طرف سے، اور اتارنا تھا، تمہارے اوپر آسمان کی طرف سے پانی تاکہ پاک کر دے تم کو اس کے ساتھ اور دُور کر دے تم سے دوسرے شیطان کا اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور ثابت کر دے تمہارے قدموں کو (۱۱) اس بات کو دھیان میں لاؤ جب حکم بھیجا تھا تیرے پروردگار نے فرشتوں کو کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، پس ثابت رکھو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے۔ میں اُن لوگوں کو کفر کرنے والوں کے دلوں میں رعب، پس مارو (اُن کی) گردنوں پر اور مارو ان میں سے ہر پروردگار پر (۱۲) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی۔ اور جو شخص مخالفت کرے گا، اللہ اور اس کے رسول کی تو بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے (۱۳) یہ بات تم نے دیکھ لی، پس چکھو اس کو، اور بیشک کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۴)

اس سورۃ کی ابتدائی آیت میں جماعتی نظم و ضبط کے قانون کا ذکر کیا گیا تھا۔ پھر کامل الایمان لوگوں کی پانچ صفات بیان ہوئیں۔ فرمایا مالِ غنیمت کے ضمن میں لوگوں کا جھگڑنا اور حق جتاننا مناسب نہ کہ نہ کو یہ مال تو اللہ تعالیٰ کا ہے، اُسی نے اپنی رحمت و مہربانی سے مسلمانوں کو فتح دلانی، لہذا اللہ تعالیٰ جو حکم دیا اللہ کا رسول اُس کے مطابق مالِ غنیمت میں تصرف کرے گا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ منبرِ مالِ بالکل ایسا ہی ہے جیسا اللہ نے آپ کو گھر سے نکالا حالانکہ اہل ایمان کا ایک گروہ

ربطیات



لڑائی کو ناپسند کرتا تھا مگر اللہ کی مصلحت میں اس موقع پر کفار کی شکست و  
رجحنت اور مسلمانوں کو غالب بنانا تھا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ  
نے بعض واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں اس نے اہل ایمان کی مدد فرمائی  
اُن کے لیے سازگار اسباب پیدا فرمائے اور پھر انہیں غلبہ حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ  
سے فریاد

ارشاد ہوتا ہے اِذَا تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ اِسْأَلُوهُ  
سائے رکھو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تم میدانِ بد  
میں بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ نہ کوئی اسلحہ تھا نہ ساز و سامان اور  
نہ افرادی قوت سب سے کمزور تھے کہ تمہاری حالت ایسی تھی ،  
وَلَقَدْ نَصَّيْكُمْ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَاَنْتُمْ عَرَضْتُمْ اَنْ تَلُوْا اَذَلَّكَ اللّٰهُ تَعَالٰی نے  
بدر کے مقام پر تمہاری مدد کی حالانکہ تم بہت ہی کمزور تھے۔ اُس وقت  
حضور علیہ السلام اپنے صحابہ سے فرما رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ  
بات کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد  
کرے گا۔ نیز آپ نے یہ بھی تسلی دی کہ اگر تم نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا  
تو فوری ضرورت پر اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے بھیج دیگا۔ تو یہاں پر بھی  
اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ میدانِ بدر میں صحابہؓ نے  
حضور علیہ السلام کے لیے جو چھپر بنادیا تھا آپ اس میں ساری رات نہائیں  
مانگتے رہے، اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہے کہ اے پروردگار! تو نے  
جو مدد کا وعدہ فرمایا ہے اُسے پورا فرما۔ آپ نے یہاں تک اللہ کے  
حضور عرض کیا اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةُ لَنْ تَقْبَلَ  
فِي الْاَرْضِ اِلَّا اللّٰهُ اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا  
تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔

نزل  
ہوگا

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے  
اس دعا کے جواب میں فرمایا فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی

نے تمہاری فریاد کو شرف قبولیت بخشا اِنْ مَّعَكُمْ فَالِقَ مِّنَ  
 الْمَلِئِكَةِ مُرْسِدٍ مِّنْ تَمِيزِ اِمَامِ مَجِیْدُوں گا۔ ایک ہزار فرشتوں کی  
 جو لگا کر آنے والے ہوں۔ نزول ملائکہ کی غرض غایت بیان کرتے ہوئے  
 فرمایا وَمَا جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ بَشَرٍ مِّنْهُنَّ سِوَا اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
 کو مگر خوشخبری یعنی اہل ایمان کے لیے فرشتوں کا نزول اُن کی فتح کی  
 خوشخبری تھی اور اس سے یہ بھی مقصود تھا وَلَتَطْمَئِنُّ بِهَا قُلُوْبُكُمْ  
 کہ اس کے ذریعے تمہارے (مسلمانوں کے) دلوں کو اطمینان حاصل ہو  
 فرشتوں کا براہ راست جنگ میں حصہ لینا مقصود نہیں تھا۔ کیونکہ اللہ  
 نے ان کو اتنی طاقت عطا فرمائی ہے کہ سارے کافروں کے لیے ایک  
 ہی فرشتہ کافی تھا۔ لڑائی کرنا تو مکلف انسانوں کا کام ہے۔ نزول ملائکہ  
 تو صرف مسلمانوں کے اطمینان قلب کے لیے تھا۔ اللہ نے فرمایا  
 وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور نہیں سے مدد گم صرف  
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ  
 اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔ وہ اپنی حکمت کے  
 مطابق جس طرح چاہتا ہے اُس کے مطابق اسباب مہیا کرتا ہے  
 چنانچہ اُس نے حرب وعدہ فرشتوں کو بھیجا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا فرشتوں  
 کا کام اہل ایمان کے دلوں کو مطمئن کرنا تھا۔ تاہم اسی ضمن میں اکاد کا  
 ایسے مواقع بھی پیش آئے جب فرشتوں نے کافروں پر ضرب بھی  
 مقصد مسلمانوں کو یقین دلانا تھا کہ اُن کی مدد کے لیے فرشتے موجود ہیں  
 چنانچہ اُن کے حوصلے بلند ہو گئے، وہ کفار پر ٹوٹ پڑے اور آخر  
 اللہ تعالیٰ نے فتح سے ہمکنار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد کے لیے ایک تو فرشتوں کو  
 نازل کیا دوسری امداد اس طرح فرمائی اِذَا يَشِئُكُمْ النَّاسُ

اور لوگوں کے  
 ذریعے  
 سکون

اَمَّا فَصَلَ اس وقت کو بھی دھیان میں لاؤ جب اللہ تعالیٰ تم پر آنکھ ڈالتا تھا اپنی طرف سے اسن دلانے کے لیے۔ حضرت علیؑ کا قول ہے کہ جس دن جنگ بدر برپا ہوئی اس رات کوئی صحابی ایسا نہ تھا جو سویا نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے سب پر نیند ڈال دی اور وہ خوب سوئے۔ صرف حضور علیہ السلام ساری رات بیدار رہ کر نماز پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مناجات اور دعائیں کرتے رہے۔ تمام صحابہؓ پر نیند طاری کر دینا اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور مسلمانوں کی فتح کی نشانی تھا۔ جنگ کے دوران نیند کا آنا مبارک ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر نماز کے دوران نیند آئے تو یہ منحوس ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں شیطان وسوسہ ڈالتا ہے حضرت مولانا شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔ دوران درس اگر کسی لائق پر نیند کا غلبہ ہوتا تو فرماتے یہ شیطان کا کام ہے۔ اٹھو اور وضو کر کے آؤ۔ البتہ جنگ کے دوران نیند آجائے تو ان کی دہشت دور ہو جاتی ہے اور آدمی پھر سے تازہ دم ہو جاتا ہے جی فلسفہ بھی یہی ہے۔ چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ مہربانی فرمائی کہ مسلمانوں پر نیند یا اونٹھ ڈال دی جس سے وہ تازہ دم ہو کر بہتر طور پر جنگ کے قابل ہو گئے۔

بارانِ رحمت  
کا نزول

اللہ تعالیٰ کا تیسرا انعام یہ ہوا وَیَنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً اللہ تعالیٰ نے تم پر آسمان سے پانی نازل کر دیا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے میدان بدر میں پہنچنے سے پہلے کفارِ نیشی اور پانی والے علاقے پر قبضہ کر چکے تھے اور مسلمانوں کے حصے میں ریتلا علاقہ آیا تھا جہاں پاؤں دھنستے تھے اور سوار می ٹھیک طور پر نہیں چل سکتی تھی۔ اسی دوران بعض مجاہدین کو غسل کی ضرورت پڑ گئی مگر پانی نہیں تھا اور ساتھ شیطان نے وسوسے بھی ڈالنے شروع کر دیے مگر اللہ تعالیٰ

کی مہربانی سے بارانِ رحمت کا نزول ہو گیا جسکی وجہ سے مسلمانوں نے غل کیا اور استعمال کے لیے پانی جمع بھی کر لیا۔ جانوروں کو پلایا اور شکرے بھر لیے۔ اس کے علاوہ بارش کی وجہ سے ریت جم کر سخت ہو گئی۔ اور سوار یوں کو چلنے میں دقت نہ رہی۔ ریت کا حصہ سخت ہو گیا جسکی وجہ سے مجاہدین کے پاؤں بھی جمنے لگے۔ اُدھر کافروں کے پاس نیشی علاقہ تھا، وہاں دلدل ہو گئی اور اُن کے لیے نقل و حرکت میں مشکلات پیدا ہونے لگیں۔ گویا بارش برسا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے آسانی اور کفار کے لیے مشکل پیدا فرمادی۔

فرمایا اللہ نے تم پر آسمان سے پانی نازل فرمایا لِيُطَهِّرَ كُمْ بِهِ تاکہ تمہیں اس کے ذریعے پاک کر دے۔ تم نے وضو اور غسل کیا، طہارت حاصل کر لی۔ نیز اس سے یہ بھی مقصود تھا وَيَذْهَبَ عَنْكُمْ رَجِزُ الشَّيْطَانِ تاکہ اس کے ذریعے تم سے شیطان کے دوسرے کو دور کر دے بارش کے نزول سے پہلے شیطان دلوں میں دوسرہ اندازی کر رہا تھا کہ دیکھو تم اپنے آپ کو حق پرست کہتے ہو مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ نہ تو تمہارے پاس اچھی جگہ ہے جس پر قدم جم سکے اور نہ تمہارے پاس پانی ہے جس سے تم اپنی ضروریات پوری کر سکو۔ چنانچہ جب بارش ہو گئی تو اس قسم کے شیطانی دوسرے دور ہو گئے اور مسلمانوں کے دل مطمئن ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا کہ بارش کا نزول شیطان کے دساوس کو دور کرنے کے لیے بھی تھا اور اس لیے بھی وَلِيَرَبِّطَ عَلٰی قُلُوبِكُمْ اِنَّہُ تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے۔ وَيَكْنُتَ بِہِ الْاَلْفُ دَامَ اور تاکہ تمہارے قدموں کو مضبوط کر دے؛ ظاہری طور پر تو قدم اس لیے جم گئے کہ ریت جم گئی اور باطنی طور پر فرشتوں کو نازل فرما کہ مسلمانوں کے دلوں کو مطمئن کر دیا۔ قدم جمانے کے یہ دونوں مطلب ہیں۔

فرشتوں کی  
کارگزاری

اس کے بعد اللہ نے نزول ملائکہ کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔  
اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنْتُمْ مَعَكُمْ اِسْ وَقْتُ كَوْعِي يَاد  
 کرو جب تمہارے یہ ورد و گار نے فرشتوں کو وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں  
فَدَبَّتْ سَوَاقِ الدِّينِ اَمْسُوْا اَيْسَ قَمِ اِيْمَانِ دَالُوْا كُوْثَاثَتِ قَدَمِ رَحْمُوْا اَنْ  
 کو تسکین دلاؤ، اُن کے دلوں میں ایسے خیالات ڈالو جس سے وہ مطمئن  
ہو جائیں۔ اور میں یہ کہوں گا سَأَلْتَنِيْ فِىْ قُلُوْبِ الدِّينِ كَهْوَا  
الرَّعْبِ كَافِرُوْا كَے دلوں میں رعب ڈال دوں گا اور وہ مسلمانوں سے  
خوفزدہ ہو جائیں گے۔ پھر تم یہ کام کرو وَاصْبِرُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ  
تَمَّ اَنْ لِّىْ كَمَدَنُوْا پَر مارو وَاصْبِرُوْا مِنْهُمْ كَمَلْ بَنَانِ  
 اور اُن کے ہر ہر پور پر ضرب لگاؤ۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کافروں کی گمراہیوں اور اُن کے  
 پور پر پرمار نے کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیا یا مجاہدین کو۔ جیسا کہ  
 پہلے عرض کیا جا چکا ہے، لڑائی کمزافرتوں کا کام نہیں تھا یہ تو مادی اسباب  
 میں مجاہدین کو ہی انجام دینا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں  
 اسباب دیا کہ جیسے تو انہوں نے یہ کام بخوبی انجام بھی دیا، تاہم اللہ تعالیٰ  
 نے فرشتوں کی طرف سے ضرب لگانے کے اکادکا واقعات بھی  
 صحابہ کو دکھائیے۔ اس طرح کافروں کے دلوں میں رعب بھی طاری  
 ہو گیا اور مسلمانوں کو فرشتوں کی تائید بھی حاصل ہو گئی اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے  
 فتح سے بہنار کیا۔

مخالفین کے  
لیے سزا

فَرٰ اٰذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقِقُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يٰۤاِسْ يٰۤاِسْ  
 ہوا کہ کافروں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی وَمَنْ  
يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْ يَّجْرِبِ اللّٰهَ اَوْ اسَ كَے رسول کی مخالفت  
 کرتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ سَدِيْدُ الْعِقَابِ تو اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے

تیرہ سالہ کی زندگی میں اہل ایمان نے کفار کے ہاتھوں سخت تکالیف و ہزشت  
کیں مگر جب ہجرت کمرہ کے مسلمان مدینہ منجہ گئے، کفار کی ایذا رسانیوں  
سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ اور انہوں نے اپنی ریاست قائم کر لی تو ڈیڑھ سال  
سے قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس قدر حوصلہ افزائی فرمائی کہ  
کنارہ مکہ کو شکست فاش دیدی۔ ابھی کچھ دن پہلے ابو جہل نے کعبہ شریف  
کی چھت پر کھڑے ہو کر اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے نام پر لوگوں  
کو نکالا تھا۔ وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے تھے  
وافر ساز و سامان تھا۔ شراب کے ٹمکے اور ناچنے گانے والی عورتیں حوصلہ  
افزائی کے لیے ہمراہ تھیں مگر اللہ نے شکست فاش سے دو چار کیا۔  
کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی سخت مخالفت کی تھی، اہل  
ایمان کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کے ہجرت کر جانے  
کے بعد بھی ان کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔ تو فرمایا کفار کے  
اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ کی سزا بھی بڑی سخت آئی۔ ستر کفار مارے  
گئے اور ستر قیدی بنالیے گئے۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی اور آخرت کی دائمی سزا  
اس کے علاوہ ہے۔

اللہ نے فرمایا ذَلِكُمْ فَذُوقُوْهُ یہ سزا تم نے دیکھ لی ہے  
اس کا سزا چکھو حضور علیہ السلام نے بھی قلیب بدر پر کھڑے ہو کر واصل  
بہنم ہونے والے کافروں سے خطاب فرمایا تھا۔ آپ نے نام لے کر کہا تھا  
اے فلاں! اے فلاں! اللہ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، وہ تو پورا ہو گیا۔  
اب تم بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے ساتھ تمہیں ذلیل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا  
اس کو تم نے سچا پایا یا نہیں؟ اسی لیے فرمایا کہ اس عذاب کا سزا چکھو۔  
وَ اَنَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ اور بیشک کافروں کے لیے جہنم کی  
سزا بھی باقی ہے جس کا خاتمہ کفر پر ہو گا وہ اس دائمی سزا میں بھی ضرور

مبتلا ہوگا۔ دنیا میں ستر کے طور پر ساز و سامان گیا، آدمی مارے گئے، ذلیل و  
 خوار ہوئے، کفر کا زور ٹوٹ گیا اور وہ مرعوب ہو گئے۔ اس کے برخلاف  
 اللہ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی، وہ بے سرو سامانی کی حالت میں تھے، خدا کی  
 رحمت کے سوا کوئی سہارا نہ تھا مگر اللہ نے انہیں فتح مبین عطا کی جس  
 سے مسلمانوں کا رعب ساری دنیا میں طاری ہو گیا۔

---

قال الملا ۹

الانفال ۸

درس پنجم ۵

آیت ۱۵ تا ۱۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا  
فَلَا تُؤَلُّوهُمْ الْاَدْبَارَ ⑮ وَمَنْ يُؤَلَّهُمْ يَوْمِذٍ دُبْرُهُ  
الْأَمْتَحَرَفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ  
بَاءَ بِنَضِيبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا لَهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ⑯  
فَلَمْ تَقْلُوبُهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَاتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ  
إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ  
بَلَاءٌ حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ⑰  
اللَّهُ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ⑱ إِنَّ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ  
الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا فهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا  
تَعْدَةً وَلَنْ تَغْنِيَ عَنْكُمْ فَعَتِكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۚ  
وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ⑲

۱۶

ترجمہ :- اے ایمان والو! جب تمہاری فوج ہو ان لوگوں

سے جنہوں نے کفر کیا لڑائی میں، پس نہ پھيرو ان کی طرف پشتیں ⑮

اور جو پھیرے گا اس دین اپنی پشت سوائے اُس کے کہ وہ پھیرا

بدلتا ہے لڑائی کے لیے یا ٹھکانا پکڑتا ہے ایک گردہ کی طرف

پس بیشک وہ لڑا اللہ کا غضب لے کر، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے

وہ بہت بُری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی ⑰ (حقیقت یہ ہے کہ)



تم نے نہیں قتل کیا ان کافروں کو بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا ہے اور  
 (اے پیغمبر!) آپ نے نہیں مٹھی بھر سنگینے مارے ان پر جب  
 کہ آپ نے پھینکے تھے لیکن اللہ نے اُن کو پھینکا ہے۔ اور تاکہ  
 وہ (اللہ تعالیٰ) آزمائے ایمان والوں کو اپنی طرف سے اچھی طرح  
 آزمانا۔ بیشک اللہ تعالیٰ (ہر آواز کو) سُنا ہے (اور ہر چیز کو) جاننے  
 والا ہے ﴿۱۷﴾ یہ بات تو ہو چکی، اور بیشک اللہ تعالیٰ کمزور کرنے  
 والا ہے کافروں کی تدبیر کو ﴿۱۸﴾ (اے کفر کرنے والو) اگر تم  
 فیصلہ چاہو، پس بیشک آگیا ہے تمہارے پاس فیصلہ۔ اور اگر  
 تم باز آجاؤ (کفر اور شرک سے) پس وہ بہتر ہے تمہارے لیے  
 اور اگر تم پلٹ کر آؤ گے (لڑنے کے لیے) تو ہم بھی پلٹ  
 کر مقابلہ کریں گے۔ اور ہرگز نہ کام دیگا تم کو تمہارا گروہ کچھ بھی  
 اگرچہ وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں  
 کے ساتھ ہے ﴿۱۹﴾

گذشتہ آیات میں میدانِ بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کی حالت میں کامیابی کا ربطِ آیات  
 ذکر تھا۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے جس قسم کے اسباب پیدا کیے اور اپنی طرف  
 سے جو خاص مہربانی فرمائی، اس کا بیان ہوا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے دشمنوں  
 کے ساتھ مقابلہ کرنے سے متعلق بعض قوانینِ صلح و جنگ بیان فرمائے ہیں۔ دُنیا میں  
 فتنہ و فساد کی بیخ کنی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے بعض اوقات جہاد باسیف ضروری  
 ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنگ میں پیش آنے والے بعض مسائل کے  
 متعلق احکام نازل فرمائے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات جنگ کو ترک کر کے مصالحت  
 کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے، تو اس کے لیے اللہ نے مصالحت کا قانون بھی دیا ہے  
 اگر اہل ایمان ان قوانین کی پابندی کریں گے تو دُنیا اور آخرت میں سرخروئی پائیں گے،

ورنہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

جنگ کے  
دوران  
ثابت قدمی

ارشاد ہوتا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَاءْنَاكُمْ فِي حَرْبٍ لِّقَاتِكُمْ أَذِينَ كُفَرُوا وَذُحْفًا** جب میدان جنگ میں تمہاری کافروں کے ساتھ ٹکراؤ ہو یعنی جب دو نظریات آپس میں متصادم ہوں اور کفار اپنا باطل پیرو گرام ترک کرنے پر تیار نہ ہوں بلکہ الٹا اسلام کو مغلوب کرنا چاہیں تو لامحالہ اُن سے جنگ ہوگی۔ یہ بات سورۃ کی ابتدا میں بھی بیان ہو چکی ہے کہ کفار اسلام کے راستے کو ہر صورت میں روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی آخری خواہش یہی ہے کہ کس طرح کفر کو غالب بنایا جائے، تو ایسی صورت میں جنگ ناگزیر ہوگی اور اہل ایمان اس سے دامن نہیں بچا سکیں گے۔ جب جنگ لازمی ہوگئی تو پھر اس کے اصول و ضوابط بھی ضروری ہیں اور یہی چیز اللہ نے یہاں بیان فرمائی ہے۔

**ذُحْفًا** کا لفظی معنی **گھسٹ** کہ چلتا ہے۔ چھوٹے بچے کے لیے **رُحْفُ الصَّبِيِّ** بولا جاتا ہے کہ وہ پاؤں پر نہیں چل سکتا اور **گھسٹ** کہ چلتا ہے اس سے مراد شکم کا اکٹھا ہونا ہے۔ جب بہت بڑا شکم مل کر چلتا ہے تو بھیڑ کی وحشہ وہ آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے **گھسٹ** کہ چل رہا ہے۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ جب میدان جنگ میں تمہاری دشمن کے ساتھ ٹکراؤ ہو **فَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ هُمْ أَذِلَّةٌ** تو تم ان کی طرف پشتیں پھیر کر منت بھاگو بلکہ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور کمزوری نہ دکھاؤ۔

بعض  
راہنما کی  
ممانعت

حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا **لَا تَقْتَمُوا لِقَاءَ الْعَدُوِّ** یعنی دشمن کے ساتھ ٹکرا لینے کی تمنا نہ کرو **بَلْ تَسْلُوا اللَّهَ الْعَلِيَّ** بلکہ اللہ تعالیٰ سے خیر و عافیت کا سوال کیا کرو۔ فرمایا **وَإِذَا لَقِيتُمْ كُفْرًا** جب دشمن سے آمناسا منا ہو ہی جائے **فَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ**

تَحْتَ ظِلِّ الشَّيْءِ تَوْجَانِ لَوْ كَرِهَتْ تَوَارِدُ كَيْ سَابِہِ مِیْہِ  
 جب تم پر جنگ سٹونس دی جائے تو پھر ڈٹ کر مقابلہ کرو اور پیٹھ نہ دکھاؤ۔  
 محدثین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ بیماریوں کے متعلق بھی یہی اصول ہے  
 کوئی مومن بیماری کی خواہش نہ کرے اور اگر بیماری لاحق ہو جائے تو پھر صبر  
 کرے، بیماری کو برداشت کرے اور جزع فزع نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ  
 اسی میں اجر عطا فرمائے گا۔ بہر حال فرمایا کہ جنگ کی خواہش نہیں کہہنی چاہیے  
 ناہم اگر مسلط ہو جائے تو پھر پائے استقلال میں غرض نہیں آنی چاہیے۔  
 اسلام کے ابتدائی زمانے میں کفار سے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو  
 کٹھمی آزمائش سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان کے لیے حکم تھا کہ دشمن کی تعداد  
 تم سے خواہ دش گنا بھی زیادہ ہو، تم نے پیٹھ نہیں دکھانی بلکہ ڈٹ کر مقابلہ  
 کرنا۔ پھر اللہ نے تخفیف فرمادی اور اس طرح حد بندی کر دی کہ اگر دشمن  
 تم سے گنی تعداد میں ہوں تو ان کا مقابلہ کرنا ضروری ہے اور اگر اس سے  
 زیادہ یعنی چار گنا یا دس گنا ہوں تو پھر جنگ سے کنارہ کشی اختیار کی جا سکتی  
 ہے۔ یہ مضمون آگے اسی سورۃ میں آ رہا۔ ہے کہ اب اللہ نے تم پر تخفیف  
 کر دی ہے۔ اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو کافروں  
 پر غالب آئیں گے اور ایک ہزار صابر مجاہدین دو ہزار کفار کے لیے کافی ہونگے۔  
 تو فرمایا جب کفار سے ٹکرم ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو۔ کیونکہ یہ بہت  
 بڑا اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے  
 ساتھیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے بھی خدا تعالیٰ سے یہی دعا کی تھی  
 رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَبَدَّلْتَ أَفْدَامَنَا اِلَی اللہ!  
 ہمیں صبر عطا کر اور ہمارے قدموں کو دشمن کے مقابلے میں مضبوط کر دے  
 وَأَنْصِرْنَا عَلَى الْكُفْرَيْنِ اور ہمیں کفار پر نصرت عطا فرما  
 غرضیکہ ثابت قدمی جنگ کا پہلا قانون ہے۔

مقابلہ کے  
 لیے بیمار کا  
 تقدر

اسلامی  
فلسفہ جنگ۔

آگے اللہ نے جنگ کا اسلامی فلسفہ بھی بیان فرمایا۔ ہے اہل ایمان کے لیے جنگ مقصود بالذات نہیں ہے۔ اختیار کی جنگ۔ سے مراد ملک گیری، مال و دولت کا حصول یا لوگوں کو غلام بنانا ہوتا ہے، برخلاف اس کے مسلمانوں کا جنگ سے مقصود اقامت دین ہوتا ہے اس کا واحد مقصد **لَمَّا هِيَ اللَّهُ هِيَ الدُّلْيَا** یعنی اللہ تعالیٰ کی بات کو بلند کرنا ہوتا ہے جس سے کافر مغلوب ہو جائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کافر بے عقل ہیں جو عصبیت کی وجہ سے جنگ کرتے ہیں برخلاف اس کے اہل ایمان صاحب عقل ہیں، جنگ سے اُن کا واحد مقصد غلبہ دین ہوتا ہے۔

پیائی کی  
سزا

عنور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دشمن کے ساتھ جنگ کے دوران بھاگ کھڑے ہونا اکبر الکبائر یعنی بڑے گنہوں میں سے ہے۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے سپاہی ہونے والوں کے لیے سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔ فرمایا **وَمَنْ يُؤَلِّمْ يَوْمَئِذٍ دُثْرًا جَؤَادِي لِرِثَانِي** کے دن کافروں کی طرف سے پیٹھ پھیر نہ بھلے گا **فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ** بیشک اللہ کا غضب ہے کہ لوٹا، اللہ تعالیٰ بھاگنے والوں پر ناراض ہوگا اور ایسے لوگ یود کی طرح مغضوب علیہ محسوس گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا **وَلَهُ جَهَنَّمُ** ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہوگا **وَبِئْسَ الْمَصِيرُ** اور جہنم لوٹ کر جانے کی بہت بری جگہ ہے۔ لہذا امید ان جنگ سے پیچھے نہیں پھیرنی چاہیے ورنہ آدمی جہنم میں پہنچ جائے گا۔

استثنا،  
صورتیں

البتہ لڑائی سے بھاگنے کے لیے دو صورتوں میں استثناء بھی ہے۔ پہلی صورت یہ فرمائی **إِلَّا مُحَرَّرًا فَالْقِتَالُ** کہ کوئی شخص اس لیے بھاگ آیا۔ ہے تاکہ لڑائی میں پینتر بدل سکے اور دشمن کو جہانم دے کہ دوبارہ حملہ آور ہو۔ حضور کا فرمان۔ سے کہ لڑائی راویق کا نام سے لہذا راویق کے طور پر

تیجھے مرٹ آنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور دوسرا استثناء اس صورت میں ہے اَرْتَحِیْزُ الْحَالِ فَیْہِ یَاوَدَہُ اپنے گروہ کے پاس ٹھکانا پکڑنے والا ہو۔ عربی میں حیز مکان کو کہتے ہیں یعنی جس مقام پر اُس کے باقی ساتھی ہیں ان کے پاس پہنچ جائے تاکہ اُن کے ساتھ مل کر کوئی بہتر جنگی حکمت عملی اختیار کر سکے تو ایسی صورت میں بھی گنہگار نہیں ہوگا ترمذی نے یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک دستہ دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ لشکر کو وہاں کی صورت حال کے پیش نظر پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ تاہم انہیں سخت پریشانی ہوئی کہ کہیں وہ اللہ کے جاں اس کو تاہی پر ہنس کر کے مستحق نہ ٹھہریں واپس آکر انہوں نے صورت حال حضور علیہ السلام کے گوش گزار کی اور ساتھ اپنی مذکورہ پریشانی کا بھی ذکر کیا آپ نے فرمایا: فَکَرُوْا اَنْتُمْ اَلْعَکَّارُوْنَ وَ اِنَّا فَتَحْتُمْ تم پیچھے بدل آنے والے ہو اور میں تمہارا گروہ ہوں۔ تمہیں واپس لوٹ آنے پر کچھ ملامت نہیں تم جہنم میں جانے والے نہیں ہو بلکہ اپنے گروہ کے پاس پہنچ جانے والے ہو تاکہ بہتر تدبیر نکالی جاسکے تو فرمایا ان دو صورتوں کے علاوہ اگر کوئی مسلمان جنگ سے بھاگ آئے گا تو وہ خدا کے غضب کا نشانہ بنے گا اور اُس کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔ اصل قانون یہی ہے اور باقی ساری ضمنی باتیں ہیں جو نمبر وار آتی رہیں گی۔ بہر حال دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنا بہت عظیم قانون ہے۔

اب اللہ نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کی فتح کی حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے فَدْعُوْا نَحْنُ لَوْھُ مَوْلٰہُ مسلمانو! جنگ میں جو کفار کثیر تعدد میں قتل ہوئے اُن کو تم نے قتل نہیں کیا تھا و لٰہُ اللّٰہُ فَتَكْفُرْ بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا۔ کفار کی شکست اللہ تعالیٰ کی امداد غیبی کی بنا پر ہوئی تھی۔ اُس نے ایسے اسباب پیدا فرمائے جس کی وجہ

سے تمہیں فتح حاصل ہوگئی وگرنہ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ (آل عمران) تم تو بہت ہی کمزور تھے، نہ تمہارے پاس جنگی ہتھیار، نہ سواریاں اور نہ افرادی قوت۔ برخلاف اس کے دشمن کے پاس سب کچھ تھا اور پھر انہیں پیچھے سے ملک پہنچنے کی اُمید بھی تھی مگر اس کے باوجود مسلمانوں کی فتح امدادِ عیسیٰ کی مرہونِ منت تھی۔

مسٹیجی بھر  
سنگریزے

امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ جب بدر کی لڑائی زوروں پر تھی تو جبرائیل علیہ السلام نے اکرمہ حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ ایک مسٹیجی بھر سنگریزے لیکر دشمن کی طرف پھینکیں۔ چنانچہ طبرانی کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے صحابہؓ سے سنگریزے اٹھانے کو فرمایا۔ انہوں نے دیے تو حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کفار کی طرف پھینک دیے اور زبان سے فرمایا شَهِتَ الْوُجُوهُ یعنی کفار کے چہرے ذلیل و خوار ہو جائیں۔ خدا کی قدرت وہ سنگریزے ہر کافر کی آنکھ میں پڑے۔ وہ پریشان ہو کر آنکھیں ملنے لگے تو اُدھر مسلمانوں نے فیصلہ کن حملہ کر کے کفار کی کمر توڑ دی۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی خاص امداد تھی کہ مسٹیجی بھر سنگریزوں نے سارے کافروں کو پریشان کر دیا۔ اسی واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہاں یاد دلایا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ اے پیغمبر! جو مسٹیجی بھر سنگریزے پھینکے تھے وہ دراصل آپ نے نہیں پھینکے تھے۔ وَلَاحِشَ اللہ رحمٰنی بلکہ وہ تو اللہ نے معجزانہ طور پر پھینکے تھے جس کی وجہ سے کفار کا زور ٹوٹ گیا اور وہ مغلوب ہو گئے۔ اور اس کا ردائی سے اللہ تعالیٰ کا یہ بھی مقصود تھا وَلَيْسَ بِنَبِيِّ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءٌ حَسْبَ مَا كَرِهَ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو اپنی طرف سے آزمائے بہت اچھی طرح آزمائے۔ اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان کی ثابت قدمی کی آزمائش بھی کرنا تھی إِنَّ اللہَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ کو بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا

ہے مسلمانوں کی ساری محنت، کوشش اور کاوش اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے  
 فرمایا ذلک عوہ یہ بات تو ہو چکی جس کو تم دیکھ چکے ہو **وَاللّٰهُ**  
**مُؤْمِنٌ كَيِّدٌ الْكَافِرِينَ** بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور  
 کرنے والا ہے۔ وہ پورے ساز و سامان اور انفرادی قوت کے ساتھ بدر  
 کے میدان میں اترے۔ تھے اور مسلمانوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دینا  
 چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔  
 مطلب یہ ہے کہ کافروں کی شکست اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہوئی  
 اس میں مسلمان اپنا کوئی کمال نہ سمجھیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ کس طرح مسلمان  
 اللہ رب العزت سے فریاد کرتے تھے، پھر اللہ نے ان کی دعا کو  
 شرف قبولیت بخشا۔ اللہ نے بشارت سنائی۔ فرشتے نازل فرمائے، دلوں  
 کو تکوین بخشی، شدید خطرے کے دوران نیند طاری کر کے دلوں کو سون بجھا،  
 عین موقع پر بارانِ رحمت کا نزول فرما کر مسلمانوں کے حق میں مادی اسباب  
 پیدا کیے اور شیطان کے وسوسوں کو دور کیا اور اس طرح مسلمانوں کو فتح کے  
 تمام اسباب مہیا کیے۔ پھر آخر میں حضور علیہ السلام کے ہاتھوں سے مٹی کی  
 سٹی لپٹیں کو اکھر کافروں کو پریشان کر دیا اور اس طریقے سے اہل ایمان کی  
 فتح کے لیے راستہ ہموار کیا۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کست  
 کمزور اور ناکام کرنے والا ہے۔

یہاں تک تو مسلمانوں پر احساناتِ جبارہ انہیں قانونِ خداوندی کی پابندی  
 کا حکم دیا گیا ہے۔ اب آگے روئے سخن کفار کی طرف ہوتا ہے ارشاد ہوتا  
 ہے **اِنَّكَ تَسْتَفْتِحُوْا عَلٰی كُفٰرًا كَافِرًا** ! اگر تم فیصلہ چاہتے  
 ہو مکی زندگی میں مشرکین اہل ایمان سے کہا کرتے تھے کہ تم کس کامیابی کی  
 امید لگائے۔ بیٹھے ہو؟ مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ  
 (السمجد) اگر تم سچے ہو تو بتاؤ تمہارے رب کا فیصلہ کب آئے گا؟ اسی

کفار کی  
 کمزوری

فیصلہ کی  
 گھڑی

سوال کے جواب میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم فیصلہ طلب کرتے ہو۔  
فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ تو وہ فیصلہ آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
 تمہاری بربادی اور مسلمانوں کی کامیابی کا فیصلہ دے دیا ہے وَأَنْ تَنْتَهُوا  
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اگر تم اب بھی کفر، شرک سے باز آ جاؤ، تو بہتر  
 کرے دین حق کو تسلیم کر لو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ وَأَنْ  
تَعُودُوا اور اگر تم اپنے باطل عقیدہ پر ہی پلٹ کر آؤ گے تَعُدُّ  
 تو ہم بھی پلٹ کر تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے تمہیں ذلیل و خوار  
 کریں گے اور مسلمانوں کو غالب کریں گے کیونکہ وہ سراط مستقیم پر ہیں۔  
 فرمایا، یاد رکھو! وَلَنْ تَغْنِي عَنْكُمْ فِتْنُكُمْ شہادت  
 تمہارا حجتہ، گمراہی اور پارٹی تمہارے کسی کام نہ آئے گا وَكُلُّكُمْ كُفِّرَتْ  
 اگرچہ وہ کتنی ہی تیسرے تعدد میں کیوں نہ ہو۔

واضح بات یہ ہے وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ کہ بیشک  
 اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ اُس کا وعدہ ہے کہ میری  
 تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہے إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ اگر تم  
 اپنے اپنے ایماندار ہو۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے ہرے موقع پر پورا  
 فرمادیا اور کافروں کی ساز و سامان اور اسلحہ سے یس کثیر تعدد کو مسلمانوں کی  
 بے ساز و سامان اور قلیل تعدد کے سامنے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا۔

یہ بات اچھی طرح نوٹ کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کا وعدہ ایمان  
 کے ساتھ متروک فرما دیا ہے۔ اگر ایمان کمزور ہے تو پھر اللہ کی فرمائش  
 زیادہ اہم ہے۔ رُكْنِي آج لوگ کہتے ہیں کہ رُكْنِي آج لوگ کہتے ہیں کہ  
 ہیں۔ رسول دھکے اور باجے گاجے ہوئے ہیں، راج گائے کا انتظام ہے  
 فوجی پرڈ بھی ہو رہی ہے، مادی ترقی کے بھی بلند بانگ دعوے کیے جا  
 رہے ہیں مگر یہ تو جتنا کہ اس مادی خدا دار میں دین کے غلبہ کے لیے کام



کیا ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ یہاں اسلامی قانون نافذ ہوتا، فتنہ فساد بند ہوتا  
ہر آدمی کی عزت اور مال محفوظ ہوتا، اعلیٰ و ادنیٰ کا تفاوت ٹٹتا، مگر یہاں تو  
وہی مجھ گڑے فساد، پارٹی بازی، جہالت، فترت بندی اور بہ اختلافی کا درد  
ہے۔ آپ نے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کیے تاہم خداوندی ایسے  
حاصل ہوگی؟ تمہاری مشکلات کا مداوا ایسے ممکن ہے اور تمہیں سکون کی  
زندگی ایسے نصیب ہو سکتی ہے؟ پہلے ایمان کے تقاضے پورے کر دو۔  
پھر دیکھو اللہ تعالیٰ اپنی نصرت کے وعدے کس طرح پورے کرتا ہے  
تم نے تو زوال کے اسباب اکٹھے کر رکھے ہیں، ان سے ترقی کی امید  
کیسے لگاؤںے بیٹھو ہو۔ اللہ تعالیٰ بیشک مومنوں کے ساتھ ہے پہلے  
مومن بن کے دکھاؤ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا  
عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ②۰ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا  
سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ②۱ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ  
عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ②۲ وَلَوْ  
عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّ سَمِعَهُمْ وَلَوْ سَمِعَهُمْ  
لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ②۳

ترجمہ :- اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے  
رسول کی اور مت پھرو اس سے اور تم سنتے ہو ②۰ اور نہ ہو ان  
لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا کہ ہم نے سُن یا حالانکہ وہ نہیں  
سنتے ②۱ بیشک بدترین جانور اللہ کے نزدیک بہرے اور گونجے  
وہ لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے ②۲ اور اگر اللہ جانتا اُن کے اندر  
بہتری کو تو اُن کو سُنا تا اور اگر ان کو سُنا تا ایسی حالت میں تو روگوئی دینی  
کرتے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ②۳

وہ آیات

اس سے پہلے اہل ایمان سے اس طرح خطاب تھا کہ جب تم جنگ  
میں کافروں سے ٹکرو تو لڑاؤ نہ پھیرو بلکہ ثابت قدم رہنے کی کوشش کرو۔  
اگرچہ دشمن کی تعداد تم سے دگنی ہی کیوں نہ ہو۔ ان حالات میں استقلال اور  
ثبات سے کام لو، ہر کام من جانب اللہ ہوتا ہے۔ فتح و نصرت اُس کے  
ہاتھ میں ہے، تمہارا کام صرف یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہو۔

اللہ تعالیٰ نے جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کا یہ پہلا اصول بیان فرمایا ہے اس کے بعد بھی جہاد کے سلسلے میں بڑے بڑے اصول بیان ہو رہے ہیں۔ جن کی پابندی اہل ایمان پر لازم ہے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر ان اصولوں پر کاربند رہو گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور مہربانی شامل رہے گی اور تمہیں عزت حاصل ہوگی۔

ثابت قدمی ہی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عام اصول کے برخلاف صرف دو صورتوں میں میدان جنگ سے بھاگنے کی اجازت ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی داؤ پیچ کے طور پر جنگ میں غیر ابدی بننے کی خاطر پیچھے ہٹ آئے یا دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے گروہ کے ساتھ شامل ہونے کے لیے پلٹ آئے تاکہ اپنی جماعت کے ساتھ مل کر نئی حکمت عملی کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہو سکے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ جو کوئی میدان جنگ میں پیچھے دھکا کہہ بھاگے گا وہ سخت گناہگار ہوگا، بلکہ ایسا شخص اکبر الکبائر کا مرتکب ہوگا۔ اس کے علاوہ غزوہ بدر کے سلسلے میں اللہ نے بعض ضمنی باتیں بھی بیان فرمائی ہیں اور پھر کافروں کی طرف بھی روئے سخن کیا ہے۔ فرمایا تم فتح جانتے تھے تو لو فتح تو ہو گئی۔ مسلمانوں نے تمہیں میدان بدر میں شکست فاش دی ہے۔ تمہارے ستر سر کردہ ساتھی مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنا لیے گئے۔ اگر تم اب بھی اسلام دشمنی سے باز آ جاؤ، کفر اور شرک سے توبہ کر لو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔ اور اگر تم اس کے بعد بھی جنگ پر آمادہ رہے تو یاد رکھو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا سلوک ہی ہوتا ہے گاجیسا جنگ بدر میں تمہارے ساتھ ہوا۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کا دوسرا اصول بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَئِنْ آمَنُوا لَئِنْ

اصول یہ ہے أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ ان کے علاوہ مخلوق میں سے کسی اور کی فرمانبرداری مہت کرو کیونکہ ہر شخص کی خواہش الگ الگ ہوتی ہے مگر اہل ایمان کے سامنے صرف ایک بلند مقصد ہے کہ ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہو اور ہمیشہ یہی اصول مدنظر رہنا چاہیے۔ فرمایا وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ اس اصول سے روگردانی نہ کرو۔ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ اور تم سنتے ہو۔ تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ہر ایت اسی اصول میں ہے اور اسی کے ذریعے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے بھی اسی اصول کو بروئے کار لانا پڑے گا۔ یاد رہے کہ اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ رسول چونکہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اور تبلیغ رسالت کا فریضہ اللہ نے اس کے ذمے لگایا ہے لہذا اس کی اطاعت بھی مطلق فرض ہے کیونکہ وہ اللہ کا مشاء پر آفرتا ہے۔ اور باقی لوگوں کے لیے اطاعت الہی کا نمونہ ہوتا ہے۔ فرمایا تم سنتے ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے تو پھر تم اس سے روگردانی کرتے ہو۔

فرمایا وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا لَكُمُ الْيَوْمَ کی طرح نہ ہو جہا جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا وہم لَا يَسْمَعُونَ حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ اس میں اہل کتاب یسود و نصاریٰ کا رد آگیا، وہ بھی کہتے تھے سَمِعْنَا یعنی ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے تھے۔ منافق لوگ بھی زبان سے لیتے تھے کہ ہم نے سن لیا اور تسلیم کر لیا مگر حقیقت میں نہ سنتے ہی اور نہ مانتے ہیں اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے یودیوں کی مثال سورہ جمعہ میں بیان فرمائی ہے مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْإِمَارِ يُحْمِلُ أَسْفَارًا فرمایا یودیوں نے ذوق و شوق کے ساتھ کتاب کا مطالبہ کیا تھا۔ پھر جب

گناہ سے  
مغفوری

انہیں تورات عطا کی گئی تو رہا اپنی بے غلی کی وجہ سے کتاب کا حق ادا نہ کر سکے۔ اللہ نے فرمایا ان لوگوں کی مثال اُس گدھے کی ہے جسپر کتابوں کا گٹھا لا دیا گیا ہو۔ جس طرح گدھا کتابوں کا بوجھ اٹھانے کے باوجود ان سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ اس طرح حاملین تورات اس کتاب سے اعراض کی وجہ سے اس سے بے بہرے ہیں۔ گویا اُن کا تورات کا پڑھنا اور سننا نہ سننے کے برابر ہے۔ تو اللہ نے یہاں پر اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم اہل کتاب پیور اور منافقین کی طرح نہ بن جانا جو اللہ کی بات کو سنی اُن سنی کر دیتے ہیں معاملہ صلح کا ہو یا جنگ کا، موقع خوشی کا ہو یا غمی کا ہمسلا سیاسی ہو یا معاشی ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مقدم رہنی چاہیے کیونکہ صلاح کا دار و مدار اسی پر ہے۔

اس کے بعد اللہ کی بات کو صحیح معنوں میں نہ سننے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کے احکام کو سننے کے باوجود نہ اپنے عقیدہ کو درست کرتے ہیں اور نہ اُن احکام پر عمل کرتے ہیں بلکہ اپنی بات پر ہی اڑے پڑے ہیں۔ فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْاَبْصٰرُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ زمین پر چلنے والے بدترین جانور وہ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے۔ دواہ کی جمع ہے جو زمین پر چلنے والے ہر چھوٹے بڑے جانور پر بولا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسا قیمتی جوہر عطا کیا ہے جو عام جانداروں کو حاصل نہیں۔ اسی عقل کی وجہ سے انسان قانون کا پابند یعنی مکلف بنتا ہے۔ عقل ہی انسان کو قابلِ مواخذہ بناتی ہے ورنہ کوئی پاگل شخص مکلف نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ صاحب عقل ہو کر جو انسان عقل سے صحیح کام نہیں لیتے وہ اللہ کے نزدیک مویشیوں، درندوں، پندوں اور کھڑے مکوڑوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ کھڑے مکوڑے عقل سے محرومی کی بنا پر غیر مکلف ہیں

مگر انسان عقل رکھتے ہوئے بھی اس سے مستفید نہیں ہوتا اور اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا لہذا وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

انسان کی قدر و قیمت اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ہی ہے۔ فکر اور عقیدے کی درستگی ہی انسان کے شایانِ شان ہے۔ اگر کسی شخص کی فکر، اخلاق اور عمل درست نہیں ہے تو ایسا شخص اللہ کے ہاں کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ ایسی ہی حالت کے متعلق سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ رَكَبْنَا الْكَافُورَ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ پھر ہم نے ایسے شخص کو نیچے سے بھی نیچے گرا دیا جب اُنے ایمان کی دولت کو قبول نہ کیا، نیکی کا راستہ اختیار نہ کیا، خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لیا تو وہ کیڑے مکوڑوں، کتے بلی، سانپ اور کچھڑے بھی ذلیل ہو گیا۔ انسان ایمان اور نیکی کی وجہ سے مرتبہ عروج تک پہنچتا ہے اگر اس میں یہ چیز مفقود ہے۔ تو پھر زمین پر چلنے پھرنے والے جانور اُس سے بدتر ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق سورۃ اعراف میں فرمایا ہے "اُولَٰئِكَ كَانُوا لَعْنًا مِّنْ لَّدُنِّیْ اَصْحٰبُ الْكُفْرِ وہ موبیشیوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزے موبشی تو پھر بھی اپنا مقصد حیات پورا کرتے ہیں اور اپنے مالک کی اطاعت بجا لاتے ہیں مگر حضرت انسان اپنے مقصد حیات سے اعراض کرتے ہوئے اپنے مالک کی فرمانبرداری کو اپنے آپ پر لازم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا سورۃ بینہ میں ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اُولَٰئِكَ هُمُ الشَّرُّ الْبَرِیَّةِ" ایسے لوگ ان لوں کا بدترین حصہ ہیں۔ فرمایا اس قسم کے اللہ کے نام نہ مان لوگ لَا یَعْقِلُوْنَ کچھ عقل نہیں رکھتے یعنی اللہ کی عظیم نعمت عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔

حاملینِ قرآن پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت

کرتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ اُسے سمجھ کر اس پر عمل بھی کریں۔ جو لوگ اس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جو ہرے ہیں کہ حق بات کو سنتے ہی نہیں اور گونگے ہیں کہ حق بات کہتے ہی نہیں۔ دنیا کی اول فoul تمام لغویات بڑے غور سے سنتے ہیں مگر حق کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ خدا کا کلام اور اس کا قانون سننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ اسی طرح ہر قسم کی لغویات تو بولتے رہتے ہیں مگر حق کی حمایت میں ان کی زبان سے ایک لفظ ادا نہیں ہوتا۔ جب بولیں گے اٹھا ہی بولیں گے یہاں پر ہرے کا ذکر پہلے کیا ہے اور گونگے کا بعد میں۔ وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا سننا، بولنے سے زیادہ ضروری ہے۔ جب تک کوئی انسان کوئی چیز سننے کا نہیں وہ بول نہیں سکے گا۔ انسانی علم کا زیادہ تر حصہ سماعت پر مشتمل ہے اس لیے سمع کی زیادہ اہمیت کی وجہ سے اسے بولنے پر مقدم رکھا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا صَلُّواْ بِلِسَانٍ عَظِيْمٍ وہ ہرے ہیں، گونگے ہیں اور اندھے بھی ہیں۔ اس سے مراد ظاہری آنکھیں نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے محروم ہونا ہے۔ ایسے لوگ حق و باطل کی تمیز سے عاری ہوتے ہیں، یہ لوگ نہ تو حق بات کو سنتے ہیں، نہ اُس پر عمل کرتے ہیں، نہ نیکی کی طرف لوٹتے ہیں، نہ دل کی آنکھوں سے اُسے پہنچتے ہیں اور نہ حق کی حمایت میں بولتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ہرے گونگے اور اندھے ہیں تاہم اس مقام پر صرف ہرے اور گونگے ہونے کا ذکر ہے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

فرمایا وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں بہتری کی کوئی چیز دیکھتا کہ سمعہم تو ان کو حق بات ضرور سنوا دیتا۔ اور اس پر عقل و فہم کے ذریعے غور کرتے اور اس کو سمجھ کر اس

پر عمل پیرا ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایسے لوگ اس صلاحیت سے ہی محروم ہیں لہذا ان کو سننے کی توفیق ہی نہیں دیتا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے **كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ** یعنی ہر نومولود فطرت اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے مگر بعد میں اس کا ماحول اسے بگاڑ دیتا ہے اور وہ حق کی بجائے باطل کو قبول کر لیتا ہے۔ سورۃ روم میں بھی موجود ہے۔ **فَاقْبِرْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا** اُس دین حنیف پر جم جاؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقرر کر دیا **فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا** خدا تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اس فطرت سے مراد خدا تعالیٰ کی توحید ہے یہی خدا کا دین ہے اور اسی توحید کو اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں داخل کیا ہے۔ مگر کسی شخص کو پیدا ہوتے ہی اسکی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ اور مشرکین اس کے دل میں شرکانہ خیالات نہ ڈالیں تو کبھی شرک نہیں کرے گا کیونکہ وہ فطرت الہی یعنی توحید پر پیدا ہوا ہے۔

فرمایا اگر اللہ ان میں بہتری کی کوئی چیز جانتا تو انہیں ضرور سنوا دیتا مگر وہ صلاحیت سے عاری ہیں۔ **وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ** اور اگر انہیں اسی حالت میں سنواتا **لَسَوْلُوا** تو وہ منہ پھیر جاتے **وَهُمْ مُّعْرِضُونَ** اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے۔ وہ حق بات کا بالکل انکار کر دیتے لہذا ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ ان کو سنوارنے کے لیے بھی تیار نہیں۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ②۳ وَاتَّقُوا فَتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ②۴ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ خَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ②۵

ترجمہ :- اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جب کہ وہ تمہیں بلائے اس چیز کی طرف جو تم کو زندگی بخشی ہے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ آڑے آتا ہے انان اور اس کے دل کے درمیان۔ اور (جان لو) کہ بیشک تم سب اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ②۴ اور بچو اُس فتنے سے کہ نہ پہنچے گا (صرف) اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے خاص طور پر۔ اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ سخت گرفت والا ہے ②۵ اور یاد کرو (اس نعمت کو) جب تم تھوڑے تھے اور کمزور سمجھے جاتے تھے زمین میں۔ تم ڈرتے تھے کہ تمہیں اُچک لیں گے لوگ۔ پھر ٹھکانا دیا تم کو اور اُس نے تمہاری تائید کی اپنی مدد سے اور روزی

دی تم کو پاک چیزوں سے تاکہ تم (اللہ کی نعمتوں کا) شکریہ ادا کرو (۳۶)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت اپروگرام اور اُسے قائم کرنے کے لیے اس سورۃ میں بہت سے اصول بیان کیے گئے ہیں جن پر انسانوں کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اللہ نے پہلا اصول جنگ میں ثابت قدمی کو قرار دیا اور حکم دیا کہ دشمن سے مقابلے کے وقت میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہیں کرنا۔ پھر دوسرا اصول اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ انسانی زندگی سے متعلق کوئی بھی معاملہ خواہ صلح و جنگ کا مسئلہ ہی کیوں نہ ہو پیش ہو، ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازمی ہے۔ فرمایا تم اُن اہل کتاب اور منافقین کی طرح نہ ہو جانا جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے حکم الہی سن لیا، مگر درحقیقت وہ سننے ہی نہیں کیونکہ سن کر بھی سنی ان سنی کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے احکام الہی کو سمجھنے اور ان پر عمل کر نیکی نوبت ہی نہیں آتی۔ پھر فرمایا کہ ایسے لوگ بدترین جانور ہیں۔ جو بہرے، گمراہی اور عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔ اب تک یہ دو اصول بیان ہوئے ہیں۔

ابدی زندگی

پہلے اہل ایمان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔ اب تیسرے اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ائِمُّوا أَوْلِيَ الْوَلَدِ اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ اُس چیز کے لیے بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے۔ چونکہ اس سورۃ مبارکہ کا مرکزی موضوع جہاد اور اس کے اصول و ضوابط ہیں، اس لیے باری النظر میں یہاں پر بلائے سے مراد جہاد کی طرف ہی بلانا ہے اور جہاد ایک ایسا فعل ہے جس میں اُمتِ باطن عین ممکن ہے، بلکہ ایک سچا محبہ جب میدانِ جہاد میں اُترتا ہے تو اپنی جان کو، تعمیلی پر رکھ کر نکلتا ہے اور اس جان کو جانِ آفرین کے سپرد کر دیتا ہے اپنی آخری تمنا سمجھتا ہے۔ بظاہر تو یہ موت کو خود دعوت دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہی وہ جذبہ شہادت ہے جو تمہیں ابدی زندگی بخشتا ہے۔ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے، کتنی بھی لمبی عمر

پائے، بالآخر اُسے یہاں سے رخصت ہونا ہے مگر جس زندگی کی طرف اللہ اور اس کا رسول بلا رہا ہے وہ ایسی زندگی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ یہ ایک مسئلہ اصول ہے کہ جو شخص راہ حق میں شہادت کا درجہ پالیتا ہے، اُسے کمال حاصل ہو جاتا ہے اُسے نہ صرف ذاتی کمال اور دائمی زندگی حاصل ہو جاتی ہے بلکہ اُس کی قربانی کی بدولت اس کی جماعت اور اس کے مشن کو بھی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ اس زندگی کا تعلق مجموعی طور پر سب کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ مجاہدین کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ اگر وقتی طور پر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو شکست بھی ہو جائے، پھر بھی جماعت اور ملت میں اُس شہادت کے اثرات ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ انہی شہداء کے متعلق اللہ تعالیٰ کافران ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرہ) اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو شعور نہیں ہے کہ انہیں کس قسم کی پُر راحت اور باعزت زندگی نصیب ہے عالم برزخ اور عالم آخرت میں تم ان کے بند و بالا درجات کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ نے شہداء کی تعریف میں یہ بھی فرمایا ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ اللَّهُ كَرِيمٌ (البقرہ) اللہ تعالیٰ اللہ کی راہ میں جاہم شہادت نوش کرنے والوں کو مردہ خیال بھی نہ کرو، بلکہ انہیں تو اعلیٰ درجے کی دائمی زندگی حاصل ہے۔ چنانچہ یہاں پر یہی فرمایا گیا ہے کہ اے اہل ایمان! اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہو، جو تمہیں حقیقی اور ابدی زندگی کی طرف بلا رہا ہے۔

یہاں پر اطاعت رسول کے ضمن میں ایک اور مسئلہ بھی آتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں حضور علیہ السلام نے اُن کا نام لے کر بلایا۔ انہوں نے جلدی جلدی نماز

ادا کی اور حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے دریافت کیا کہ آنے میں دیر  
 کیوں ہوئی، تو عرض کیا، حضور! میں نماز میں مصروف تھا، اس لیے تاخیر ہو  
 گئی۔ آپ نے فرمایا، کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم قرآن پاک میں نہیں پڑھا  
**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ**  
**لِأَمْرِ إِيْمَانٍ وَالْوَلُّوْا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ** کا حکم مانو جب وہ تمہیں بلائیں مقصد یہ کہ جب  
 حضور علیہ السلام نے تمہیں آواز دی تھی تو نماز چھوڑ کر فوراً حاضر ہو جانا چاہیے  
 تھا، اس آیت میں اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لیے قاضی شاذ اللہ  
 پانی پٹیؒ اور علامہ بیضاویؒ اپنی اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں کہ جب اللہ کا رسول  
 کسی مومن کو بلائے تو اُسے فوراً نبی کے پاس حاضر ہو جانا چاہیے اور نبی  
 کی دعوت کو نماز پر ترجیح دینی چاہیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر  
 کوئی شخص تعمیل حکم نبوی میں نماز درمیان میں چھوڑ دیتا ہے تو کیا ادا شدہ حصہ  
 نماز باطل ہو جائے گا؟ مفسرین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی  
 نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کا رسول کسی ایسی چیز کی طرف  
 بلا رہا ہے جو نماز سے بھی ضروری ہے کیونکہ نماز تو بعض دوسری وجوہات  
 کی بناء پر بھی قطع کی جا سکتی ہے جیسے کہیں آگ لگ جانے کا خطرہ ہو، کوئی  
 موزی جانور حملہ کرے کوئی اندھا آدمی کنوئیں میں گھر رہا ہو، کسی کی جان جا  
 رہی ہو، مال کا ضیاع ہوتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ ایسی صورت میں نماز کا ادا شدہ  
 حصہ باطل ہو جائے گا مگر رسول اللہ کا حکم، ایک ایسی چیز ہے کہ اُس کی  
 تعمیل میں نماز بھی باطل نہیں ہوگی۔ نبی کی بات سن کر ایسا آدمی پھر وہیں سے  
 نماز شروع کر سکتا ہے جہاں سے توڑی تھی۔ بہر حال یہ نبی کے حکم کی تعمیل  
 کا قانون ہے خواہ کوئی آدمی نماز ہی کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ  
 قطع نماز کتنے نقصان پہنچتا ہے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی مومن کا  
 ایک درہم یعنی چار آنے کا نقصان بھی ہو رہا ہو تو نماز توڑ کر اس نقصان کو

دلوں کی  
تبدیلی

سچا لیا جائیے چہ جائیکہ کوئی بڑا نقصان متوقع ہو۔ اس طرح نماز تو ٹوٹ  
جائے گی مگر نبی کی آواز پر حاضر ہونے سے نماز میں بھی خلل واقع نہیں ہوگا  
فرمایا وَأَعْلَمُكُمْ أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَهُ خَشِيعُونَ  
جان کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور جان کو کہ بیشک  
تم سب اسی کی طرف الٹھے کیے جاؤ گے۔ اگر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل میں سستی  
دکھاؤ گے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دل کے درمیان آئے اور  
تم سے تعمیل حکم کی توفیق ہی سلب کرے اور پھر تم نیکی سے ہمیشہ کے لیے  
محروم ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ انسان کا دل تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے  
جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس کے حکم پر آکاہ تعمیل نہیں ہوتا تو وہ اس  
دل کو پٹ بھیکتا ہے۔ دل کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ انسان کے ارادے  
کا مرکز ہی دل ہے اور اس کے ذریعے انسان نیکی یا برائی کی طرف جاتا ہے  
اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعائیں سکھایا کرتے تھے يَا مُقَلِّبَ  
الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ اے دلوں کے پھرنے  
والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم فرما۔ آپ نے یہ دعا بھی  
سکھلائی يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ  
اے دلوں کے پھرنے والے مولا کریم! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی  
طرف پھیر دے، کہیں یہ الٹ ہی نہ جائیں جس طرح اہل کتاب کے دل  
نافرمانی کی وجہ سے محکوم ہو گئے اس طرح ہمارے دلوں سے بھی نیکی  
کی توفیق سلب نہ ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے  
حکم کی تعمیل میں غفلت نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے  
درمیان حائل ہو کر اس کی کیفیت ہی بدل دے اور پھر تم ہمیشہ کے لیے  
تعمیل حکم سے محروم ہو جاؤ۔

ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ایک اور تہذیب بھی کی ہے وَأَتَقُوا فِتْنَةً

لے تمہارا فتنہ لے حسن حسین ص ۲۷۳ (فیاض)

پورے قوم  
سے برا بھلا

لَا تَصِيبَنَّ الدِّينَ ظَالِمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً اِس فتنے سے بچ جاؤ جو خاص طور پر صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچے گا بلکہ اس میں پوری کی پوری قوم کاوش ہو جائے گی۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ دین میں خرابی نہ پیدا کرو، شرکیہ رسوم اور بدعات کو رواج نہ دو کیونکہ اس کا وبال صرف بدعت کرنے والوں پر ہی نہیں بلکہ پوری امت پر پڑے گا اسی طرح جب دنیا میں کھلے عام برائی کا ارتکاب ہوتا ہے اور پھر لوگ ہر بدعت اور ہنر عن المنکر کا فریضہ بھی انجام دے لیتے تو پھر پوری قوم اور جماعت بیکار ہو جاتی ہے اور اس میں نیک و بد کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا قتل ناحق، زنا، شراب نوشی، شرک اور بدعات ایسی بیماریاں ہیں جن کی سزا پورے معاشرے کو بھگتنا پڑتی ہے، اسی لیے فرمایا کہ اِس فتنہ سے بچ جاؤ جو نہ صرف برائی کے مرتکبین کے لیے بلکہ پوری قوم کے لیے وبال جان بن سکتا ہے۔

مفسر قرآن مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جن فتنوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے ان میں ریاست کا فتنہ بھی شامل ہے۔ جب تک مسلمان جہاد کرتے رہے، جماعت درست رہی۔ مگر جب جہاد کو ترک کر دیا تو ریاست کا فتنہ پیدا ہو گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں شروع ہونے والا فتنہ آج تک قائم و دائم ہے یہ ایک مسالہ اصول ہے کہ جب تک مسلمان عامل بالجہاد ہے ریاست کا نظم و نسق ٹھیک طور سے کام کرتا رہا مگر جو نہی جہاد کا جذبہ کمزور ہو گیا تو اسی جگہ حاکم نے لے لی، ہر فرد اور پارٹی دوسری پر غالب آنے کی کوشش میں مصروف ہو گئی اور اس طرح آپس میں قتال شروع ہو گیا جس کی وجہ سے دیگر بے شمار برائیاں قوم میں درآمد ہوئیں۔ پہلے تو مذہبی فرقے وجود میں آئے اور پھر سیاسی پارٹیاں بن گئیں اور آپس میں سر پھیلنے لگی۔ اس کی مثال خود اپنے ملک میں دیکھ

ریاست کا  
فتنہ

قطع نادر کہتے نقصان پر ہے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی مومن کا ایک درہم یعنی چار آنے کا نقصان بھی ہو رہا ہو تو نماز توڑ کر اس نقصان کو

میں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہر جماعت اقتدار کی بھوک کی نظر آتی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز حربے استعمال کرنا اپنا حق سمجھتی ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ساری قوم مشکلات و مصائب کی چکی میں پس رہی ہے۔ نہ سیاسی طور پر سکون ہے نہ معاشی حالت اچھی ہے۔ معاشرہ فتنہ و فساد کا گہوارہ بن چکا ہے۔ قوم روز بہ تنزل ہے اور اس سبب میں صرف فتنہ پر واز ہی شامل نہیں بلکہ پوری قوم دینی معاشرتی اور معاشی لحاظ سے دیوالیہ بن چکی ہے۔ فرمایا وَأَعْلَوْا أَنْ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب کوئی قوم اس قسم کے فتنہ میں مبتلا ہو جاتی ہے تو پھر اللہ کی گرفت بھی آجاتی ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والا ہے۔

اہل ایمان پر الغات

آگے اللہ تعالیٰ نے ابتدائی دور کے مسلمانوں کو اپنے احسانات یاد دلاتے ہوئے فرمایا وَإِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا اُس وقت کو یاد کرو جب تم بالکل قلیل تعداد میں تھے اور حالت یہ تھی مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تم زمین میں کمزور خیال کیے جاتے تھے تمہیں شرکین کی طرف سے طرح طرح کی ایذاؤں پہنچ رہی تھیں تیرہ سالہ مکی دور میں وہ کون سے مصائب ہیں جو اہل ایمان نے برداشت نہیں کیے۔ تَخَافُونَ أَنْ يَخْتَفَكُمْ اچانک سے جاہیں گے۔ ہر وقت دشمن کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا تھا۔ اللہ نے فرمایا ان حالات میں فَأَوَلَمْ تَكُنْ مِنْكُمْ تمہیں ٹھکانا دیا۔ مدنی زندگی میں مرکزیت عطا کی، اس مقام کو مرکز اسلام اور مرکز اہل ایمان بنایا، تمہارے سروں سے خوف کو اتار وَأَيَّدَكُمْ بنصیحہ اللہ نے اپنی نصرت کے ساتھ تمہاری

تائید فرمائی، تم اللہ کی رضا کا پروگرام لے کر اٹھو تو اللہ نے تمہاری مدد فرمائی  
وَذَرَكُمْ فِي خِلَابِ الطَّيِّبَاتِ اور تمہیں پاک چیزوں کی روزی عطا  
 کی اس میں مالِ غنیمت بھی شامل ہے۔ اور جس کے متعلق امام شاہ ولی اللہ  
 محدث دہلوی اور بعض دوسرے اصحاب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال تمہارے  
 لیے حلال و طیب قرار دے دیا تاکہ اسے استعمال کر سکو۔ اس کے علاوہ حلال  
 و پاکیزہ روزی کے دیگر بہت سے وسائل بھی دیے تاکہ تم پر احسان فرمایا۔

فرمایا ان تمام احسانات کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ  
 کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اس نے تمہیں امن والا خط ارسی عطا فرمایا۔  
 اس میں حکومت دی، حلال اور پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں، لہذا تمہارا فرض  
 تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے۔ اور اس کی ادائیگی حقوق ادا کرنے سے  
 ہوتی ہے۔ اللہ نے حکومت دی ہے تو اس شے شکرانے کے طور  
 پر ملک میں امن و امان قائم کرو۔ انصاف دیا کرو، عوام کے لیے روزگار کے  
 مواقع فراہم کرو اور ان کے لیے پاک روزی کا بندوبست کرو۔ اس کے  
 علاوہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرو۔ لوگوں کو برائیوں سے  
 روکو، نیکی کی تلقین کرو۔ عقیدے اور نسل کی اصلاح کرو، اس ملک الملک  
 کا شکر یہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ اسلام کے ابتدائی زمانے سے لے کر  
 قریباً چھ سو سال تک مسلمان اپنے اصولوں پر قائم رہے۔ اپنے ادب پر عامہ فرض  
 کی بجا آرمی سے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ ان پر انعام  
 و اکرام کی بارش کرتا رہا۔ پھر جب خود مسلمان ان اصولوں سے ہٹ گئے  
 اللہ کے بن کی بلندی اللہ کے کلمۃ اللہ ہی العلیٰ کی بجائے خود پرستی  
 اور کتبہ پروری شروع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی رحمت کا ہاتھ اٹھایا،  
 آج دنیا میں سچاس اسلامی ریاستیں ہیں مگر ایک بھی ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ  
 کے قائم کردہ معیار پر پوری اترے، ناشکری کا نتیجہ ہمیشہ ذلت کی صورت میں

شکر  
 خداوندی



نکلتا ہے۔ آج مسلمانوں کے پاس نہ تعلیم ہے نہ فن ہے۔ ہر معاملہ میں  
 دوسروں کے محتاج ہیں۔ اخلاقیات کا جوازہ انکل چکا ہے۔ تجارت میں ایمانی  
 ہے کسی کی جان و مال اور عزت محفوظ نہیں، سارا نظام ہی بگڑا ہوا ہے۔ یہ  
 ہتھکری کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے نعمت دی ہے تو اس  
 کا شکر بھی ادا کرو۔ ناقدری کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجاؤ گے، اس کی  
 گرفت بڑی سخت ہے، وہ مجرموں کو معاف نہیں کرتا۔

---

قال الملا ۹

درس ہشتم ۸

الأنفال ۸

آیت ۲۷ تا ۲۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا  
 أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَعَلِمُوا أَنَّ مَا  
 أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ  
 عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ  
 لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ  
 لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

۲۷  
۲۸  
۲۹

ترجمہ :- اے ایمان والو! مت خیانت کرو اللہ تعالیٰ سے  
 اور رسول سے اور مت خیانت کرو اپنی امانتوں سے اور تم  
 جانتے ہو ﴿۲۷﴾ اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور اولاد  
 میں آزمائش ہے اور بیشک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے ﴿۲۸﴾  
 اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو بنا دیگا  
 وہ تمہارے لیے فیصلہ کن بات اور دور کر دیگا تم سے تمہاری  
 برائیاں اور معاف کر دیگا تمہارے گناہ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل  
 والا ہے ﴿۲۹﴾

رابط آیات

یہ سورۃ اور اگلی سورت توبہ دونوں جہاد کے سلسلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان  
 سورتوں میں اللہ نے دشمن کے مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کے اصول بیان فرمائے  
 ہیں۔ سب سے پہلا اصول ثابت قدمی تھا۔ کہ جب دشمن سے ٹکریں ہو جانے تو پھر  
 میدان جنگ سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ ثابت قدم رہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قانون

مقرر کر دیا کہ دشمن اگر تعداد میں شکستے بھی ہوں تو ان کے خوف سے بھاگنے کی اجازت نہیں ہے جو شخص پیچھے پھیر کر بھاگ جائے گا وہ اکبر الکبائر کا مرتکب ہو کر جہنم کا مستحق ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنگ کا دوسرا اصول یہ بیان فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو لازم نہ کر دو اور اس سے روگردانی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ یہ بے عقل اور نامکھ ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ فرمایا سود اور منافقین کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے احکام سن لیے حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تیسرا اصول بیان فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مالو جب کہ وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف بلاتا ہے جس میں تمہارے لیے ابدی زندگی ہے تعمیل حکم میں سستی نہ کرو، ورنہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے درمیان حال ہو جائے۔ تمہارے دل کی حالت کو بدل دے اور تم سے نیکی کی توفیق ہی سلب کر لی جائے اس کے علاوہ گذشتہ درس میں اللہ نے اپنے بعض احسانات بھی یاد دلوائے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کا چوتھا اور پانچواں اصول بیان فرمایا ہے جس کا تعلق خیانت اور تقویٰ کے ساتھ ہے

ارشاد مومن ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِيْمَانُ الْوَالِ الْاِخْوَانُوا  
اللَّهُ وَالرَّسُولِ مت خیانت کرو اللہ سے اور رسول سے وَتَحَقُّوا  
أَمْنَتِكُمْ اور مت خیانت کرو اپنی امانتوں میں۔ اللہ تعالیٰ سے خیانت کرنے کا مضموم بڑا وسیع ہے۔ جنگ کی صورت میں جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے اور اس میں خیانت قطعاً روا نہیں۔ مال غنیمت کا مفصل قانون تو آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے تاہم اجمالی طور پر سورۃ کی ابتدائی آیت میں بھی فرمایا گیا ہے قُلِ الْاِنْفَاقُ  
لِلَّهِ وَالرَّسُولِ یعنی مال غنیمت تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو اس کے حکم

حقوق اللہ  
 میں خیانت

کے مطابق اُس کا بنی تقسیم کر دیا۔ مال غنیمت میں خیانت سے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے **شئ من النار وشئ من النار**۔ من النار اگر مال غنیمت میں ایک تسمہ یا دو تسمے بھی بغیر اجازت کے اٹھائے گا تو جہنم کا باعث ہو گا۔ ایک غلام کو کسی نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ لوگوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں مبارکباد پیش کی کہ آپ کا غلام شہید ہو گیا۔ آپ نے فرمایا **خیر دار**! اس شخص نے مال غنیمت میں سے ایک پیادہ چوری کی تھی جو جہنم کی آگ بن کر اس پر لپٹ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بنی نوع انسان پر قائم ہونے والے تمام حقوق اور انسان نے اللہ تعالیٰ سے جو بھی عہد و پیمان کر رکھے ہیں اور اس کی الوہیت کا جو اقرار کیا ہے، وہ سب امانت ہیں۔ جو شخص اُن میں سے، کوئی ایک حق بھی ادا نہیں کرے گا۔ وہ خیانت کا مرتکب ہو گا۔ اگر کوئی نماز ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا یا وضو اور غسل صحیح طریقے سے نہیں کرتا، وہ خیانت کا مجرم ہو گا۔ اسی طرح جو کوئی نبی کے احکام اور عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ بھی خیانت کا مجرم سمجھا جائیگا۔ تمام معاملات بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔ دھوکہ بازی، مکاری اور خیانت جہنم میں لے جانے کا باعث ہیں۔

حضرت ابوالبابہ ابن عبد المنذر کا واقعہ تفاسیر کی کتابوں میں مذکور ہے۔ حضور علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بنو قریظہ پر چڑھائی کی جو بھتیجاڑا لے کر مجبور ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے متعلق جو فیصلہ سعد بن معاذ کرے گا وہ تمہیں مت بول کر نہ مانو گا۔ ابوبابہ کا یہودیوں کے ساتھ تجارتی لین دین تھا اور وہ ایک دوسرے کے دوست تھے۔ یہودیوں نے حضرت ابوبابہ سے مشورہ لیا کہ کیا انہیں حضرت سعد بن معاذ کا فیصلہ قبول کر لینا چاہیے۔ اس پر حضرت ابوبابہ نے گلے کی طرف اشارہ کیا۔ اگرچہ انہوں نے منہ سے کوئی بات نہیں کی تھی تاہم اس کا مطلب یہ تھا کہ سعد کا فیصلہ تمہیں مراد دیکھنا

اس معاملہ میں محتاط رہو۔ یہ اشارہ تو کر بیٹھے مگر بعد میں انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے یہودیوں کے حق میں بات کر کے خیانت کا ارتکاب کیا ہے چنانچہ انہوں نے سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور قہم اٹھالی کہ جب تک اللہ کا رسول مجھے خود اپنے دست مبارک سے نہیں کھوے گا، میں یہیں بندھا رہ کر جان دے دوں گا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطی کی معافی طلب کرتے رہے حتیٰ کہ چھ دن گزر گئے اور آپ پر ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی تو حضور علیہ السلام نے خود اپنے دست مبارک سے البوابہ کی رسیاں کاٹ کر آزاد کیا۔ بہر حال فرمایا کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو۔

حقوق العباد  
میں خیانت

وَلَا تَخُونُوا أَمْنَكُمْ فِي بَنَدُولِ كَيْفَ تَخُونُوا فِي خِيَانَتِ كَاتِكُمْ  
ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے الْمُسْتَشَارُ مَوْثِقٌ  
یعنی جس سے مشورہ لیا جائے وہ ایمن ہوتا ہے، لہذا کسی کو غلط مشورہ نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ اپنی صوابدید کے مطابق صحیح صحیح مشورہ دینا چاہیے۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی کو غلط مشورہ دے گا تو وہ اس کے حق میں خیانت کا مرتکب ہوگا۔

حقوق العباد کے سلسلے میں خیانت کی مثالیں عام طور پر دیکھنے میں آتی رہتی ہیں۔ شراکت دار آپس میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مختلف انجمنیں بنتی ہیں اور پھر اُن کے حصہ داران یا کارکنان خیانت کے ذریعے مال کھاتے ہیں۔ مسجدوں اور مدرسوں کے فنڈ بھی خیانت ہوتی ہے یہ سب معاملات کی خیانت سے اور قطعی حرام ہے۔

بعض لوگ اپنے فرائض میں کوتاہی کر کے خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر آٹھ گھنٹے کام کرنے کا معاہدہ ہے تو پانچ گھنٹے کام کر کے

تین گھنٹے پوری کر لے۔ ڈیوٹی میں کبھی کرنا خیانت ہے اور ایسی کٹائی حرام ہے۔ دوٹ جیسی قیمتی امانت کسی غیر مستحق کے سپرد کر دینا بھی خیانت میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَنْ تُوَدُّواْ الْاَمْلٰتِ اِلٰی اَهْلِہَا (النساء) یعنی اپنی امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی عہدے پر متعین ہے اور وہ اپنے فرائض منصبی صحیح طور پر انجام نہیں دیتا تو وہ خیانت کا مجرم ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ منافق کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرتا ہے۔ بہر حال اپنے اختیارات سے تجاوز کرنا، احکام کی خلاف ورزی کرنا، مالی مفاد کی خاطر غلط مشورہ دینا سب خیانت میں داخل ہیں جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔ فرمایا اللہ اور اس کے رسول اور آپس کے معاملات میں خیانت نہ کرو وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ فلاح اسی میں ہے۔ اگر کسی بھی معاملہ میں خیانت کے مرتکب ہو گے تو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا، دنیا میں ذلیل ہو جاؤ گے اور آخرت میں عذاب کے مستحق ٹھہرو گے۔

فرمایا، یاد رکھو! خیانت اکثر مال اور اولاد کی محبت کی وجہ سے کی جاتی ہے اکثر لوگ اولاد کی خاطر مال کے حصول میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جو کہ بہت بُری بات ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی وَاعْلَمُواْ اَنْتُمْ مَّا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ تمہارے مال اور اولاد خدا تعالیٰ کی جانب سے فتنہ کا باعث ہیں۔ ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانا چاہتا ہے۔ سورۃ تغابن میں ہے اِنْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ تَهَارَبُ بِہِمْ بچے تمہارے دشمن ہیں۔ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر اگر خدا اور رسول سے خیانت کرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔ بیوی بچوں کے ساتھ نیکی کرنے کا

مال اور  
اولاد کا فتنہ

حکم ہے مگر اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کرنے کی قطعاً اجازت نہیں فرمایا اسی چند روزہ زندگی میں حقیر مال میں خیانت نہ کرو وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ اَحْبَبُ عَظِيْمٌ اَجْرٌ عَظِيْمٌ تو اللہ کے پاس ہے اگر خدا تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھو گے۔ مال و اولاد کے معاملہ میں خیانت نہیں کرے گے بلکہ اللہ کی حدود کو قائم کر دے گا تو اس کے ملے بہت بڑا اجر پائے گے بہر حال یہ کامیابی کا چوتھا اصول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ آپس کے معاملات میں خیانت کا ارتکاب کرو۔

تقویٰ کی  
برکات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے صلح و جنگ یا زندگی کے دوسرے معاملات میں کامیابی کے لیے پانچواں اصول بیان فرمایا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانُ وَالْوَلٰو ! اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے فیصلہ کن بات بنا دیگا معرکہ بدر اس کی زندہ مثال ہے۔ اس موقع پر اہل ایمان نے اللہ کی بارگاہ میں عاجزی، اخلاص اور تقویٰ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے فتح عظیم عطا فرمائی اور مسلمانوں کے حق میں ایسا فیصلہ کیا جو ہمیشہ کے لیے یادگار بن گیا۔ اسی طرح جس میدان میں بھی تقویٰ اختیار کر دے گا، اللہ تعالیٰ تمہیں مشکلات سے نکالنا ہے گا اور تمہارے لیے کوئی اشتباہ نہیں رہے دیگا۔ اور ہمیشہ تمہارے سامنے حق و باطل میں فیصلہ کن چیز رکھے گا۔ تقویٰ سے عام فہم مراد خدا کا خوف، کفر و شرک، معاصی اور بدعات سے بچنا۔ شریعت کا احترام کرنا، حدود اللہ کا خیال رکھنا اور شبہات سے بچنا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھنا تقویٰ کا اہم جزو ہے۔ لہذا اگر ان باتوں پر عمل پیرا ہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہمیشہ فیصلہ کن معاملہ کرے گا۔

فرمایا تقویٰ اختیار کرنے کا نتیجہ تمہارے حق میں یہ ہوگا وَ كَيْفَ تَعْلَمُوْنَ عَنْكُمْ مَسِيْرَتَكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی تمہاری برائیوں کو مٹا دیگا۔ تمہاری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔ نيز وَ كَيْفَ تَعْلَمُوْنَ تمہارے گناہ

بخش دے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے نتیجے میں تین انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلا انعام یہ ہے کہ تمہارے حق میں فیصلہ کن بات کرے گا۔ دوسرا تمہاری برائیاں مٹائے گا۔ اور تیسرا یہ کہ تمہارے گناہ بھی معاف کر دیگا۔ کیونکہ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے مگر اس کا فضل انہی لوگوں کے شامل حال ہوگا جو صاحب ایمان اور صاحب تقویٰ ہوں گے۔

کوئی فرد واحد ہو یا جماعت یا حکومت، اگر تقویٰ کے اصول پر کاربند نہیں ہوں گے تو ہر معاملہ میں گڑبڑ ہی رہے گی، کوئی فیصلہ کن بات سامنے نہیں آئے گی۔ آج دنیا میں جھگڑے، فساد، بے اہلیہ انی ہواشی بد حالی اور سیاسی ناپائیداری کا سبب یہی ہے کہ عام لوگ اور خود پر دازان حکومت تقویٰ سے عاری ہو چکے ہیں اور محکلات میں گرفتار ہیں۔



وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۖ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمُنْكَرِينَ ۚ (۳۰)  
وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۚ (۳۱)  
وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ اثْبِتْ بِعَذَابِ  
الْيَمِّ ۚ (۳۲) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ  
وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۚ (۳۳) وَمَا  
لَهُمْ إِلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ  
الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۖ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ  
وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۚ (۳۴)

ترجمہ :- اور ( اس وقت کو یاد کرو ) جب کہ مخفی تدبیر کر

ہے تھے آپ کے متعلق کافر لوگ تاکہ آپ کو قید کر لیں یا

قتل کر دیں یا آپ کو ( ملک سے ) باہر نکال دیں ۔ اور وہ بھی

مخفی تدبیر کرتے تھے اور اللہ بھی مخفی تدبیر کرتا ہے ۔ اور اللہ

تعالیٰ سب سے بہتر مخفی تدبیر کرنے والا ہے (۳۰) اور جب ان

پر پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں تو کہتے ہیں ، ہم نے سن لیا

ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہ دیں۔ نہیں ہے یہ مگر  
 قسے کہانیاں پہلے لوگوں کی (۳۱) اور وہ بات بھی قابلِ توجہ  
 ہے، جب کہ انہوں نے لے اللہ! اگر یہ بات حق ہے تیرا  
 طوفان سے تو پھر برسا دے ہم پر پھر آسمان کی طرف سے یاے  
 آ ہمارے پاس کوئی دردناک عذاب (۳۲) اور نہیں ہے  
 اللہ تعالیٰ کہ سزا دے اُن کو جب کہ آپ ان میں موجود ہیں  
 اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے والا جب کہ وہ بخشش  
 مانگتے رہیں گے (۳۳) اور کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ  
 دے جب کہ وہ دوسرے ہیں صبرِ حرام سے اور نہیں ہیں  
 یہ متولی اُس کے۔ درحقیقت نہیں ہیں اس کے متولی مگر وہ جو  
 متقی ہیں لیکن ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے (۳۴)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فلاح کے پانچ اصول بیان فرمائے ہیں۔  
 اپنا اصل خوف خدا یعنی تقویٰ کا راستہ اختیار کرنا اور اُسی کی ذات پر بھروسہ رکھنا ہے۔  
 اگر اہل ایمان اس اصول پر کاربند رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہر چیز کو فیصلہ کن بنا  
 دیگا اور یہ چیز ان کے باطن کے لحاظ سے نور بصیرت ہوگی۔ ان کے دلوں میں احسان کی  
 حالت راسخ ہو جائے گی، حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا ہوگا اور خارجی دُنیا میں ہر قسم  
 کے شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے۔ یہی تقویٰ کا نتیجہ ہے اور یہی مدارِ فلاح ہے  
 ان کے لیے دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہوگی جس کی بین مثال غزوہ بدر ہے۔ اس جنگ  
 میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ضروری اسباب پیدا فرمائے جن کا اشارہ گزشتہ آیات  
 میں ہو چکا ہے۔ اس مشکل موقع پر اہل ایمان نے بے مثال تقویٰ اور توکل پیش کیا تھا  
 نہایت بے مروت سامانی کی حالت میں بھی انہوں نے اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ رکھا تقویٰ  
 کے راستہ کو مضبوطی سے تھامے رکھا، تو اللہ تعالیٰ نے فتحِ مبین سے سرفراز فرمایا۔

اسلام کے پورے کی نشوونما کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اہل ایمان کی جن جن فرائض سے مدد فرمائی، ان کا ذکر آ رہا ہے، چنانچہ آج کے درس میں ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں مشرکین کی مہلت دھرمی اور تعصب کا ذکر بھی ہے اور اہل ایمان کی کامیابی کا بھی۔

حضور علیہ السلام  
کے خلاف  
مشورہ

ارشاد ہوتا ہے وہ بات اپنے رب سے کہہ کر کہنا کہ إِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا جب کہ کافر لوگ آپ کے متعلق مخفی تدبیر کر رہے تھے عربی زبان میں مکمر کا معنی مخفی تدبیر ہوتا ہے اگرچہ اس سے داؤ پیچ ہی مراد ہوتا ہے تاہم لفظی معنی تدبیر ہی ہے اردو میں محمر سے مراد دھوکہ اور فریب ہوتا ہے جس کا اطلاق عربی کے محمر پر نہیں ہوتا عربی محمر کا اطلاق انسانوں پر بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی چنانچہ اکثر مقامات پر قرآن پاک میں آتا ہے وَمَكُرُوا وَكَرَّ اللَّهُ انہوں نے بھی مخفی تدبیر کی اور اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكِرِينَ اور اللہ تعالیٰ بہترین مخفی تدبیر کرنے والا ہے یہی مضمون اس آیت میں آئے بھی آ رہا ہے۔

اس آیت، کرمیہ میں حضور علیہ السلام کی ہجرت کے پس منظر کی طرف اشارہ ہے کہ کفار مکہ نے آپ کے خلاف مختلف تجاویز پر مشورہ کیا اور پھر ایک فیصلہ یہ اتفاق کر لیا۔ مکہ میں حضور کے آباؤ اجداد میں سے قحطی ابن کلاب کا ایک مکان تھا۔ جسے اہم مشورہ کے لیے اسمبلی ہال کی حیثیت حاصل تھی۔ لہذا اسے دار الندوہ یعنی مشورے کا گھر کہا جاتا تھا۔ جب اسلام کی روشنی پھیلنے لگی اور اکابر کا لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے تو مکہ کے مشرکوں کو اپنی سیادت کی فکھ لاحق ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر مسلمان تعداد میں بڑھتے رہے تو ایک دن ایسا بھی آئے گا جب وہ مکہ کے قدیم باشندوں پر غالب آجائیں گے۔ چنانچہ وہ اسلام کے اس نرم و نازک پورے کو براہ راست جس جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے تیار ہو گئے انہوں نے

عام مسلمانوں خصوصاً ضعیف پر بڑے مظالم ڈھائے بعض کو قتل بھی کیا۔ مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے بالآخر کسی فیصلہ کے لیے بڑے بڑے کفار و مشرکین ابوجہل، عقبہ ہشیمہ اور ابوالاسود وغیرہ اسی دارالندوہ میں مشورہ کے لیے اکٹھے ہوئے تاکہ حضور علیہ السلام کی ذات کے متعلق کوئی آخری فیصلہ کر سکیں۔

قید کی  
تجویز

جب اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی تو ابونختری نے رائے دی کہ حضور علیہ السلام کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر انیس کسی کو ٹھٹھی میں قید کر دیا جائے نہ یہ باہر نکل سکیں گے اور نہ اسلام کی آبیاری ہوگی۔ امام سیسیؒ اور دیگر میرٹھک اسی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ دارالندوہ میں جمع تھے تو ایک اجنبی شخص نے آگہ دروازے پر دستک دی۔ پوچھنے پر اُس نے اپنا تعارف شیخ نجدی کے طور پر کر لیا اور کہا کہ میں بھی تمہارے مشورے میں شریک — ہونا چاہتا ہوں، شاید کوئی اچھی رائے پیش کر سکوں۔ چنانچہ اُس نووارد کو بھی مشورے میں شامل کر لیا گیا۔ یہ شخص مدہل ابلیس لعین تھا۔ اور اسلام دشمنی میں اپنا رول ادا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب ابونختری نے حضور علیہ السلام کو قید کر دینے کی تجویز پیش کی تو اُس نے اور بعض دیگر مشیروں نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ قید کی صورت میں آپ کے ساتھی آپ کو رہا کرنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح یہ خطرہ سر پر منڈلاتا ہے گا۔ اس مقام پر اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب کافر لوگ آپ کے متعلق مخفی تدبیر کر رہے تھے لَیْسَ بِدَوْلَةٍ تاکہ آپ کو قید میں ڈال دیں۔

جب مذکورہ تجویز پر اتفاق رائے نہ ہو سکا تو ابوالاسود نے مشورہ دیا کہ غمیر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جلا وطن کر دینا چاہیے باہر جو مرضی کرتے پھریں، حکم از کم ہم تو روز بروز کی سروردی سے محفوظ ہو جائیں

جلال دینی

گے۔ اس پر شیخ نجدی اور بعض دوسرے مشیروں نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبان کے بڑے میٹھے ہیں ایہ جہاں بھی جائیں گے لوگ ان کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے جب وہ طاقت جمع کر کے تم پر حملہ آور ہو جائیں۔ لہذا بہتر ہے کہ ان کو اس قسم کا موقع ہی نہ دیا جائے جو ہمارے لئے کسی آئندہ زمانے میں بھی خطرے کا باعث ہو۔ لہذا یہ تجویز بھی ناکام ہوگئی۔ اَوْ تَحِثُّ جُؤَالُکُمْ میں اسی تجویز کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد ابو جہل نے آپ کے قتل کا منصوبہ پیش کیا۔ تجویز یہ تھی کہ ہر قبیلے سے ایک ایک لوجوان کا انتخاب کیا جائے جو اعلیٰ درجے کی تلواروں سے مسلح ہوں اور پھر ایک مضرہ وقت پر حضور علیہ السلام پر حملہ آور ہو کر آپ کا کام تمام کر دیں۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ اس قتل میں تمام قبائل شامل ہوں گے اس لئے حضور علیہ السلام کے خاندان والے کسی ایک سے قصاص کا مطالبہ بھی نہیں کر سکیں گے، البتہ ہم سب مل کر انہیں دیت ادا کر دیں گے۔ ابلیس نے اس رائے کی حمایت کی، چنانچہ اس کام کے لئے تاریخ مقرر کر دی گئی کہ فلاں رات کو فلاں فلاں لوجوان مسلح ہو کر آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیں گے اور جو بہنی آپ باہر نکلیں گے آپ کو ختم کر دیا جائیگا۔ اَوْ یَقْتُلُوْکَ کا یہی مطلب ہے اسی واقعے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ کَیْفَ کُذِّبَ اَوْھَرُ کُفَّارُ مَخْفٰی تَدْرِیْ کہ ہے تھے اور اَوْھَرُ وَ کَیْفَ کُذِّبَ اللّٰہُ، اللہ تعالیٰ مخفی تدبیر کر رہا تھا۔ وَاللّٰہُ خَبِیْرُ الْمُکْرِیْنَ اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اُس کے سامنے کسی دوسرے کی تدبیریں چل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی یہی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ آپ کے دشمن بھی آپ کے خلاف مخفی تدبیر کر رہے تھے وہ آپ کو سولی پر لٹکانا چاہتے تھے مگر اَوْھَرُ اللّٰہ کی مخفی تدبیر بھی کام کر رہی

قتل کا  
منصوبہ

اللہ تعالیٰ  
کا تدبیر

مُحَمَّدٌ وَآلُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَرَّمُوا وَكَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ  
حَسْبُ الْمَكْرِبِينَ۔

بہر حال کفار نے اپنی خفیہ تدبیر کے مطابق رات کو حضور علیہ السلام کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصوبے سے بذریعہ وحی آگاہ کر دیا اور آپ کو راتوں رات وہاں سے نکل جانے کا حکم دیدیا حضور علیہ السلام نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور فرمایا کہ صبح یہ امانتیں لوگوں تک پہنچا دینا کیونکہ میں تو جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بھی حکم دیا کہ ٹی کی ایک مٹھی لے کر محاصرے پر موجود آدمیوں کے سروں پر پھینک دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور سورۃ کین کی آیت "وَجَعَلْنَا مِنْ تَلْپِئِهِمْ سَدًّا قَهْرًا خَلْفَهُمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ" کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر گئے مگر انہیں خبر تک نہ ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کے آگے پیچھے پردے ڈال دیے۔ ان پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ آپ کو دیکھ ہی نہ سکے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت علیؑ کو حضور علیہ السلام کے بستر پر پایا۔ پوچھا آپ کے صاحب کدھر گئے حضرت علیؑ نے کہا مجھے کیا پتہ ہے۔ کافروں نے بڑی سختی سے پوچھنے کی کوشش کی مگر انہیں کچھ پتہ نہ چلا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

حضور علیہ السلام اپنے گھر سے روزانہ ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ ان کو ساتھ لیا اور مکہ سے ہندہ کلومیٹر دور غار نور میں راتوں رات پہنچ گئے۔ صبح کے وقت جب کفار کو آپ کی روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے مختلف راستوں پر آدمی دوڑا دیئے تاکہ آپ کو روکا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ کی ہمت سے حضور علیہ السلام تین دن تک غار نور میں مقیم رہے اور پھر ایک غیر معروف

غار نور  
میں مقیم

راستے پر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابن ہشام اور دیگر مؤرخین نے اس راستے کی بھی نشاندہی کی ہے۔ جس پر حضور علیہ السلام نے مدینہ طیبہ کا سفر اختیار کیا۔ یہ سب اللہ کی مخفی تدبیر تھی۔ بدر کے مقام پر مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا مگر اللہ نے وہاں بھی اپنی مخفی تدبیر کے ذریعے ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور انہیں شکست فاش سے دوچار کیا۔

آیات قرآنی  
کا انکار

اگے اللہ تعالیٰ نے کفار کی ایک اور خصلت کا ذکر فرمایا ہے۔ وَإِذَا نُتِلَىٰ عَلَيْهِمُ آيَاتُ كِتَابٍ كَانُوا جُنَاحًا کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے تو تعصب اور عناد کی بناء پر کہتے ہیں۔ قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا کہ ہم نے سُن لیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں كُونُشَاءَ لَقُلْتُمْ مِثْلَ هَذَا اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔ نضرین حارث کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایران میں کافی عرصہ تک رہ چکا تھا اور وہاں کے رسم و اسفندیار کے قصے خوب جانتا تھا۔ جب حضور علیہ السلام لوگوں کے سامنے پرانی قوموں سے متعلق قرآنی آیات پیش کرتے تو نظر کرتا کہ محمد تمہیں عادی و نمود کے قصے سُناتا ہے، آؤ میں تمہیں اس سے بہتر کہانیاں سُناتا ہوں۔ چنانچہ شخص ایرانیوں کے پُرانے قصے کہانیاں لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔ تاہم مشرکین کی اکثریت ایسی تھی جو قرآن پاک کی کسی بھی آیت کی مثال لانے سے عاجز تھی، لہذا وہ آیات الہی کو سننے کے بعد یوں کہتے تھے إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ یہ تو بس پُرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اساطیر اسطورہ کی جمع ہے جو کہ یونانی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی کہانی (STORY) ہوتا ہے۔

کفار کی  
بدعت

مشرکین اپنے عقائد باطلہ پر بڑے راسخ تھے، اپنی خود ساختہ خد کو

کو دین ابراہیمی سے تعمیر کرتے تھے اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ وہ اُلٹا  
مسلمانوں کو صابی کہتے تھے کہ انہوں نے آباؤ اجداد کے دین کو خراب کر  
دیا ہے۔ اکثر انبیاء کے متعلق ان کی امتیں ایسا ہی گمان رکھتی تھیں۔ حضرت  
شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ کو یہی کہا تھا: "يَشْعِبُ أَصْلَانَا  
ثَامِرًا أَنْ تَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا (سورۃ ہود) اے شعیب!  
کیا تمہاری نماز تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں  
اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے اُس واقعہ کی طرف توجہ دلائی  
ہے جب وہ برکی طرف نکلے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی۔

وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ جِبْ اُنْهُوَ لَكَ اِنْ كَانَ هَذَا  
هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ اِگر محمد کا دین تیرے نزدیک برحق  
ہے، تو ہم تو اسے نہیں مانتے۔ فَأَمْطَرَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ  
السَّمَاءِ تو پھر ہم پر آسمان سے پھر برساتے اور نیتنا لعذاب  
اَلَيْهِمْ یا ہمیں درناک عذاب میں مبتلا کر دے۔ گویا کہ وہ لوگ اپنے عقیدے  
پر اتنے پکے تھے کہ خود اپنے لیے بہ دُعا کر رہے تھے۔ بعض دیگر انبیاء  
کی قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ فرعون اور ہامان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام  
کو سا حُرکے عذاب کہا۔ مشرکین نے حضور کا معجزہ دیکھ کر کہہ دیا سحر  
مُسْتَحْسَنٌ کہ یہ چلتا ہوا جادو ہے۔

فرمایا کہ مشرک تو اپنی زبان سے سزا کا مطالبہ کر رہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ  
کا قانون محض کسی کے طلب کرنے پر عذاب بھیج دینا نہیں ہے۔ بلکہ  
اللہ تعالیٰ دو وجوہات کی بنیاد پر عذاب کو طالتا رہتا ہے اور جب یہ  
وجوہات باقی نہیں رہتیں تو عذاب آجاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ عذاب سے  
بچے رہنے کی پہلی وجہ یہ ہے وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ  
وَإِنَّتَ فِيهِمْ یعنی اے پیغمبر! جب تک آپ ان کافروں کے

سزا کا  
خدا تعالیٰ تازن



درمیان موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا نہیں کریگا۔ یہ نبی کی برکت ہوتی ہے کہ اُس کی موجودگی میں عذاب الہی نازل نہیں ہوتا۔ پہلی قوموں میں بھی ایسا ہی ہوا ہے، جب نبی کو قوم سے الگ کیا گیا تو پھر ان پر عذاب آیا۔ حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق فرمایا وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجِدَنَّ هُودًا وَقَالِذِينَ آمَنُوا مَعَهُ رُسُودًا ہود جب حکم آگیا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بچا لیا اور نافرمانوں کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں بڑی تکالیف برداشت کیں مگر جب تک آپ وہاں مقیم رہے کفار پر کوئی عذاب نہیں آیا۔ پھر جب آپ وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے تو صرف ڈیڑھ سال کے عرصہ میں انہیں بدر کے مقام پر ایسی سزا دی جس میں ان کے سر سر کردہ لیڈر مارے گئے اور اتنے ہی قیدی بنالے گئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میری امت کو خصوصیت عطا کی ہے کہ ان پر کوئی ایسا اجتماعی عذاب نہیں آئے گا جس میں پوری امت ہلاک ہو جائے، تاہم جزوی طور پر چھوٹی موٹی سزائیں آسکتی ہیں۔ سابقہ انبیاء کی قوموں کو مجموعی عذاب میں بھی مبتلا کیا گیا۔ چنانچہ قوم عاد کی تباہی کے متعلق آتا ہے کہ ان پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل تیز ہوا چلتی رہی اور وہ لوگ اس طرح ہلاک ہوئے پڑے تھے جیسے کھجور کے بڑے بڑے تنے ہوں۔ فرمایا فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ (الحاقة) ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا بلکہ پوری قوم تباہ ہو گئی۔ قوم ثمود کا ابو رغال مسجد عرم میں ٹھہرا ہوا تھا، جب اُس قوم پر عذاب آیا۔ ساری قوم اپنے مقام پر ہلاک ہو گئی اور یہ عرم میں ہونیکا دھسے بچ گیا۔ پھر جب یہ عرم اسے نکل کر طائف کی طرف

جا رہا تھا تو اس پر بھی دہی غدا ب آیا جو باقی قوم پر آیا تھا اور شیخ راتے  
میں ہی ہلاک ہو گیا۔ اسی لیے حضورؐ نے فرمایا کہ سلی پوری لی پوری  
قوموں پر عذاب نازل ہو گا مگر میری امت پر اللہ تعالیٰ اس طرح کا مجموعی  
عذاب نازل نہیں کرے گا۔

فرمایا فرمان قوموں پر عذاب کے ٹپتے پٹنے کی دوسری وجہ یہ

ہے **وَمَا آتَاكَ اللَّهُ مَعَ ذِيهِ ۖ وَهُوَ يُسْتَعْفِفُ ۖ وَنَ**  
اللہ تعالیٰ اس وقت تک ان کو سزا نہیں دے گا جب تک وہ معافی  
مانگتے رہیں گے مشرک لوگ اپنے تمام تر شرک کے باوجود اپنی زبان سے  
عُفْرِ اَللّٰہَ کہتے تھے یعنی اے اللہ! ہمیں معاف فرمائے۔ تو اللہ نے  
فرمایا کہ جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے انہیں سزا نہیں دی جائیگی  
البتہ جب استغفار ترک کر دیں گے تو سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

فرمایا **وَمَا آتَاهُمْ ۖ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ ۚ اللَّهُ تَعَالٰی اَنۡ كُو**

نیز کیوں نہ دے وہ کہہ **يُصَدِّدُوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ**  
الحرام حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں حضور علیہ السلام اور اہل ایمان  
کو حرم شریف میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ اس کے بعد سورہ  
میں حضور علیہ السلام صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے آئے تو مشرکین  
نے آپ کو راستے ہی میں روک دیا اور مسجد حرام میں عمرہ نہیں ادا کرنے  
دیا۔ اس کے متعلق فرمایا کہ جب ان کے خدا کا یہ عالم ہے کہ اللہ  
کے گھر میں اس کی عبادت سے روکتے ہیں تو پھر ان پر عذاب  
آنے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے؟

فرمایا یہ مسجد حرام سے روکتے ہیں **وَمَا كَانُوا اَوْلٰی اَیۡ**

الانکہ یہ لوگ مسجد حرام کے حقیقی متولی نہیں ہیں۔ یہ تو تسلط ہیں جنہوں نے  
اللہ کے گھر پر زبردستی قبضہ کر رکھا ہے فرمایا **اِنَّ اَوَّلٰی سَئۡرِہٖ اِلَّا الْمُنٰفِقُوْنَ**

ترتیب ساجد  
تہ تاہن

در حقیقت مسجد حرام کے متولی تو متقی لوگ ہیں جن میں حضور علیہ السلام بہتر  
ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، اور ان کے دیگر ساتھی ہیں مسجد حرام کے متولی  
فاسق، فاجر اور مشرک کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس آیت سے عام مسجد کی تولیت کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔  
کسی بھی عبادت خانے کا متولی وہ ہو سکتا ہے جو متقی ہو۔ مگر آج اکثر مساجد  
میں فاسق لوگ مسلط ہیں۔ نہ تو وہ خود نمازی ہوتے ہیں اور نہ ہی تولیت  
کے اہل۔ مساجد کی انجمنیں اکثر ایسے ہی ممبران پر مشتمل ہوتی ہیں، ہر کوئی زبردستی  
متولی بننے کی کوشش کرتا ہے جس کا نتیجہ فتنہ فساد کی صورت میں ہی  
نکلتا ہے اور تولیت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ بہر حال فرمایا  
کہ یہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں، یہ لوگ تولیت مسجد کا حق نہیں رکھتے  
بَلْكُمْ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ سَوَاءٌ لَا يَعْلَمُونَ ان میں سے اکثر بے علم  
اور نا سمجھ ہیں۔ یہ لوگ محض اولاد ابراہیم علیہ السلام کے استحقاق کی بنا پر یہ  
مسجد حرام کے متولی بنے بیٹھے ہیں حالانکہ اس کے صحیح حقدار وہ ہیں  
جو اصل دین ابراہیم پر قائم ہیں۔

آج کل اکثر لوگ مسجد کا احترام نہیں کرتے۔ دنیا کی باتیں اور  
شور و غل ہوتا ہے۔ گمشدگی کے اعلانات ہوتے ہیں۔ تجارتی بجاؤ بیان  
کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضور نے فرمایا جو شخص گمشدگی کا اعلان کرتا ہے  
اس کے لیے بددعا کرو کہ خدا تمہاری چیز نہ لوٹے۔ اسی طرح جو تجارت  
کے لیے اعلان کرتا ہے، اس کے لیے کہو کہ خدا تیری تجارت میں نفع  
نہ دے۔ چھوٹے بچوں کو مسجد میں آنے سے اسی لیے روکا گیا ہے۔ کہ  
ان کی وجہ سے مسجد کا احترام پامال ہوتا ہے۔ پاگلوں کے متعلق بھی یہی حکم  
ہے مسجد میں حدود جاری کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے مسجدوں کا احترام باقی  
نہیں رہتا بہر حال مسجد حرام اور دیگر تمام مساجد کا احترام از حد ضروری ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصَدِيَةً  
 فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۲۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ  
 كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ  
 اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ  
 يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿۲۶﴾  
 لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ  
 بَعْضُهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمُهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي  
 جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۲۷﴾

۴۹  
۱۸

ترجمہ :- اور انہیں یہاں (مشرکین کو) کی نمازیں بیت اللہ  
 شریف کے پاس مگر سیٹیاں سبھا اور تالیاں پیٹنا (فرمایا اللہ تعالیٰ  
 نے) پس چکھو سزا اس کے ہرے جو کچھ تم کفر کرتے تھے ﴿۲۵﴾  
 بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں  
 کو تاکہ روکیں اللہ کے راستے سے۔ پس وہ خرچ کریں گے، پھر  
 ہوں گے (وہ مال) اُن پر حسرت کا باعث، پھر یہ (بالآخر)  
 معلوم ہوں گے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اُن کو جہنم  
 کی طرف اکٹھا کیا جائیگا ﴿۲۶﴾ تاکہ اللہ تعالیٰ جدا کر دے خبیث کو  
 پاک سے اور رکھے خبیث کے بعض کو بعض پر۔ پس اکٹھا کریگا  
 اس سب کو پس کر دے گا اس کو جہنم میں۔ یہی لوگ

گذشتہ درس میں حضور علیہ السلام کے واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ تھا جب کہ کفار مکہ آپ کو قتل کرنے کے لیے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مخفی تدبیر کو ناکام بنا دیا، اور حضور علیہ السلام کی حفاظت کے لیے ایسی مخفی تدبیر بنائی کہ آپ ان کی آنکھوں میں مٹی ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے۔ گذشتہ درس ہی میں اللہ نے مشرکین کے تعصب اور عناد کا ذکر بھی فرمایا اور یہ بھی کہ یہ لوگ فوری سزا کے مستحق ہیں مگر انکی سزا دو وجہ سے ٹکی ہوئی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ کا پیغمبر ان کے درمیان موجود تھا اور جب تک کسی بھی قوم کا پیغمبر ان میں موجود ہوتا تو وہ قوم سزا سے بچی رہتی ہے اور پھر جب پیغمبر علیحدہ ہو جاتا ہے تو قوم سزا میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

اللہ نے مشرکین سے سزا کے ٹپے بہنے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا۔ معافی کا قانون یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کے ساتھ استغفار کرتا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر کافر بھی ایسا کریں گے تو ان کو بھی فوری سزا نہیں ملتی۔ اللہ نے مزید فرمایا کہ مشرکین مکہ خانہ کعبہ کے بزرگ متولی بنے ہوئے ہیں حالانکہ حقیقت میں بیت اللہ کے متولی وہ ہونے چاہئیں جو متقی اور پرہیزگار ہوں۔ مشرکین مکہ تو کفر اور شرک میں مبتلا ہیں، لہذا وہ بیت اللہ شریف کے متولی کیسے ہو سکتے ہیں؟ اتفاقاً پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان کفر، شرک اور بدعت کی سے محفوظ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ کبیرہ معاصی سے بچے اور تیسرا درجہ اتفاقاً کا یہ ہے، کہ انسان مکہ وہ، مشکوٰۃ اور شہادت سے بھی بچتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا انْ اُولِیْٓآءَ الْاَلَمَّتَّقُوْنَ خانہ کعبہ کے متولی تو وہ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں۔ عام مساجد کا بھی یہی حکم ہے۔ ان کے متولین بھی متقی لوگ ہونے چاہئیں مگر آجکل اکثر مساجد کے منتظین فاسق، فاجر، بے نماز اور شرائع الیہ سے بے نیاز لوگ ہی ملتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ اب لوگوں میں جذبہ خدمت کی بجائے ذاتی مفاد پیش نظر ہے۔

مشرکین کی عبادت

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی عبادت کا ذکر فرمایا ہے

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَسْبِيحًا  
 نہیں ہے ان کی نماز بیت اللہ شریف کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور آلیا  
 پیٹنا مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ نے عبادت کے نامی  
 خود ساختہ طریقے ایجاد کر رکھے تھے جو عبادت خود آداب مسجد کے خلاف  
 تھے مثلاً اُن کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈال دی تھی کہ جن کپڑوں  
 میں ہم گناہ کرتے ہیں ان کپڑوں کے ساتھ ہم بیت اللہ جیسے پاک مقام  
 کا طواف کیسے کر سکتے ہیں؟ چنانچہ جن لوگوں کو قریش مکہ اپنے کپڑے  
 عاریتہ دے دیتے تھے، وہ ان کپڑوں کے ساتھ طواف کر لیتے تھے اور  
 باقی حاجیوں کی غالب اکثریت اپنے کپڑوں میں طواف کرنے کی بجائے  
 بالکل برہنہ طواف کرنے کو ترجیح دیتی تھی۔ چنانچہ مردوں کے وقت  
 بیت اللہ کا طواف کرتے اور عورتیں رات کے وقت۔ وہ بہجنت  
 اس شیع فعل کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے کہتے تھے کہ ہم اس  
 کے حکم سے آیا کرتے ہیں حالانکہ گذشتہ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ  
 کا یہ فرمان گزر چکا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اَعِني اللہ تعالیٰ  
 تو اس بے حیائی کا حکم نہیں دیتا ایسے عمل کو اللہ تعالیٰ یا شریعت کی  
 طرف منسوب کرنا تو بہت بڑی زیادتی کی بات ہے۔

آدابِ مساجد

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب خود حضور علیہ السلام یا آپ کا  
 کوئی صحابی بیت اللہ شریف کے پاس نماز کے لیے کھڑا ہوتا تو مشرک  
 لوگ دخل اندازی کے لیے سیٹیاں بجانا شروع کر دیتے تھے جو کہ نہایت ہی  
 بے ادبی اور گستاخی کی بات تھی۔ مسجدوں کے آداب کے متعلق سورۃ نور  
 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنْ بَيَّعَتْ اَذْنَ اللّٰهِ اَنْ  
 تُدْفِعَ وَيُذَكَّرَ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ تعالیٰ نے تو مساجد کو بلند  
 رکھنے اور اُن میں اس کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے مگر یہ لوگ ہاں سیٹیاں بجاتے

اور تالیاں پیٹتے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو وہاں پر عبادت سے روک سکیں جب بیت اللہ شریف کی عمارت حضرات ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچی تو اللہ نے اپنے دونوں انبیاء سے وعدہ لیا اَنْ طَهَّرَا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (البقرہ) کہ وہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھیں گے۔ اس حکم میں ظاہری طہارت بھی آتی ہے کہ اللہ کا گھر ظاہری نجاست سے بالکل پاک صاف ہو اور باطنی طہارت بھی کہ وہاں پر کفر، شرک، بے ادبی اور گستاخی کی کوئی بات نہ ہو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اپنے گھر میں بھی جو جگہ نماز کے لیے متعین کی جائے وہ بھی مسجد کا حکم رکھتی ہے اور اس کو بھی پاک صاف رکھنا ضروری ہے۔

صحاح ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک شخص نے مسجد کے صحن میں پیشاب کر دیا حضور علیہ السلام کے صحابہ اُسے مانے کے لیے دوڑے۔ مگر آپ نے اُس پر زیادتی کرنے سے منع فرمایا۔ پھر اُس شخص کو اپنے پاس بلا کر بات سمجھائی کہ اللہ کے گھر اس لیے نہیں ہوتے کہ یہاں گندگی پھینکی جائے، یہ مقام تو اللہ کی عبادت، نماز اور ذکر کے لیے ہوتے ہیں۔ آپ نے بڑی نرمی سے سمجھایا، پھر مسجد کو صاف کر دیا غرضیکہ مسجد میں تالیاں بجانا، سیٹیاں مارنا، دوڑنا، گندگی پھیلانا سب آداب کے خلاف ہے۔ اسی طرح پتنگ اڑانا، لڑائی جھگڑا کرنا، سامان بیچنا اور گندگی کا اعلان کرنا بھی خلاف ادب ہے حتیٰ کہ مسجد میں ہتھیار برہنہ کرنے اور حدود جاری کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ مسجد کا ادب اور غلطی پر بیت اللہ شریف کا ادب ہمیشہ ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

اللہ نے فرمایا کہ مشرکین کی نماز یہ ہے کہ بیت اللہ کے نزدیک

سیٹیاں اور تالیاں بجائی جائیں حضرت سعید ابن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ تصدیق سے مراد وہ آواز ہے جو ہاتھ مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تالیاں بجانے سے منع فرمایا ہے۔ اور صد کا معنی روکنا بھی ہوتا ہے۔ ۶۷۷ میں مشرکین مکہ نے عمرو کے لیے آنے والے مسلمانوں کو مکہ سے باہر ہی روک دیا تھا اور شہر میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ اسی طرح مکہ کا معنی امنہ میں انگلی ڈال کر آواز لگانا یا سنی بنائی سیٹی بجانا ہے۔ مکہ کا اس پرندے کو بھی کہتے ہیں جو سیٹی کی سی آواز نکالتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین نے اسباب تو ایسے جمع کر رکھے ہیں کہ یہ فوری سزا کے مستحق ہیں مگر دو وجوہات سے ان پر عذاب رکا ہوا ہے جب تک حضور علیہ السلام مکے میں موجود ہے اور جب تک مشرکین استغفار کرتے رہے اُن کی سزا رُک رہی ہے پھر جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو صرف دو تیرہ سال کے عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے مقام پر اُن پر عذاب نازل فرمایا۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے انہیں ذلیل و خوار کیا۔ کفار کے ستر مکرر آدمی قتل ہوئے اور اتنے ہی قیدی بنائے گئے جنہیں فدرے کر چھوڑا گیا۔ اللہ نے فرمایا فذوقوا العذاب بما کفرتکم فؤن۔

اب سزا کا سزا چکھو جو کہ تمہارے کفر کا بدلہ ہے۔

جب کفار مکہ کو بدر کے میدان میں شکست فاش ہوئی تو اُن میں غیظ و غضب کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔ ابوسفیانؓ پچاس ہزار دینار بیت کا سامان تجارت لے کر آیا تھا مشرکوں نے کہا کہ اس قافلے کی حفاظت کے نام پر ہم پر وبال آیا ہے لہذا انہوں نے عہد کیا کہ یہ سارا مال مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی وہ اسلام کو مغلوب کرنے کے لیے مال خرچ کرتے رہتے تھے۔ اسی ضمن میں یہاں فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا یَنْفَقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

اللہ کے راستے میں رکاوٹ



لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ط یعنی کافر لوگ اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے اپنے مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پیش نظر غریبوں کی ہمدردی یا رفاہ عامہ کا کوئی کام نہیں ہوتا بلکہ یہ لوگ اس لیے کشمیر مال خرچ کرتے ہیں تاکہ اسلام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جاسکیں اور یہ آگے نہ بڑھ سکے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے کہ عرب کا ایک بہت بڑا شاعر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا مگر کفار اُسے محض اس لیے آپ کے پاس جانے سے روکتے تھے کہ اگر اُس نے اسلام کے مشن سے متاثر ہو کر کوئی قصیدہ کہ دیا تو سارا عرب اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا۔ چنانچہ مشرکوں نے سوانہ سنانج کے عوض اُس شاعر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روک دیا۔

یہود کا بھی یہی حال ہے۔ نصاریٰ آج کرڈروں روپے اسلام دشمنی پر خرچ کر رہے ہیں تاکہ دین کا راستہ روکا جاسکے۔ کہیں تعلیم کے نام پر روپیہ صرف ہو رہا ہے، کہیں ہسپتال قائم کر دیے ہیں اور کہیں کثیر تعداد میں لٹریچر شائع کر کے پڑھے لکھے لوگوں تک مفت پہنچایا جا رہا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے غیر مسلم افراد، پارٹیاں اور حکومتیں بے دریغ روپیہ خرچ کر رہی ہیں۔ بڑے بڑے تبلیغی مراکز قائم ہیں جہاں سے افریقہ جیسے پس ماندہ ممالک میں تبلیغی مشن بھیجے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف مسلمانوں میں یہ جذبہ مفقود ہوتا جا رہا ہے پہلے زمانہ میں ہر مسلمان اپنے اندر جذبہ ایمان رکھتا تھا اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی سعی کرتا تھا۔ انڈونیشیا، جاوا اور سماٹرا وغیرہ میں اسلام مسلمان تاجروں کی بدولت پھیلا۔ وہ تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا کام بھی کرتے تھے۔ مگر اب یہ ذمہ داری حکومتوں پر ڈال دی گئی ہے

اور ان کی کارکردگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ حکومتوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ اسلامی ممالک میں ارتداد کو بھی نہیں روک سکیں۔ جب پاکستان معرض وجود میں آیا تھا تو اس وقت یہاں کتنے عیسائی تھے اور اب اس تعداد میں کتنے گنا اضافہ ہو چکا ہے کسی نے آج تک اس طرف توجہ نہیں دی۔ کسی نے ارتداد کو روکنے کی کوشش نہیں کی، یہ تبلیغ دین کا کام کیا کریں گے؟ میں نے عرض کیا کہ کافر لوگ لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے ضریح کھرتے ہیں۔ چنانچہ شکیب ارسلان نے اپنی کتاب حاضی العالم الاسلامی میں لکھا ہے کہ یورپ کی عیسائی مشنریوں نے اسلام کی خلاف چھ لاکھ کتابیں شائع کر کے تقسیم کی ہیں تاکہ کسی طرح قرآن پاک کا پڑ گرام آگے نہ بڑھنے پائے۔ اور حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ کو لوگوں کے سامنے مشتبہ حالت میں آئے۔ ذرا غور فرمائیں کہ مسلمان حکومتیں اور عوام اس ضمن میں کتنی کوشش کر رہے ہیں اور کتنا مال صرف کر رہے ہیں؟ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی کاوش ایک دو فیصد ہی سے زیادہ نہیں ہے حالانکہ دین کی تعلیم اور تبلیغ اتنی عام ہونی چاہیے جس سے قرآنی پروگرام دنیا کے چپے چپے میں متعارف ہو جائے۔

تیسری صدی کے حالات کے مطابق جو جنگی قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آتے تھے انہیں اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ چاہیں تو مسلمانوں کی حفاظت اور امداد کے ساتھ رہیں اور چاہیں تو واپس چلے جائیں۔ چنانچہ جب لوگ مسلمانوں کے ساتھ رہنا پسند کر لے تھے تو اہل ایمان کو بڑی خوشی ہوتی تھی برخلاف اس کے جو لوگ اپنے دین پر پلٹ جانا چاہتے ان پر مسلمانوں کو بڑا دکھ ہوتا تھا مگر آج حالت یہ ہو چکی ہے کہ جب کوئی مسلمان اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتا ہے تو کسی مسلمان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ارتداد کے اسباب کا جائزہ لینا اور پھر اس کا سد باب کرنا تمام مسلمانوں کی مشترکہ ذمہ داری

اسلام کا  
تبلیغی سن

ہے مگر حکومتیں یہ ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر ہیں مسلمانوں میں بیماریوں کے علاج اور محتاجوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیماری اور غربت سے تنگ آکر لوگ عیسائیت اختیار کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس وسائل موجود ہیں مگر یہ انہیں بروئے کار نہیں لاتے۔ تبلیغ دین کے لیے مسلمانوں کی سامعی ایک دو فیصدی سے زیادہ نہیں ہے تبلیغی جماعتیں اپنے طور پر حتی المقدور تبلیغ کا کام کر رہی ہیں حضرت مولانا محمد الیاس کا مدخلوی نے میوات جیسے پس ماندہ علاقے میں پچیس سال تک تبلیغ دین کا کام کیا اور اس جذبہ کو دنیا میں پھیلانے کی سعی کی۔ آپ انتہائی درجے کے خدا پرست انسان اور بڑا بلند جذبہ رکھنے والے تھے۔ ان کی کوششوں اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ تبلیغی مشن کامیابی کی منازل طے کر رہا ہے ان کے فرزند ارجمند مولانا محمد یوسف صاحب نے بھی اس کام کے لیے زندگی وقف کر دی۔ ان بزرگوں کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ یہ مشن مفید کام انجام دے رہا ہے اور نہ حکومتی سطح پر یہ کام نہ ہونے کے برابر ہے۔ عام لوگ جو تبلیغی مشن پر روانہ ہوتے ہیں انہیں دوسروں کی نسبت اپنی اصلاح کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔ اسلام میں فلاح اصلاح اور پھر اصلاح عالم دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ پوری دنیائے لوگ اسلام کے پرچم تلے جمع ہو کر جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔ یہ اسلام کا عالمی پروگرام ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کفار کی حتمی ناکامی

لوگ اسلام کا راستہ روکنے کے لیے اپنے مال خرچ کرتے ہیں فَيَذَرُوهَا پھر وہ خرچ کریں گے ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ پھر وہ ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگا اور بالآخر وہ حق کے مقابلے میں ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کو اس دنیا میں چند روزہ

جہلت ملے بائے اور یہاں انہیں جلدی سزا ملے مگر اللہ کی مصلحت یہی ہے کہ قَسَمَ يَكْفُرُونَ آخر کار وہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔ فرمایا وَالَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کیا إِلَّا جَهَنَّمَ جہنم کی طرف وہ سب جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ جہاں انہیں اپنے کیے کا کا بجگستان کمزیا ہوگا۔

پاک ناپاک  
میں امتیاز

فرمایا یہ سب کچھ اس لیے ہوگا لِيَحْيِيَ اللَّهُ التَّائِبِينَ من الطَّيِّبِينَ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے ممتاز کر دے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دودھ کا دو روہ اور پانی کا پانی کر دیگا۔ سب کے اچھے اور بُرے اعمال سامنے آجائیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے پاک لوگوں کو ان کے مرکزِ حقیرۃ القدس میں اور ناپاک لوگوں کو ان کے مرکزِ جہنم میں پہنچائے گا۔ نیک اعمال کے اثرات جنت میں ظاہر ہوں گے اور بُرے اعمال کے نتائج کا ظہور جہنم میں ہوگا۔ اسی لیے فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ ضیعت کو طیب سے ممتاز کر دے۔ اور ساتھ یہ بھی ہوگا۔ وَيَجْعَلُ الْحَيِّتَ بَدْنَهُ عَلٰی كَبْعَيْنِ اور اللہ تعالیٰ ڈال دے گا بعض جائزات کو بعض پر یعنی انسانوں کے تمام بُرے اعمال کو ایک دوسرے پر ڈال دے گا فَيَكُونُ كَمَا جَمِيعًا پھر ان سب کو ڈھیر بنا دے گا، اکٹھا کر دیگا۔ فَيَجْعَلُهُ جہنم اور کر دیگا ان کو جہنم میں مطلب یہ ہے کہ آخر کار وہ قسرت بھی آجائے گا جب اللہ تعالیٰ تمام کفر، ان کے معبودانِ باطلہ، ان کے اعمالِ بدہ اور ان کے اعمال کو جہنم رسید کر دیگا۔

فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ حقیقت میں نقصان اٹھانے والے یہی لوگ ہیں۔ یہ خود کفر کے پروگرام پر چل رہے ہیں اور اسی کو دنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں تاکہ یہ آگے نہ بڑھ سکے۔

یہ کامیابی کا پانچواں اصول تھا کہ "اے ایمان والو! اگر تقویٰ کی راہ اختیار  
 کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے فیصلہ کن بات رکھے گا، اس کی  
 بعض ذیلی باتیں بھی آج کے دور میں بیان ہو گئی ہیں۔ جب مسلمان  
 ان مسلمہ اصولوں پر قائم تھے تو انہیں دُنیا میں بھی کامیابی حاصل ہوئی تھی  
 اولین مثال میدانِ بدر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غلبہٴ اسلام کے لیے  
 اسباب پیدا فرمادیے اور کفار و مشرکین ذلیل و خوار ہوئے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنتُ الْأَوَّلِينَ ۚ (۲۸)  
 وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۚ (۲۹)  
 وَإِنْ كُولُوا فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۚ (۳۰)

ترجمہ :- (اے پیغمبر) آپ کہ دیں ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، اگر وہ باز آجائیں تو معاف کر دیا جائے گا جو پہلے ہو چکا ہے۔ اور اگر وہ پلٹ کر کریں گے (وہی بات) پس نتیجتاً گزر چکا ہے دستور پہلے لوگوں کا (۲۸) اور (اے اہل ایمان!) لڑو اُن (کفر و شرک کرنے والوں) سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جائے اطاعت سب کی سب اللہ کے لیے۔ پھر اگر یہ باز آجائیں تو بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کام کرتے ہیں اُسے دیکھتا ہے (۲۹) اور اگر وہ روگردانی کریں تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارا آقا ہے۔ وہ بہتر آقا ہے اور بہتر

مددگار (۳۰)

گزشتہ درس میں اس بات کا ذکر کیا گیا تھا کہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کا خرچ کیا

ربط آیات

ہو ایسی مال ان کیلئے حسرت کا باعث بن جائے گا۔ یہ لوگ دنیا میں بھی اسلام کے مانتوں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں ان کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے گا اور پھر ہر ایک کو اپنے اپنے مرکز اور ٹھکانے تک پہنچا دے گا۔ خبیث انسان ہو یا مال یا ان کے عقائد سب کو ایک ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اسی سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا ہے قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا أَبِ ان کافروں سے کہ دیں اِنْ يَكُذِّبُوْا اِگر یہ کفر اور شرک سے باز آجائیں۔ دین کے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالیں اور فتنہ و فساد کو ترک کر دیں لیغرض کھٹو مَافَقَدْ سَلَكَتُمْ اُن کی سابقہ غلطیاں حاف کر دی جائیں گی۔ یہ لوگ پیغمبر اسلام اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ اگرچہ عداوت اور سرکشی کا سوک کرتے رہے ہیں تاہم اللہ تعالیٰ ایمان لانے کی بدولت ان کے سابقہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ حضور علیہ السلام کا بھی فرمان ہے اَلْاِسْلَامُ يَهْدِيْهِمْ مَّا كَانَ قَبْلَهُ سچے دل سے ایمان لانا سابقہ غلطیوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر یہ کفار و مشرکین اب بھی باز آجائیں اسلام کی مخالفت ترک کر کے اُسے قبول کر لیں تو ان سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ فرمایا وَ اِنْ يَكُذِّبُوْا اِگر یہ لوگ پلٹ کر اسی طرح لوگوں کو اسلام کے راستے سے روکیں گے، جنگ و جدال کا بازار گرم کریں گے، فساد فی الارض کے مرتکب ہوں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا فَقَدْ مَّصَّتْ سَدَّتْ اَلْوَلَدُیْنَ کہ پہلے لوگوں کا دستور گمراہ چکا ہے۔ یعنی اس سے قبل بھی جن لوگوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ عداوت رکھی وہ بالآخر ذلیل و خوار ہوئے، اسی طرح یہ لوگ بھی اگر اپنی حرکات پر مصر رہے تو اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے بلکہ کسی نہ کسی سزا میں ضرور مبتلا ہو کر

معافی کی گنجائش

سرکشی کا وبال

رہیں گے۔ یہی سنت اللہ اور یہی ایام اللہ ہے۔ اللہ نے نافرمان لوگوں کا  
قرآن پاک میں بار بار تذکرہ کر کے خبردار کیا ہے کہ جو کوئی اُن کے راستے  
پر چلے گا، خدائی دستور کے مطابق اس سے ویسا ہی سزا دی جائے گی۔  
آپ کو یاد ہو گا کہ جہاد کا پانچواں اصول یہ بیان کیا گیا تھا کہ اگر تم تقویٰ  
کی راہ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے فیصلہ کن بات ظاہر کر  
دے گا، تمہیں غلبہ نصیب ہو گا اور تمہارے تمام شکوک و شبہات رفع ہو  
جائیں گے۔ اسی اصول کی جزئیات کے طور پر ارشاد ہوتا ہے وَقَاتِلُوهُمْ  
حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ کفار و مشرکین سے لڑتے رہو یہاں تک  
کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔ فتنہ سے متعلق پیچھے تیسرے رکوع میں بھی گذر  
چکا ہے وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا آمَاكُمُ وَأَوْلَاكُمُ فَفِتْنَةٌ  
یعنی یاد رکھو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ کا لغوی معنی سونے  
کو کٹھالی میں ڈال کر پھیلانا ہے تاکہ اسی میل کچیل صاف ہو جائے اور یہ  
چیز آزمائش کا باعث ہوتی ہے، چنانچہ انسان کا مال اور اس کی اولاد اس  
کے لیے آزمائش کا باعث ہوتے ہیں۔ انسان ان دو چیزوں کی وجہ  
سے کئی قسم کی برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اولاد کی خاطر دھوکہ، فریب اور  
چوری کا ارتکاب کرتا ہے اور مشتبہ اور حرام مال کے حصول سے بھی اقبال  
نہیں کرتا۔ مال اس لحاظ سے آزمائش ہے کہ اسی کی وجہ سے انسان میں  
عز و تجر اور سرکشی آتی ہے۔ البتہ اہل ایمان کے لیے حضور علیہ السلام کا  
فرمان مبارک ہے وَنَعِمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ هُوَ لِمَنْ أَعْطَى  
مِنْهُ الْمُسْكِينَ وَالْيَتِيمَ وَابْنَ السَّبِيلِ مال مسلمان کے لیے  
اچھا صاحب ہے مگر اس کے لیے جو یتیم اور مسکین اور مسافر کا حق ادا  
کرتا ہے۔ چونکہ اکثر لوگ مستحقین کا حق ادا نہیں کرتے لہذا وہ مال کے فتنہ  
میں مبتلا ہوتے ہیں۔



فتنہ سے  
مراد شرک ہے

حضرت امام حسن بصریؒ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ آپ ۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ آپ غلام اور لونڈی زادے تھے آپ کے ام المؤمنین ام سلمہؓ کا دور دھوپا۔ آپ بڑے عالم ازام اور متقی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا اعزاز بخشا، حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے درمیان حسن بصری موجود ہوں تو کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے، انہی سے تمام مسائل دریافت کیا کرو۔ بزرگوں کے تمام سلاسل چشتیہ، قادریہ وغیرہ کی انتہا حضرت حسن بصریؒ پہ ہوتی ہے اور یہ سلسلہ حضرت علیؒ اور حضور علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ بہر حال حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس مقام پر فتنہ سے مراد شرک ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اس طرح ہے کہ کفار و مشرکین سے جنگ جاری رکھو حتیٰ لَا تَكُونُ فِتْنَةً حتیٰ کہ شرک کا غلبہ باقی نہ رہے۔

جزیرہ کا  
مسئلہ

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے جزیہ قبول کر کے انہیں اسلامی حکومت کی پناہ میں رہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ عرب کے کفار و مشرکین سے جزیہ قبول نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ یا تو ایمان قبول کر لیں یا وہ اسلام کا مرکز یعنی عرب کا خطہ چھوڑ جائیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر انہیں ختم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مرکز دین میں دو دین اکٹھے نہیں چل سکتے۔ البتہ عجم کے غیر مسلموں سے جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے بطور وصیت ارشاد فرمایا کہ میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔ پھر آپ نے اپنی عمر کے آخری حصے میں منسرایا اَخْرِجُوا الْيَهُودَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ یعنی یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کیا جائے حضرت عمرؓ نے اس وصیت

پر عمل کرتے ہوئے خیر کے پیرو یوں کو نکال دیا جوتیما اور فلسطین وغیرہ  
میں جائز آباد ہو گئے اور اس طرح عرب کا خطہ ان سے پاک ہو گیا۔ بہر حال  
شُرک کفر سے بھی بڑا فتنہ ہے کیونکہ **إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ**  
(سورۃ لقمان) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور کافروں کے متعلق  
**وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ** کفر کرنے والے ہی ظالم  
ہیں۔ کفر کا معنی اللہ کے دین اور شریعت کا انکار کرنا اور شرک سے مراد  
اللہ کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرنا ہے  
فرمایا یہ سب سے بڑا فتنہ ہے، لہذا جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ یہ  
باقی نہ رہے۔

فتنہ سے  
مراد بدامنی  
ہے

بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر فتنہ سے  
مراد فساد، سرکشی، بغاوت اور بدامنی ہے۔ لہذا جب تک دنیا میں امن  
و امان قائم نہ ہو جائے اس وقت تک کفار و مشرکین سے برسرِ پیکار رہو  
اسلام کے راستے میں رکاوٹ بھی جھجکے گا، فساد اور بدامنی کا پیشِ رخسہ  
ہے، لہذا آیت کریمہ کا یہ مطلب بھی ہے کہ اس وقت تک جہاد کھتے  
رہو جب تک تبلیغِ دین کے راستے میں کوئی بھی رکاوٹ موجود نہ ہو جب  
دین کے راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں، اسلام کی تبلیغ کا راستہ روکنے  
والا کوئی باقی نہ رہے تو اس وقت جہاد کو موقوف کرنے کی اجازت ہے  
امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ **اخْلَالُ الشَّرَائِعِ** یعنی اللہ کے دین اور شریعت  
میں خلل ڈالنے کا نام فساد فی الارض ہے۔ اگر کسی جگہ اللہ کے دین کی  
عملداری نہ ہو تو وہاں پر ایسے قانون کے نفاذ کے لیے جہاد ضروری ہو  
جاتا ہے۔ جہاد ہی الیاء عمل ہے جو چوری، ڈاکہ، زنا، قتل ناحق اور فتنہ و فساد  
کا قلع قمع کرے گا، لہذا جہاد ایک ضروری عمل ہے۔ اگر قانونِ الہی کی خلاف ورزی  
اندرون ملک سے ہوتی ہے تو اُسے تعزیر کے ذریعے درست کیا جائیگا۔

اور اگر قانونِ الہی کی مزاحمت بیرون ملک سے ہو تو پھر ایسی طاقتوں کے خلاف جہاد فرض ہوتا ہے بمقصد بہر حال یہی ہے کہ دنیا سے فتنہ فساد کفر شرک، بغاوت و سرکشی کا دور دورہ ختم ہو کر اللہ کی زمین امن و امان کا گوارہ بن جائے۔

دین کی  
سر بلندی

فرمایا جہاد کی ایک غرض تو یہ ہے کہ زمین پر فتنہ باقی نہ رہے اور دوسری یہ کہ وَيَكُونُ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ اور اطاعت سب کی سب اللہ کے لیے ہو جائے۔ جب کسی قوم، سو مائے یا ملک میں اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دوسرا قانون نافذ ہو گا، تو یہ غیر اللہ کی اطاعت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت نہیں ہوگی۔ اس وقت پاکستان میں انگریز کا قانون رائج ہے تو یہ انگریز کی اطاعت ہے اور اگر مارشل لا کا ضابطہ ہے تو یہ بھی غیر اللہ کی اطاعت کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اُس وقت ہوگی جب مکمل طور پر اللہ کے دین کی حکمرانی ہوگی اور ملک میں شریعت مطہرہ کو بالادستی اور سر بلندی حاصل ہوگی۔ جب تک یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اُس وقت تک جہاد کا حکم باقی ہے۔

سورۃ انفال اور توبہ میں صلح و جنگ سے متعلق کل تیرہ اصول اور کچھ ضمنی باتیں بیان کی گئی ہیں اور ان تمام کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ آگے بتایا جائیگا کہ جہاد سے مراد ملک گیری نہیں، نہ محض لوندیاں اور مال و دولت حاصل کرنا ہے اور نہ کسی قوم کا محض خاتمہ مطلوب ہے بلکہ جہاد کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ کا دین سر بلند و غالب ہو اور اللہ کی بات ہی اپنی ہو۔ اس کے مقابلے میں شیطان اور غیر اللہ کی بات پسٹ ہو جائے۔ اس لحاظ سے جہاد ایک عبادت بھی ہے اور جملہ پانچ عبادات نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد میں ایک ہے آگے مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ بھی آئے گا مگر یہ بھی ضمنی بات ہے اصل چیز یہی ہے کہ اللہ کا

دین سرعند ہو جائے اور اطاعت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے لیے  
 ہو۔ جب تک اہل اسلام جہاد پر عمل پیرا رہیں گے، ان کو دنیا میں عزت و  
 وقار حاصل رہے گا۔ جب جہاد کو ترک کر دیں گے تو ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔  
 تاریخ شاہد ہے کہ جب سے مسلمانوں پر تنزل کی فضا چھائی ہے  
 ان کا دین رہا نہ اخلاق۔ ان کی تربیت ہی ختم ہو گئی ہے حضور علیہ السلام  
 کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے بچے کو مختلف مواقع پر انعامات دیتا ہے  
 اُسے چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو ادب کی ایک بات سکھلا دے یہ اُس کے  
 لیے ایک صاع اناج صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ صدقہ کرنے  
 سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے کیونکہ اس سے محتاجوں کی حاجت بڑی  
 ہوتی ہے۔ لیکن ادب کی ایک بات اس سے بھی بہتر ہے۔ شرح النہج  
 میں یہ حدیث موجود ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ والدین سے پوچھے گا  
 کہ تم نے اپنی اولاد کی کیسی تربیت کی۔ اور اولاد سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے  
 والدین کی کہاں تک اطاعت کی۔ لہذا چھوٹی عمر یعنی چودہ سال تک بچے کی  
 تربیت والدین پر لازم ہے۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائے اور سوئائی کا نمبر  
 بن جائے تو خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ والدین کے علاوہ جماعت اور سوئائی پر  
 بھی لازم ہے کہ وہ لوگوں کی اچھی تربیت کا انتظام کرے۔ یہ ذمہ داری  
 حکومت پر بھی عائد ہوتی ہے کہ نظام تعلیم ایسا ہو کہ جس میں بچے کی تعلیم و  
 تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔ مگر کیاں تو ذریعہ تعلیم ہی انگریزی  
 ہے جو کہ شیطانی طریقہ ہے اور سکولوں اور کالجوں میں ہی رائج ہے اس  
 سے اچھے معاشرے کی تشکیل کی کیا توقع کی جاسکتی ہے اس نظام تعلیم  
 کے ذریعے تو نظام حکومت چلانے والے بیوروکریٹ ہی پیدا ہوں گے  
 حالانکہ اسلامی طرز حکومت کے لیے اسلامی طرز تعلیم و تربیت کی ضرورت  
 ہے جس کو اپنانے کے لیے حکومت گریزاں رہی ہے ہمارے سامنے

اولیاء اللہ کی مثالیں موجود ہیں جن کی تربیت اچھے لوگوں نے اچھے طریقے سے کی لہذا وہ خود اخلاق کی بلند یوں تک پہنچے اور دوسروں کے لیے لائحہ عمل چھوڑ گئے۔ بہر حال فرمایا کہ کفر و شرک سے لڑتے رہو یہاں تک کہ اطاعت پوری کی پوری اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے۔

کار ساز و  
مددگار

فرمایا فَإِنْ أَنْتُمْ هُمْ أَكْفَرُ وَشَرُّ لَوْ كَفَرُوا وَشَرُّ لَوْ كَفَرُوا سے باز آجائیں فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ تو ان کے ہر کام اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ کس شخص میں کتنا خلوص اور کتنا اتفاق ہے اور وہ کفر و شرک سے باز آگیا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ اس کے اندرونی اور بیرونی حالات سے واقف ہے۔ فرمایا وَإِنْ تَوَلَّوْا أَكْرَهًا اگر وہ اللہ کی بات سے روگردانی کریں گے فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ تو جان لو کہ تمہارا کار ساز اور آقا اللہ ہی ہے۔ فرمایا خدا تعالیٰ کوئی معمولی کار ساز نہیں بلکہ بِعِصْمَةِ الْغَوْلَىٰ وہ بہترین کار ساز ہے وَفِيهِمُ النَّصِيبُ اور بہترین مددگار ہے۔ اگر تم دین کی مدد کے لیے آگے بڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ اُس کا وعدہ ہے کہ اگر تم اللہ کے رسول کی تأیید، اقامت دین اور کفر و شرک کی بیخ کنی کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور تمہارے شامل حال ہوگی۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ  
وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ  
السَّبِيلِ إِن كُنْتُمْ أَمْنُم بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلْنَا عَلَىٰ  
عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّفْيِ الْجَمْعِينَ وَاللَّهُ عَلَىٰ  
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ④۱

ترجمہ :- اور اچھے طریقے سے جان لو کہ بیک جو تم نے  
حاصل کیا غنیمت میں ، پس بیک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس  
کا پانچواں حصہ اور اللہ کے رسول کے لیے ، اور اللہ کے رسول کے  
قریبداروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور  
مسافروں کے لیے ۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر  
جس کو ہم نے آما اپنے بندے پر فیصلے کے دن ، جس دن  
کہ دو جماعتیں آپس میں ملیں ، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت  
رکھنے والا ہے ④۱

رابط آیات

گذشتہ درس میں جہاد کی غایت بیان کی گئی کہ اس سے مقصود فتنہ و فساد کو مٹانا ہے  
تاکہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو اور زمین میں اس کے دین کو غلبہ حاصل ہو۔ اگر اہل ایمان اس  
نیت اور ارادے کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کا مقابلہ  
کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد کرے گا اور انہیں کامیابی سے بھنا کرے گا کیونکہ  
يَفْعَلُ الْمُؤْمِنُ اللّٰهُ تَعَالٰی بَہت ہٰی اچھا آقا وَفِیْہِ الْمَصِیْرُ اور بہت ہی

اچھا نہ کرنے والا ہے۔

انفال  
غنیمت  
اور فے

جہاد کے ضمن میں غنیمت کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیت **يَسِّرْ لَنَا عَزَّ** **الْاَنْفَالِ** میں بھی مال غنیمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہاں پر صرف جماعتی نظم و نسق کے اعتبار سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ تقسیم غنیمت کے معاملہ میں اہل ایمان کو جھجکا نہیں کرنا چاہیے۔ یہ مال تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جس طرح چاہے اس کا فیصلہ کرے۔ جماعت المسلمین کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل لازم ہے۔ اب آج کے درس میں مال غنیمت کی تقسیم کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ قرآن پاک میں مال غنیمت کے متعلق تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس سورۃ میں انفال اور غنیمت کے الفاظ ہیں جب کہ سورۃ حشر میں **فے** کا لفظ آیا ہے۔ جو مال دشمن کے ساتھ جنگ کر کے حاصل کیا جائے وہ غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال صلح و صفائی کے ساتھ کسی معاہدہ کے تحت حاصل ہوئے **فے** کہتے ہیں اور انفال کا اطلاق دونوں قسم کے اموال پر ہوتا ہے۔

سابقہ امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ اس قسم کے جمع شدہ مال کو ٹھکانے لگانے کا طریق کار یہ تھا کہ اسے کسی خاص مقام پر ڈھیر کر دیا جاتا جسے غیبی آگ آکر جلا ڈالتی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ہماری امت میں ایسے مال کا حکم یہ ہے **ذَلَّكَ اَوَّلُ شَعْنٍ** **ذَنَا وَنَا** **جَزَا** پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور عاجزی کو دیکھا تو مال غنیمت کو ہمارے لیے حلال و طیب قرار دیدیا، لہذا یہ آخری امت اس مال سے استفادہ کر سکتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا قانون بیان فرما دیا ہے۔ مال **فے** چونکہ بغیر جنگ کے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس میں مجاہدین کا حصہ

نہیں ہوتا بلکہ وہ سارے کا سارا اجتماعی رفاہی امور میں استعمال کیا جاتا ہے ایسے امور میں جہاد بھی شامل ہے، غزباد و مساکین کی امداد بھی معاشرے کی مجموعی فہم داری ہے۔ اس کے علاوہ مساجد و مدارس کی تعمیر و ہتال، مسافر خانے اور پانی کی بہم رسانی وغیرہ پر بھی یہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔

مال غنیمت  
کا سخت ختم

مال غنیمت کی تقسیم کا قانون اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ حکم بڑا سخت ہے اور اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کوئی شخص اپنی مرضی سے ایک سوٹی یا جوتے کا تسمہ بھی نہیں لے سکتا۔ یہ حکم ہے۔ مال غنیمت میں خیانت کرنے کو چوری سے بھی سخت جرم قرار دیا گیا ہے۔ مال غنیمت کی چوری کرنا جہنم کا نشانہ بنا ہے فرمایا کہ مال غنیمت کا ایک دھاگہ یا سوٹی بھی کسی کے پاس ہو تو وہ لاکھ کچھ مے فائدہ عار و شند لیوم القیمۃ کیونکہ ایسی معمولی سی خیانت بھی شرم کی بات ہوگی اور اس کا بڑا وبال پڑے گا حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے شراک من النار و شراکان من النار مال غنیمت میں سے جوتے کا ایک تسمہ یا دو تسمے بھی اٹھائے ہیں تو وہ جہنم میں لے جائیں گے۔ ایک موقع پر ایک شخص نے مال غنیمت میں سے کوئی معمولی سی چیز اٹھالی۔ اس کے بعد مال تقسیم ہو گیا۔ اس شخص کو بعد میں خیال آیا کہ اُس سے غلطی سرزد ہوئی ہے چنانچہ وہ چیز حضور کی خدمت میں لے آیا۔ اس پر آپ نے فرمایا، اب میں اس کا کیا کروں، یہ تو جہنم کا مال ہے حضور علیہ السلام نے اونٹ کی اُدن کے ایک بال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مال میں میرا تو اتنا بھی حق نہیں یعنی میرا ذاتی کوئی اختیار نہیں، یہ مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم ہوتا ہے حضور علیہ السلام کا ایک غلام جہاد میں مارا گیا، لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دی کہ آپ کا غلام دشمن کے تیر سے ہلاک ہو گیا آپ نے



قرمایا کہ لادہ شہید نہیں ہے بلکہ وہ تو جہنم میں پڑا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت سے ایک چادر چوری کر لی تھی۔ اب وہی چادر جہنم میں آگ کے شعلے بن کر اس کے جسم کے گرد اپٹ رہی ہے۔ یہ سن کر لوگ بڑے خوفزدہ ہوئے اور اس کے بعد کسی شخص نے مال غنیمت میں سے کوئی چیز بلا اجازت و تقسیم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

تقسیم مال سے پہلے کوئی چیز حاصل کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ چیز امیر لشکر یا حاکم وقت کی اجازت حاصل کی جائے۔ مال غنیمت کا مسئلہ سب سے پہلے جنگ بدر کے موقع پر پیدا ہوا

مال غنیمت  
کے حصص

اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کا یہ قانون بیان فرمایا۔ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا

عَنۢتُمْ مِّنۢ شَیْءٍ خَوَّبَ جَانِ لُّوۡلَآئِہِمْ جَوَیۡزُہِی غَنِیۡمَتِ  
میں حاصل ہوا، اسکو ہوا اسکیا لے خود و نوش یادگیر سامان فَاَنۢ لِّلّٰہِ  
خَصۡمَہٗ اُس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کی نیاز ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے

کہ کل مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے جن میں سے چار حصے  
تو جہاد میں شریک ہونے والے غازیوں میں تقسیم ہوں گے اور پانچواں حصہ  
ان مہات پر خرچ کیا جائے گا۔ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن حصہ داروں کا ذکر کیا  
گیا ہے اُن میں اللہ تعالیٰ کا نام سرفہرست ہے مگر یہ محض تبرک کے

طور پر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اللہ ہی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے اور اسے  
کسی چیز کی ضرورت بھی نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اللہ کے حصے سے  
مراد یہ ہے کہ اُسے نیچی کے کاموں پر صرف کیا جائے۔ اس حصہ مال کو

خانہ کعبہ پر خرچ کیا جائے کہ وہ اللہ کا گھر ہے اور خانہ کعبہ دور ہونے پر دیگر  
مساجد پر خرچ کر دیا جائے تاہم زیادہ تر فقہاء کرام اس طرف گئے ہیں کہ  
فی الحقیقت اس مال میں اللہ کا حصہ نہیں ہے اور یہاں اُس کا ذکر

محض تبرک کے طور پر کیا گیا ہے۔

فرمایا اس خمس میں اللہ کا حصہ ہے وَلِلرَّسُولِ اور اللہ کے رسول کا حصہ ہے۔ رسول اللہ کا نائب ہے جو اس کے احکام مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ لہذا ایک حصہ اس کے ذاتی مصارف کے لیے رکھا گیا ہے۔ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ ایک حصہ رسول کے قَرَابَتِ داروں کے لیے ہے۔ آپ کے قرابت داروں میں سے دو خاندان بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب مراد ہیں۔ یہ دونوں خاندان اسلام کے دور سے پہلے بھی آپ کے ساتھ متفق تھے اور اسلام آنے کے بعد بھی متفق رہے، لہذا ان کا حصہ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان خاندانوں کے بعض لوگ ایمان نہ لائے مگر وہ آپ کی مدد کرتے تھے خمس میں حضور علیہ السلام کے قرابت داروں کا حصہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان کے لیے زکوٰۃ لینا بائز نہیں حضور کا ارشاد مبارک ہے اَلصَّدَقَةُ لَا تَحِلُّ لِمَحْمَدٍ وَلَا لِأَلِ مُحَمَّدٍ یعنی زکوٰۃ خیرات نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آپ کی آل کے لیے۔ اور آل میں ہی دو خاندان آتے ہیں۔ جو اہل بیت کہلاتے ہیں۔ تاہم قرابت داروں کا حصہ اسی صورت میں روا ہوگا جب کہ وہ آپ کی مدد کرتے ہوں۔ اس کے بعد فرمایا ایک ایک حصہ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ یعنی یتیموں اور مسکینوں کا ہے اور ایک حصہ وَالسَّبِيلِ یعنی مسافروں کا ہے۔

غرضیکہ اس آیت کہ یہ میں اللہ تعالیٰ نے کل مال غنیمت کے پانچویں حصہ کو ان حصہ داروں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے یعنی اللہ، اس کا رسول، رسول کے قرابت دار، یتیم، مسکین اور مسافر جیسا کہ پہلے عرض کیا، اللہ کا نام تو محض تبرک کے لیے ہے، البتہ اللہ کا رسول اپنے ذاتی مصارف کے لیے اس میں سے اپنا حصہ لے سکتا ہے۔ اس کا مطلب

یہ ہوا کہ خمس کے آگے پھر پانچ حصے ہوں گے اور مذکورہ مدت پر تقسیم کر دینے جائیں گے۔

خمس کے قسط  
شدہ حصص

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا حصہ اور آپ کے قریب داروں کا حصہ تو آپ کی زندگی تک تھا۔ آپ کے وصال کے بعد ان حصوں میں کیا کیا جائے گا؟ تو اس ضمن میں اہم شافعی اور بعض دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ ان حصوں کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ جو علوم کی اجتماعی ضروریات پر صرف ہوگا۔ تاہم امام ابو حنیفہ کا موقف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا حصہ آپ کی حیات تک ہی تھا، آپ کے وصال کے بعد وہ ساقط ہو گیا ہے۔ اسی طرح آپ کے قریب داروں کا حصہ بھی آپ کی معاونت کے ساتھ مشروط تھا۔ چونکہ آپ کے بعد یہ علت بھی ختم ہو گئی لہذا قریب داروں کا حصہ بھی ساقط ہو گیا، اور اب صرف تین مدت رہ گئیں یعنی یتیم، مسکین اور مافرا البنتہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب میں سے اگر کوئی آدمی یتیم، مسکین اور مافرا کی مدت میں آئے گا تو وہ حقدار ٹھہرے گا اور مذکورہ تین مدت میں آئے گا۔

مجاہدین کے  
لیطریق تقسیم

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ کل مال غنیمت کا خمس نکال کر باقی چار حصے جنگ میں شریک ہونے والے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے اس کی واضح مثال خیبر کی ہے جہاں سے وصول ہونے والا مال پندرہ سو مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ بہر حال مجاہدین میں تقسیم کا اصول یہ ہے کہ پیدل آدمی کو ایک حصہ اور گھوڑہ سوار کو دو حصے ملیں گے۔ امام ابو حنیفہ اور بعض باقی ائمہ کے مطابق گھوڑہ سوار کے لیے تین حصوں کا ثبوت بھی موجود ہے۔ اہم صاحب فرماتے ہیں کہ عام قانون یہی ہے کہ ایک حصہ پیدل کو اور دو حصے گھوڑہ سوار کو دیے جائیں گے، تاہم اگر حالات کی مناسبت سے حاکم وقت مناسب سمجھے تو سوار کو تین حصے بھی دے سکتا ہے۔ اس میں

جھگڑے کی کوئی بات نہیں ہے، صرف حدیث کے مطلب کو سمجھنے کی بات ہے بعض لوگ امام صاحب کو بڑا نام کرتے ہیں کہ وہ حدیث پر عمل نہیں کرتے حالانکہ اصل چیز حدیث کے مفہوم کو سمجھنا ہے۔ امام صاحب صحیح حدیث کا مطلب اخذ کر کے اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں بہر حال قانون یہی ہے۔

بعض اوقات عورتیں بھی جہاد میں شریک ہوتی تھیں مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو غنیمت میں سے پورا حصہ نہیں دیا۔ اسی طرح اگر بچہ یا غلام جنگ میں شریک ہوا ہے تو ان کا حق بھی تسلیم نہیں کیا۔ البتہ عورتوں، بچوں اور غلاموں کی جو صلہ افزائی کے لیے کچھ نہ کچھ انہیں بھی شے دیا جاتا۔ جو لوگ میدان جنگ میں لڑنے کے طور پر بعد میں آتے ہیں، ان کا مسئلہ الگ ہے۔ اگر مجاہدین کی امداد کو آنے والے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے مجاہدین کے ساتھ آئیں تو ان کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا اگرچہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوئے ہوں۔ خیبر کی لڑائی میں آیا ہوا کہ جو لوگ تقسیم غنیمت سے پہلے پہنچ گئے حضور علیہ السلام نے ان کو حصہ دیا۔

عورتوں  
بچوں اور  
غلاموں کا  
حصہ

فرمایا مال غنیمت کی تقسیم کا اصول بیان کر دیا گیا ہے، اس کی پابندی کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ اَکْرَمُ اٰیْمَانٍ رَکھتے ہو اللہ پر۔ اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا جَوْهَرٌ نَّیْنٌ بِنَدِیْ پرنازل فرمائی یَوْمَ الْفُرْقَانِ فیصلے کے دِنِ یَوْمَ التَّقِیِ الْجَمْعِ جس دِن دو جماعتیں آپس میں یعنی ٹبھیٹر ہوئی اور اس سے مراد جنگ بدر ہی کا دِن ہے۔ اِی دِنِ حَقِّ وَبَاطِلِ کا آئنا سامنا ہوا تھا اور وہی فیصلہ کن دِن ثابت ہوا۔ تو فرمایا اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر ایمان لگائے ہو جو اللہ نے اُس دِن نازل فرمائی۔ ظاہر ہے کہ بدر کے دِن اللہ تعالیٰ

اللہ اور  
فرشتوں پر  
ایمان

نے فرشتوں کو نازل فرما کر مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی اس کا ذکر قرآن پاک  
 کے مختلف مقامات پر آچکا ہے یعنی بدر کے دین اللہ نے ایک ہزار  
 فرشتے نازل فرمائے۔ پھر تین ہزار اور پانچ ہزار کا ذکر بھی آچکا ہے۔ تو مطلب  
 یہی ہوا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ فرشتوں پر ایمان رکھتے ہو  
 تو غنیمت کے احکام کی پابندی کرو۔ ظاہر ہے کہ اگر ایمان ہوگا تو انسان اللہ  
 کے احکام پر عمل بھی کرے گا اور اگر ایمان ہی نہیں ہے تو عمل کا سوال ہی  
 پیدا نہیں ہوتا۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ تعالیٰ ہر  
 چیز پر قادر ہے۔ وہ چاہے تو بے سرو سامانی کی حالت میں اقلیت کو اکثریت  
 پر غالب کر دے اور چاہے تو سامانِ ضرب و حرب سے لیس کثیر فوج کو  
 شکست سے دوچار کر دے۔ یہ سب اُس کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ  
 کے کئی شے ہیں۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى  
وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَا خْتَلَفْتُمْ فِي  
الْمِيعَادِ وَلَئِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ  
مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ  
وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ إِذْ يَرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي  
مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ  
وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَئِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ  
بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ التَّيَقُّتُمْ فِي  
أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ  
أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾

ترجمہ :- اور جس وقت تھے تم ادھر والے کناے پر اور وہ (کافر) پرے کناے پر تھے اور قافلہ نیچے کی طرف اتر گیا تھا تم ہے۔ اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو خلاف کرتے وعدے میں، لیکن تاکہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے اس بات کا جو طے شدہ ہے۔ تاکہ ہلاک ہو جو ہلاک ہوتا ہے کھلی دلیل کے بعد۔ اور زندہ ہے جو زندہ رہتا ہے کھلی دلیل کے بعد۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ﴿۴۲﴾ جب وہ دکھاتا تھا تمہیں اُن لوگوں کو

آپ کے خواب میں تھوڑے کمرے - اور اگر دکھانا تمہیں وہ زیادہ تو تم کمزور ہو جاتے اور جھگڑا کرتے معاملہ میں ، لیکن اللہ نے بچا لیا ، بیشک وہ سینوں کے رازوں کو جاننے والا ہے (۴۳) اور جب کہ دکھانا تھا تم کو وہ تمہاری آنکھوں میں تھوڑے جب کہ تم نے ٹکمرہ لی - اور تمہیں تھوڑا کمرے دکھانا تھا اُن کی آنکھوں میں تاکہ فیصلہ کرے اللہ تعالیٰ اُس بات کا جو طے شدہ ہے - اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تمام معاملات (۴۴)

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے جاد کے ضمن میں چل ہونیوالے مال غنیمت کے حصص کا تذکرہ فرمایا کل مال کے پانچ حصے کیے جائیں گے جن میں سے چار حصے تو غازیوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور پانچواں حصہ یعنی پھر آگے پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ پھر ان میں سے ایک ایک حصہ (۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲) آپ کے قرابت داروں (۳) یتیموں (۴) مسکینوں (۵) مسافروں میں تقسیم کر دیا جائیگا۔ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کا اور آپ کے مددگار قرابت داروں کا حصہ علاء ختم ہو گیا اور اب خمس کا مال صرف تین قسم کے مستحقین میں ہی قابل تقسیم ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرابت دار وہ ہیں جن کا تعلق بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے ہے۔ آپ کے بعد ان کا علیحدہ حصہ تو ختم ہو گیا البتہ اگر ان میں سے کوئی یتیم ، مسکین اور مسافر کی فہرست میں آتا ہے تو اس مال سے لینے کا حقدار ہوگا۔

فرمایا اگر تم اللہ اور فرشتوں پر یقین رکھتے ہو جو تمہاری مدد کے لیے میدانِ بدر میں نازل ہوئے تو پھر مال غنیمت کے قانون پر پابندی ضروری ہے۔ اور جب قوانینِ الہیہ کی پابندی کرو گے تو خود قانونِ والا تمہاری مدد اور نصرت فرمائیگا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے اختیار اور تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جنگِ طائے دن مقامِ بدر کا نقشہ پیش کیا اور اُن اسباب اور انعامات کا ذکر کیا ہے جو اُس نے اہل ایمان کے حق میں مہیا فرمائے۔

ارشاد ہوتا ہے اِذَا اسْتَمَّ بِالْعَدُوَّةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعَدُوَّةِ  
 الْقَصْوٰی اہل ایمان کو میدان جنگ کا نقشہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ جب  
 تم میدان کے اس کنارے پر بچھے اور دشمن پرے کنارے پر تھا عدوۃ  
 کنارے کو کہتے ہیں اور عدوۃ الدنیا سے مراد قریب والا کنارہ یعنی میدان  
 جنگ کا وہ حصہ جو مدینہ شریف سے قریب ہے اور اسی مقام پر اسلامی لشکر  
 نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ عدوۃ القصویٰ کا معنی دور والا کنارہ ہے اور میدان  
 کا یہ حصہ جس پر مشرکین قابض تھے نسبتاً مدینہ سے بھی دور تھا اور مکہ معظمہ کا  
 تو فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ اس زمانے میں اونٹوں کی سواری کے سفر کے  
 لحاظ سے بدر کا مقام مدینہ سے چار منزل پر اور مکہ سے آٹھ منزل پر ہے  
 مقام بدر قدسے اونچی جگہ پر ہے جب کہ اس سے پڑلا حصہ جو کہ ساحل  
 سمندر کی طرف واقع ہے نسبتاً نشیبی علاقہ ہے چونکہ اس میدان میں مشرکین  
 پہلے پہنچے تھے۔ اس لیے انہوں نے نشیبی علاقہ کو پسند کیا کیونکہ  
 وہاں پانی بھی تھا اور زمین بھی سخت تھی۔ اس کے برخلاف مسلمانوں  
 نے جس حصہ میدان میں پڑاؤ کیا وہ نسبتاً بلند می پر اور تیلہ علاقہ تھا جس میں  
 سواری کے پاؤں دھنس جاتے تھے اور نقل و حمل میں مشکلات پیش آتی  
 تھیں۔ اس صورت حال کی بنا پر مسلمانوں میں قدرے تشویش بھی پائی جاتی  
 تھی تاہم اللہ نے اس موقع پر اپنا احسان فرمایا کہ جنگ کی رات کو بارش  
 نازل فرمادی جس سے ریتلا علاقہ پختہ ہو گیا۔ مجاہدین کو پانی بھی میسر آ گیا اور  
 وہ تازہ دم ہو گئے۔ اُدھر مشرکین کے حصہ میں بارش کی وجہ سے دلدل  
 پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے انہیں نقل و حمل میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔  
 اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی انعام فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں  
 کا نزول فرمایا، جنہوں نے اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کیا، مسلمانوں پر  
 تسکین نازل فرمائی اور ان کی پریشان خیالی کو دور کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ



نے راتوں رات یلے اسباب مہیا فرمائیے جو اہل ایمان کے حق میں تھے چنانچہ اگلی صبح جب کفار مکہ کے ساتھ مقابلہ ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح عطا کی، کافروں کے بڑے بڑے سردار جنگ میں کام آئے اور ان کے سردار قیدی بھی بنے۔ اس آیت کہ میں اللہ نے اپنے انہی احباب کی طرف ترجیح دلائی ہے۔ یاد ہے کہ مقام بدر قدیم زمانے کے کسی شخص کے ہم پر مشہور ہے۔ اب وہاں بیوں کا اڈا ہے۔ مسافروں کی سہولت کے لیے اشیائے خورد و نوش میسر ہیں۔ میدان کے سامنے پہاڑ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان پہاڑوں میں تانبا پایا جاتا ہے جب ہوا ان پہاڑوں سے ٹکراتی ہے تو ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے کسی چیز کے تانے کے ساتھ ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔

فرمایا تم میدان کے ایک کنارے پر تھے اور کافر دوسرے کنارے پر  
وَالرَّكِبِ أَسْفَلَ مِنْكُمْ اور اس دوران قافلہ چنے اتر گیا تھا یعنی مال  
سمندر کی طرف چلا گیا تھا۔ اسی سورۃ کے درس سوئم میں جنگ بدر کا پس منظر  
اور اس تجارتی قافلے کا ذکر ہو چکا ہے جو جنگ بدر کی وجہ بنا۔ قریش مکہ کا  
ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا۔ مسلمانوں نے اس کو پکڑنے کی  
کوشش کی۔ سردار قافلہ ابوسفیانؓ کو مسلمانوں کے منصوبے کا علم ہو گیا۔  
چنانچہ اس نے ایک تیز رفتار سوار مکے بھیج کر امداد طلب کر لی اس طرح  
مسلمانوں کا لشکر تجارتی قافلے کے تعاقب میں نکلا جب کہ لشکر کفار قافلے  
کو بچانے کے ارادے سے نکلا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت میں لیا ہی  
تھا کہ دونوں لشکر بدر کے مقام پر اتفاقاً اکٹھے ہو گئے۔ ابتداء میں جنگ کا  
ارادہ کسی فریق کا بھی نہ تھا مسلمان تو اس ارادے سے بالکل نہ نکلے تھے  
یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس نہ تو عام ساز و سامان تھا اور نہ ہی آلات  
ضرب و حرب۔ البتہ مشرکین ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما

ہونے کے لیے پوری تیاری سے نکلے مگر جب پتہ چلا کہ قافلہ ساحلِ مندر  
کی طرف سے پہنچ کر نہکل گیا ہے تو ان کے بعض لوگوں نے رائے دی  
کہ اب واپس چلے جانا چاہیے مگر ابو جہل جو اپنی طاقت پر مغرور تھا کہنے  
لگا کہ اب سبھی بھڑمسلمانوں کا خاتمہ ہی کر کے جائیں گے۔ بہر حال ان چلائی  
مسلمانوں اور کفار کے لشکر بدر کے مقامِ محض اتفاق سے آمنے سامنے  
ہو گئے اور جنگ کی نوبت آگئی۔ اب یہاں پر اللہ تعالیٰ کی تدبیر نے  
کار فرمائی کی اور جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے، ایسے اسباب پیدا  
کر دیے جو اہل ایمان کی فتح میں بہت مدد ہوئے۔

جنگ کے  
لیے ضابطہ  
حکمت

اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر سے متعلق اپنی حکمت بیان کرتے ہوئے  
فرمایا ہے وَكُونُوا عِدَّةً لَّهُمْ لَا تَخْلَفُوهُمْ فِي الِصِّعَادِ  
اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو اس وعدے کی خلاف ورزی کرتے بمقصد  
یہ کہ مدینہ سے چلتے وقت اگر تم جنگ کے ارادے سے نکلتے تو تم میں  
سے بعض لوگ اس کی مخالفت کرتے کیونکہ بظاہر مسلمانوں کی تعداد بھی کم  
تھی اور ان کے پاس جنگی سامان بھی نہیں تھا اور پھر یہ بھی کہ اگر جنگ میں حصہ  
لینے کا وعدہ کر بھی لیتے تو کفار کی کثرت تعداد کو دیکھ کر وعدے کا خلاف  
بھی ہو سکتا تھا، لہذا اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ تمہیں جنگ کے ارادے  
سے نہ نکالے بلکہ محض تجارتی قافلے کے تعاقب کے لیے آمادہ کرے  
چنانچہ ایسا ہی ہوا، لوگ قافلے کے تعاقب کے لیے نکلے مگر اللہ نے  
انہیں بدر کے میدان میں لاکھڑا کیا۔ اور ادھر کفار قافلے کو پہچاننے کی  
نیت سے آئے مگر وہ بھی بدر میں پہنچ گئے۔ اس اتفاق سے اللہ تعالیٰ  
کی مراد یہ تھی لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا تاکہ اللہ تعالیٰ  
اُس چیز کا فیصلہ کرے جو طے ہو چکی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ  
بات ابتداء ہی میں طے ہو چکی تھی کہ اہل ایمان اور کفار کو آمنے سامنے ٹھکرا  
کر کے مسلمانوں کو غالب اور کفار کو مغلوب کرنا ہے اس فیصلے سے

اللہ تعالیٰ کی ہر ادنیٰ بھی ہمتی لے مہلک منہ ہلکے عن اب یتہ  
 تاکہ وہ شخص ہلاک ہو جائے جو ہلاک ہوتا ہے واضح دلیل کے بعد و یحییٰ  
 منہ حتی عن یتہ اور وہ شخص زندہ ہو جائے جو زندہ ہوتا  
 ہے واضح دلیل کے بعد یہ مطلب یہ کہ جنگ کے اسباب اللہ نے اسلئے  
 پیدا فرمائے کہ کفار اچھی طرح دیکھ لیں کہ پورے ساز و سامان کے باوجود اللہ تعالیٰ  
 نے انہیں کبھی شکست دی اور مسلمان بھی دیکھ لیں کہ بے سروسامانی کی حالت  
 میں فتح سے ہمکنار کرنے والی ذات وہی وحدہ لا شریک ہے۔ فرمایا  
 قرآن اللہ لسمیع علیہ اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے  
 اللہ تعالیٰ ہر ایک کی بات کو سنتا ہے اور ہر ایک کی نیت اور ارادے  
 سے بھی واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کے غرور و تکبر اور سامانِ ضرب  
 حرب پر بھروسے کو بھی جانتا ہے اور مسلمانوں کے خلوص، ایمان، اُن کی  
 بے سروسامانی اور دعاؤں کو بھی جانتا ہے۔ اُس نے جنگ بدر میں جو فیصلہ کیا  
 وہ فریقین کے ایمان اور خلوص نیت کی بنا پر کیا۔

قلبت کثرت  
 کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے ایک حکمت تو فریقین کے میدانِ جنگ میں پہنچ جانے  
 کی یہ بیان فرمائی اور دوسری حکمت دونوں شکروں کی قلت و کثرت کی اس  
 طرح بیان فرمائی۔ اِذْ یُرِیْکُمْ اللّٰہُ فِیْ هَٰذَا یَوْمَکَ قَلِیْلًا  
 جب کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں آپ کو کافروں کی تعداد کم کر کے دکھائی  
 جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خواب میں بمقابلہ کفار کی  
 تعداد کم کر کے دکھائی تھی حالانکہ وہ مسلمانوں کی تعداد سے تین گنا زیادہ تھے  
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی حکمت یہ تھی وَلَوْ اَدْرَاکُمْ کَثِیْرًا  
 اَدْرِیْتُمْ کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم میں بزدلی پیدا  
 ہو جاتی وَلَکِنَّا نَعِیْشُکُمْ فِی الْاَمْرِ اور تم اس معاملہ میں مجھ کو اُکھٹے  
 ایسی صورت میں نہیں لازماً اپنی کمزوری کا احساس پیدا ہوا جس کی وجہ سے

مسلمانوں کے درمیان نزاع پیدا ہو جاتا جو مزید کمزوری کا باعث بنتا اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور نہیں تھی وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ بِمَكَهٖ اللّٰهُ تَعَالٰی نے تمہیں سچایا۔ اُس نے خواب میں کفار کی تعداد کم دکھائی کہ میں بزدلی جھگڑے اور پھر شکست سے بچایا۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذٰلِكَ الصَّدُوْرِ وہ دلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے۔ وہ مسلمانوں کے نیک ارادوں کفار کے غرور و تکبر کو جانتا تھا۔ اس لیے اُس نے مسلمانوں کو غالب کرنے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ خواب میں کافروں کی تعداد کو کم کم کے دکھایا بعض لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی کو خواب میں کفار کی تعداد کم دکھائی گئی جو کہ واقعہ کے خلاف ہے اور پیغمبر کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے مگر یہاں پر خلاف واقعہ بات کیوں ہوئی بہمفرین کلام فرماتے ہیں کہ نبی کا خواب بلاشبہ سچا ہوتا ہے اور یہاں جو کفار کی تعداد کم دکھائی گئی، وہ بھی حقیقت پر مبنی تھی کیونکہ میدان بدر میں مسلمانوں کے خلاف صفت آراہونے والوں میں سے اکثر بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور فی الحقیقت کافروں کی تعداد کم ہی تھی۔ اسی طرح اہل ایمان کو اگر زیادہ دکھایا گیا تو وہ بات بھی حقیقت سے خالی نہیں تھی کیونکہ اُس وقت مسلمانوں کی تعداد کم تھی مگر اس کے بعد قریبی زمانہ میں اُن کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ اور وہ ایک عظیم طاقت بن کر ابھرے، لہذا نبی علیہ السلام کا خواب خلاف واقعہ نہیں بلکہ مبنی برحقیقت تھا۔

خواب پیغمبر  
کی صداقت

خواب کی بات تو ہو چکی، اب میدان جنگ میں دونوں لشکروں کی قلت و کثرت کی حکمت اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ہے وَ اَذِيْرِيْكُمْ وَّهُمْ اِذَا التَّقِيْمُمْ فِیْ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا اور جب کہ ٹکڑا جانے کے دن یعنی میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دشمن کی تعداد کو کم کر کے دکھایا تھا وَ يَقِلُّ لَكُمْ فِیْ اَعْيُنِهِمْ

مردان  
جنگ میں  
وقت کثرت

اور تم میں کم کر کے دکھاتا تھا۔ اُن کی نظروں میں، گویا میدانِ جنگ میں صورِ محال یہ تھی کہ مسلمان کافروں کو تعداد میں کم نظر آئے تھے اور کافر مسلمانوں کو کم دکھائی دیتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں فریق ایک دوسرے کو کم پا کر لڑائی پر تیار ہو گئے۔ ہر فریق یہی سمجھنے لگا کہ اُن کی تعداد زیادہ ہے اور وہی غالب آئے گا، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے دونوں لشکروں کو لڑائی پر آمادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر میں نے اپنے ساتھی مجاہد سے کہا کہ میرے خیال میں دشمن کی تعداد ستر کے قریب ہوگی، وہ کہنے لگا، نہیں سو کے قریب ہوں گے۔ مقصد یہ کہ کفار اتنے تھوڑے نظر آئے تھے حالانکہ حقیقت میں اُن کی تعداد تقریباً ایک ہزار افراد کی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت کار فرما تھی کہ کوئی فریق جنگ سے راؤ فرار اختیار نہ کرے اور آج حق و باطل کا فیصلہ ہو ہی جائے۔

طے شدہ  
اسر

آگے اسی بات کی وضاحت فرمائی کہ اللہ کی اس حکمت سے یہ مقصود تھا لَیْقِضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا تاکہ اللہ تعالیٰ طے شدہ بات کا فیصلہ کر دے، اور اللہ کے نزدیک طے شدہ امر یہی تھا کہ مسلمانوں کو کفار پر فتح مبین عطا کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنگ سے قبل اور ٹھہریلے وقت ایسے اسباب مہیا فرما دیے، جنکی بنا پر مسلمانوں کی بے مسرمانہ قلیل تعداد کافروں کی اسلحہ سے لیس کثیر تعداد پر غالب آگئی۔ اللہ نے بڑے بڑے ائمۃ الکفر کو اس مقام پر ختم کرنا تھا اور دنیا میں مسلمانوں کی دھاک بٹھانا تھی، لہذا اُس نے اپنی حکمت کے مطابق مقررہ کام کو انجام دے دیا۔

فرمایا وَاللّٰہِ تَرْجِعُ الْفُجُورَ اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ اُس کی مشیت، ارادے اور حکمت کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اُسی نے اہل ایمان کے حق میں اسباب پیدا فرمائے اور اُن کی مدد اور نصرت فرمائی۔ ان احکامات کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے

کہ اے اہل ایمان! جنگ بدر میں فتح کو تم اپنا کمال نہ سمجھو اور نہ اسے اپنے  
 فنِ ضرب و حرب کا مرہونِ منت سمجھو، بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے  
 ہوا کیونکہ کوئی کام اس کی مشیت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔ فرمایا مالِ غنیمت  
 کی تقسیم کا قانون بھی اسی مالک الملک کا نازل کردہ ہے جس نے کمالِ مہربانی  
 سے تمہیں بدر کے مقام پر فتح سے ہمکنار کیا اور مالِ غنیمت بھی تمہارے مقدر  
 میں کر دیا۔ لہذا اب اس کی تقسیم بھی اسی کے حکم کے مطابق کرو اور آپس میں  
 مت جھگڑو۔ قانونِ خداوندی کی اطاعت میں ہی تمہاری بہتری اور کامیابی ہے۔

واعلموا ۱۰

الانفال ۸

درس چارم ۱۲

آیت ۴۵ تا ۴۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا  
وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَأَطِيعُوا  
اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ بِيُحُكْمٍ  
وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! جب تمہاری فوج ہو (کسی دشمن کے)  
گروہ سے، پس ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ کا کثرت سے تاکہ تم  
فلاح پا جاؤ ﴿۴۵﴾ اور فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اور  
آپس میں جھگڑانا نہ کرو، پس کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے  
گی اور صبر کرو، بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۴۶﴾

ربط آیات

اس سورۃ کی ابتداء سے قانون صلح و جنگ بیان ہو رہا ہے اور اب تک پانچ  
اصول بیان ہو چکے ہیں۔ ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب کر کے  
فرمایا کہ جب کفار سے تمہاری فوجیں ہو جائے "فَلَا تُؤْثِرُهُمُ الْاَدْبَارُ تَوَلَّيْتُ  
پھیر کر مت بھاگو۔ پھر دوسری بات یہ فرمائی کہ ایمان والو! "أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ"  
یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور دیدہ و دانستہ روگردانی نہ کرو۔ اللہ نے  
تیسرا اصول یہ فرمایا کہ اللہ اور رسول کی بات کو قبول کرو جب وہ تمہیں بلائیں، اسی میں  
تمہاری حیات ہے۔ پھر چوتھا اصول یہ بیان فرمایا کہ اے اہل ایمان! نہ تو اللہ سے خیانت  
کرو اور نہ رسول سے اور نہ ہی اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہو۔ اس کے بعد  
اللہ تعالیٰ نے پانچواں اصول یہ فرمایا کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔ اگر ایسا

کر دے تو تمہارے سامنے ہر وقت فیصلہ کن بات رہیگی، اس کے تحت آگے بہت سی باتیں بیان ہوئیں۔ اب آج کے درس میں چھٹا اصول ثابت قدمی کا بیان ہو رہا ہے اور پھر اس کے تحت مزید سات باتیں اس رکوع میں بیان ہوئی ہیں جن پر عمل کمرہ ناکامیابی کی دلیل ہے۔ ان سات باتوں میں سے چھ باتیں آج کے درس میں آرہی ہیں اور ساتویں بات اگلے درس میں آئے گی۔

ثابت  
قدمی

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً  
كَاتِبَتُمْ اے ایمان والو! جب تمہاری دشمنی گروہ کے ساتھ ٹکے ہو تو ثابت قدم رہو۔ جب بھی کافروں یا مشرکوں سے آمنہ سامنا ہو تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ثابت قدم رہو، ڈھیلے نہ پڑو، ہستی نہ دکھاؤ بلکہ جرأت اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرو۔ اس کے نتیجے میں تمہیں فلاح نصیب ہوگی جنصور علیہ السلام کافران سے کہ اے لوگو! عام حالات میں سئل اللہ العافیۃ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی مانگتے رہو کہ اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں جو کسی کو نصیب ہو، لہذا اپنے ایمان مال، جان اور اولاد کی سلامتی طلب کیا کرو، اللہ تعالیٰ سے آزمائش کی خواہش نہ کرو۔ البتہ لقیتم العدو جب دشمن سے ٹکے ہو جائے واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف تو پھر جان لو کہ جنت تلواروں کے سایے کے نیچے ہے دشمن کے مقابلہ میں بزدلی نہ دکھاؤ بلکہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرو کیونکہ جہاد تمہیں جنت کا حقدار بنائے گا۔

خاموشی  
بہتر ہے

فرمایا دشمن کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت شور شرارت کرو بلکہ خاموشی کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو مصنف عبدالرزاق کی روایت میں دو الفاظ آتے ہیں ایک یہ کہ دشمن کے ساتھ ٹکے کی خواہش نہ کرو بلکہ سلامتی مانگو اور اگر آمنہ سامنا ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو، طبرانی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ



تین مواقع پر خاموشی کو پسند کرتا ہے پہلا موقع وہ ہے جب قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی ہو تو خاموشی اختیار کرو۔ مندا احمد کی روایت میں بھی آتا ہے لایچھر بعض کم علی۔ بعد میں ایک دوسرے کے سامنے قرآن پاک بلند آواز سے نہ پڑھو۔ تو فرمایا ایک تو تلاوت کے وقت خاموشی اختیار کرو اور دوسرے عند الزحف لڑائی کے وقت بھی خاموش رہو اور تیسرے جنگ کے موقع پر خاموشی سے چلو، شور و شراب نہ کرو۔ اگر ذکر بھی کرے تو بہت آواز سے ہونا چاہیے۔ نعرے لگانا پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ شور شرابا کرنا دوسرے لوگوں کا کام ہے، ہمارا یہ دستور نہیں ہے۔

بہر حال یہاں پر پہلا اصول ثابت قدمی کا بیان فرمایا۔ دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہو، اگر موت آگئی تو جنت حاصل ہو جائیگی اور اللہ تعالیٰ بلند درجہ عطا فرمائیں گے۔ سب سے پہلے اصول میں یہ بتایا گیا تھا اگر دشمن تم سے دگنی تعداد میں ہو، تب بھی مقابلے سے نہ گھبرادو اور نہ پشت پھیر کر بھاگو۔ ایسی حالت میں بھاگنے والا سخت گنہگار ہوگا اور جہنم میں جائیگا۔ وہاں پر اللہ نے اہل ایمان کو قتل دی کہ مقابلے میں کمزوری نہ دکھاؤ، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ تمہاری حقوڑی جماعت کو بڑی جماعت پر غالب کر سکتا ہے، لہذا دلجمعی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو اور اللہ پر مکمل بھروسہ رکھو۔

آج کے درس میں جہاد کے سلسلے میں پہلی بات یہ تھی کہ ثابت قدم رہو اور دوسری یہ کہ **وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا** اللہ کا کثرت سے ذکر کرو **لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ** تاکہ تم فلاح پا جاؤ، کامیاب ہو جاؤ۔ اللہ کی یاد جس قدر خلوص کے ساتھ ہوگی، دل اسی قدر مضبوط ہوگا۔ پھر یہ ہے کہ ظاہری جسم کی مضبوطی دل کی مضبوطی پر موقوف ہے۔ دل مضبوط ہے تو جسم مضبوط ہے۔ **الْمَيْمَانِ قَلْب** کا نسخہ سورۃ رعد میں یہی بیان فرمایا ہے **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ قَطَعُوْا قُلُوْبَهُمْ** **يَذْكُرُ اللّٰهَ اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ قَطَعُوْا قُلُوْبَهُمْ** اہل ایمان کے

ذکر اللہ کی کثرت

دلِ ذکرِ الہی سے ہی چین اور سکون پکڑتے ہیں۔ حدیثِ قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا کامل بندہ وہ ہے جو مجھے اُس وقت بھی یاد کرتا ہے جب وہ اپنے دشمن کے ساتھ ٹکڑے رہا ہوتا ہے۔

#### LIMITATION

ذکرِ الہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تحدید نہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ تو محدود ہے مگر ذکر کے لیے کوئی تحدید نہیں۔ اس کے متعلق یہی حکم ہے کہ کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔ ذکر کی عام صورت لسانی یعنی زبانی ذکر ہے۔ انسان تملوت کرتا ہے تسبیح، تحمید یا استغفار کرتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے۔ یہ سب زبانی ذکر ہے، تاہم ذکر بھی اللہ کے مقدر کردہ قواعد کے مطابق ہی ہونا چاہیے۔ عام قانون یہ ہے خیر الذکر الخفی وشر الذکر ہاء کفی بہترین ذکر وہ ہے جو اہم ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کر جائے۔ اگر رزق زیادہ ہو مگر غفلت میں ڈالتا ہے تو وہ بہتر نہیں ہے۔ بہر حال یہ دو باتیں ہو گئیں ایک ثابت قدمی اور دوسری اللہ کا ذکر۔

تیسرے اور چوتھے نمبر پر فرمایا **وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ** اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور اس کے رسول کی بھی۔ اس کا ذکر پہلے سورۃ کے ابتدائی حصہ میں بھی ہو چکا ہے اور اب پھر تاکید کی جا رہی ہے۔ خدا اور رسول کی اطاعت ہر حالت میں مدنظر رہنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشادات، فرامین اور احکام ہر اہل ایمان کے لیے قابلِ اتباع ہیں۔ سورۃ حشر میں ہے **هَآ اَنْتُمْ رُسُوْلُكُمْ فَخُذُوْهُ** وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهَوْا یعنی جو بات اللہ کا رسول کہے اُس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کرے اُس سے رُک جاؤ۔ سورۃ نور میں ہے **وََاَنْ تَطِيعُوْهُ فَاُولٰٓئِكَ اُمَمٌ اِلٰی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ** اور اللہ کے رسول کی اطاعت،

اللہ اور  
رسول کی  
اطاعت

کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمے تو احکام الہی کو پہنچا دینا ہے۔  
 یہاں پر اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہے اور سورۃ ناز میں اُولٰٓئِیْنَ  
 عِندَکُمْ بھی آیا ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے بعد حاکم وقت  
 یا امیر لشکر کی اطاعت بھی کرو۔ البتہ امیر کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت  
 کے تابع ہے۔ اگر امیر معصوم ہو تو فرمایا فلا سمع ولا طاعة لہ اس کی  
 بات سنی جائے گی اور نہ مانی جائیگی۔ جائز کام میں ہر حالت میں فرمانبرداری ہو  
 گی خواہ کتنے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں اگر اطاعت ہوگی تو تنظیم  
 DISCIPLINE بھی ہوگا۔ جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے تنظیم بہت  
 بڑا اصول ہے اور تنظیم اللہ اور رسول کی اطاعت سے پیدا ہوتی ہے۔

جھگڑے  
 کی مناعت

آج کے درس کا پانچواں اصول یہ بیان فرمایا فَلَا تَنَازَعُوا آپس  
 میں جھگڑا متازعہ نہ کرو۔ الْاِتِّفَاقُ وَالْاِتِّحَادُ قلم کرو کیونکہ اتحاد کامیابی کا ذریعہ  
 ہے۔ البتہ اتفاق و اتحاد اپنی اصولوں پر ہو گا جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔  
 کسی غلط بات پر اتحاد کا کچھ مطلب نہیں۔ کفار کے ساتھ اتحاد کیسے ہو سکتا ہے  
 وہاں تو معاملہ بالکل صاف لَا اَتَّعِبُكُمْ اَتَّعِبُكُمْ میں ان کی عبادت  
 نہیں کر سکتا جن کی تم کرتے ہو ان کا تو نقطہ نگاہ ہی الگ ہے۔ آپس کے  
 تنازعہ کے متعلق قرآن پاک میں یہ اصول بھی موجود ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ  
فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ (النساء) ایسے تنازعہ کو اللہ  
 اور اس کے رسول کی طرف کوٹا دو۔ ان کے فیصلے کے سامنے تسلیم خم کر دو۔  
 اور ابھی جھگڑے کو ختم کر دو فرمایا اگر جھگڑا کرو گے فَتَقَاتِلُوْا تو بزدل بن  
 جاؤ گے، کمزور ہو جاؤ گے وَتَذْهَبَ رِجَالُكُمْ اور تمہاری ہوا اکھڑ  
 جائے گی۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ تمہاری سلطنت ختم ہو جائیگی یعنی تَذْهَبَ  
دَوْلَتُكُمْ حکومت چلی جائیگی اور تم اغیار سے مغلوب ہو جاؤ گے تاریخ

شاہ ہے کہ اسلامی سلطنتیں محض آپس کے جھگڑے کی وجہ سے ضائع ہوئیں۔  
سین اور کابل کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ فلسطینوں کے ساتھ کیا ہوا  
جب اختلافات پیدا ہوئے تو ہوا اکھڑ گئی۔ پھر کسی قوم نے سین پر قبضہ  
کر لیا اور کوئی قوم برصغیر پر مسلط ہو گئی۔

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے اپنے دور میں چار مسلمان بادشاہوں  
کو خطوط لکھے تھے جو آپ کے ”بہارِ مکتوبات“ میں موجود ہیں۔ آپ نے لکھا تھا  
کہ بڑے انوس کی بات ہے کہ تم آپس میں لڑتے جھگڑتے ہو جب کہ انگریز  
اور پرتگیزیہ۔ انہوں نے اس نصیحت سے کچھ اثر نہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ  
برصغیر پاک و ہند کو دو سو سال تک انگریز کی غلامی میں جانا پڑا۔ ایران اور عراق کی  
باہمی لڑائی آپس کے جھگڑے کی وجہ سے ہے۔ اس کا فائدہ اغیار کو پہنچتا  
ہے جو پہلے تو اسلحہ فروخت کرتے رہتے ہیں اور پھر جب متحارب ملک  
بالکل کمزور ہو جاتے ہیں تو ان پر قابض ہو جاتے ہیں۔ امریکہ، روس، یہودی  
اور اشتراکی ممالک اسی دائرے میں رہتے ہیں کہ کوئی موقع ملے تو وہ بذور قبضہ  
کر لیں۔ تو فرمایا آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے، تمہاری ہوا  
اکھڑ جائیگی اور تم غلام بن کر رہ جاؤ گے۔ یہ پانچواں اصول ہو گیا۔

چھٹی بات یہ فرمائی وَاصْبِرْ قَدْ صَبَرَ كَانُ مِنْ خَلَامِ لِرَجَاءِ مُشْكِلِ  
کام ہے۔ یہ سفرِ ندامتِ سفروں سے مشکل ہے کیونکہ اس سفر میں مال اور جان  
کی بازی لگانا پڑتی ہے۔ جہاد کا مقصد صبر کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے  
صبر ہمارے دین اور ملتِ ابراہیمیہ کا اہم اصول ہے۔ اللہ کا ذکر، اُسکی  
واحدیت کو ماننا۔ تعلق باللہ کا قیام، نماز کی ادائیگی، شعاۃ اللہ کی تعظیم  
اور صبرِ ہماری ملت کے اہم ترین اصول ہیں۔ عبادت و ریاضت اور  
مشکلات میں صبر کرنا، تکالیف کو برداشت کرنا بہت بڑا اصول ہے۔  
امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ میں یہ تمام صفات پائی

صبر کا  
دامن

جاتی تھیں حضور علیہ السلام کی بعثت سے لے کر سچا پس مال تمک مسلمان  
 ادھی دنیا پر چھپکے تھے حتیٰ کہ مسلمانوں سے بکھرینے والی کوئی طاقت باقی  
 نہیں رہ گئی تھی۔ یہ صبر اور دیگر اہم اصولوں کا نتیجہ تھا۔ فرمایا اگر صبر کرے گے، تو  
 یاد رکھو! إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں  
 کے ساتھ ہے۔ اس کی تائید نصرت ہمیشہ صابریں کے ساتھ ہوتی ہے  
 بہر حال فرمایا کہ دین کے بتلائے ہوئے ان اصولوں پر کار بند ہو گے  
 تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور اگر آپس کے جھگڑے تنازعے کا شکار  
 بن گئے تو نتیجہ کامی کی صورت میں نکلے گا۔ یہ چھ اصول بیان ہو گئے ساتواں  
 اصول جوینیت اور اخلاص سے متعلق ہے اگلی دو آیتوں میں بیان ہو گا۔

واعلموا ۱۰

الانفال ۸

درس پانزدہم ۱۵

آیت ۴۷ ۴۸ ۴۹

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا  
 وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ  
 بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۴۷﴾ وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ  
 أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ  
 النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ فَلَمَّا تَرَآتِ الْفَيْثَ نَكَصَ  
 عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا  
 تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

ترجمہ :- اور (اے اہل ایمان) نہ ہو تم اُن لوگوں کی طرح  
 جو نکلے اپنے گھروں سے اکھڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے  
 لیے۔ اور وہ روکتے تھے اللہ کے راستے سے۔ اور اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے  
 والا ہے جو کچھ وہ کام کرتے ہیں ﴿۴۷﴾ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر  
 ہے) جب مزین کیا اُن کے لیے شیطان نے اُن کے اعمال کو  
 اور کہا اُس نے نہیں غالب آنے والا آج کے دن تم پر کوئی بھی  
 لوگوں میں سے اور بیشک میں تمہارا حائِی ہوں۔ پھر جب آنے والے  
 ہوئے دو گروہ، پلٹ گیا وہ اٹے پاؤں اور کہا میں تو بیزار ہوں  
 تم سے۔ بیشک میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں ڈرتا ہوں  
 اللہ سے اور اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا دینے والا ہے ﴿۴۸﴾

گزشتہ درس میں اُن چھ باتوں کا ذکر ہو چکا ہے جو دشمن سے مقابلے کے  
 ربط آیات

وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہیں۔ وہاں پہنچا دیا تھا کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میدانِ جہاد میں اتر تو پھر ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ پھر اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی تلقین کی گئی کہ یہ ہر حالت میں ضروری ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اہل ایمان کو آپہیں جھجکے انہیں کمزور یا چلے پیٹے ورنہ وہ کمزور ہو جائیں گے اور اُن کی ہوا اکھڑ جائیگی اور چھٹی بات یہ تھی کہ ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب ساتویں بات کا ذکر ان آیات میں آ رہا ہے۔

فرمایا اگر ان اصولوں پر عمل پیرا رہو گے تو دشمن کا ڈرٹ کر مقابلہ کر سکو گے اور تمہیں غلبہ حاصل ہو گا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ میں یہ تمام خواص پائے جاتے تھے۔ اُن میں جرأت و بہادری اور ثابت قدمی کوٹ کوٹ کر جبری ہوئی تھی۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا جذبہ بے مثال تھا۔ وہ لوگ میدانِ جنگ میں اللہ کا کثرت سے ذکر کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہر میدان میں کامیابی عطا فرماتا تھا۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے کھوڑے سے غرصہ میں نہ صرف بہت سے ملک فتح کیے بلکہ وہاں کے باشندوں کے دنوں کو بھی فتح کر لیا۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں کفار ساری دنیا پہ چھائے ہوئے تھے مگر اللہ نے حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی ایسی بے مثال نصرت فرمائی کہ رومی، فارسی، ترکی، اسمعیلی، ابرہہ، مصری وغیرہ سب مغلوب ہو کر رہ گئے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو دنیا کے کونے کونے میں راسخ کر دیا۔ یہ مذکورہ اصولوں پر عمل کرنے کا نتیجہ تھا۔

اکثر اور  
ربا کی عظمت

چھ باتوں کا ذکر گذشتہ درس میں ہوا تھا، اب ساتویں بات یہ فرمائی کہ اے ایمان والو! وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ  
نہ ہو تم اُن لوگوں کی طرح جو نکلے تھے اپنے گھروں سے كِبْرًا لِيَذَرُكَ النَّاسُ

اکھڑتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ فرمایا اے اہل ایمان! تم میں غرور و تکبر اور ریاکاری کی بجائے اخلاص اور عاجزی پائی جانی چاہیے۔ بیشک میں تم کو کافروں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب وہ بدر کے لیے نکلے تھے تو نہایت غرور و تکبر کے ساتھ اپنی طاقت پر اترتے ہوئے۔ وہ لوگوں کو اپنی شان و شوکت دکھا رہے تھے کہ ہم جلدی ہی مٹھی بھر مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے اور دنیا پر اپنی طاقت کا سکھ جا دیں گے۔ ابوجہل کے لشکر کے ساتھ باجے بچ رہے تھے۔ گانے والی عورتیں ہمراہ تھیں ان کا پروگرام یہ تھا کہ ہم بدر کے چشے پر پہنچ کر خوشی کی مجلسیں منعقد کریں گے، انشائیں پڑھیں گے۔ اونٹ ذبح کر کے کھائیں گے اور اس طرح داد عیش دیں گے۔ اللہ نے فرمایا، تم ان کی مشابہت اختیار نہ کرنا بلکہ عجز و انکاری کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کرنا۔ اور جو بھی کام کرو خلوص نیت سے کرنا، نہ اس میں اکھڑو اور نہ دکھاؤ۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔

کفار بڑی شان و شوکت کے ساتھ اور بڑے بڑے منصوبوں کے ساتھ میدان بدر میں پہنچے تھے مگر جب دونوں لشکروں کا آمناسامنا ہوا تو نقشہ ہی بدل گیا اور کفار کی تمام حسرتیں ان کے دلوں میں ہی دم توڑ گئیں انہیں عیش و نشاط کی محفل جلنے کی بجائے موت کا پیالہ پینا پڑا اور خوشی کے گیت گانے کی بجائے توجہ اور ماتم کی مجلسیں برپا کرنا پڑی۔ بڑے بڑے ائمہ الکفر مارے گئے۔ مٹھی بھر مسلمان نہ صرف کفار پر غالب آئے بلکہ بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اور جنگ بدر مسلمانوں کی کامیابی کا سنگ میل بن گیا۔ اللہ نے ایسی کامیابی عطا کی جو ہمیشہ کے لیے یاد رکھی جائے گی۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! کافروں کی طرح اکھڑو اور ریاکاری کا اظہار نہ کرنا بلکہ خلوص اور عاجزی کو اختیار کرنا، اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر یہ دعا بھی سکھائی اَللّٰهُمَّ هٰذَا نَزَلِ الْكِتٰبُ وَخَبَرَتِ السَّحَابُ وَهَازِمٌ



الْأَحْزَابِ اهْزِمُوهُمْ لَے کتاب کو اتارنے اور بادلوں کو چلانے والے اور کافروں کو شکست دینے والے ہیں ان کے مقابلے میں فتح نصیب فرما کیونکہ ہم تیری کتاب کے پیوگراں کو انڈیا نا چاہتے ہیں اور تیرے دین کو دنیا میں پھیلا نا چاہتے ہیں۔ بہر حال اللہ نے اہل ایمان کو فرمایا کہ تم اُن لوگوں کی طرح نہ بن جانا جو غرور و نخوت کے ساتھ اور لوگوں کو دکھاوے کے لیے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔

اللہ کے  
راستے میں  
رکاوٹ

اللہ نے فرمایا: اُن لوگوں کی طرح بھی نہ ہونا وَیَصْطِفِ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ جَوَالِدَ الرَّسْتِ۔ سے روکتے ہیں یعنی لوگوں کو اسلام میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ ابوجہل اور دیگر اکابر مشرکین کا یہی مشن تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ لوگ توحید کو نہ مانیں اور ندائے وحدۃ لاشریک کی عبادت سے دست کش ہو جائیں۔ اللہ کے راستے سے روکنے کا یہ مطلب ہے۔ اللہ نے فرمایا وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ اور جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے بجز غرور اور اکڑ کو توڑ کر رکھ دیا اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ ناکامی اور تباہی اُن کا مقدر بن گئی۔ اور جو لوگ بچ گئے اُن کی اشریت اُگے چل کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئی اور اس طرح کفر کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ فرمایا تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، وہی ہر چیز کو گھیرنے والا ہے لہذا اللہ نے کفار کی تدبیر کو ناکام بنا کر انہیں مغلوب کر دیا۔ اگرچہ ظاہری حالات اُن کے حق میں تھے۔

فرمایا اُس بات کو دھیان میں لاؤ وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ جب شیطان نے کفار کے اعمال کو اُن کے لیے خوشنابا دیا۔ بنی کنانہ جیسا و یسع قبیلہ قریش کے خلاف تھا اور قریش ہمیشہ اس قبیلہ کی طرف سے خائف رہتے تھے۔ جنگ بدر کے موقع پر قریش کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ بنی کنانہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔ اُن کے اس

شیطان کی  
طرف سے  
حوصلہ افزائی

خدا شہ کو در کرنے کے لیے شیطان بنی کنانہ کے سردار سراقہ ابن مالک کی شکل میں ابوجہل کے پاس آیا اور اس کو حوصلہ دیا کہ وہ قریش کی مخالفت نہیں کریں گے۔ لہذا وہ اُن کی طرف سے بے فکر رہیں۔ یہی نہیں بلکہ اُن کی بوقت ضرورت مدد کا وعدہ بھی کیا۔ ابوجہل اُسے سراقہ سمجھ کر مطمئن ہو گیا کہ بنی کنانہ کی طرف سے خطرہ ٹل گیا ہے۔ مگر عین جنگ کے وقت جب سراقہ کا ہاتھ ابوجہل کے ہاتھ میں تھا تو سراقہ یعنی شیطان نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ ابوجہل نے کہا، اب کیا بات ہے کیوں بھاگتے ہو؟ تو شیطان نے لگا کہ میں کچھ دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھتے اور مجھے اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں ہلاک ہی نہ کر دیا جاؤں۔ دراصل شیطان حضرت جبرائیل اور میکائیل کو مسلمانوں کی حمایت میں دیکھ رہا تھا۔ لہذا اُس نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ کفار کے دلوں میں سو سوہ اندازی چھوڑ کر میدان جنگ سے پیچھے ہٹ گیا۔

شیطان کی  
پاسبازی

غرضیکہ شیطان نے کفار کے اعمال کو اُن کی نظروں میں مزین کر کے دکھایا و قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ آج کے دن تم پر کوئی غالب نہیں آئے گا، بلکہ تم ہی غالب ہوئے وَاِنْ جَارَ لَكُمْ اور میں تمہارا حمایتی ہوں۔ چونکہ وہ سراقہ کی شکل میں شکل ہو کر آیا تھا۔ اس لیے ابوجہل نے اُسے اپنا حمایتی ہی سمجھا۔ مگر فَلَکَمَا قَاتَلَتِ الْفِئَتَانِ جب اُس نے دونوں گروہوں کو آسے سامنے دیکھا۔ جب دونوں لشکر جنگ کے لیے میدان میں اتر آئے فَلَکَصَّ عَلَى عَقْبَيْهِ تو شیطان الٹے پاؤں پھر گیا و قَالَ الْخَبْرُ بِرَبِّیْ مِمَّنْكُمْ اور کہنے لگا میں تم سے بیزار ہوں کیونکہ الْخَبْرُ اُرِیْ مَا لَا تَشْرُونَ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ الْخَبْرُ اَخَافُ اللّٰهَ میں اللہ سے ڈرتا ہوں مفسرین فرماتے ہیں کہ شیطان اللہ سے نہیں ڈرتا، یہ اُس کا جبور طمحس ہے۔ اگر اسے اللہ کا ڈر ہوتا تو وہ فوراً تائب ہو جاتا مگر

ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اُسے قیامت تک مہلت ملی ہوئی ہے  
 تاہم اُسے خوف یہ تھا کہ کہیں قیامت ہی پر پانہ ہو جائے اور وہ ہلاک ہو جائے  
 دوسری بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شیطان نے اپنے خوف کے متعلق

جھوٹ بولا ہو، کیونکہ جھوٹ بولنا اس کا کام ہے۔ وہ ہمیشہ انسانوں کو دھوکا  
 دیتا ہے۔ سورۃ نسا میں موجود ہے "يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا  
 يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُزُورًا" شیطان لوگوں کو وعدے دلاتا ہے  
 اور اُمیدیں دلاتا ہے اور شیطان جو کچھ وعدے دیتا ہے وہ دھوکہ ہی دھوکہ

ہے۔ سورۃ حشر میں ہے "كَمَثَلَ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلّٰهِ نَسَاْنِ  
 اَكْفُرْ" عیا کہ شیطان انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے "فَلَمَّا كَفَرَ"  
 پھر جب وہ کفر کرنے لگا ہے "قَالَ اِنْ تَبَرَّأْتُمْ مِّنْكَ" تو شیطان  
 کہتا ہے میں تم سے بیزار ہوں "اِنْ تَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ"

مجھے تو اللہ تعالیٰ کا خوف، اگر ہے۔ سورۃ ابراہیم میں اس طرح ہے کہ  
 جب قیامت کے دن شیطان کے پیروکار اُسے گھیر لیں گے تو وہ کہے  
 گا "اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّ" کہ اللہ نے تم سے سچا  
 وعدہ کیا تھا "وَوَعَدْتُكُمْ" فَاَخْلَفْتُكُمْ اور میں نہیں جھوٹے وعدے  
 دلاتا رہا میں تم پر غلبہ تو نہیں رکھتا تھا بس نہ، اپنی کی طرف دعوت دیتا تھا، تم نے  
 انبیاء کی دعوت کو قبول نہ کیا مگر میری دعوت کو مان کر کفر و شرک اور معصیت میں مبتلا  
 ہوئے "فَلَا تَلُومُوْنِيْ وَلَوْ مُوَاْاَلْفُسْكُمْ" لہذا آج مجھے ملامت نہ کرو  
 بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو کہ تم نے خدا تعالیٰ کے سچے وعدے کو چھوڑ کر جھوٹے

وعدے پر اعتبار کیا، لہذا اب خدا تعالیٰ کے عذاب کا نرا چھو۔ اللہ نے  
 فرمایا "وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ" اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والا  
 ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا، لہذا آج اپنے اعمال کی سزا  
 کھگتنا ہوگی۔

مفسرین کہ لم بیان کرتے ہیں کہ شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں آکر کفار کی حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ اس نے دارالندوہ میں حضور علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کے وقت بھی ایسا ہی کیا تھا کہ کھڑے ورتجوڑوں کو روکنا رہا اور جب آپ کے قتل کا منصوبہ پیش ہوا تو اس سے اتفاق کر گیا۔ اُس موقع پر بھی اُس نے شیخ نجدی کی صورت میں کفار کو دھوکا دیا تھا۔ اور جنگ بدر کے موقع پر سراقہ بن مالک کی صورت میں آکر پھر دھوکا دیا۔ اور اُدھر حقیقت تھی کہ اصل سراقہ کو اس بات کا علم تک نہ تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب اس واقعہ کی مشہوری ہوئی اور بات سراقہ بن مالک تک پہنچی تو اُس نے صاف کہہ دیا کہ میں تو بدر کے میدان میں گیا ہی نہیں اور نہ میں نے ابو جہل سے کوئی بات کی اور نہ اُس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس پر یہ بات واضح ہوئی کہ مقام بدر پر سراقہ نہیں بلکہ شیطان نے کفار کو دھوکا دیا تھا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شیطان مشرکین کے ساتھ دھوکہ کر رہا تھا جس نے انہیں ہلاکت کے گڑھے میں اتار دیا اور انہیں شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا۔ اللہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم کافروں کی مشابہت اختیار نہ کرنا یعنی نہ تو غرور و تکبر کی بات کہنا اور نہ ہی کوئی دکھاوے والی بات کرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو تم بھی شیطان کے دھوکے میں آ جاؤ گے۔ شیطان کے یہ ہتھیار ہوتے ہیں جو وہ انسانوں پر آزمائے ہے اور جو اُس نے مشرکین کو پہنچے آزمائے۔ ابتدا میں وہ تجھ کو طے وعدہ کرتا ہے۔ لوگوں کو دھوکے میں ڈالتا ہے اور بعد میں بیزاری کا اظہار کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان "بکرہ جہنم" کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ بہر حال اللہ نے سالواں اصول یہ بیان فرمایا کہ جنگ کے دوران عاجزی اور انکساری اختیار کر۔ اللہ تعالیٰ سے نصرت کی دعائیں کرو اور دکھاوانہ کرو۔ اگر ان باتوں پر عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ دشمن پر غلبہ عطا کرے گا۔

اِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّهُوَ لَا  
 دِيْنََهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾  
 وَلَوْ تَرَى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْمَلٰٓئِكَةُ يُضْرِبُوْنَ  
 وُجُوْهُهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَدُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٥٠﴾  
 ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلٰمٍ  
 لِّلْعٰبِدِ ﴿٥١﴾ كَذٰبِ الْ اِلٰ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ  
 كَفَرُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ  
 اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ  
 مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرَ وَاَمَّا  
 بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾ كَذٰبِ الْ اِلٰ  
 فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ  
 فَاهْلٰكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَعْرَقْنَا الْ اِلٰ فِرْعَوْنَ وَكُلَّ  
 كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥٤﴾

ترجمہ :- جب کہتے تھے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں

میں بیماری ہے دھوکہ دیا ہے ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے

اور جو شخص بھروسہ کریگا اللہ تعالیٰ پر تو اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمت

والا ہے ﴿۴۹﴾ اور اگر دیکھے تو (اے مخاطب) جب کہ وفات

ہیتے ہیں کافروں کو فرشتے تو مارتے ہیں اُن کے مونہوں پر اور اُن کی پشتوں پر اور (کہتے ہیں) چکھو جلالنے والا عذاب (۵۰) یہ وہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بیشک اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا بندوں پر (۵۱) اِن کی عادت مثل آلِ فرعون کی عادت کے ہے اور اُن لوگوں کی جو پہلے گزے میں اُن سے کفر کیا انہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ پس پکڑا اُن کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے گناہوں کے بدلے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوی (زور والا) اور سخت سزائینے والا ہے (۵۲) یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جو اُس نے انعام کی ہو کسی قوم پر، یہاں تک کہ وہ خود تبدیلی پیدا کریں جو کہ اُن کے نفسوں میں ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ سُنتے والا اور جاننے والا ہے (۵۳) اِن کی عادت مثل عادت آلِ فرعون کی ہے اور اُن لوگوں کی طرح جو اُن سے پہلے گزے ہیں جھٹلایا انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو، پس ہم نے ہلاک کیا ان کو اُن کے گناہوں کے بدلے۔ اور ہم نے غرق کر دیا آلِ فرعون کو۔ اور تھے یہ سب سے سب ظلم کرنے والے (۵۴)

ہیں گئے گذشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کے اصول بتلانے کے تھے۔ پھر اِن کی سازشیں اور نافرمانیوں اور اُن کو دی جانے والی سزا کا ذکر فرمایا کہ دُنیا میں اُن کی ذلت و خواری ہوئی اور آخرت میں وہ دائمی سزا کے مستحق ہوں گے۔ اب اسی ضمن میں منافقوں کے کہ دار کا ذکر بھی ہو رہا ہے۔ ہجرت کے بعد جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں پر تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک قبم تو وہ صحابہ کرام تھے جو آپ پر ایمان لاکر مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ دوسری قبم کے لوگ وہ تھے جو بغیر جانبداری



بلکہ وہ اللہ کے بھروسے پر اعلیٰ کلمۃ الحق کے لیے میدانِ جہاد میں اترے  
 ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لے گا فَإِنَّ اللَّهَ  
عَزِيزٌ حَكِيمٌ تو اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا  
 ہے۔ وہ چاہے تو اپنی قدرتِ تامہ سے مٹھی بھر جماعت کو کثیر تعداد  
 پر غالب کر دے۔ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے  
 یلوس نہیں کرتا بلکہ اس کی مدد فرماتا ہے۔

منزلِ موت

آگے منافقین اور مشرکین کی اس حالت کا ذکر فرمایا ہے جو بوقتِ موت ان  
 پر طاری ہوتی ہے۔ فرمایا وَلَوْ تَرَىٰ اور اگر تو دیکھے اسے مخاطب إِذْ يَتَنَادَىٰ  
الَّذِينَ كَفَرُوا أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتٌ جب کہ فرشتے کافروں کو مارتے ہیں یعنی ان  
 کی روئیں قبض کرتے ہیں۔ اللہ نے موت کا منظر بیان فرمایا کہ اس وقت فرشتے  
يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ان کے چہروں اور پشتوں پر مارنے  
 ہیں اور کہتے ہیں وَذُوقُوا عَذَابَ الْخَبَرِ اب عذابِ ابدی کا ذائقہ  
 چکھو۔ فرمایا اگر موت کی اس حالت کو نہ کچھ لیا جائے تو کوئی شخص کفرِ شرک  
 اور نفاق میں مبتلا نہ ہو۔ چہروں اور پشتوں پر مارنا بڑی ہی ذلت ناک سزا ہے  
 جس کا ذکر قرآن پاک میں بعض دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔ اس وقت  
 اللہ کے فرشتے کہتے ہیں کہ اے شخص! تیرے پاس اللہ کے رسول آئے  
 اس کی کتابیں آئیں، اللہ نے ہدایت کے سارے سامان مہیا کر کے رکھے  
 سمجھانے کی کوشش کی مگر تم اس وقت کہاں تھے۔ اب تمہارے ساتھ یہی  
 سلوک کیا جائے گا۔

فرمایا ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتِ أَيْدِيكُمْ یہ وہی کچھ ہے جو  
 تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی یہ سزا تمہارے اپنے ہی اعمالِ بد کا نتیجہ  
 ہے جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔ اور بدر کے میدان میں مشرکین اور کافروں



کایسی حال ہوا۔ فرمایا یاد رکھو! وَاللّٰهُ لَيَسَّ بِكُلّٰمٍ لِّلْعَبْدٍ يَّذُنُ  
 کسی کے ساتھ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اُس کی رحمت تو بڑی وسیع ہے  
 مگر یہ خود انسان ہیں جو اپنے کمرے تو توں کی رحمت سے اس کی رحمت سے حصہ  
 نہیں پاتے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّكُمْ  
اَسْأَلْتُمْ عَنْ اَحْصِيَّتِهَا تَكُنَّ كَمَا يَرَى اعمال میں جنہیں ہم نے  
 شمار کر رکھا ہے۔ لوگ غلط کام کر کے قبول جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ تو  
 نہیں سمجھتا۔ خدا کے فرشتے انسانوں کے تمام اعمال کو اپنے رجسٹروں میں  
 درج کر رہے ہیں۔ تمام حرکات و سکنات ہر شخص کے نامہ اعمال میں بھی درج  
 ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا تعالیٰ کے علم میں بھی محفوظ ہیں۔ اور پھر قیامت  
 کے دن یہ منظر بھی دیکھنے میں آئے گا۔ وَكُلُّ الْاِنْسَانِ اَلْاَنَفٰى طٰغُوْهُ  
فَاَنْفٰى عُنُقِهٖ (نہی اسرائیل) ہر انسان کا اعمال نامہ (بوقت مرگ) اُس کے  
 گلے میں لٹکا دیا جائیگا (اور پھر قیامت کے اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا)  
وَوَحٰبٌ دُوًّا مَّا عَمِلَ اِنْ شَاءَ (الکہف) اور وہ اپنا ہر عمل اس  
 میں پالیں گے۔ وہ الیاد دفتر ہو گا کہ انسان کے گا۔ مَّا لَہٗ ذٰلِکَ تَنْبِیْ  
لَا یُعٰدِرُ صَدَقَ یٰوۡۤہٗ وَلَا کِبٰیۡرَہٗ اِلَّا اَحْصٰہَا (الکہف) یہ بھی  
 کتاب ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی بھی چیز احاطہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی۔ انسان  
 حیرت زدہ ہو جائیں گے کہ ان کے ہر عمل کا ریکارڈ موجود ہے بہر حال یہ  
 تو آگے کی منزل ہے، موت کے وقت ہی انسان کو اپنے کیے کا علم ہو  
 جائیگا اور جب فرشتے اس کے چہرے اور لپٹ پر ماریں گے تو ساتھ کہا  
 جائیگا کہ یہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے، اور مگر نہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر  
 ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

کفار اور  
 آل فرعون  
 میں مائت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے باطل نظریات اور پروگرام کا  
 آل فرعون کے ساتھ مقابل فرمایا ہے۔ فرمایا موجودہ زمانے کے کفار و مشرکین

کے عادات و خصائل کذاب الی فرعون و الذین من  
 قَبْلِهِمْ آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی عادات و خصائل کی  
 طرح ہیں۔ وہ لوگ بھی ضدی، بخادی، ہٹ دھرم، مخالفین انبیاء اور مفسدین  
 پر ظلم کرنے والے تھے اور یہ بھی ایسے ہی ہیں۔ قوم فرعون اور ان سے پہلے  
 لوگوں نے کہے تھے يَا أَيُّهَا اللَّهُ اللَّهُ تَعَالَى کی آیتوں کا انکار کیا۔  
 خدا تعالیٰ کے احکام اور دلائل کو تسلیم نہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا فَلَخَذَهُمُ  
اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ اللَّهُ نے ان کو گناہوں کے بدلے میں پکڑ لیا خدا تعالیٰ  
 کی گرفت آئی إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ بیشک اللہ تعالیٰ  
 زبردست قوت والا اور سخت عذاب دینے والا ہے۔ جس طرح پہلے لوگ  
 خدا کی گرفت میں آکر عذاب کے مستحق ٹھہرے اسی طرح آج کے منکرین بھی  
 اس عذاب میں مبتلا ہو کر رہیں گے۔ فرمایا ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ كَرِيمٌ  
مُعْتَدٍ رِغْمَةً أَنْعَمَ عَلَيَّ قَوْمِهِ اس لیے کہ بیشک اللہ تعالیٰ  
 کسی قوم کو عطا کردہ نعمت کو تبدیل نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو  
 واپس نہیں لیتا حَتَّى يُغَيِّرَ مَا بِأَنْفُسِهِمْ یہاں تک کہ وہ خود تبدیل  
 نہ کریں جو کچھ ان کے نفسوں میں ہے مطلب یہ کہ اللہ کی طرف سے کسی نعمت  
 کی واپسی خود انسانوں کے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے جب کوئی قوم اللہ کی  
 طرف سے انعام و اکرام پا کر بھی ناشکری کرتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی نعمت  
 کو اٹھا لینے پر بھی قادر ہے۔ فرمایا وَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ  
 اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے حتیٰ کہ  
 وہ لوگوں کے دلوں کی بات، نیت اور ارادے کو بھی جانتا ہے۔ اور  
 پھر اسی کے مطابق جزا دیتا ہے۔

نعمت کی  
 تبدیلی

دوسری بات یہ ہے کہ جب تک انسان میں حق و صداقت کا  
 جذبہ موجود نہ ہو، خدا تعالیٰ ہر ایت بھی نصیب نہیں کرتا۔ اپنے آپ میں

تبدیلی کا جذبہ موجود ہو۔ صحیحی کو ترک کرنے اور خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کی ترغیب موجود ہو تو اللہ تعالیٰ ہدایت کے راستے بھی کھول دیتا ہے۔ اسی طرح جب تک انسان کا اندرونی نظام فاسد نہیں ہوتا، اس سے کوئی نعمت چھینی نہیں جاتی۔ جب اعتقاد بگڑتا ہے تو نعمت بھی چھین جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ راحت کی بجائے تکلیف میں ڈال دیتا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں اللہ کا فرمان ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے انعام کو ناشکری میں بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اہل مکہ کو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم نعمت عطا کی مگر انہوں نے قدر نہ کی بلکہ ناشکری کی اور مع قوم جنہم رسید ہو گئے۔ یہاں پر بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ مکے والوں نے اس نعمت کی ناقدری کی اور حضور علیہ السلام کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی خدا کی گرفت آئی اور انہیں تباہ کر کے رکھ دیا۔ جب مکے والوں کی نیت بدل گئی تو اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی آگئی۔

گنہگاروں کی ہلاکت

آگے پھر وہی آیت مکرر آئی ہے كَذٰبِ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَنْ كِی عَادَت قَوْم فِرْعَوْنَ اور اُن سے پہلے لوگوں کی عادات جیسی ہے كَذٰبُوْا بِآیٰتِ رَبِّهِمْ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا فَاهْلٰكَتْهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے بدلے ہلاک کر دیا۔ وَاعْتَدْنَا لِی فِرْعَوْنَ اور آل فرعون کو ہم نے پانی میں ڈبو دیا۔ اہم راز ہی اس مقام پر یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ حصہ آیت كَذٰبِ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کو دوبارہ لانے سے کیا مقصود ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ دراصل دوسرا جملہ پہلے جملے کی تفصیل ہے۔ پہلے جملہ میں یہ تھا

کہ جو آدمی کفر شرک یا معصیت کا ارتکاب کر لگا وہ پکڑا جائے گا اور دوسرے جملہ میں یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو ہم نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ چنانچہ آل فرعون کو اللہ نے سحیرہ قلنیم میں غرق کر دیا۔ باقی نافرمان اقوام میں سے بھی کسی پر پتھروں کی بارش کی، کسی کو زمین میں دھنسا دیا، کسی پر زلزلہ اور کسی کو جہنم نے آگیا۔ اسی طرح مکہ والوں کو اللہ نے بدر کے مقام پر گرفت میں لے لیا۔

کفر اور  
تکذیب

دونوں جگہ پر اس آیت میں یہ فرق بھی ہے کہ پہلی آیت میں کفر کا ذکر ہے کہ آل فرعون اور دوسرے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات، نشانات اور دلائل کا انکار کیا جب کہ دوسرے مقام پر کذب جہاں ہے یعنی انہوں نے اپنے رب کے دلائل کو جھٹلایا۔ پہلی آیت میں کفر و کذب، بالذات اللہ ہے انہوں نے معبود بحق اللہ کی آیات کا انکار کر دیا اور دوسری آیت میں کذب و کفر، یعنی جس پروردگار نے انہیں ہزاروں، لاکھوں نعمتیں عطا کیں، اُس رب کے دلائل (واحکام) کو جھٹلایا اور ان نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کیا تو فرمایا پہلی آیت میں انکار کیا تو ان پر گرفت آگئی اور جب دوسری آیت میں تصدیق کی بجائے تکذیب، شک کی بجائے ناشکری کی الشکر کے اسمائے کی نافرمانی کی تو ان پر ہلاکت آگئی اور وہ نیست و نابود ہو کر رہ گئے۔

اہل ایمان  
کے لیے  
تسلی

اس کے بعد اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ رکھو، خدا تمہارے دشمنوں کو خود سنبھال لے گا۔ جب فرعون جیسے سرکش اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے تو مشرکین مکہ کی توحیدیت ہی کچھ نہیں، یہ کیسے بچ سکیں گے۔ دوسرے مقام پر ہے کہ ان کو تو ہم نے پہلوں کا عشر عیشہ بھی نہیں دیا، پھر یہ کس بات پر اترا ہے ہیں۔ آل فرعون کو پانی میں ڈبو دیا وَكُلَّ كَاذِبٍ ظَلِمَ لِمَعْنٍ وہ سب کے سب ظالم لوگ تھے۔ ظلم کا حشر ہمیشہ بڑا ہوتا ہے۔ ان کو مملکت تو ملتی رہتی ہے

مگر جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو اللہ کا عذاب اچانک آ جاتا ہے  
 مکے والوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے  
 ظلم کیے اور آخر کار وہ اپنے اعمال کی پاداش میں پکڑے گئے اور ذلیل و خوار  
 ہو کر میدان بدر سے لوٹے۔

واعلموا ۱۰

الانفال ۸

درس ہفتم ۱۰

آیت ۵۵ تا ۵۸

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَمَا تَتَّقَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَيُكَفِّرُوا عَنْهُمْ مَنْ خَلَفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِنَّمَا تَخَافَنَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٍ فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾

ترجمہ۔ بیشک سب جانوروں میں بُرے اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، پس وہ ایمان نہیں لائے ﴿۵۵﴾ وہ لوگ جن سے آپ نے معاہدہ کیا ہے اُن میں سے، پھر وہ توڑتے ہیں اپنے عہد کو ہر مرتبہ اور وہ نہیں ڈرتے ﴿۵۶﴾ پس اگر آپ قابو پالیں اُن پر لڑائی میں، پس ران کو عبرتناک سزا دیکھا بھگتا دیں اُن کو جو اُن کے پیچھے ہیں، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿۵۷﴾ اور اگر آپ خوف کھائیں کسی قوم کی طرف سے خیانت کا، پس پھینک دیں اُن کی طرف (اُن کے عہد کو) برابر برابر۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا خیانت کرنے والوں کو ﴿۵۸﴾

اللہ تعالیٰ نے جہاد سے متعلق سات اہم اصول بیان کر دیے ہیں۔ منافقوں کا حال بھی بیان ہوا ہے کہ جب مسلمان بدر کی طرف روانہ ہونے تو منافق کہنے لگے

رہنمائیات

کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ دھوکہ نہیں بلکہ اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ ہے۔ جو کوئی اللہ کی ذات پر بھروسہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے غلبہ نصیب فرمائے گا۔ پھر اللہ نے منافقوں اور مشرکوں کی عادت کو آل فرعون کی عادت سے تشبیہ دی جنہوں نے کفر پر اصرار کیا اور دین حق کی مخالفت کی، وہ اپنے گناہوں کے بدلے میں پکڑے گئے اور اللہ نے انہیں ذلیل و خوار کیا۔ جو لوگ اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں، وہ ان کو چھوڑا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو اس دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور آخرت کی سزا تو ان کے لیے بہر حال ہے اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے مخالفین یہودیوں کا ذکر کیا ہے جو بار بار عہد کو توڑتے تھے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے، پھر اللہ نے انہیں سزا بھی خوب دی۔

مِثاقِ مدینہ

جس زمانے میں حضور علیہ السلام نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی اس وقت مدینہ کے ارد گرد یہودیوں کی بستیاں تھیں۔ یہ لوگ تجارت پیشہ اور زراعت پیشہ تھے۔ ان کے بڑے بڑے بارخ تھے۔ صاحبِ علم سمجھے جاتے تھے، یہودی کا دوبارہ بھی کرتے تھے اور اس طرح انہیں اس علاقے میں علمی اور معاشی برتری حاصل تھی۔ ان کے بڑے قبیلے بنی قینقاع بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے۔ مدینے پہنچ کر حضور علیہ السلام نے ارد گرد کا جائزہ لیا تو اس سرزمین میں اسلام کے پورے کی پورے کے لیے حالات کو قدرے سازگار پایا۔ تاہم آپ نے مدینہ اور اس کے اطراف کے تمام قبائل سے ایک معاہدہ کیا جو مِثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے اس معاہدہ میں سارے یہودی اور دیگر قبائل بھی شامل تھے۔ معاہدہ یہ تھا کہ تمام قبائل اور خاندان اپنے دین اور مذہب پر قائم رہیں گے اور کسی کو دین تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ اگر کوئی طاقت باہر سے مدینہ پر

حملہ آور ہو گئی تو معاہدے میں شریک تمام لوگ مدینہ کا مشترکہ دفاع کریں گے اس معاہدہ پر مدینہ کے مشہور یہودی کعب بن اشرف، بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ نے بھی دستخط کیے۔ تاہم یہودی عام طور پر عہد کی خلاف کرتے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے مشترکین کو ہتھیار فرماہم کیے۔ جب پوچھا گیا تو عذر لنگ یہ پیش کیا کہ ان کو معاہدہ یاد ہی نہیں تھا۔ یہ لوگ مکہ والوں کے ساتھ بھی ساز باز رکھتے تھے۔ اور دوسرے قبائل کو آپس میں لڑنے کی منصوبہ بندی بھی کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور تشدد کیا ان کا معمول بن چکا تھا۔ اللہ نے ان کا حال بیان فرما کر ان کو سخت سزا دینے کا حکم دیا ہے۔

بدترین  
جاندار

اللہ تعالیٰ نے مشرک یہودیوں کی مثال بدترین جانداروں کے ساتھ دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زمین پر چلنے والوں میں بدترین جاندار وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے۔ دواب، دابہ کی جمع ہے جس کا معنی زمین پر چلنے پھرنے والا جاندار ہوتا ہے۔ زمین پر لاکھوں جاندار ہیں جس میں انسانوں کے علاوہ درندے، کیڑے مکوڑے ہیں جن کی مختلف قسمیں اور مختلف صورتیں ہیں۔ ہر ایک کی الگ الگ بولی، رنگت اور سامان حیات ہے۔ انسان بھی انہی میں سے ایک جاندار ہے مگر ان سب جانداروں میں سے بدترین جاندار وہ انسان ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے، نبی کی مخالفت پر کمر بستہ ہے۔ توحید کو مٹا کر کفر کے پروگرام کو غالب کرنا چاہتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ سورۃ بینہ میں ایسے لوگوں کو ”مَشْرِکُ الْبَرِیَّةِ“ یعنی مخلوق کا بدترین حصہ کہا گیا ہے اور اہل ایمان کو ”حَیْرُ الْبَرِیَّةِ“ یعنی مخلوق خدا کا بہترین حصہ قرار دیا گیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں یہ نکتہ بیان کیا ہے



کہ کافر لوگ عام جانوروں اور کھڑے مکھڑوں سے بھی کیوں بدتر ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دنیا کا ہر جاندار اپنے مقصدِ حیات کو پورا کرتا ہے۔ اپنے مالک کو پہچانتا اور اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ اپنے مالک اور مربی کی خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم رکھتا ہے۔ جتنی کہ بیل، گھوڑے، اگے سے اور بھینس بھی اپنے مالک کی بات سنتے ہیں اور اس کی خدمت بجالاتے ہیں مگر یہ کافر اور مشرک انسان ہیں جو اپنے مالک کے حکم کے مقابلے میں اپنی خواہش کو مقدم رکھتے ہیں، لہذا یہ لوگ پوری مخلوق میں سے بدترین حصہ ہیں۔ سورۃ اعراف میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے "كَالْأَنْعَامِ بَلَّ هُمْ أَصْلًا" کہ وہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ جانور تو اپنا مقصدِ حیات پورا کرتے ہیں مگر یہ اتنا بھی نہیں کرتے، لہذا یہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان میں کافر، مشرک اور یہودی سب آجاتے ہیں۔ تاہم اس مقام پر یہودیوں کی خاص طور پر مذمت بیان کی گئی ہے۔ فرمایا فَهَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ یہی لوگ ہیں جو ایمان سے خالی ہیں۔

فرمایا یہ وہ لوگ ہیں الَّذِينَ عَاهَدُواكَ کہ آپ نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا ہے ثُمَّ يَنْتَقِبُونَ عَهْدَهُمْ فِي كَلِّ مَمْرَةٍ پھر وہ ہر بار اپنے معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں، اس پر پورا نہیں اترتے وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ اور وہ ذرا بھی خوف نہیں کھاتے۔ معاہدہ کی پابندی تو بہر حال ضروری ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُورًا اپنے عہد کو پورا کرو کیونکہ عہدِ پیمان کے متعلق بائبل میں ہوگی۔ عہد کی خلاف ورزی کرنا اور غداری کرنا منافقوں کی علامت ہے جاہلی اور حکومتی نظام کو درست رکھنے کے لیے معاہدہ کی پابندی ضروری ہے اسلام میں اس کا بڑا مرتبہ ہے۔ جو مسلمان ہے وہ تو عہد کو پورا کرے گا۔ البتہ غیر اقوام کا حال مختلف ہے۔ پہلی جنگ عظیم FIRST GREAT WAR میں چار کروڑ سے

زیادہ انسان مارے گئے۔ ترکوں اور جرمنوں کے خلافت انگریزوں نے یہ  
 بڑی زبردست جنگ لڑی۔ اس جنگ میں جب انگریزوں نے وزیر جنگ  
 وار منسٹر لاٹ جارج سے کہا گیا کہ آپ نے معاہدہ کیا تھا، اب  
 اُس کو پورا کیوں نہیں کرتے، تو کہنے لگا عہد و پیمان پورا کرنے کے لیے نہیں  
 کیے جاتے۔ یہ تو محض وقت گزاری کے لیے ہوتے ہیں۔ انگریزوں جیسی قوم  
 کا نظریہ حیات یہ ہے۔ اسلام میں اس کو غداری کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے  
 اگر کوئی معاہدہ فریق اپنے معاہدہ کو برقرار نہیں رکھنا چاہتا تو اس کا طریقہ یہ ہے  
 کہ دوسرے فریق کو صاف صاف بتا دیا جائے کہ یہ معاہدہ قائم نہیں رہ سکتا تاکہ  
 دوسرے فریق اپنا مناسب انتظام کر لے۔ خود معاہدے پر عمل نہ کرنا اور دوسرے  
 کو دھوکہ میں رکھنا سنایت ہی ناپسندیدہ فعل ہے۔ جو عہد کیا ہے اس کو  
 بہر حال پورا کرنا چاہیے یا علی الاعلان توڑ دینا چاہیے۔

آگے عہد شکن لوگوں کی سزا کے متعلق فرمایا فَإِنَّمَا تَقْفَهُمْ فِي  
الْحَرْبِ پس اگر آپ قابو پالیں اُن پر دوران جنگ فَسَيُؤْذِيهِمْ  
مَنْ خَلَفَهُمْ تو اُن پر ایسی کاری ضرب لگائیں کہ اُن کے پیچھے آنے  
 والوں کو بھی جھگادیں۔ اگر لڑائی میں حصہ لینے والوں کو شکست فاش دے  
 دی جائے تو اُن کی حمایت میں آنے والوں کے جوصلے ایسے ہی پست ہو  
 جاتے ہیں اور وہ شکست خوردہ لشکر کی امداد پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اسی لیے  
 فرمایا کہ عہد شکنی کرنے والے غداروں کو ایسی عبرت ناک سزا دیں کہ اُن کی محکم کے  
 طور پر آنے والے بھی تتر بتر ہو جائیں تَشْرِيدٌ بمعنی بکھر جانا یا تتر بتر ہو جانا ہے  
 فرمایا اُن کو ایسی ماریں لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ تاکہ وہ نصیحت بکھڑیں  
 اور جان جائیں کہ انہیں باطل کی حمایت نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ یہودیوں  
 کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ وہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے اور حجت بازی  
 کرتے تھے۔ چنانچہ یہودیوں کے دو قبیلے جلا وطن کر دیے گئے۔ اُن کی

عہد شکنی  
 کی سزا

زمینوں اور دیگر جائیداد پر قبضہ کر لیا گیا۔ بنی قینقاع اور بنی نصیر کے ساتھ تو یہ لوگ ہوا تیسرا بڑا قبیلہ بنی قریظہ زیادہ جہیت تھا۔ اُس نے غزوہ احزاب میں بھی سازش کی تھی اور جنگ احد میں بھی۔ وہ مشرکین کے ساتھ مل گئے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں سخت ترین سزائیں کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ سحر توں اور کھول کو نو نڈی غلام بنالیا گیا۔ معاہدہ شکن اور خوف خدا سے عاری لوگ ایسی ہی عبرت ناک سزائیں کے مستحق ہوتے ہیں۔

معاہدگی  
منسوخی

فرمایا کہ معاہدہ ہو جانے کے بعد اگر کوئی فریق اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس معاہدے کو منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ وَلَمَّا تَخَالَفَنَّ مِنَ الْقَوْمِ خِيَانَةً اگر آپ کو کسی معاہدہ قوم کی طرف سے معاہدے میں خیانت کا ڈر ہو فَإِنْ بَدَأُوا بِكُمْ خِيَانَةً پس پھینک دیں ان کی طرف برابر یعنی معاہدے کی منسوخی کا اعلان کر دیں اور پھر ان کے خلاف جو کارروائی مناسب سمجھیں کر گزریں۔ ظاہر ہے کہ جب تک کوئی معاہدہ کارآمد ہو اُس کی خلاف ورزی کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔ اور پوری دیانتدارانہ کوشش کے باوجود جب معاہدہ کی پاسداری نہ کی جا رہی ہو تو پھر اس کو توڑ دینا ہی بہتر ہے تاکہ فریقین اپنی اپنی صوابدید کے مطابق آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کر سکیں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب معاہدہ کر لو تو اس کو نبھادو وَلَا تَخْدِرُوا اور غداری نہ کرو اور اگر نہیں نبھاسکتے تو اس کو منسوخ کر دو۔

امیر معاویہؓ نے رومیوں کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا۔ ابھی معاہدہ ختم ہونے میں چند دن باقی تھے کہ آپ نے فرجوں کو سہرہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ ان کے خیال کے مطابق اپنی سرحدوں کے اندر رہ کر فوجی نقل و حمل کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام کے صحابی عمرو ابن عیمنہؓ کو اس کا روائی کا پتہ چلا کہ وہ سوار ہو کر دوڑاتے ہوئے امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے اور نعرہ مارتے ہوئے کہا وَفَاؤُا وَفَاؤُا وَلَا عَدْرَہُ یعنی عہد کی وفا

ہونی چاہیے اور خلاف درزی نہیں ہونی چاہیے۔ انتہوں نے حضور علیہ السلام کی حدیث پیش کی کہ اگر کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کیا ہے تو اس کے اختتام تک اس کی وفا کرو اور زیادتی نہ کرو۔ فوجوں کی نقل و حرکت روک دو۔ جب معاہدے کی تاریخ گزر جائے تو پھر جو چاہے کرو۔ یہ اقلیاط کی بات کتنی جو مسلمانوں کا شعار ہے ورنہ اپنی سرحدوں پر فوجوں کو منتقل کرنا معاہدے کی خلاف درزی نہ تھا۔

بہر حال فرمایا کہ اگر معاہدے میں خیانت کا خطرہ ہو تو معاہدے کو توڑ دو کیونکہ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں یعنی معاہدہ شکن لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ترمذی شریف کی روایت میں بھی آتا ہے لَا تَخْنَنَّ مَنْ خَانَكَ جو تیرے ساتھ خیانت کرتا ہے تو اس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو۔ تم مومن ہو، اپنے اصول پر قائم رہو، عہد و پیمان کی پابندی کرو اور غدار نہ بنو۔

واعلموا ۱۰

الافعال ۸

آیت ۵۹ ۶۰

درس ہر دہم ۱۸

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿۵۹﴾ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور نہ خیال کریں وہ لوگ جنوں نے کفر کیا کہ وہ سبقت کر جائیں گے (بھاگ جائیں گے) بیشک وہ نہیں عاجز کر سکتے ﴿۵۹﴾ اور (اے ایمان والو) تیاری کرو ان (دشمنوں) کے مقابلے میں جو کر سکتے ہو طاقت سے اور ہانڈے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس کے ساتھ تم ڈرا سکو اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور کچھ دوسروں کو ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو بھی تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں تم کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم سے زیادتی نہیں کی جائے گی ﴿۶۰﴾

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بیان ہوا تھا کہ سازشی یودیوں کو الیٰ عتبراک کفار کی خام خیالی سزا دو کہ ان کے پیچھے آنے والوں کو بھی اس سے عبرت ہو۔ مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی نہ کریں۔ اس سے مسلمانوں کے دلوں میں



استعمال کیا۔ آپ نے جنگی مقاصد کے لیے انٹ، گھوڑے، حجر بھی استعمال کئے۔ آپ نے تیر اندازی کی ترغیب دی فرمایا خود بھی سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ اور پھر اُس کی مشق بھی جاری رکھو تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے۔

امام ابو بکر جصاصؓ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ والد پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو تین چیزوں کی تعلیم دے یعنی کتاب اللہ کی تعلیم، تیر اندازی اور تیر اندازی۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ شدید گرمی میں بھی مشق کے لیے برہنہ پاتے تھے اور دریائے جہنا میں تیر اندازی کی مشق کیا کرتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ ان میں اچانک اسلام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ان کی تحریک خود مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے عملاً ناکام ہو گئی مگر اُس کے اثرات ہمیشہ باقی رہیں گے۔ انہوں نے جہاد میں عملی حصہ لے کر تباہ کیا کہ جذبہ اور اطاعت ایسی ہوتی ہے اور دشمن سے مقابلہ اس طرح کیا جاتا ہے۔ اگلی سورۃ میں بڑے بڑے مضامین آئے ہیں فرمایا ہے "فَقَاتِلُوا اَيُّهَا الْكُفْرُ" کفار کے بڑے بڑے سرداروں اور لیڈروں سے لڑو۔ ان کو نہ بیخ کر دو۔ جب تک پوری قوت کے ساتھ ان کے ساتھ نہیں ٹکراؤ گے۔ یہ اپنی سازشوں سے باز نہیں آئیں گے۔ فرمایا اس کام کے لیے اپنے اندر قوت پیدا کرو۔ سائنسدان پیدا کرو اور سامانِ حرب و حرب اکٹھا کرو تاکہ تم اپنا دفاع کر سکو اور کفار و مشرکین کو کیفر کردار تک پہنچا سکو۔

امام ابو بکر جصاصؓ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو تیر اندازی کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد محض تیر اندازی نہیں بلکہ وقت کے جدید ترین ہتھیار کا استعمال ہے۔ حضور کے زمانہ مبارک میں تیر اندازی ہی جنگ کے لیے بہترین ہتھیار سمجھا جاتا تھا، مگر آج اس سے ہر قسم کی بدعت، توپ، ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں فضا سے فضا اور زمین سے فضا میں مار کر نیوالے میزائل

جنگی کشتیاں اور تباہ کن بحری جہاز، ہوائی جہاز، راکٹ اور آبدوزیں ہیں۔ مقصد تو یہ ہے کہ دشمن کا صفایا کیا جائے اور ہر وہ ہتھیار استعمال کیا جائے جو ضروری ہو۔ ظاہر ہے کہ جب دشمن کے پاس جدید قسم کے ہتھیار موجود ہوں گے تو مسلمان صرف تیر اور گولہ بڑ ہی تکیہ لگا کر نہیں بیٹھ سکتے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لیے اگر ناخن بھی کام دے سکتا تو بیشک ناخنوں کو بڑھا لو۔ حالانکہ عام حالات میں ناخن کاٹنے کا حکم ہے تو مقصد یہ کہ دشمن کے خلاف تیاری کے لیے تمام آلات حرب اور تمام وسائل بڑے کار لانا لازمی ہے۔ قُوَّة میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

مولانا عبد اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ مالی جہاد ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، دشمن کے مقابلے کے لیے وسائل جیسا کہ ان کی معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے وسیع مالی ذرائع کی ضرورت ہے تو پے کے ایک چھوٹے سے گولے کے لیے تین ہزار روپے کی ضرورت ہے جب کہ بڑا گولہ سات ہزار روپے میں بنتا ہے ایک ٹینک لاکھوں روپے میں بنتا ہے اور بیماری کرنے والا ہوائی جہاز تو کمر و دروں میں آتا ہے۔ جنگی تیاری کے لیے بڑے وسیع سرکاری کی ضرورت ہوتی ہے جو مسلمان فراہم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

مالی جہاد  
کی ضرورت

دیگر عبادات کی طرح جہاد بھی ایک عبادت ہے اور ظاہر ہے کہ عبادت ہر مرد و زن پر فرض ہوتی ہے اور کوئی بھی اس سے مستثنا نہیں ہوتا۔ جہاد ہر عاقل، بالغ اور صحت مند مسلمان پر بلا معاوضہ فرض ہے۔ جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہوتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کی نجات میں سے کچھ آدمی اس میں شریک ہو جائیں تو فرض ادا ہو جاتا ہے۔ لہذا عام حالات میں مجاہدین کی ایک جماعت ہمیشہ مستعد رہتی ہے البتہ جب نصیر عام کا وقت آتا ہے تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔



جب قوم کو ضرورت ہو تو پھر کوئی فرد واحد بھی پیچھے نہیں رہ سکتا صرف  
 نابینا، لنگڑا، بیمار اور بہت بوڑھا محلی جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے لیے بھی  
 شرط ہے اِذَا لَصَحَّوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ جیکہ وہ اللہ اور رسول کے حق میں  
 خیر خواہ ہوں۔ کوئی غلط پراپیگنڈہ نہ کرے۔ بلکہ اپنی مجلسوں میں اچھی بات کریں  
 جس سے دوسرے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو اور اسلام کو تقویت پہنچے۔  
 امام ابو بکر جصاصؓ چوتھی صدی کے مفسر قرآن ہیں۔ آپ نے اپنی  
 تفسیر میں مسلمانوں کی کمزوری کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے اور اس زمانے  
 میں دیکھ رہے تھے کہ مسلمان عیاشی میں پڑ گئے ہیں اور ملکی سرحدیں کمزور  
 ہو رہی ہیں۔ یہ تو اس زمانے کی بات ہے جو مسلمان اس وقت بھیندا  
 شروع ہوئے تھے، وہ آج کہاں تک پہنچ چکے ہیں اور مسلسل ضعف کی  
 طرف جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا کلام بدھتی ہے۔ نبی کا فرمان سچ ہے۔  
 دین سچا ہے۔ اس کے اصول درست ہیں مگر کمی ہے تو صرف عمل کی  
 آج مسلمان دنیا بھر میں اپنی بے عملی کی وجہ سے ذلت کا شکار ہیں بھٹل  
 کرنے کے لیے جان اور مال کو خرچ کرنا پڑتا ہے، بڑے سرمائے کی  
 ضرورت ہوتی ہے مگر آج مسلمان عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں بھٹل  
 تماشے میں مصروف ہیں۔ مسلمان بھی اہل یورپ کے پیچھے لگ کر اپنے  
 مشن کو بھٹل چکے ہیں۔ تبلیغ دین، تصنیف و تالیف اور جہاد فرض ہے  
 نئی پود کی تربیت اپنی چیزوں سے ہوتی ہے اگر تعلیم و تربیت ہی ختم  
 ہو جائے تو فرائض کی ادائیگی کیسے ہو سکے گی، لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے  
 کہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنی اپنی اہلیت اور صلاحیت کے مطابق اپنے  
 مسلمان بھائیوں کے لیے خیر خواہی کا ثبوت دیا کرے۔ یہ حیالت کا  
 نتیجہ ہے کہ آج کسی کو نکاح طلاق کی مبادیات سے بھی واقفیت نہیں  
 اور پھر افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگ سیکھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے عام

مسلمانوں کی  
 غفلت

دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر طلاق کی فہمیت آجائے تو ایسی تحریر کریں گے جس سے کئی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں۔ حلال و حرام کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں ایک عام مسلمان کے سیکھنے کی ہیں مگر اس طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

وسائل سے  
استفادہ

دنیا نے اسلام اس وقت قدرتی وسائل سے مالا مال ہے صرف ان سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اقتصادی لحاظ سے دنیا میں تیل کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کی حالت میں بھی اس کے بغیر گزارہ نہیں مگر جنگ کی حالت میں تیل ایک موثر ہتھیار ہے مسلمانوں کے پاس یہ چیز وافر مقدار میں موجود ہے دیگر معدنیات کی بھی کمی نہیں مگر اس کے باوجود ان کو دنیا میں عزت و وقار حاصل نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے عطا کردہ وسائل سے استفادہ نہیں حاصل کر پاتے۔ ان میں صلاحیت موجود ہے مگر محنت اور قربانی کا جذبہ مفقود ہے۔ عرب مالک پرچاس ساٹھ سال سے تیل پیدا کر رہے ہیں مگر اس کے لیے ماہرین ابھی تک امریکہ اور جرمنی سے آتے ہیں۔ آج تک اپنے انجنیئر پیدا نہیں کر سکے، کہیں نقص پڑ جائے تو اسے درست نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے بھی ماہرین درآمد کرنا پڑتے ہیں۔ خود تعلیم حاصل کریں۔ تجربات کریں اور کم از کم اپنے کام میں تو خود کفیل ہو جائیں اور بیرونی ماہرین کو ادا کی جانے والی بڑی بڑی رقمیں بچا سکیں۔ یہ سستی کی نشانی ہے۔ آرام طلب ہو گئے ہیں اور محنت سے جی چراتے ہیں حالانکہ محنت اور جذبے کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ جس قدر ہو سکے اپنے اندر قوت پیدا کرو، وسائل کو بروئے کار لاؤ، اسلحہ تیار کرو۔ مجاہدین کی بہترین تربیت کرو تاکہ قوم دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکو۔

مسلمانوں نے اپنے ابتدائی دور میں خوب محنت کی۔ ان میں قربانی

کا جذبہ اور علیہ دین کی تڑپ تھی۔ جس کے اثرات سات سو سال تک دنیا میں  
موجود رہے۔ اور اسلام کی عالمگیر حیثیت دنیا میں قائم رہی۔ تمام دنیا پر اہل اسلام  
کی سیاست چلتی تھی۔ مگر جب انحطاط شروع ہوا تو تمام وسائل موجود ہونے  
کے باوجود مسلمان دنیا میں تیسرے درجے کے باشندے بن گئے ہیں دنیا  
میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس زمانے میں بھی اہل ایمان میں بڑے  
بڑے قابل دماغ ہیں۔ باصلاحیت نوجوان موجود ہیں مگر حکومت اور قومی  
اداروں کی طرف سے حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ لائق نوجوان کسی قوم کا سرمایہ  
ہوتے ہیں مگر ان سے استفادہ حاصل نہیں کیا جا رہا، یہی بد قسمتی ہے۔

مسلمانوں کے  
جنگی معرکے

فرمایا دشمن کے مقابلہ میں حسب استطاعت تیاری کر و قوت  
کے ساتھ وَهَبَ رِيَاظِ الْحَيَلِ اور باندھے ہوئے گھوڑوں کے  
ساتھ۔ یہاں پر اللہ نے جنگی مقصد کے لیے گھوڑوں کا خاص طہر پر فخر  
کیا ہے۔ گھوڑا اٹھا بابہ بکت جانور ہے اور اس کی یہ بکبت قیامت  
تک موجود رہے گی۔ اگرچہ آجکل گھوڑوں کی جگہ جیپوں اور ٹینکوں نے لے لی  
ہے مگر پھر بھی دنیا میں ایسے ایسے پہاڑی مقامات ہیں جہاں گھوڑے  
اور سچر ہی کام لے سکتے ہیں۔ فرمایا جنگی تیاری کا مقصد یہ ہے تَرْهَبُونَ  
بِهَ عَدُوِّ اللَّهِ وَعَدُوِّكُمْ کہ اس کے ذریعے تم اللہ اور اپنے دشمنوں  
کو خوفزدہ کر سکو۔ جنگی تیاری جاری رکھو گے تو دشمن کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات  
نہیں ہوگی اور اگر تم آرام طلب بن گئے، جہاد کے لیے سامان کو ناچھوڑ  
دیا تو دشمن مسلط ہو جائے گا اور پھر تم غلام بن جاؤ گے۔ اسی لیے فرمایا کہ  
اپنی تیاری جاری رکھو تاکہ دشمن تم سے ڈرنا ہے وَالْخَيْرِينَ صَبْرٌ  
دُونَهُمْ اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں کو بھی خوف زدہ کر دو  
یعنی قریش مکہ اور مشرکین غریب، غیزہ لَا تَعْلَمُوا نَهْمُہُمْ کہ جن کو تم  
نہیں جانتے اللہ یَعْلَمُہُمْ بلکہ اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔

مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ ان سے رومی اور ایرانی لوگ مراد ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ مسلمان اُن سے غافل ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تمہارے دشمن صرف عرب کے لوگ ہی نہیں بلکہ تمہیں دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں سے مقابلہ کرنا ہو گا۔ لہذا اُس کے لیے ابھی سے تیاری شروع کر دو۔ سورۃ قتال میں بھی ذکر ہے کہ آج جو لوگ پیچھے ہٹ رہے ہیں کل ان کو بڑی بڑی جنگوں کے لیے دعوت دی جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اُس کی لعنت و نصرت سے مسلمانوں نے بڑی بڑی جنگیں لڑیں اور اُن میں فتح حاصل کی۔ اُس وقت مسلمانوں میں کمال برجے کی اطاعت اور جذبہ پایا جانا تھا۔ مصر کی فتح کے حالات پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے قادیان کے محر کے میں مسلمانوں نے کتنی عظیم قربانیاں پیش کیں۔ ایرانی جنگیں کیے لڑیں۔ صوبہ خراسان اور پھر برہنہک مسلمان بڑھتے چلے گئے یہ سب جذبہ ایمان اور جنگی تیاری کی وجہ سے تھا۔ مگر انہوں نے اس کا مقام ہے کہ اب یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ عام صدقہ و خیرات کا اجر دس گنا ہے جب کہ جہاد کے لیے خرچ کیے گئے پیسے کے اجر کی ابتداء سات سو گنا سے شروع ہوتی ہے اور پھر بغیر تحدید کے بڑھتی چلی جاتی ہے ایک شخص نے جہاد کے لیے ایک اونٹنی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے فرمایا، تمہیں قیامت کے دن سات سو اونٹیاں مبعوث پالان میں لگی یعنی پورے ساز و سامان کے ساتھ دی ہوئی ہوں گی۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے ذرۃ سناہل الجہاد یعنی اسلام کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ جہاد کرو گے تو عزت حاصل ہوگی، دشمن مغلوب ہوگا۔ بدعاشی کا قلع قمع ہوگا اور دنیا امن و امان کا گوارہ بن جائیگی۔ حدود قائم ہونگی اور اسلام کو سر بلندی

جہاد زریعہ  
حیات ہے

حاصل ہوگی۔ اگر جہاد کو ترک کر دو گے تو پستی کی گہرائیوں میں گر جاؤ گے۔ اگر حدود اللہ نافذ نہیں کرو گے تو دشمن ریشہ درائیاں کھیں گے۔ پھر تم کہیں غلام بن جاؤ گے اور کہیں مغلوب ہو جاؤ گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے، جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتی ہے اس کو عزت نصیب نہیں ہو سکتی۔ جب تک اپنے دین کی طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے، عزت و وقار حاصل نہیں ہوگا فرمایا حتیٰ تَرْجِعُوا الْحِلَّ دِيْنَكُمْ یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ۔ اگلی سورۃ میں اس ضمن میں بہت سی باتیں آئیں گی۔

مالی جہاد  
کا اخیر

فَرِیَا وَمَا تَنْفِقُوْنَ مِنْ شَیْءٍ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ  
تم اللہ کے راستے میں یعنی جہاد کی مد میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے یُؤْفَکَ  
بَالِیکُمْ تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جہاد کے لیے ایک  
کا بدلہ سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے۔ تم اتنے عظیم اجر کے مستحق ہو  
جاؤ گے۔ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُوْنَ اور تم پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی  
جائیگی۔ تمہارا کوئی عمل اور کوئی نیکی رائیگاں نہیں جائیگی۔ ہر چیز اللہ کے ریکارڈ  
میں موجود ہے اور وقت آنے پر اس کی قدر دانی ہوگی اور اس کا پورا  
پورا اجر دیا جائے گا کسی کی نیکی ضائع نہ کر کے اس پر زیادتی نہیں کی جائیگی۔

وَلَا جُنُوحًا لِلَّاسِمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ  
 إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑥۱ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ  
 يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنَصْرِهِ  
 وَبِالْمُؤْمِنِينَ ⑥۲ وَاللَّهُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ  
 مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا آَلَفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ  
 اللَّهَ آَلَفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ⑥۳ يَأَيُّهَا  
 النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ⑥۴

ترجمہ :- اگر یہ (مخالف لوگ) مجھ جانیں صلح کی طرف ، تو  
 آپ بھی مجھ جانیں اس کے لیے ، اور بھروسہ کریں اللہ کی ذات  
 پر بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ⑥۱ اور اگر یہ  
 لوگ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں ، پس بے شک کافی ہے  
 آپ کے لیے اللہ ۔ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی  
 اپنی (خاص) نصرت کے ساتھ اور ایمان والوں کے ساتھ ⑥۲  
 اور الفت ڈال دی ان کے دلوں میں ، اگر آپ خرچہ کرتے جو  
 کچھ زمین میں ہے سب کا سب ، تو نہ الفت ڈال سکے  
 ان کے دلوں میں ، لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں الفت  
 ڈالی ہے ۔ بیشک وہ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا  
 ہے ⑥۳ اے نبی ! کافی ہے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ اور ان

لوگوں کے لیے جنہوں نے پیروی کی آپ کی ایمان والوں میں (۶۷)

گذشتہ درس میں فریضہ جماد کے ضمن میں اہل ایمان کو حکم دیا جا چکا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں حسب استطاعت قوت فراہم کریں۔ اس سے مراد نہ صرف انفرادی قوت ہے بلکہ زمانے کی مناسبت سے جدید ترین اسلحہ، ذرائع نقل و حمل اور بہترین ذرائع ابلاغ بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ دشمن اسلام بھی اپنے باطل پروگرام کی تکمیل کے لیے اپنے تمام وسائل بروکھ لائے گا، لہذا ایمان والوں کا بھی فرض ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں کہ بہترین صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے دشمن کے مقابلے کے لیے ہر وقت مستعد رہیں۔ جنگ کے سارے اصول بیان کرنے کے بعد اللہ نے آخر میں قوت جمع کرنے کا اصول بیان فرمایا تھا اور اب آج کے درس میں قانون صلح کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ جَعَلُوا لِلْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَيْدًا يَكِيدُوا لِلْعَالَمِينَ (یہود و نصاریٰ) صلح کے لیے مائل ہو جائیں تو اے پیغمبر (علیہ السلام) فَاجْعَلْ خُفَاةً آپ بھی اس کے لیے مائل ہو جائیں۔ جنگ کوئی مقصود بالذات تو نہیں ہے کہ محض شغل کے طور پر بلاوجہ جنگ جاری رکھی جائے بلکہ اس سے مراد تو یہ ہے کہ فتنہ و فساد کا قلع قمع کر کے دنیا میں امن و امان کی فضا قائم کی جائے، کفر و شرک کی باطل رسومات کا خاتمہ ہو کر اللہ وحدہ لا شریک کی توحید کا ڈنکا بجے، مظلوم کی امانت ہو اور ظالم پر حدود جاری ہوں۔ لہذا فرمایا کہ جب حالات کا تقاضا ہو اور دشمن صلح پر آمادہ ہو تو آپ بھی ان کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں، ہاں اگر وہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور جنگ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو آپ بھی آخری قبیح ترین وسائل کے ساتھ ان کے خلاف برسرِ پیکار رہیں، مگر صلح و جنگ دونوں قسم کے قوانین ہر سے اہم ہیں جن پر عمل درآمد بھی کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہے۔

جس طرح حصول مقصد کے لیے بعض اوقات جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ اسی طرح خاص صاعقت کے تحت بعض اوقات صلح بھی مفید ہوتی ہے۔ صلح میں صلح کی ضرورت کی بہترین مثال ہے۔ جب آپ چودہ موصیائے شریک کے ہمارے عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ

تو کفار نے حدیبیہ کے مقام پر ہی روک دیا تھا۔ صحابہ کرامؓ چونکہ جنگ کے ارادے سے نہیں آئے تھے، اس لیے ان کے پاس نہ تو وافر افرادی قوت تھی اور نہ ہی سامان ضرب و حرب، ہنگامہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ جس مقصد کے لیے آئے ہیں اُسے ہر حالت میں پورا کیا جائے۔ فریقین کی گفت و شنید کے نتیجہ میں حضور علیہ السلام نے نہایت کمزور شرائط پر صلح کی پیش کش کو قبول فرمایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشاعت اسلام کی رفتار ناقابل یقین حد تک تیز ہو گئی اور اس واقع کے بعد نازل ہونے والی سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔ اس معاہدے کے بعد لوگ اسلام میں اس کثرت سے داخل ہونے لگے جیسے کسی حصار کا پھٹا مک کھول دیا گیا ہو۔ یہ اس صلح کا بین فائدہ ہوا۔ بعض حضرات فتح مبین سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں مگر یہ درست نہیں کیونکہ فتح مکہ تو اس واقعے کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد عمل میں آئی۔ جب کہ سورۃ فتح صلح حدیبیہ کے معاہدے والی ہی پہلی دورانیہ سفر نازل ہوئی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے صلح و جنگ کے جن قوانین کو سورۃ انفال اور سورۃ توبہ میں اجمالاً بیان فرمایا ہے ان کی تفصیلات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ تمام محدثین کرام نے اپنی اپنی جامعات میں میر کے نام سے باب باندھے ہیں جن میں اس موضوع پر احادیث کو جمع کیا ہے۔ ان قوانین کی سب سے زیادہ تفصیل امام محمدؒ کی السیر الصغیر اور السیر الکبیر میں بیان کی گئی ہے۔ یہ تین جلدوں میں قوانین صلح و جنگ پر یہ بہترین کتاب ہے فرمایا اگر کفار و مشرکین صلح پر آمادہ ہوں تو آپ بھی صلح کے لیے تیار ہو جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں بعض اوقات صلح، جنگ سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ اور اس کے ذریعہ مشن کو زیادہ کامیابی ہوتی ہے۔ اس کی بہترین





آپ کی تائید کی اپنی مدد کے ساتھ وَبِالْمُؤْمِنِينَ اور مومنوں کی (مختصری) جماعت کے ساتھ۔ بدر کے میدان میں اللہ نے خوب مدد فرمائی۔ آپ کے ساتھ نقوڑی سی جماعت تھی مگر اللہ نے اہل ایمان کو کامیاب بنایا اور مشرک مغلوب ہو گئے جس سے کفر کا زور ٹوٹ گیا۔ مسلمانوں کے دل میں اطمینان اور سکون پیدا ہوا۔ اللہ کی نصرت کا یقین کامل ہو گیا اور پھر مسلمان اللہ کی ذات پر عبور و کمر کرتے ہوئے دین کا پیغام لے کر دنیا کے کونے کونے میں پہنچے۔ اسی لیے فرمایا کہ جب آپ خلوص نیت سے اللہ کے دین کے لیے نکلیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا بلکہ نصرت کے ساتھ اور مومنین کی جماعت کے ساتھ آپ کی تائید کرے گا۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ قوانین صلح کے سلسلے میں حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک اور بعد کے زمانہ میں فرق ہے نبی کو تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی تائید حاصل ہوتی ہے، اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت کی گارنٹی ملتی ہے مگر آپ کے بعد عامۃ المسلمین کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ گرو و پیش کا بغور جائزہ لینے کے بعد صلح کا معاہدہ کریں حضور علیہ السلام کے اپنے زمانے کی مثال ایک جنگ کے دوران ملتی ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے ساتھ جنگ کے دوران جب مسلمانوں نے غلہ کی نماز ادا کی تو مشرکین نے محسوس کیا کہ ایسی حالت میں ان پر یکبارگی حملہ کر کے ان پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا، کہتے تھے سَتَأْتِيَهُمْ صَلَاةٌ أَحَبُّ إِلَيْهِمْ مِنْكَ الْأَوَّلُ آگے ایک ایسی نماز (غیر) آرہی ہے جو مسلمانوں کو اپنی اولاد سے زیادہ محبوب ہے، لہذا اُس موقع پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیا جائے گا۔ چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے درمیان رابطہ بذریعہ وحی موجود تھا، اس لیے اللہ کی طرف سے

متاخرین  
کے لیے  
لائے عمل

مشرکین کے اس منصوبے کی اطلاع پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے لیے مجاہدین کی دو صفیں بنائیں۔ چونکہ دشمن اُس وقت قبلہ رخ تھا۔ اس لیے نماز میں کھڑے مشرکین سامنے نظر آتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے عصر کی نماز شروع کی۔ جب آپ رکوع گئے تو مجاہدین کی دونوں صفوں نے رکوع کیا، البتہ جب سجدہ میں گئے تو اگلی صف والوں نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ جب کہ دوسری صف دشمن کے سامنے کھڑے ہے۔ پھر جب اگلی صف والے

سجدہ مکمل کر کے کھڑے ہو گئے تو پچھلی صف والوں نے الگ سجدہ مکمل کر لیا اور دوسری رکعت میں شامل ہو گئے۔ پھر دونوں صفوں کے مجاہدین نے صفیں بدل لیں۔ پہلی صف والے دوسری صف میں اور دوسری صف والے پہلی میں آ گئے۔ پھر جب حضور علیہ السلام نے دوسری رکعت کا سجدہ کیا تو اگلی صف والوں نے آپ کے ساتھ سجدہ اور دوسری صف والے کھڑے ہے۔ پہلی رکعت کی طرح جب پہلی صف والے سجدے سے اٹھ کھڑے ہوئے تو دوسری صف والوں نے الگ سجدہ کر لیا۔ پھر دونوں جماعتوں نے بیک وقت تشہد پڑھا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب نے اکٹھا سلام پھیرا۔

یہ تو حضور علیہ السلام کے زمانہ کی بات تھی۔ اب متاخرین کے لیے دو چیزوں کا حکم ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ مسلمان اپنے گرد و پیش کا بغور جائزہ لے کر صلح کے لیے ہاتھ بڑھائیں اور دوسری بات یہ کہ جماعتی نظم و ضبط کو قائم رکھیں۔ مسلمان دشمن سے دھوکہ اُسی وقت کھائیں گے جب اُنکی اجتماعیت کمزور ہو جائیگی۔ دشمن بھی ایسے موقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ جب مسلمانوں کے اندر غدار پیدا ہو کر اُن کی جمیعت کو کمزور کر دیتے ہیں تو

پھر دشمن کو بھی حملہ آور ہونے کا موقع مل جاتا ہے، لہذا متاخرین کے لیے ضروری ہے کہ وہ جماعت المسلمین میں اتفاق و اتحاد کی فضا کو قائم رکھیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں میں اسی چیز کا فقدان ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے مسلمان تو صادق القول والفعل تھے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے بھی ہر وقت تیار رہتے تھے مگر آج ملک غداروں سے پر ہے جو معمولی سے مفاد کے لیے ایمان جیسی دولت کو بھی قربان کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، ملکی اور ملی نقصان تو ان کے نزدیک بہت معمولی چیز ہے یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان عالمی طور پر ہر جگہ ناکام ہو رہے ہیں۔ آج مسلمانوں کی تعداد میں کمی نہیں مگر اندر کی منافقت نے ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اب اگر دشمن کے ساتھ صلح کا معاہدہ مطلوب ہو تو گرد و پیش کے حالات کا مطالعہ کرو، نیز اپنی صفوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرو اور پھر کوئی فیصلہ کرو۔

الفت  
بین المسلمین

فرمایا، ایک تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی اپنی نصرت کے ساتھ تائید فرمائی اور دوسرا انعام یہ دیا۔ وَاللَّهُ بَيْنَ هَاتُورَیْنِ کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اسلام لانے سے قبل اوس اور خزرج کے قبائل ایک سو بیس سال تک خاندانی جنگ لڑتے رہے مگر جب اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے تو ان کی دشمنی دوستی میں بدل گئی اور واپس میں عجمی مجاہد بن گئے۔ عرب کے بعض دوسرے قبائل مثلاً قریش اور کنانہ کی دیرینہ دشمنی ختم ہو گئی اور وہ ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے تھے مگر اسلام کی بدولت یہ بھی ایک جان و دو قالب بن گئے۔ اسی چیز کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ ان کے دلوں میں الفت دی۔

فرمایا الفت بین المسلمین اتنی قیمتی متاع ہے کہ لَوْ اَفْقَقَتْ  
مَآفِیْ اَلْاَرْضِ جَمِیْعًا اگر آپ پورے زمین کے تمام خزانے



ہو گیا۔ دین کا نظریہ تو یہ ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الْحَجَرَات)

سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں خواہ کوئی مشرق میں رہتا ہے یا مغرب میں

کالا ہے یا گورا، کوئی زبان بولتا ہے، کوئی لباس پہنتا ہے، کوئی خوراک

کھاتا ہے، ہاں اگر کلمہ پڑھتا ہے تو بھائی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ جب

تم میں کلمہ توحید بطور قدر مشترک ہو گیا تو تمہارے درمیان الفت ڈال دی

إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے اور حکمت

والا ہے، اس کا ہر کام اس کی کمال قدرت کا نمونہ اور اس کی حکمت کا شاہکار

ہوتا ہے۔

فرمایا يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ اے نبی! آپ کے لیے

اللہ ہی کافی ہے۔ وَمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

اور ان لوگوں کے لیے بھی کافی ہے جو مومنوں میں سے آپ کے متبع

ہوئے۔ اگر آپ خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے کافروں کے ساتھ

صلح کریں گے تو ان کی برائی نیت اور ارادے کے باوجود اللہ ان کو ناکام

بنائے گا اور اہل ایمان کے لیے اللہ کفایت کرے گا۔

کفایت  
الہی

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی!

حقیقت میں آپ کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ اور ظاہری طور پر مسلمانوں

کی یہ مختصر جماعت بھی آپ کے لیے کافی ہے جو جہاد کے لیے ہمیشہ مستعد

رہتی ہے۔ اگرچہ بعض مواقع مثلاً احد، خندق، تبوک وغیرہ میں قدرے

کمزوری بھی ظاہر ہوئی اور نقصان اٹھانا پڑا مگر مدینہ فتح ہوئی اور غیر مسلموں کا گناہ

بھی ہوئی تو فرمایا آپ قانونِ الہی کے مطابق صلح کے لیے پیش رفت کریں

اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت کرے گا۔

واعلموا ۱۰

الأنفال ۸

درس بستم ۲۰

آیت ۶۵ تا ۶۶

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ  
 إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا  
 مِائَتِينَ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا  
 أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾  
 أَلَّنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا  
 فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ  
 وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ  
 اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ :- آپؐ ترغیب دلائیں ایمان والوں کو (دشمنوں

کے ساتھ) جنگ لڑنے پر، اگر ہوں گے تم میں سے بیس آدمی

صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہونگے

تم میں سے ایک سو تو غالب آئیں گے ایک ہزار پر ان لوگوں

میں سے جنہوں نے کفر کیا۔ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو

سمجھ نہیں رکھتے ﴿۶۵﴾ اب اللہ نے تحفیف کردی ہے

تم سے اور وہ جانتا ہے کہ تمہارے اندر کمزوری ہے پس

اگر ہوں گے تم میں سے ایک سو آدمی صبر کرنے والے۔

تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہوں گے تم

میں سے ایک ہزار تو غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ

کے حکم سے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۶۶)

صلح اور جنگ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اُن باتوں کا ذکر کیا جن کا التزام دورِ جنگ ضروری ہے۔ پھر طاقت فراہم کرنے کا اصول بیان فرمایا۔ نیز فرمایا دشمن کے مقابلے میں رائج الوقت ہر قسم کا اٹھ جمع کرو، افرادی قوت پیدا کرو تاکہ دشمن کو مغلوب کیا جاسکے اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے صلح کا قانون بھی بتلادیا کہ اگر دشمن صلح پر آمادہ ہو تو آپ بھی اس میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔ آپ اس بات کی فکر نہ کریں کہ دشمن صلح کی آڑ میں آپکو جنگ پہنچائیگا، بلکہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے اس کام کو انجام دیں، اللہ تعالیٰ دشمنوں سے بچاؤ کا سامان پیدا کر دیگا۔ جب آپ صحیح اصول کے مطابق کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ کفایت کرے گا۔ اس سے پہلے جنگ بدر میں بھی اللہ نے اپنی خاص تائید کے ساتھ مدد فرمائی ہے اور وہ آئندہ بھی ایسا ہی کرے گا۔ فرمایا یہی مومن ہیں جو پہلے ایک دوسرے کے بدترین دشمن تھے، اللہ نے اُن کے درمیان ایمان کی بدولت الفت ڈال دی اور اُن کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ اس مقصد کے لیے اگر آپ روئے زمین کے خزانے بھی صرف کر دیتے تو ان کے درمیان محبت پیدا نہ کر سکتے۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل، اس کی مہربانی اور دین کی صداقت کی برکت ہے کہ جانی دشمن ایک دوسرے کے محافظ بن گئے ہیں۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے متعلق ترغیب کا اصول بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ براہِ نیجنتہ کریں، شوق دلائیں، ترغیب دلائیں ایمان والوں کو دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کی۔ جہاد پر اچھلنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں مثلاً جہاد کا اجر و ثواب بیان کیا جائے، اس سے حاصل ہونے والے فائدہ کا ذکر ہو۔ لوگوں کی افرادی اور اجتماعی عزت و وقار کی طرف توجہ دلائی جائے۔ غرضیکہ تمام دینی اور دنیاوی فوائد کے پیش نظر اہل ایمان کو جہاد کے لیے تیار کیا جائے۔

جہاد کی ترغیب



امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں خلیفۃ المسلمین کے جو پانچ محکمے ضروری ہیں، ان میں امیر شکر کا محکمہ بھی ہے۔ لشکر کا سربراہ بڑا مضبوط، باہمت اور جرات والا آدمی ہونا چاہیے۔ اس میں ایسی صلاحیت پائی جائے کہ وہ مجاہدین کو تدبیر جنگ پر متفق کر سکے، بزدل اور کمینہ نہ ہو اور نہ ہی فاسق و فاجر ہو۔ وہ ارد گرد کی اقوام کی ذہنیت سے واقف ہوتا کہ اس کے مطابق جنگی حکمت عملی تیار کر سکے۔ جدید ترین ہتھیاروں کا استعمال جانتا ہو۔ یہ سب باتیں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے ضمن میں آتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا ہے کہ مومنین کو جہاد کی ترغیب دلانے کا انتظام کریں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مومن اور کافر کی عددی نسبت کے متعلق اللہ نے فرمایا اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ اَگرمیں ہیں آدمی صبر والے یعنی ثابت قدم ہوں گے یَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ تُوہ دو سو آدمیوں پر غالب آئیں گے وَاِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ اَگرمیں ہوں گے یَغْلِبُوا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا تُوہ کفار میں سے ایک ہزار آدمی پر غالب آئیں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کے درمیان ایک اور دس کی نسبت بیان فرمائی کہ ثابت قدمی اختیار کرنے والا ایک مومن دس کافروں پر بھاری ہوگا۔ اس طرح اہل ایمان کو ترغیب اور تسلی دی گئی ہے کہ دشمن کی کثرت تعداد سے نہ گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دس گنا زیادہ کفار پر بھی فتح عطا فرمائے گا۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اہل ایمان پر بڑا بوجھ تھا اور انہیں اپنے سے دس گنا بڑے لشکر کے ساتھ بھی ٹکرا جانے کا حکم تھا۔ یہ سابقین الاولین لوگ تھے جن کی اللہ نے تعریف بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ابتدائی دور میں ایسا ہی ہوا مسلمانوں نے نہ صرف دس گنا بڑی فوج کے ساتھ مقابلہ کیا بلکہ اس سے زیادہ تعداد کے سامنے بھی ڈٹ گئے اور اللہ کی نصرت سے کامیابی حاصل

مومن اور  
کافر کی  
عددی  
نسبت

کی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو  
مردم شمار کی کرنے کا حکم دیا۔ تعمیل حکم کی گئی تو پتہ چلا کہ جنگ کے قابل مردوں کی  
تعداد چھ اور سارے سو کے درمیان ہے جب کہ عورتوں اور بچوں کو ملا کر مسلمانوں  
کی کل تعداد پندرہ یا سولہ سو تھی۔ مسلمان اُس زمانے میں بڑے خوش ہوئے کہ ہل جنگ  
مسلمانوں کی تعداد ابھی اتنی ہی ہو گئی لہذا انہیں اب کوئی گھبراہٹ نہیں ہونی  
چاہیے۔ یہاں سے مردم شماری کا قانون بھی ملتا ہے کہ اسلام میں یہ بھی جائز  
بلکہ مستحسن ہے۔ بہر حال ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائی زمانے میں اہل ایمان  
اپنی قلیل تعداد کو بھی بہت کچھ سمجھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ پہاڑ جتنے مضبوط  
دشمن کے ساتھ بھی ٹکرا جاتے تھے

نظریات کا  
اختلاف

کفار کی ہمدردی اور اہل ایمان کی عیسات کی وجہ اللہ نے یہ بیان فرمائی  
يَا ذَهَبُ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ کہ کافر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اللہ نے  
اُن کی انفرادی قوت، اسلحہ یا جنگی یانہ پالیسی کی تردید نہیں فرمائی بلکہ اُن کے  
نظریات، ان کی کمزوری کا ذکر کیا ہے۔ مسلمان ایک واضح نظریہ رکھتے ہیں۔ ان کے  
پاس ایمان کی دولت ہے، انہیں بصیرت حاصل ہے، اس لیے وہ جانتے  
ہیں کہ اگر انہیں کفار کے منقلبے میں شکست بھی ہو گئی تو کوئی بات نہیں کیونکہ  
اللہ کے ہاں تو انہیں لازماً کامیابی حاصل ہوگی۔ اس کے برخلاف کفار کے  
پاس کوئی نظریہ نہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اندھا دھند کرتے جاتے ہیں۔ ان کے  
پاس کوئی اعلیٰ وارفع مقصد نہیں ہوتا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ایک  
جاپانی نے ہباز کی چیمپی میں کود کر اتحادیوں کا جاز تباہ کر دیا تھا۔ یہ بہت  
بڑی قربانی ہے مگر نگاہ دور رس نہیں۔ یہ تو ایک جنگی حربہ ہے جو استعمال  
ہو گیا۔ مگر اس کا دائمی اثر کیا ہوا؟ ادھر صاحب بصیرت ایمان والوں کی مثال  
یہ ہے کہ ایک شخص کھجوریں کھاتا ہوا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔  
عرض کیا، حضور! اگر میں جہاد میں شریک ہو کسارا جاؤں تو کیا ہوگا؟ آپ

نے فرمایا، تم ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو جاؤ گے۔ اُس شخص نے اُس وقت کھجوریں کھانا چھوڑ دیا۔ تلوار کی میان توڑ دی اور جہاد میں شریک ہونے کے لیے چل پڑا۔ کہنے لگا۔ اتنی عمر گھوم بھرم فضول گنوا دی۔ یہ بصیرت کی بات تھی جو اُس کے ذہن میں آگئی اور یکدم اُس کی کاپیٹ گئی۔ مقصد یہ کہ کافر کی طاقت انصاف و عدل استعمال ہوتی ہے۔ وہ تو قیامت اور مابعد کی زندگی پر یقین ہی نہیں رکھتے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا تصور رکھتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

اہل ایمان  
سکایتیں

معرکہ مصر کے دوران ایک قلعہ کا محاصرہ جاری تھا مگر وہ قلعہ سر ہونے میں نہ آتا تھا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کہنے لگے میں اپنی قربانی پیش کرتا ہوں ساتھیوں سے کہا کہ مجھے ٹوک کرے میں ڈال کر کسی طرح قلعے کے اندر اتار دو اور تم باہر دروازہ کھینے کے انتظار میں رہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ کو ٹوک کرے میں ڈال کر کسی طرح قلعے کے اندر پھینک دیا گیا۔ آپ نے اندر جاتے ہی تلوار چلانا شروع کر دی۔ ابھی اندھیرا تھا، کافر سمجھے کہ مسلمانوں کی فوج قلعے میں داخل ہو گئی ہے۔ لہذا ان میں افراتفری پھیل گئی۔ حضرت زبیرؓ لڑتے لڑتے قلعے کے دروازے تک پہنچ گئے اور پھر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ لشکر اسلام باہر منتظر کھڑا تھا۔ فوراً اندر داخل ہو گیا اور اس طرح یہ قلعہ فتح ہو گیا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کا یہ اقدام پوری بصیرت کے ساتھ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس معرکہ میں اگر ان کی جان بھی چلی جائیگی تو یہ بھی کامیابی ہے۔ اور آخرت میں تو بہر حال کامیابی حاصل ہوگی۔ یہ موک کے محاذ پر بھی کفار لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ جب کہ مسلمان چند ہزار تھے مگر وہاں ایمان کی بصیرت کی وجہ سے کامیابی حاصل ہوئی۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور آخرت پر یقین ہے لہذا وہ دشمن کے مقابلے کے لیے بے خوف و خطر کود پڑتے ہیں۔ اور جان کی بازی لگا کر کامیابی حاصل کر لیتے ہیں

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی قلت تعداد کے پیش نظر اللہ نے اپنے سے دس گنا طاقتور دشمن کے ساتھ مکہ جانے کا حکم دیا تھا۔ پھر جب اسلام کو ترقی حاصل ہو گئی۔ اہل ایمان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف کر دی۔ فَرَّيَا إِلَهَ الْإِلَهِ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی ہے وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ صَعْقًا وہ جانتا ہے کہ تمہارے اندر کمزوری ہے، قدرت کے سستی اور ضعف ہے۔ لہذا دشمن سے ٹکر لینے کا اب قانون یہ ہے فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ مَسَابِرَةٌ يَغْلِبُوا إِهَاتَيْنِ اگر تم میں ایک سو آدمی ثابت قدم ہوں گے تو وہ دو سو آدمیوں پر غالب آئیں گے۔ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ یادِ اللہ اور اگر اہل ایمان ایک ہزار کی تعداد میں ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب آئیں گے، اللہ کے حکم سے۔ اللہ تعالیٰ اُن کا حامی و ناصر ہو گا کہ وہ اپنے سے دو گنی تعداد پر بھی کامیابی حاصل کریں گے۔ مقصد یہ ہے کہ پہلے اپنے سے دس گنا طاقت کے ساتھ مقابلے کا حکم تھا۔ اب تخفیف کر کے دو گنا کر دیا گیا کہ اتنی عددی نسبت کی صورت میں تمہیں لازماً مقابلہ کرنا ہو گا۔ ورنہ قابلِ ٹوخذہ ٹھٹھو گے۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے جب تم ثابت قدمی کرتے ہوئے اور صبر کا دامن تھامے ہوئے اپنے سے دو گنی طاقت کے خلاف بھی ڈٹ جاؤ گے تو یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری کامیابی یقینی ہے۔ صبر ملت ابراہیمی اور ہمارے دین کا بہت بڑا اصول ہے۔ جس طرح توحید، ذکر، شکر، غار، عظیم شعائر اللہ بڑے بڑے اصول ہیں، اسی طرح صبر بھی ان میں سے ایک ہے اور یہ بہت بڑی حقیقت ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ صبر کی تلقین

کی گئی ہے جنہوں نے مصائب پر مصائب برداشت کر کے اعلیٰ کلمۃ الحق  
 کافرِ یضیہ انجام دیا، اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری ہے  
 "إِنَّمَا يُوفِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ حَرًّا بِمَا جَسَبُوا"  
 (النیر) کہ وہ صبر کرنے والوں کو بے حجاب اجر عطا فرمائے گا۔

---

واعلموا ۱۰

درس بست و یک ۲۱

الانفال ۸

آیت ۶۷ تا ۶۹

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ  
 فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ  
 الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ  
 سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾  
 فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
 ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾

ترجمہ :- نہیں لائق نبی کے لیے کہ ہوں اس کے لیے قیدی  
 یہاں تک کہ وہ خونریزی کرے زمین میں ۔ تم چاہتے ہو دنیا  
 کی زندگی کا سامان اور اللہ چاہتا ہے آخرت ۔ اور اللہ تعالیٰ غالب  
 اور حکمت والا ہے ﴿۶۷﴾ اور اگر نہ ہوتی ایک بات لکھی ہوئی اللہ  
 کی جانب سے جو پہلے ہو چکی ہے تو ضرور پہنچا تم کو اس چیز میں  
 جو تم نے لیا ہے بڑا عذاب ﴿۶۸﴾ پس کھاؤ جو تم نے غنیمت میں  
 حاصل کیا ہے حلال اور پاک ، اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے ، بیشک  
 اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے ﴿۶۹﴾

گذشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب کا ذکر تھا۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اہل ایمان  
 کی تعداد بالکل قلیل تھی اور دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایمان  
 والوں کو اپنے سے دس گنا طاقتور دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب مسلمانوں کی تعداد  
 میں اضافہ ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم میں تخفیف کر دی اور فرمایا کہ تم اپنے سے دو گنے

ربط آیات

دشمن کے ساتھ بھی ٹکرا جاؤ اور ان کے مقابلہ سے بھاگنے کی اجازت نہیں  
ہاں اگر دشمن اس سے زیادہ تعداد مثلاً تین چار گنا زیادہ ہو تو پھر مقابلے سے  
اعراض کرنے پر کوئی مؤخذہ نہیں ہوگا۔ اللہ نے دشمن سے مقابلے کے  
لیے یہ نسبت مقرر فرمادی۔

غزوہ بدر  
کے مسائل  
را غنیمت

غزوہ بدر اسلام میں پہلا بڑا جنگی معرکہ تھا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے  
سامنے بعض مسائل پہلی دفعہ آئے جن کا حل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلوب  
تھا۔ ان میں دو بڑے مسائل تھے، ایک مال غنیمت کا مسئلہ اور دوسرا جنگی  
قیدیوں کا مسئلہ تھا۔ غنیمت کا مسئلہ جنگ کے فوراً بعد پیدا ہوا جس کا اجمالی  
ذکر سورۃ فذ کی ابتدائی آیت میں ہو چکا ہے۔ مجاہدین کے مختلف گروہوں نے  
مال غنیمت پر اپنا حق جتایا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کا بنیادی قانون نازل فرمایا  
اور پھر آگے چل کر اس کی تقسیم کا اصول بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیا۔  
یہ بات پہلے دروس میں بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ سابقہ امتوں نے  
یہ مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ قرآن پاک میں موسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام  
وغیرہ کے جہاد کا ذکر موجود ہے مگر جب جنگ کے نتیجے میں ان کے  
پاس مال غنیمت جمع ہوتا تھا تو اسے ایک خاص مقام پر رکھ دیا جاتا تھا۔  
اللہ تعالیٰ کی جانب سے آگ نازل ہوتی تھی جو اس مال کو جلا کر رکھ کر دیتی ہے  
اگر اللہ کے راستے میں کیا گیا جہاد بارگاہ رب العزت میں مقبول ہوتا تھا تو  
مال غنیمت جل جاتا تھا اور اگر اس مال کو آگ نہ جلاتی تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ جہاد  
میں کوئی خرابی ہو گئی ہے، لہذا اس کی اصلاح کی جاتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
کا فرمان بھی ہے کہ مجھ سے پہلے کسی امت کے لیے مال غنیمت حلال  
نہیں تھا، پھر اللہ نے ہماری کمزوری کے پیش نظر اس کو ہمارے لیے  
مباح قرار دے دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت  
میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ نے آپ کے لیے اور آپ

کی امت کے لیے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے بہر حال غزوہ بدر میں یہ پہلا مسئلہ پیش آیا تھا جس کا اللہ نے حل نازل فرمایا جو گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔

(۲) جنگی قیدی

اس جنگ کے سلسلے میں جو دوسرا مسئلہ پیش آیا وہ جنگی قیدیوں کا تھا۔ کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جنگ بدر میں کفار کے مترسکر وہ آدمی مارے گئے اور تقریباً اتنے ہی قیدی بنائے گئے۔ جب یہ مسئلہ پیدا ہوا تو اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آزمایا۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور کی خدمت میں آکر کہا کہ اس معاملہ میں آپ اپنے ساتھیوں کو اختیار دے دیں کہ وہ چاہیں تو ان قیدیوں کو قتل کر دیں یا ان سے فدیہ لے کر آزاد کر دیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے واضح کر دیا تھا کہ اگر مسلمان فدیہ لینا پسند کریں تو اس کے ساتھ شرط یہ ہوگی کہ آئندہ محرم کے میں اتنی ہی تعداد میں مسلمان بھی شہید ہوں گے۔ بغرضیکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو دو میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرنے کی دعوت دیدی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور صحابہؓ کی غالب اکثریت نے یہ رائے ظاہر کی کہ قیدیوں میں سے اکثر ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ لوگ ضرور ایمان لے آئیں گے لہذا ان کو قتل کرنے کی بجائے ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح مسلمانوں کی مالی حالت بھی بہتر ہو جائے گی۔ تاہم حضرت عمرؓ، عبداللہؓ بن رواحہؓ، سعید بن معاذؓ اور بعض دیگر صحابہ کا موقف یہ تھا کہ ان لوگوں نے ہم پر پڑنے ظلم کیے ہیں۔ اب اللہ نے ان پر ہمیں تسلط عطا کیا ہے تو ان کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے تاکہ ان کا زور ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کا رعب و دہرہ اطرافِ عرب میں پھیل جائے۔ ان حضرات نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ کسی موزوں آدمی میں بہت سی لکڑیاں اکٹھی کر کے ان قیدیوں کو زندہ جلادیا جائے۔ بہر حال صحابہؓ کی غالب اکثریت فدیہ کے حق



میں تھی اور خود حضور علیہ السلام کا جھکاؤ بھی اسی طرف تھا۔

بالآخر کثرت رائے کا بنیاد پر بھی فیصلہ فیروز لینے کے حق میں ہو گیا۔ عتاب اور درگزر  
 چونکہ یہ فیصلہ منائے ایزدی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے  
مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ شَيْءٌ  
 لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اُس کے قیدی ہوں حَتَّىٰ يَخْضِبَ فِي الْأَرْضِ  
 یہاں تک کہ وہ زمین میں خونریزی کرے۔ انھماں کا معنی قوت کے ساتھ  
 خونریزی کرتا ہوتا ہے۔ اور مطلب یہی ہے کہ کفار کو قیدی بنانے کی بجائے  
 ان کو قتل کر دینا بہتر تھا۔ ان آیات کے نزول پر خود حضور علیہ السلام حضرت  
 ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے صحابہ بھی پریشان ہوئے کہ انہوں نے غیر بہتر صورت  
 اختیار کی ہے تاہم ایسا ہونا چونکہ اللہ کی حکمت میں پہلے دکھا جا چکا تھا، اس  
 لیے اللہ تعالیٰ نے اس لغزش سے درگزر فرمایا۔

محدثین اور فقہاء کرام بیان کرتے ہیں کہ یہ عتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور  
 صحابہ کرام کی طرف غیر بہتر صورت اختیار کرنے کی وجہ سے آیا۔ اس  
 قسم کے اختیاری واقعات پہلے بھی پیش آچکے تھے جن میں بہتر طریقہ  
 اختیار کیا گیا اور اگر اس موقع پر بھی بہتر صورت اختیار کی جاتی تو مذکورہ عتاب  
 نہ آتا۔ اس قسم کے واقعات میں سے حضور علیہ السلام کا واقعہ مخرج بھی ہے  
 جب آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے پیالے پیش کیے گئے  
 اور کوئی ایک پیالہ نوش کرنے کا اختیار دیا گیا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے  
 بہتر صورت اختیار کرتے ہوئے دودھ کا پیالہ پسند فرمایا۔ ادھر اللہ کی طرف  
 سے حکم ہوا کہ اگر آپ شراب کا پیالہ پسند فرماتے تو آپ کی امت،  
 گمراہ ہوتی۔ اسی طرح قرآن پاک میں اہل ایمان کے متعلق بھی ذکر موجود  
 ہے کہ اللہ کے حکم سے حضور علیہ السلام نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار

دے دیا کہ وہ چاہیں تو آپ کے نکاح میں رہیں اور اگر چاہیں تو علیؑ کی اختیار کر لیں۔ اس موقع پر بھی اہل ایمان المؤمنینؑ نے حضور علیہ السلام سے علیؑ کی پسند نہیں کی کیونکہ یہ غیر بہتر بات تھی۔ انہوں نے اللہ کی نشان دہی کے مطابق حضور کے نکاح میں رہنا مقبول کیا اور یہی بہتر بات تھی۔

غزوہ بدر کے واقعہ میں قیدیوں کے متعلق اگر بہتر صورت اختیار کر لی جاتی تو اچھا تھا۔ ان کو قتل کر دینا ہی بہتر تھا تاکہ کفار کا زور ٹوٹ جاتا اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جاتی مگر بعض مسلمانوں نے مال کے حصول کی خاطر فدیہ لینے کو قبول کیا اور اس وجہ سے اللہ کا عتاب آیا۔ تاہم بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس غیر اولیٰ چیز کو اختیار کرنے کی معافی دے دی۔ البتہ فدیہ لینے کا نتیجہ ضرور نکلا کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کے ستر جلیل القدر صحابہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جن میں حضرت حمزہؓ اور عیسیٰؓ بھی شامل تھے۔ اگرچہ اس بات کا اشارہ پہلے کیا جا چکا تھا مگر صحابہ کرامؓ نے اس میں بھی بہتری ہی سمجھی کہ شہداء کے درجات آخرت میں بہت بلند ہو جائیں گے۔ لہذا یہ بھی نفع کا سودا ہی ہے بہر حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیدیوں کا قتل کیا جانا ہی اولیٰ تھا۔

اللہ نے فدیہ کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔  
تَرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا اے اہل ایمان! تم دنیا کا سامان چاہتے ہو کیونکہ تم نے فدیہ کو قبول کیا ہے وَاللَّهُ يَرِيدُ الْآخِرَةَ جبکہ اللہ تعالیٰ آخرت کو پسند کرتا ہے۔ تاکہ اس میں تمہارے درجات بلند ہوں اور تمہیں بہتری حاصل ہو۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عتاب کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ خدا کا عتاب یہاں تک آگیا تھا کہ اگر یہ عذاب نازل ہو جاتا تو حضرت عمرؓ حضرت

دنیا یا  
آخرت

عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت سعد بن معاذؓ اور چند دیگر صحابہ کے علاوہ اس سے کوئی نہ بچتا۔ اللہ تعالیٰ یہاں تک کہ دیا تھا مگر پھر درگزر فرما کر اس عذاب کو ہٹا دیا

فَرَأَى الْوَلَا كَيْتَ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمْسَكِهِ فِيمَا أَخَذَ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ  
اگر نہ ہوتی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک بات بھی ہوئی جو پہلے ہو چکی ہے تو ضرور سچا تم کو اس چیز پر جو تم نے لیا ہے عذاب۔ یعنی اگر خدا کے علم اور نوشتے میں یہ بات نہ ہوتی تو قیدیوں کو قتل کرنا ہی بہتر تھا مگر مسلمانوں نے اپنی غیر ہتر بات کو اختیار کیا جو اللہ کے علم میں بھی ہوئی تھی کہ رہائی پانے والے قیدیوں کی اکثریت بعد میں اسلام لے آئے گی۔ اس کا اشارہ اگلی آیت میں بھی موجود ہے۔ اور دوسری لکھی ہوئی بات یہ بھی کہ فدیہ لینے کی اجازت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں طے شدہ بات تھی کہ وہ بھی اس آخری امت کو حاصل ہوگی۔ سورۃ قاتل میں بھی موجود ہے۔ "فَمَا صَمَتًا كَيْدًا وَ إِمَّا فِدَاءً" کہ قیدیوں کو یا ان پر احسان کرتے ہوئے چھوڑ دیں یا فدیہ قبول کر لیں۔ اسی طرح قیدیوں کا تبادلہ بھی ہو سکتا ہے اور ان کو غلام بھی بنایا جاسکتا ہے۔ اسلام میں یہ چاروں صورتیں روا ہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ جنگی قیدیوں کے فدیہ کے عوض رہا کر دینے میں بھی اللہ کے ہاں یہ لکھی ہوئی مصلحت موجود تھی، لہذا اللہ نے غیر بہتر صورت اختیار کرنے پر درگزر فرمایا۔

اگر اللہ کی مصلحت میں ایسا نہ ہوتا تو اس کی طرف سے سخت گرفت آجاتی۔

الْغَرَضُ! اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیکر فرمایا فَكُلُوا  
مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا پس کھاؤ اُس میں سے جو تمہیں غنیمت  
دیا گیا یہ تمہارے لیے حلال اور پاکیزہ ہے۔ یہ پہلی امتوں کے لیے حرام تھا۔  
مگر تمہارے لیے پاک ہے بلکہ تمام مالوں میں سب سے پاک مال ہی ہے۔  
طبرانی شریف کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جَعَلْتُ  
رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي اللہ نے میری روزی نیزے کے نیچے رکھی  
ہے۔ محدثین کرام پاکیزہ روزی کے متعلق بحث کرتے ہیں کہ پہلے نمبر پر

غنیمت پاکیزہ  
ترین مال ہے

پاکیزہ ترین روزی مال غنیمت ہے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر تجارت کے مال کا ہے۔ ایسی تجارت جو صحیح طریقے سے کی جائے۔ پھر تیسرے نمبر کا شکاری کا ہے کہ اس میں اللہ کی ذات پر توکل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد عام کسبِ حلال جو تحفے نمبر پر آتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال بھی فرمایا ہے، اور طیب بھی کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس کا قانون بھی اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں بیان کر دیا ہے کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کرو۔ ان میں سے چار حصے جہاد میں حصہ لینے والے غازیوں میں تقسیم کر دو اور پانچویں حصہ میں نبی (اگر موجود ہے) اس کے قرابتدار (نبی کی موجودگی میں) یتیم، مسکین اور مسافر شامل ہیں۔ اگر نبی موجود نہیں تو پھر صرف تین مدت رہ جائیگی یعنی یتیم، مسکین اور مسافر۔

فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهَ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ کوئی کام اس کی منشاء کے خلاف نہ ہو جائے۔ اس موقع پر مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ قانون کی پوری پوری پاسداری کرو اور کسی کے حق میں کبھی بیشی نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لینے والی بات ہے۔ ایسے موقع پر اگر غیر اولیٰ بات اختیار کر لی گئی تو اللہ تعالیٰ کا عتاب آئیگا۔ اسی لیے فرمایا کہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ اس کی نافرمانی نہ ہو جائے۔ اور اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو یاد رکھو إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ وہ بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے خوفِ خدا ہو گا تو وہ چھوٹی موٹی غلطیوں کو معاف کر لے گا۔ عفو و مبالغہ کا صنف ہے اور اس کا معنی بہت زیادہ معاف کرنے والا ہے اور رحیم یعنی بہت زیادہ مہربان ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کسی دل میں اطاعت کا جذبہ موجود ہے یا نہیں اور یہ بھی کہ کوئی شخص دغا بازی تو نہیں کر رہا جو شخص نیت اور عمل میں اخلاص رکھتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نہایت بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَن فِي أَيْدِيكُمْ مِّنَ  
الْأَسْوَءِ لَا إِنِّ يَعْلَمُ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ  
خَيْرًا يُؤْتِيكُم خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ  
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٠﴾ وَلَن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا  
اللَّهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٤١﴾  
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ  
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا  
مَالَهُمْ مِّنْ وَلَآئِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا  
وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا  
عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِعَهْدِهِمْ أَوْلِيَاءُ  
بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ  
وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٤٣﴾

ترجمہ: اے نبی! آپ کہ دیجئے اُن لوگوں سے جو  
آپ کے ہاتھوں میں ہیں قیدیوں سے کہ اگر اللہ کے علم میں ہوگی

تمہاری بہتری تو وہ دے گا تم کو اس سے بہتر جو تم سے یا گیا ہے۔ اور تم کو معاف کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۴۰﴾ اور اگر یہ چاہیں گے خیانت کرنا تو انہوں نے خیانت کی ہے اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی۔ پس اللہ نے اُن پر قابو پالیا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۴۱﴾ بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا انہوں نے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں اور وہ لوگ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی۔ یہی لوگ ہیں جو بعض اِن کے بعض کے رفیق ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، نہیں آپ لوگوں کا کچھ تعلق ان کی رفاقت سے، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ مدد طلب کریں دین کے معاملے میں، پس تم پر ضروری ہے مدد کرنا، مگر اُس قوم کے مقابلے میں کہ تمہارے اور اُن کے درمیان عہدِ پیمان ہو۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو ﴿۴۲﴾ وہ لوگ جنہوں نے کھڑا اختیار کیا، بعض اِن میں سے بعض کے رفیق ہیں اور اگر تم نہ کرو گے یہ بات (مذ) تو ہو گا فتنہ زمین میں اور فساد بہت بڑا ﴿۴۳﴾

مالِ غنیمت اور غزوہ بدر کے جنگی قیدیوں کا حال گذشتہ درس میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہر قیدی کا فدیہ چار سو دینار مقرر ہوا۔ قیدیوں کے رشتہ داروں نے انہیں چھڑانے کی کوشش کی جس قیدی کا فدیہ وصول ہو جانا اُسے چھوڑ دیا جاتا۔ بعض قیدیوں کے رشتہ دار فدیہ دینے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اُن میں سے جو پڑھے لکھے تھے اُن کو کہا گیا کہ وہ اتنے اتنے آدمیوں کو پڑھنا لکھنا سکھا

جنگی قیدیوں کا فدیہ

۔ دیں تو میری اُن کا فدیہ ہو گا۔ چنانچہ بعض قیدی اس شرط پر بھی رہا کیے گئے تاہم قیدیوں کی اکثریت نے فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی حضور علیہ السلام کے چچا عباسؓ بھی جنگی قیدیوں میں شامل تھے۔ اگرچہ وہ دل سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے مگر ابوجہل کے مجبور کرنے پر کفار کے لشکر میں شریک ہو کر قیدی بنے۔ قیدیوں میں حضرت علیؓ کے بھائی عقیلؓ اور حضرت عباسؓ کے دو سر بھتیجے عارثؓ ابن نوفلؓ بھی شامل تھے حضرت عباسؓ والد ار آدمی تھے حضور علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ اپنے علاوہ دونوں بھتیجوں کا فدیہ بھی تم ہی ادا کرو۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو فدیہ کے لیے کوئی مال نہیں لہذا میں مجبور ہوں۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ذریعہ وحی اطلاع دی کہ مکے سے چلتے وقت حضرت عباسؓ نے اپنی بیوی ام فضلؓ کو کچھ مال دیا تھا جو زمین میں دبا دیا گیا۔ آپ کی وصیت یہ تھی کہ ہر زمانے کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس صورت میں ہمال میرے بچوں کے کام آئیگا۔ اس واقعہ کا علم حضرت عباسؓ اور ان کی بیوی کے سوا کسی کو نہ تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے اس مال کا راز حضرت عباسؓ پر منکشف کر دیا تو آپ نے اُسی وقت کھلے دل سے مسلمان ہونے کا اقرار کر لیا۔ کہنے لگے، آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس راز کو میرے اور میری بیوی کے سوا کوئی تیسرا شخص نہیں جانتا تھا، مگر آپ نے اس کی پوری پوری خبر دیدی۔

بہتر اہل  
کا وعدہ

بہر حال حضرت عباسؓ اور بعض دوسرے قیدیوں نے ایک تو مالی مجبوری ظاہر کی اور دوسرے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بھی کیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی التماس کیا کہ اُن سے فدیہ نہ لیا جائے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِي آيِدِيكُمْ مِّنَ  
الْأَسْرَىٰ لَيْسَ بِنِي (عليه السلام) جَوْ قِيدِي آپ کے ہاتھوں میں اس وقت

موجود ہیں، اُن سے کہ دیں اِنْ يَكْفُرِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا  
 اگر اللہ کے علم میں تمہارے دلوں کی بہتری ہوگی يُوَفِّتْكُمْ خَيْرًا  
 مِمَّا اُخَذَ مِنْكُمْ تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا  
 جو تم سے فدیہ لیا گیا ہے۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جنگی قیدیوں  
 کے متعلق دو رائیں تھیں کہ یا تو انہیں قتل کر دیا جائے اور یا فدیہ کے تحت چھوڑ  
 دیا جائے۔ پھر دوسری رائے کو تسلیم کیا گیا اور قیدیوں کی ناکواری کے  
 باوجود اُن سے فدیہ وصول بھی کیا گیا۔ یہاں پر اسی بات کو دہرایا جا رہا ہے  
 کہ فدیہ کی وصولی اللہ کی حکمت میں لکھی جا چکی تھی لہذا اس پر عمل درآمد ہو گیا۔  
 اب اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ تم واقعی مسلمان ہو چکے ہو تو پھر کوئی فک  
 نہ کرو، اگر یہ بات اللہ کے علم میں بھی ہوگی تو وہ تمہیں اس فدیہ سے بہتر  
 اجر عطا کرے گا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور مشرکین کے ساتھ شامل ہونے کی جو  
 غلطی تم سے سرزد ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی معاف فرما دے گا۔  
 فرمایا وَاللَّهُ عَظِيمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت  
 مہربان ہے۔

خیانت  
 کی سزا

آگے اس کا دوسرا پہلو بھی آتا ہے یعنی اگر تم اپنے دعوے میں  
 سچے نہیں ہو اور محض رہائی کے لیے اسلام کا دعویٰ کر رہے ہو تو یہ تمہارے  
 حق میں بہتر نہیں ہوگا فرمایا وَاِنْ يَكْرِيدُوا خِيَاۡتُكُمْ اور اگر یہ لوگ  
 آپ سے خیانت کا ارادہ کریں گے، یعنی غلط بیانی کریں گے فَقَدْ  
 خَاۡنُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ تو اس سے پہلے وہ اللہ کی خیانت  
 بھی کر چکے ہیں۔ انہوں نے کفار و مشرکین کا ساتھ دیا تو اللہ نے ان کو یہ  
 سزا دی فَاَمَّكَ وَنَهَضَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اُن پر قابو دے دیا یعنی  
 مسلمانوں کا تسلط جما دیا اور وہ قیدی بن کر آگے تو اُن کی ایک خیانت  
 تو یہ ہے کہ وہ مشرکین کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے اور دوسری



خیانت ہے کہ حضور علیہ السلام کے خاندان بنی ہاشم نے یہ طے کر رکھا تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کا ہمیشہ ساتھ دیں گے۔ مگر وہ اس عہد کی خلاف ورزی کر کے بھی خیانت کے مرتکب ہوئے۔ اس عہد میں ابولہب شامل نہیں تھا کیونکہ وہ شروع سے ہی ابوجہل کی پارٹی میں شامل تھا، تاہم خاندان کے باقی لوگ اس معاہدے میں شریک تھے۔ چنانچہ ابوطالب اگرچہ آپ پر ایمان نہیں لایا مگر اس نے شعب ابی طالب میں نین سالہ نظر بندی کے دوران حضور علیہ السلام کا پورا پورا ساتھ دیا۔ آپ کے خاندان کے بعض دوسرے لوگ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ بہر حال فرمایا کہ انہوں نے پہلے بھی خیانت کی اور اب پھر خیانت کی ہے لہذا یہ معافی کے قابل نہیں ہیں آپ ان سے کہ دیں کہ انہیں فدیہ دے کر ہی رہائی حاصل کرنا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر ان کے دل دین اسلام کے لیے مخلص ثابت ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بہت زیادہ مال و دولت عطا کرے گا جس کے روبرو اس فدیہ کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی۔ چنانچہ جن لوگوں کو بعد میں ایمان کی دولت نصیب ہوئی، ان کے لیے اللہ نے مال و دولت کی فراوانی بھی کر دی۔ ایک موقع پر باہر سے بہت سا مال آیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت عباس سے فرمایا، یہاں سے جتنا مال اٹھا سکتے ہو اٹھا کر لے جاؤ۔ آپ نے بہت سا مال باندھ لیا مگر اُسے خود بخود اٹھا نہیں سکتے تھے۔ اس سلسلے میں دوسروں سے مدد کی درخواست کی مگر آپ نے فرمایا، نہیں جتنا خود اٹھا سکتے ہو اتنا ہی لے جاؤ، زیادہ نہیں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے کچھ کم کر کے باقی سامان اٹھایا اور لے گئے۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے چھ سو سال تک بنو عباس کو حکومت اور سلطنت بھی عطا فرمائی۔ بہر حال اللہ نے قیدیوں سے فرمایا کہ اگر تم میں خلوص پایا گیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں زیادہ دے گا اور اگر تمہارے دل صفا

نہ ہوئے تو تم زیر تسلط تو آ ہی گئے ہو اگر آئندہ بھی خیانت کرو گے تو کھٹے سبھاؤ گے  
وَاللّٰهُ عَلَیْكُمْ حَکِیْمٌ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور ارادے تک کر جانتا ہے  
 اور حکمت والا ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

مہاجرین اور  
 انصار کی  
 مواعظ

مہاجرین اور انصار اسلام کے ابتدائی اور مرکزی گروہ ہیں۔ ان کی وجہ سے  
 دنیا میں اسلام کو عروج حاصل ہوا۔ انہوں نے بیشمار قربانیاں دی تھیں۔ لہذا  
اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ان کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ  
اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا بَیْشَکٍّ وَّهَاجَرُوْا بَیْشَکٍّ اور انہوں نے اللہ  
 کی راہ میں ہجرت کی۔ ایمان تو بنیادی حقیقت ہے اور بعض اوقات ہجرت  
 بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں نے مکے میں بڑی تکالیف برداشت  
 کیں اور بالآخر ہجرت پر مجبور ہوئے۔ اس سے پہلے کچھ لوگ حبشہ کی طرف  
 بھی ہجرت کر گئے تھے۔ اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی جس کے  
 لیے ان کو ہر چیز قربان کرنا پڑی۔ تو فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی  
وَجْهًا دُوًّا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور  
 انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور اس  
 سلسلہ میں ذرا بھی امل نہیں کیا۔ ان کے علاوہ مدینے کے وہ انصار بھی ہیں  
وَالَّذِیْنَ اَوْوَا وَذَسَّرُوْا جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانا مہیا کیا اور ان کی  
 مدد کی۔ جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو انصار مدینہ نے ان  
 کی طرف ہر طرح کا دست تعاون بڑھایا ان کو اپنے مکانات اور باغات  
 میں جگہ فراہم کی، کاروبار میں شریک کیا۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام نے ایک ایک  
 انصاری اور ایک ایک مہاجر کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ مواعظ کا  
 یہ سلسلہ اتنا گہرا تھا کہ اگر ایک بھائی فوت ہو گیا تو دوسرا اس کا وارث بن  
 گیا۔ سورۃ شوریٰ میں اللہ نے انصار کی اس طرح تعریف بیان فرمائی ہے وَالَّذِیْنَ  
تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاٰلَیَّ مَآءَ بَنَ لُوْگُوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں اور ایمان

کو اپنے دلوں میں جگہ دی۔ مدینے پہنچے پر ان مہاجرین کے پاس کچھ نہیں تھا مگر اللہ نے فرمایا: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ (الحشر) مگر انصار نے انہیں اپنے گھر پیش کر دیے۔ بعض ان میں سے بڑے دولت مند تھے مگر مہاجر ہو کر آئے تو بالکل قلاش تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں انصار کی معرفت ٹھکانا عطا کیا۔ عبد الرحمن بن عوف جیسے بڑے بڑے مہاجر بھی تھے جو تسی دست ہو چکے تھے۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ مجھے بازار کا راستہ بتاؤ۔ میں بھنت کر کے اپنی روزی تلاش کروں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے کاروبار میں اتنی برکت ڈالی، اُن کو اتنا مالدار کیا کہ تیس ہزار غلام رزق حلال سے خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد کیے۔ اللہ نے آپ کو باغات، مکان اور زمین بھی دی اور پھر آپ نے دل کھول کر مستحقین کی اعانت فرمائی حالانکہ آپ خود ایک دین مسکین بن کر مدینے میں داخل ہوئے تھے۔

دوستی کا معیار

انصار مدینہ کو انصار اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے دین اور مسلمانوں کے مددگار بنے۔ اُن کی اس ایثار قربانی کا ذکر اللہ نے کیا ہے أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ان میں سے بعض لوگ بعض دوسروں کے رفیق ہیں یعنی مہاجرین اور انصار ایک دوسرے کے حقیقی دوست ہیں وَالَّذِينَ آمَنُوا وَكَرَهُمُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَةُ اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر یہود و نصاریٰ نے اپنے وطن میں ہی قیام پذیر ہے اُن پر کافروں کا غلبہ تھا اور وہ ہجرت کرنے پر قادر نہیں تھے ان کے متعلق فرمایا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا اُن کے ساتھ تمہاری کچھ دوستی نہیں جیتا کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں۔ چونکہ ایسے حالات ہیں ہجرت فرض عین ہو جاتی ہے۔ لہذا دیار غیر میں رہنے والوں سے اس وقت تک کچی دوستی نہیں ہو سکتی جب تک وہ ہجرت نہ کر جائیں اور دشمن کے غلبے سے آزاد نہ ہو جائیں۔

فرمایا ان سے دوستی تو نہیں ہو سکتی البتہ وان اشدَّ حُبَّكَ فِي الدِّينِ اَكْرَمُ تَر  
سے دین کے سلسلہ میں مدد کے طلب گار ہوں فَخَلِّصْكُمْ مِنَ النَّصَبِ تو ان کی  
ضرور مدد کرو کیونکہ وہ مومن ہیں مگر مجبوری کی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکتے  
اَلَا عَلٰی قَوْمٍ كَبِيتَكُمْ وَبَيْنَكُمْ عَرَصٌ شَاقٌّ اگر وہ کسی ایسی قوم  
کے خلاف مدد چاہیں جس کے ساتھ تمہارا خیمہ پیمان ہو چکا ہو تو پھر ان کی  
مدد نہیں کی جا سکتی کیونکہ معاہدے کی پاسداری مطلوبہ مدد سے زیادہ ضروری  
ہے، خواہ معاہدہ قوم کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ اصول بھی واضح ہوتا  
ہے کہ کسی قوم یا فرد کی طرف سے سیاسی فائدہ اٹھانے کے لیے اس  
کی مرکز سے وابستگی ضروری ہے، اگر مرکز سے وابستگی نہیں ہے تو  
معاہدہ قوم کے خلاف مدد نہیں کی جا سکتی۔ اگر کسی ایسی قوم کے خلاف مدد  
طلب کی جائے جس کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ نہ ہو تو پھر گھرے  
ہوئے مسلمانوں کی مدد کی جا سکتی ہے اگر کوئی جماعت غیر معاہدہ کافروں  
کے ملک میں رہتی ہے اور وہ دوسرے مسلمانوں سے مدد طلب کرتی  
ہے تو ان کی مدد لازم ہو جاتی ہے۔ اگر ایسا نہیں کرے تو زمین میں فتنہ و  
فساد برپا ہوگا، بے چینی اور بد امنی پھیل جائے گی جس سے ملی نقصان ہوگا لہذا  
ایسے مسلمانوں کی مدد ضروری ہے۔

آج کی دنیا کے سیاسی حالات اس پنج پر پہنچ چکے ہیں کہ کوئی مسلمان  
ملک غیر مسلم ممالک میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔  
دشمن قوتوں نے اسلامی طاقتوں کو اس قدر اکھاڑ رکھا ہے کہ وہ بے دست پا  
ہو کر رہ گئے ہیں۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ تم جو کچھ بھی کرتے  
ہو اللہ کی نگاہ میں ہے۔ تمہارا کوئی فعل اس کی نظر سے اوجھل نہیں، لہذا تم  
جو کام بھی کرو اللہ کے قانون اور اس کی رضا کے مطابق انجام دو۔ فرمایا جس  
طرح مومن آپس میں رفیق اور بھائی بھائی ہیں اسی طرح فَلَاذِيَّتَ كَفَىٰ وَا

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ كَافِرٌ لِّكَافِرٍ بھی ایک دوسرے کے دوست  
 رفیق اور ساتھی ہیں۔ وہ بھی ایک دوسرے کے ساتھی ممد و معاون بنتے ہیں۔  
 کیونکہ الْكَفَرُ هَلَّةٌ وَاحِدَةٌ تمام کافر ایک قوم کے افراد ہیں اور  
 اسلام کے مقابلے میں سب اکٹھے ہیں۔ اس کے برخلاف مسلمانوں میں ایمان  
 کا رشتہ ہے اور اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے بھائی بھائی اور مددگار ہیں۔  
 فرمایا اَللّٰهُمَّ لَوْ اَنَّكَ لَمْ تَكُنْ لَوْ اَنَّكَ لَمْ تَكُنْ اگر تم اپنے بھائیوں کی مدد نہیں کرو گے تُو  
 فَتَنَةٌ فِي الْاَرْضِ تَوَزِينٌ میں فتنہ برپا رہے گا۔ اس سے بڑا  
 فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ سرزمین پر کفار کا غلبہ ہو، مسلمانوں کے خلاف سازشیں  
 ہوتی ہوں۔ دنیا میں بدمعنی کی وجہ یہی ہے کہ جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی مدد  
 کی ضرورت ہے، اُن تک مدد نہیں پہنچتی۔ ارد گرد کے تمام مسلمان بے بس  
 ہیں اور اپنے بھائیوں کی مدد نہیں کر سکتے۔ دنیا میں مسلمانوں کی مرکزیت ہی  
 ختم ہو چکی ہے۔ وہ مدد کیسے کر سکتے ہیں اگر کوئی ملک انفرادی طور پر مدد  
 کی کوشش کرتا بھی ہے تو کافر قوتیں اُسے ناکام بنا دیتی ہیں۔ فلسطین،  
 فلپائن، قبرص، کشمیر اور ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت زار آپ کے  
 سامنے ہے۔ عیسائی ہمیشہ بے بس مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں مگر پچاس  
 سے زیادہ مسلمان ریاستیں کسی کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ امریکہ اور  
 روس نے ان کے درمیان نفاق کا ایسا بیج بکھرا ہے کہ وہ انہیں اپنے  
 ملک سے وابستہ رکھتے ہیں مگر دوسرے مسلمانوں کی مدد میں اڑے آتے  
 ہیں۔ افغانستان میں دس لاکھ سے زیادہ مسلمان ملک بچکے ہیں مگر  
 ہم نے ان کی کیا امداد کی ہے؟ وہاں سے آنے والے ہاجرین کو پناہ  
 دینے کے لیے چندہ جمع کیا ہے، یہاں آنے والوں کی تو دیکھ بھال ہو  
 رہی ہے مگر جو وہاں مر رہے ہیں۔ اُن کی کیا مدد کی ہے؟ ایک طرف  
 امریکہ ہے اور دوسری طرف روس ہے مسلمانوں کو آپس میں لڑایا

مسلمانوں کی  
 بے بسی

جار رہا ہے مگر باقی مسلمان تماشا دیکھ رہے ہیں اسی طرح برہمن لاکھوں مسلمان غافل ہو چکے ہیں، وہ دنیائے اسلام کی طرف ایڑیاں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں مگر ان کی مدد کو کوئی نہیں پہنچتا۔ اسے اہل اسلام کی بے بسی کے سوا کیا کب جاسکتا ہے؟

اللہ نے فرمایا، اگر مظلوم بھائیوں کی مدد نہیں کرے گا تو دنیا میں فتنہ برپا ہوگا وَفَسَادٌ كَبِيرٌ اور بہت بڑا فساد قائم ہوگا۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں امن کا دور دورہ نہیں۔ ہر جگہ فتنہ و فساد کا بازار گرم ہے۔ کہیں سیاسی افراتفری ہے اور کہیں معاشرتی اور معاشی بے امنی ہے۔ کمزور فرد ہو یا قوم وہ ظالم کے ہاتھوں پس رہا ہے اور کوئی دوسرا فرد یا قوم اس کی مدد کے لیے آگے نہیں آتا۔ مسلمانوں میں خاص طور پر مرکزیت کے فقدان کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ اگر کوئی کوشش بھی کرتا ہے تو کامیاب نہیں ہوتا۔ مگر اللہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھائی کسی دوسرے ملک میں مقہور ہے اور وہ ہجرت بھی نہیں کر سکتا تو اس کی مدد کرو۔ اُسے ظلم سے نجات دلاؤ یا دارالامن میں لے آؤ۔ یہ مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے غنیمت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا۔ پھر مہاجرین اور انصار کی فضیلت بھی بیان فرمادی اور اسلام کی مرکزیت کی اہمیت کو بھی اجاگر کر دیا۔ پھر آگے سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا اصول بھی بیان فرما دیا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
وَالَّذِينَ آوَوْا وَانصَرَوْا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ  
حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۴﴾ وَالَّذِينَ  
آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ  
فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى  
بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۵﴾

۱۰  
۴  
۵

ترجمہ :- اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے  
ہجرت کی اور جنہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں ، اور وہ لوگ  
جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی ۔ یہی لوگ ہیں بکے سچے ایمان والے ، ان  
کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی ﴿۴﴾ اور وہ لوگ  
جو ایمان لائے اس کے بعد اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے  
ساتھ ہو کر ، پس یہ لوگ تم میں سے ہیں اور قرابت دار بعض  
ان میں سے زیادہ ہمدار ہیں بعض کے ساتھ اللہ کی کتاب میں  
بیشک اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے ﴿۵﴾

ربط آیت

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان و مہاجرین اور مجاہدین کی تعریف کی اور  
احکام بھی نازل فرمائے کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد ہجرت نہیں کرتے ان کو سیاسی  
حقوق حاصل نہیں ہوتے ۔ البتہ اگر وہ اہل ایمان سے مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرنا  
ضروری ہے سوائے اس کے کہ اگر کسی کافر قوم کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو

تو اس قوم کے خلاف مسلمان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اگر اہل ایمان اپنے مسلمان بھائیوں کی جائز مدد نہیں کریں گے تو زمین میں فتنہ و فساد ہی برپا ہوگا۔ کافر لوگ بھی آپس میں دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ لہذا اہل اسلام کو بھی چاہیے کہ وہ آپس میں دوستانہ قائم رکھیں اور بوقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد کریں۔

اب اس سورۃ کی آخری آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کی تعریف بیان کی ہے اور وراثت کا عام قانون بھی سمجھایا ہے۔ یہاں اس مرکزی جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جو اسلام کے ابتدائی دور میں مہاجرین اور انصار نے تشکیل کی اور بنوؤں نے پیغمبر اسلام کی معیت، قیادت اور اتباع میں دنیا میں تبلیغ اسلام کا اہم کام انجام دیا۔ آپ کے بعد اے لوگ بھی اگر مرکزی جماعت کے نقش قدم پر چلیں گے تو انہیں بھی فوز و فلاح نصیب ہوگی۔ ارشاد خداوندی ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وہ لوگ جو ایمان لائے اصل حقیقت

ایمان اور  
ہجرت

تو ایمان پر ہی موقوف ہے۔ اگر ایمان موجود ہے تو سب کچھ ہے، ورنہ خسار ہی خسار ہے۔ دین کی ساری عمارت ایمان ہی کے مرکزی نقطہ کے گرد گھومتی ہے۔ ایمان ہی انسان کو دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اور پھر ایمان کی حفاظت کے لیے وَأَعِزُّوا جنہوں نے ہجرت کی۔ اپنے وطن کو چھوڑا، عزیز و اقارب، مکان، زمین کا روبرو قربان کیا محض ایمان کی سلامتی کی خاطر۔ جب کسی جگہ پر ایمان غیر محفوظ ہو جائے، کفار و مشرکین کی طرف سے دین کو ترک کر دینے کا مطالبہ ہو یا جان کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسے موقع پر اہل ایمان کے لیے ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ سورۃ نساء میں اللہ کا ارشاد موجود ہے: لَا تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيْهَا کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر کے اپنے ایمان کو بچا لیتے اور دین کے



شعائر پر عمل کر سکتے۔ جب کسی ملک میں اذان پر پابندی ہو، نماز ادا کرنے میں رکاوٹ کھڑی کی جائے، قربانی نہ دی جاسکتی ہو اور شعائر دین کے راستے میں جگہ جگہ کاٹے ہوں تو پھر ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں مکے میں یہی حالات پیدا ہو چکے تھے، لہذا ایمان والوں کو وہاں سے ہجرت کر جانے کا حکم ہوا۔

باطنی ہجرت

یہ تو ظاہری ہجرت ہے کہ انسان دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں چلا جائے، تاہم حضور علیہ السلام نے باطنی ہجرت کا مسئلہ بھی سمجھایا ہے۔ فرمایا وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ حَقِيقَتِي مہاجر وہ ہے جو اس چیز کو ترک کر دے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے اگر وطن کو ترک کرنے کے باوجود منہیات کو ترک نہیں کیا تو ایسا شخص حقیقی مہاجر نہیں کہلا سکتا۔ وہ تو تارک وطن، پناہ گزین REFUGEE

ہی ہو سکتا ہے۔ مگر صحیح معنوں میں مہاجر نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال بعض دوسرے مسائل میں بھی ملتی ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ حقیقی ایماندار وہ ہے جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ ہوں آپ نے یہ بھی فرمایا مسلمان وہ ہے مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبِدِّهِ جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ محض کلمہ پڑھ لینے سے کوئی شخص حقیقی مسلمان نہیں ہو جاتا جب تک باقی تقاضے بھی پورے نہ کرے۔ اسی طرح فرمایا کہ حقیقی مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کردہ چیزوں کو ترک کر دے۔

فرمایا جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی وَلَجَّهْدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ اسلام میں جہاد ایک بڑی حقیقت اور بلند حکم ہے۔ اس کی بدولت جماعت کو عزت حاصل ہوتی ہے حکومت اور اقتدار نصیب ہوتا ہے۔ حدود اللہ قائم ہوتی ہیں، دشمن مغلوب ہوتا ہے اور دین اسلام کا قیام اور بقا واقع

جہاد کے  
مختلف  
شعبے

ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جہاد کے کئی ایک شعبے ہیں۔ اس کا عمومی شعبہ تو قتال بالسیف ہے۔ تاہم دوسرا شعبہ تبلیغ دین ہے، دین کی اشاعت میں حصہ لینا جہاد میں داخل ہے۔ تیسرا شعبہ دینی تعلیم ہے۔ جگہ جگہ دینی مدرسے قائم کر کے دین کی تعلیم کو عام کیا جائے تاکہ کوئی شخص اس سے خالی نہ رہے۔ چوتھا شعبہ تصنیف و تالیف ہے۔ ایسی دینی کتابیں شائع کی جائیں جن سے اہل ایمان کو فائدہ ہو۔ قرآن حدیث اور فقہ کی تفسیر و تشریح میں کتب کی اشاعت بھی جہاد کا ایک حصہ ہے۔ اس سے ایک طرف اہل اسلام کی تعلیم کا بندوبست ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف غیر مذاہب کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا ہے جس سے ان کے شکوک و شبہات رفع ہوتے ہیں۔ کوئی شخص دین کے کسی بھی شعبے میں کام کر رہا ہو اُسے حقیر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اُسے جہاد کا ایک شعبہ سمجھ کر اُس کی تائید کرنی چاہیے۔

بہر حال فرمایا وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ اُن کے علاوہ وَالَّذِينَ اَوْوَا وَنَصَرُوا وہ لوگ جنہوں نے پناہ اور جگہ دی اور مدد کی۔ یہ مدینے کے انصار ہیں جنہوں نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا۔ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ رِالْحَشِيِّ جنہوں نے مہاجرین کو اپنے گھروں میں اور ایمان کو اپنے دلوں میں جگہ دی۔ انہوں نے مہاجرین کو محبت کا تحفہ پیش کیا۔ انہوں نے اپنے دلوں میں کوئی شئی محسوس نہیں کی اور انہیں اپنی جانوں سے عزیز رکھا۔ جب مہاجرین اور انصار کے درمیان مواثات کا تعلق قائم ہوا تو اس وقت یرث المهاجر الانصار مہاجر اور انصار ہی ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے یہ ابتدائی دور کی بات ہے جب مسلمانوں کی جماعت کمزور تھی۔ انصار صحابہؓ

پناہ اور نصرت

کی انتہی بیش قیمت خدمات کی وجہ سے حضور علیہ السلام نے حب الانصاف  
ایۃ الایمان یعنی انصار مدینہ سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے  
اور ان سے بغض رکھنا منافقت کی دلیل ہے۔ مکے میں اسلام کی مرکزیت  
پیدا نہ ہو سکی تو دین کی نشوونما کے لیے انصار مدینہ نے پیٹ فارم مہیا کیا  
یہی جگہ مرکز اسلام بنی اور یہیں سے دین کے پودے کی شاخیں پوری  
دنیا میں پھیلیں۔ حتیٰ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آخری وقت میں جب  
دجال کا ظہور ہوگا تو اسلام مدینہ میں ہی سمٹ کر رہ جائیگا۔ اس جگہ کے  
لوگوں کی تعریف میں اللہ نے فرمایا کہ یہ اتنے عظیم لوگ ہیں "وَلَقَدْ وَفَّوْا  
عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (الحشر) کہ  
انصار مدینہ مہاجرین کو اپنی جانوں سے بھی مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود  
احتیاج ہو۔ خود بھوک پیاس برداشت کرتے تھے مگر اپنے مہاجر بھائیوں  
کو کھلاتے پلاتے تھے، خود کپڑا نہیں پہنتے تھے مگر دوسروں کو  
پہناتے تھے، اسی لیے اللہ نے ان کی تعریف بیان کی ہے۔

انصار مدینہ نے نہ صرف مہاجرین کی خدمت کی بلکہ اللہ کے  
راستے میں جہاد میں بھی بڑھ کر حصہ لیا۔ جنگ بدر، احد، فتح مکہ، تبوک،  
حنین۔ خیسر غرضیکہ ہر جنگ میں انصار مدینہ مہاجرین کے شانہ بشانہ  
لڑے بلکہ اکثر مواقع پر انصاری مجاہدین کی تعداد مہاجرین سے زیادہ  
تھی۔ مہاجرین اور انصار پر مشتمل یہی مرکزی جماعت تھی جنہوں نے  
اللہ کے دین کے قیام، اس کی تقویت اور بھلے کے لیے سر دھڑ کی  
بازی لگادی۔ اسی جماعت کے متعلق اللہ نے فرمایا "أُولَٰئِكَ هُمُ  
الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا" یہی پکے سچے مومن ہیں جو ایمان لائے ہجرت  
کی۔ اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور جنہوں نے مہاجرین کو جگہ و نامہ  
کی اور ان کی مدد کی۔ یہ دونوں گروہ دین کی تائید کے ہر موڑ پر سینہ سپر

اہل ایمان  
کی مرکزی  
جماعت

نظر آتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہر امتحان میں پورے اترے۔ اللہ نے فرمایا  
 "وَالسَّادِقُونَ إِلَّا وَلَوْ كُنَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَفْصَادِ وَالَّذِينَ  
 اتَّبَعُوهُ ۖ يَاحَسْبَانِ" (التوبة) یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ایمان  
 لانے میں پہل کی مہاجرین اور انصار میں سے اور پھر وہ لوگ جنہوں نے نبی  
 کے ساتھ مہاجرین اور انصار کی پیروی کی۔ یہ سب کے سب لوگ مسلمانوں  
 کی مرکزی جماعت CENTRAL COMMITTEE کے نمبران ہیں۔ پھر یہی  
 لوگ آئندہ آنے والوں کے لیے نمونہ بنے، یہی پکے سچے ایماندار ہیں۔  
 اور جو لوگ ان کے ایمان میں کیڑے نکالتے ہیں وہ خود گمراہ اور منافق ہیں۔  
 بہر حال اللہ تعالیٰ نے حقیقی مومنوں کے متعلق فرمایا اَللّٰهُمَّ  
 مَغْفِرَةً اَنْ اَنْتَ الْغَفُورُ الْكَرِيمُ۔ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ  
 ایسے لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر کے انہیں جنت کے اعلیٰ مقام  
 میں ضرور پہنچائیگا۔ اس کے علاوہ پکے مومنوں کے لیے وَدَّرَقْ  
 كَرِيْمًا پاکیزہ رزق بھی ہے۔ آخرت میں تو یقیناً مومنین کو اعلیٰ  
 اور پاکیزہ رزق ملے گا اور زیادہ اچھے اعمال انجام دینے والوں کو زیادہ  
 باعزت رزق حاصل ہوگا بلکہ عام جنتیوں کو بھی باعزت رزق نصیب  
 ہوگا۔ سب سے زیادہ انبیاء و پھر شہداء اور مہاجرین و انصار مستفید ہوں گے  
 جو اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ تاہم اس رزق کا تعلق اس دنیا کے  
 ساتھ بھی ہے، ظاہر ہے کہ جس قوم یا فرد کو اس دنیا میں اقتدار حاصل  
 ہو جائے تو اس سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے؟ بلاشبہ ان کو باعزت  
 رزق نصیب ہوگی۔ کوئی ان پر نکتہ چینی نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ ابتدائے  
 اسلام سے لے کر کئی صدیوں تک دنیا میں اسلامی حکومت کے کارپردازان  
 ہی معزز ترین لوگ شمار ہوتے تھے جن کو باعزت رزق ملتی تھی۔ مگر پھر انحطاط  
 کا دور شروع ہو گیا۔ مسلمانوں میں کمزوریاں پیدا ہو گئیں تو یہ لوگ ذلت کا شکار ہو گئے

مغفرت  
اور باعزت  
رزق

جب اپنے مشن کو ترک کر دیا، قرآن سے صرف نظر کر لیا، دین سے منہ موڑ لیا، غیروں کے ہاتھ چڑھ گئے تو نہ وہ عزت رہی اور نہ عزت کی روزی۔

فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنَّا۔ اگے وہ لوگ جو اس کے بعد ایمان لائے یعنی متقدمین کے بعد متاخرین کا دور آیا وَهُمْ جَاهِدُوا وَجِهَدُوا

مَعَكُمْ انہوں نے بھی تمہارے ساتھ ہجرت کی اور جہاد کیا فَأُولَٰئِكَ مَنَّكَوْهُ یہ بھی تم میں سے ہیں مطلب یہ بے کمر فتح مکہ سے پہلے جو

لوگ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے، وہ پہلے دور کے لوگ تھے، منہ فرمایا جب مکہ فتح ہو گیا تو وہ دور ختم ہو گیا، پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْيَوْمِ آج کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ اب مکہ دارالاسلام بن

گیا تھا۔ مگر آئندہ کے لیے ہجرت کا یہ قانون وضع ہو گیا کہ جہاں بھی مسلمان مغلوب ہو جائیں اور شعائر دین پر آزادی کے ساتھ چل پیرا نہ ہو سکیں۔

تران کے لیے ہجرت لازم ہو جائیگی، پھر وہ بھی اگر اہل ایمان کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے تو وہ متقدمین کے درجات پر فائز ہوں۔ سپین میں

کیا ہوا؟ وہاں پر دو کروڑ مسلمان آباد تھے، مگر جب کمزوری آئی تو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ بہت سے مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا گیا، بہت سے

مار ڈالے گئے اور صرف گیارہ ہزار باقی بچے جنہیں مجبوراً ہجرت کرنا پڑی۔ تو فرمایا جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور پہلے لوگوں کے ساتھ جہاد میں

شریک ہوئے۔ وہ بھی انہیں میں سے ہیں، اللہ کے ہاں ان کی بھی ویسی ہی قدر و منزلت ہے۔

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ السلام نے انصار مدینہ اور اولین مہاجرین کے درمیان رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا۔ ایک ایک

انصاری اور ایک ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنا دیا تھا، وہ نہ صرف ایک دوسرے کے مال و دولت، دکان مکان اور زمین میں شریک

متاخرین کا درجہ

مواقت وراثت

ہو گئے تھے بلکہ اگر ایک بھائی مر جاتا تو دوسرا اس کی وراثت کا حقدار بھی ہو جاتا۔ اُس وقت مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی مگر فتح مکہ کے بعد جب مسلمانوں کی تعداد میں بے شمار اضافہ ہو گیا، مہاجرین اور انصار کے رشتہ دار بھی ایمان لے آئے تو اللہ نے فرمایا کہ مہاجر و انصار کا دوستی کا رشتہ تو ہمیشہ کے لیے قائم رہیگا، البتہ وراثت متوفی کے قریبی رشتہ داروں کا حق ہی ہوگا۔ مواخات کی بنا پر وراثت کا قانون باقی نہیں رہے گا۔  
 ارشاد ہوا **وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ** اللہ کی کتاب میں تم میں سے بعض کے رشتہ دار بعض سے زیادہ قریب ہیں۔ یعنی وراثت کا قانون یہ ہوگا کہ وہ دینی بھائی کی بجائے حقیقی اقرباء کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی جب کوئی مہاجر یا انصار فوت ہو گیا تو اس کی وراثت کا حقدار اس کا باپ بیٹا، بھائی، چچا، تایا وغیرہ ہوگا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو کیونکہ مسلم اور کافر ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔

البتہ مواخات کے قانون وراثت کی افادیت موقع محل کے مطابق ہمیشہ قائم رہے گی۔ اگر کوئی مسلمان کسی ایسی جگہ ہجرت کر کے جاتا ہے جہاں اُس کے مسلمان رشتہ دار نہیں ہیں اور وہ اپنے مسلمان بھائی سے رشتہ مواخات میں منسلک ہو جاتا ہے جو کسی ایک بھائی کی وفات پر دوسرا بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اس قسم کے واقعات صحابہ کے بعد بھی پیش آئے۔ اہل ایمان خراسان اور عراق وغیرہ کی طرف جاتے تھے جہاں اُن کا کوئی عزیز نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ دوسرے سے مواخات کر لیتے تھے تو ایک دوسرے کی وراثت کے حقدار بنتے تھے گویا ولایہ کا یہ مسئلہ اب بھی قائم ہے اور حالات کے مطابق اُسے قانونی حیثیت حاصل ہے۔ اس زمانے میں بھی اگر کوئی امریکہ یا مسلمان

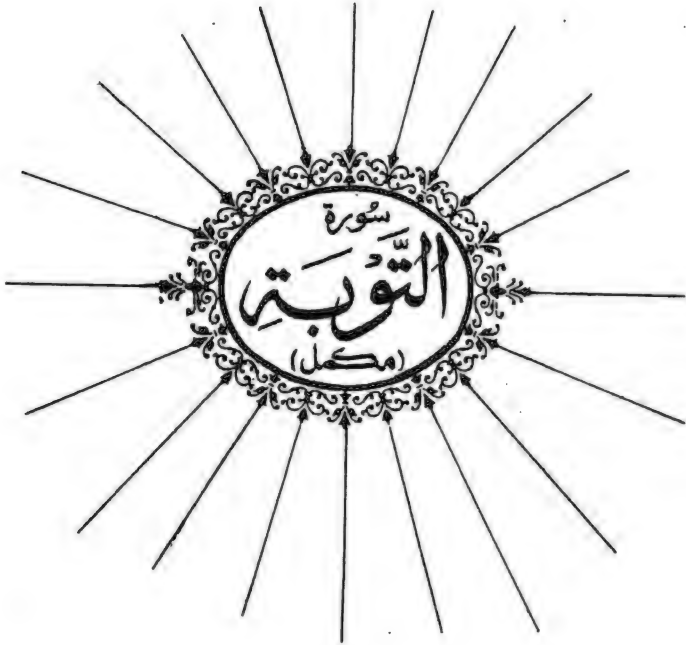
ہو کہ پاکستان میں مقیم ہو جاتا ہے۔ اُس کے سارے عزیز و اقارب امریکہ میں ہیں اور وہ مسلمان ابھی نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں اُس شخص کا وارث وہی پاکستانی ہو گا۔ جس کے ساتھ اُس نے باقاعدہ دوستانہ اختیاء کر لیا ہے۔ اگر اس کے کوئی مسلمان رشتہ دار موجود ہیں تو وہ جہاں بھی ہوں گے اُس کی وراثت کے جائز وارث ہوں گے۔

وراثت کا  
عام قانون

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عام قانون وراثت کے مطابق ترکہ میں سب سے پہلے ان رشتہ داروں کا حق ہوتا ہے جن کا حصہ اللہ نے قرآن میں نام لے کر مقرر کیا ہے، وہ رشتہ دار ذوی الفروض کہلاتے ہیں دو سکر نمبر پر عصبہ میں جو باپ کی طرف سے قریبی رشتہ دار ہوں مثلاً باپ بیٹا چچا نانا اور ان کی اولاد وغیرہ۔ اس کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی میت کو ذوی الفروض اور عصبہ دونوں نہ ہوں تو ترکہ مسلمانوں کے بیت المال میں جمع ہو جائے گا۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ عصبہ کے بعد ذوی الارحام کا نمبر آتا ہے یعنی اگر باپ کی طرف سے کوئی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو ماں کی طرف سے رشتہ دار حق دار ہوں گے جیسے ماموں، ماموں زاد، بھانجہ وغیرہ، اگر ان میں سے بھی کوئی زندہ موجود نہ ہو تو پھر چوتھے نمبر پر مرنے والے کا مال بیت المال میں جمع ہو کہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ وراثت بن جائیگا۔ اللہ کی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے کہ قرآن پاک اور لوح محفوظ میں یہی قانون درج ہے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے اس نے تمام احکام اپنے علم اور حکمت کے مطابق جاری فرمائے ہیں انسانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ ان قوانین پر عمل کریں۔ ہر کام کی مصلحت اللہ تعالیٰ کے بہترین علم میں ہے۔







التوبة ۹

واعلموا ۱۰

آیت ۲۱

درس اول ۱

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتٌ وَتِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً فِيهَا ثَلَاثٌ وَعِشْرُونَ كَوْنًا  
سُورَةُ تَوْبَةٍ مَكِّيَّةٌ هِيَ مِائَةٌ وَتِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَاتٍ فِيهَا ثَلَاثٌ وَعِشْرُونَ كَوْنًا  
سُورَةُ تَوْبَةٍ مَكِّيَّةٌ هِيَ مِائَةٌ وَتِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَاتٍ فِيهَا ثَلَاثٌ وَعِشْرُونَ كَوْنًا

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُم مِّنَ  
الْمُشْرِكِينَ ۝ فَسَيَحْضُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ  
وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَإِنَّ اللَّهَ  
مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝

ترجمہ:- یہ برأت ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف  
سے اُن لوگوں کی طرف جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا مشرکین  
میں سے ① پس (ان سے کہ دو) چلو پھرو زمین میں چار  
ماہ (کی مدت) تک اور جان لو کہ بیشک تم نہیں عاجز کر سکتے  
اللہ تعالیٰ کو اور بیشک اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کفر کرنے

والوں کو ②

اس سورۃ مبارکہ کا عام فہم نام سورۃ توبہ ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بعض صحابہؓ  
سے غزوہ تبوک میں عدم شمولیت کی گواہی ہو گئی تھی۔ اس پر اللہ کے رسول نے ان کے  
ساتھ متعلقہ کا حکم دیا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی توبہ قبول فرمائی جس کا ذکر اس سورۃ  
میں موجود ہے، لہذا اس سورۃ مبارکہ کو سورۃ توبہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

سورۃ کے  
مختلف نام

اس سورۃ کا دوسرا اہم نام سورۃ برأت ہے کیونکہ اس میں مشرکین اور کفار سے  
برأت یعنی بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ چار ماہ کی مدت میں یا

تو اسلام قبول کر لیں یا پھر ملک چھوڑ جائیں۔  
 اس سورۃ کو سورۃ فاضلہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مشرکوں اور کافروں  
 کو رسوا کرنے والی سورۃ ہے۔ اس کا حال بھی سورۃ میں مذکور ہے۔ یہ  
 سورۃ منکملہ ہے یعنی یہ مکہ میں اور منکبین کو سزا دینے والی سورۃ ہے۔  
 اسی کا نام سورۃ العذاب بھی ہے کہ اس میں کفار و منافقین کی سزا کا  
 ذکر ہے۔ اس سورۃ کو مقشقشہ بھی کہتے ہیں کہ یہ منافقوں کے نفاق  
 کو کھولنے والی سورۃ ہے۔

سورۃ ہے  
 پہلے بسم اللہ

قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ سورتوں میں سورۃ توبہ واحد سورۃ ہے  
 جسکی ابتدا میں **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** نہیں لکھی جاتی جسٹ  
 عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے دریافت  
 کیا کہ آپ جامع القرآن ہیں۔ آپ نے سورۃ الفال اور سورۃ توبہ کو آپس  
 میں جوڑ دیا ہے اور درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی، اس کی کیا وجہ ہے؟  
 اس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ انہوں نے اس مقام پر حضور  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ لہذا میں نے یہاں  
 پر بسم اللہ نہیں لکھی۔ تلاوت قرآن پاک کے درمیان جب حضور علیہ السلام  
 بسم اللہ تلاوت فرماتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ یہ دو سورتوں کے درمیان  
 فرق لکھنے کے لیے ہے ادا اب نئی سورۃ شروع ہو رہی ہے۔  
 چونکہ آپ نے اس موقع پر بسم اللہ نہیں پڑھی لہذا یہ بھی امکان ہے  
 کہ سورۃ الفال اور توبہ ایک ہی سورۃ ہو کیونکہ ان دونوں کے مضامین  
 میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس سے امام ابو حنیفہؒ کا وہ مسئلہ بھی  
 حل ہو جاتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**  
 جزو قرآن تو ہے مگر ہر سورۃ کا جزو نہیں۔ بعض ائمہ اسے ہر سورۃ کا جزو  
 بھی مانتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ سے بھی ایک بات منقول

ہے جب اُن سے دریافت کیا گیا کہ سورۃ قمر سے پہلے بسم اللہ کیوں نہیں لکھی گئی تو فرمایا، بسم اللہ تو امن کے لیے ہوتی ہے۔ جب کہ اس سورۃ مبارکہ میں اعلان جنگ ہو رہا ہے، اس لیے یہاں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ نہ لکھنے کے بارے میں یہ حکمت کی بات ہے نہ کہ اس کی علت۔

جمع قرآن

قرآن پاک کی موجودہ ترتیب و شکل حضرت عثمانؓ کی جمع کردہ ہے آپ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمع قرآن کا فریضہ ادا کیا مگر اس ترتیب میں کچھ فرق تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب بھی قدرے مختلف تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں میلہ کذاب نے نبوت کا دعوے کیا جو کہ پیامہ کا منہ والا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کے خلاف جہاد کیا جس میں بارہ سو کے قریب حفاظ اور قاری حضرات شہید ہو گئے اس پر خطرہ لاحق ہوا کہ قرآن حکیم کہیں ضائع ہی نہ ہو جائے، لہذا اس کو کتابی صورت میں جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اگرچہ قرآن پاک کے مختلف حصے مختلف جگہوں پر تحریری صورت میں موجود تھے، تاہم وہ یکجا نہیں تھے، اس لیے اُن کو ایک جگہ اکٹھا کرنا مناسب سمجھا گیا۔ چنانچہ قرآن پاک یکجا ہو کر ایک مصحف بن گیا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اختلافات بڑھ گئے یہ حضرت خذیفہؓ نے محسوس کیا کہ لوگ قرآن کی تلاوت اور اس کی ترتیب میں بہت گمراہی ہو رہے ہیں۔ تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا ادرک الامۃ حضرت امت کا علاج کر دیں پیشتر اس کے کہ یہ بھی اہل انجیل کی طرح بن جائیں۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اللہ کی کتاب انجیل کئی حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک بھی کہیں

متفرق حصوں میں نہ بٹ جائے لہذا اس کی حفاظت کا مناسب انتظام کر لیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے موجودہ ترتیب کے ساتھ قرآن پاک کو ایک جگہ جمع فرما دیا۔ پھر اس کے ساتھ نسخے تحریر کرائے اور ایک ایک نسخہ ہر صوبہ کی جامع مسجد میں رکھوا دیا اور حکم دیا کہ جس نے قرآن پاک نقل کرنا ہو اس نسخہ سے نقل کرے اور اس کے خلاف کوئی نسخہ تیار نہ کیا جائے۔ پھر آپ نے اس مصحف کے علاوہ باقی باقی نسخے تلف کر دئے۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اگرچہ نزول قرآن کی ترتیب بالکل مختلف ہے تاہم موجودہ نسخہ قرآن منشاء الہی اور لوح محفوظ کی ترتیب کے عین مطابق ہے۔

سورتوں کی ترتیب

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے یہ بھی سوال کیا تھا کہ سورۃ انفال چھوٹی سورۃ ہے جس کی آیات ایک سو سے بھی کم ہیں تو آپ نے اسے سبع طوال (سات لمبی سورتوں) کے درمیان کیسے لکھ دیا ہے اور سورۃ توبہ جبکی آیات سو سے زیادہ ہیں اس کو آپ انفال کے بعد لائے ہیں حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ میں نے آیات اور سورتوں کی ترتیب حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق رکھی ہے۔ جب قرآن پاک کی کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور علیہ السلام فرماتے کہ اس کو فلاں جگہ فلاں آیت سے پہلے یا بعد میں لکھ لو چنانچہ صحابہ کہہ لیں ایسا ہی کرتے۔ سورۃ انفال ۲۷ھ میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی چنانچہ اس سورۃ میں اس جنگ کا حال مذکور ہے۔ برخلاف اس کے سورۃ توبہ فتح مکہ کے بعد مدنی زندگی کے آخری حصہ میں ۹ھ میں نازل ہوئی اور اس میں غزوہ تبوک کا حال بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ باقی سورتوں کی ترتیب کے متعلق تو ہم نے سن رکھا تھا کہ انہیں فلاں فلاں جگہ پر رکھ دو مگر

سورۃ توبہ کے متعلق ہم نے حضور سے کچھ نہیں سنا تھا اور نہ ہی ہم نے از خود دریافت کیا تھا۔ چونکہ اس سورۃ بابر کے مضمون سورۃ انفال کے ساتھ ملتا تھا اور اس کی ابتدا میں ہم نے حضور علیہ السلام سے بسم اللہ بھی نہیں سنی تھی لہذا اس سورۃ کو سورۃ انفال کے ساتھ جوڑ دیا اور درمیان میں بسم اللہ بھی نہ لکھی۔

اس سے مفسرین اور محدثین کرام یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ ترتیب قرآن کا معاملہ توقیفی ہے۔ اس میں اجتہاد سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق حضور علیہ السلام کی بتائی ہوئی ترتیب ہے۔ جس طرح صحابیؓ نے حضور علیہ السلام سے سنا ویسے ہی آیت کو اس کے مقام پر رکھ دیا۔ البتہ سورۃ توبہ کے معاملہ میں اجتہاد کو ضرور دخل حاصل ہے۔ یہ سورۃ حضور علیہ السلام کی زندگی کے آخری حصہ میں نازل ہوئی۔ چونکہ اس کا مضمون پہلی سورۃ انفال کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ اس لیے یہ پہلی سورۃ کا تتمہ بھی ہے۔ البتہ پہلی سورۃ چھوٹی ہے جب کہ دوسری بڑی۔ بہر حال حضرت عثمانؓ نے اس سورۃ کے متعلق غور و فکر کرنے کے بعد اس کو یہاں رکھ دیا اور اس سے پہلے بسم اللہ بھی نہ لکھی۔ چنانچہ اب قانون یہی ہے کہ جو شخص سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کو تسلسل کے ساتھ پڑھے وہ ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھے البتہ اگر کوئی اسی سورۃ سے تلاوت کی ابتداء کرے تاہم تو بسم اللہ پڑھے کہ شروع کرے

یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی، اس کی ۱۲۹ آیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۲۴۶۷ کلمات اور ۱۰۰۰ حروف پر مشتمل ہے۔

اس سے پہلی سورۃ انفال اور اس سورۃ کا موضوع اسلام کا قانون صلح و جنگ ہے۔ ان سورتوں میں بارہ تیرہ اہم اصول اور

کوائف  
اور موضوع

اُن کے تابع احکام بیان کیے گئے ہیں جن پر مسلمانوں کو عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں کفار و مشرکین کے خلاف اعلان جنگ ہے اور آگے اس کی مزید تشریح ہے۔ اس میں اسلام کے سیاسی نظام کا بھی ذکر ہے اور خاص طور پر مرکز اسلام کے بیرونی ممالک سے تعلقات کی نوعیت کا بیان ہے۔ دوسرے لفظوں میں سورۃ ہذا اسلام کی فاریں پالیسی کے خدوخال کو بھی واضح کرتی ہے۔ اس میں جزیہ کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے۔

جہاد کے سلسلے میں سورۃ بقرہ، غزوہ حنین اور غزوہ احد کا ذکر ہے اور غزوہ تبوک سے متعلق قدرے تفصیلات موجود ہیں۔ اس دوران منافقین نے اپنی منافقت کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا۔ جہاد سے گریز کیا اور مسلمانوں کے مقابلے میں مسجد خضر تعمیر کی جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں منافقین کو دی گئی رعایات کو ختم کیا گیا ہے اور اُن کی رسوائی کا تذکرہ ہے۔

اعلان بیزاری

سورۃ کی ابتداء اِنْ الْفَاطِیَ سے ہوتی ہے بِرَّاءَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ شروع میں ہَذِهِ کا لفظ مخدوف ہے اور مکمل معنی یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ عٰهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ مشرکوں میں سے اُن لوگوں کی طرف جن سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے، آگے تفصیلات آ رہی ہیں کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کس طرح ہوتی رہی، لہذا اُن کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور اُن کے متعلق حکم ہوا کہ اِنْ کُنتُمْ دُوْا فِیْ سَبْحٍ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ پس چل پھر لو زمین میں چار ماہ تک۔ چونکہ کفار و مشرکین معاہدات کی بار بار خلاف ورزی کرتے تھے اور ایسے معاہدات عملی طور پر بے معنی ہو کر رہ گئے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو سوچ بچار کرنے

کے لیے چار ماہ کی مہلت دے دو۔ اس دوران یا تو وہ اسلام قبول کرے  
 قرآن کے پروگرام کو تسلیم کر لیں یا پھر اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اسلام  
 کی سیاسی برتری کو تسلیم کر لیں اور مسلمانوں کے ملک میں ذمی کے طور پر گذر  
 اوقات کریں۔ اگر چار ماہ کے اندر اندر دونوں میں سے کوئی بات تسلیم  
 نہیں کرتے تو پھر ان کے خلاف جنگ کی حالت قائم ہو جائے گی۔  
 اور مزید مہلت نہیں دی جائیگی۔

قرآن پاک میں چار ماہ کی مدت کا تذکرہ بعض دوسرے معاملات میں بھی ملتا  
 ہے مثلاً آیہ کے مسئلہ میں فرمایا اَلَّذِينَ يُولُوْنَ مِنْ نِّسَاءٍ مِّمَّ  
 تَنَصَّرُوْا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ (البقرہ) جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے  
 کی قسم اٹھاتے ہیں۔ وہ چار ماہ تک انتظار کریں۔ پھر اس مدت میں یا تو کفارہ  
 ادا کر کے رجوع ہو سکتے ہیں۔ یا پھر اس مدت کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی  
 مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کا عرصہ اس لیے مقرر کیا ہے تاکہ  
 کوئی شخص اس دوران میں مناسب عذر و فحسہ کے بعد کسی فیصلہ پہنچ سکے۔  
 یہاں بھی کفار و مشرکین اور منافقین کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر کی گئی ہے  
 آگے معاہدات کی بعض دوسری صورتیں بھی بیان ہو رہی ہیں مثلاً یہ کہ جن لوگوں  
 کے ساتھ لمبی مدت کے معاہدات ہیں وہ اگر معاہدات کی پابندی کرتے ہیں  
 خلاف ورزی نہیں کرتے تو ایسے معاہدات کو پورا کیا جائے گا۔ مگر جن لوگوں  
 نے معاہدے کی پابندی نہ کی، وہ شکست کھا گئے جس کی بہترین مثال فتح مکہ  
 ہے۔ یہودی قبائل بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ نے معاہدات کی خلاف ورزی  
 کی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ جلاوطن ہوئے  
 ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا گیا اور جو زیادہ شرسند تھے ان کے باغ و مروج  
 کو قتل کر دیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔  
 فرمایا چار ماہ تک چلو پھرو، یہ تمہارے لیے سوچا و بچا کر نے کی مہلت ہے



وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ عَائِدُونَ مُعْجِزِي اللَّهِ اور خوب اچھی طرح جان لو  
 کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، وہ قادر مطلق ہے اس کے سامنے تمہارا  
 کوئی داؤ بیج نہیں چل سکتا بلکہ وَأَنَّ اللَّهَ مُحْزِي الْكَافِرِينَ اللہ تعالیٰ  
 یقیناً کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ جو لوگ معاند ہیں۔ کفر پر اصرار کرتے  
 ہیں، زمین میں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔ کفر و شرک کے پروگرام کو غالب  
 کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔  
 یہ مشرکین سے بنیاری کا اظہار ہو گیا۔ آگے آیت نمبر ۱۵ انک مشرکین اور  
 کفار کے خلاف واضح طور پر اعلان جنگ اور اس کی تشریح آرہی ہے۔

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس دوم ۲

آیت ۳ ۲ ۴

وَإِذْ أَخَذَ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ  
 أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ فَإِنْ تُبْتُمْ  
 فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ  
 غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ  
 أَلِيمٍ ⑤ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ  
 لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ  
 أَحَدًا فَاتِمُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ  
 اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ⑥

ترجمہ :- اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف  
 سے عام لوگوں کی طرف بڑے حج کے دن (اعلان یہ ہے) کہ میں  
 اللہ تعالیٰ بیزار ہے شرک کرنے والوں سے۔ اور اس کا رسول بھی (بیزار  
 ہے) پس اگر تم توبہ کر لو پس وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور  
 اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور خبر  
 نادر اُن لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا دردناک عذاب کی ③ مگر وہ  
 لوگ جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مشرکین میں سے پھر انہوں  
 نے کمی نہیں کی تمہارے ساتھ کسی چیز کی اور نہ مدد کی انہوں نے  
 تمہارے خلاف کسی کی۔ پس پورا کرو اُن کے ساتھ اُن کا عہد اُمّی  
 مدت تک، بیشک اللہ تعالیٰ پندہ کرتا ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ④

اعلان بنیاری

آج کا درس سورۃ ہذا کی ابتدائی آیت بکراؤہ مِّنَ اللّٰہ..... الایۃ کی تشریح ہے۔ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ سورۃ توبہ ۹ء میں غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ۸ء میں مکہ فتح ہو چکا ہے۔ اس سال حضور علیہ السلام کے سامنے حج بیت اللہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، آپ کے مقرر کردہ گونہ غاب بن ابیذ مکر میں موجود تھے، مہاجر و انصار کے ساتھ بنو نضیر کے چاکر تھے، مکہ ایک قباحت ابھی تک باقی تھی اور وہ یہ تھی کہ مشرکین عرب پر بیت اللہ شریف کاج کرنے پر ابھی تک کوئی پابندی عائد نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے شریک رسوم جاری کر کے ملت ابراہیمی کو بگاڑ دیا تھا اور دین کی اس بگڑی ہوئی شکل کو ہی دین ابراہیمی سمجھے بیٹھے تھے۔ حضور علیہ السلام کے متبعین اصلی مسلمانوں کو صابی یعنی بے دین کہتے تھے۔ ان حالات میں ۹ء میں خود حضور نبی کریم علیہ السلام نے حج کے لیے جانا پسند نہ فرمایا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مصلحت تھی کہ مشرک کی خباثت کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واپس جانا منظور نہ تھا۔ چنانچہ اس سال آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی کی سرکردگی میں حج وفد مکہ مکرمہ روانہ کیا۔ اس دوران سورۃ ہذا نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے اس کی ۳۲، ۳۳، ۳۴ آیات حضرت علی رضی کو دے کر مکہ معظمہ بھیجا تاکہ ان کا اعلان عام حج کے موقع پر مختلف اجتماعات میں کیا جاسکے۔

حضرت علی رضی  
بطور مامور

اس سفر کے لیے حضور علیہ السلام نے خود اپنی عصابة نامی اونٹنی سواری کے لیے مہیا کی۔ چنانچہ جب حضرت علی رضی حضور کی اونٹنی پر سوار حضرت ابوبکر رضی کے پاس پہنچے تو موضوع ذکر نے سمجھا کہ شاید انہیں امارت حج سے برخواست کر دیا گیا، انہوں نے حضرت علی رضی سے دریافت کیا امیر اموا موعنی آپ امیر بن کر آئے ہیں یا بطور مامور حضرت علی رضی نے کہا میں مامور ہی ہوں اور آپ ہی سرکردگی میں ہی حج ادا کروں گا۔

مفسرین نے اس مقام پر یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ مطلوبہ اعلان تو امیر حج حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی کر سکتے تھے، اس کے باوجود حضرت علیؓ کو خاص طور سے اُن کے پیچھے بھیجنے کا کیا مقصد تھا؟ اس ضمن میں امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ عربوں کے قبائلی نظام میں یہ دستور تھا کہ جب کسی معاہدہ کو منسوخ کرنا ہوتا تھا یا کسی دوسرے قبیلے کے ساتھ مقاطعہ مطلوب ہوتا تو سردار قبیلہ یا اُس کا کوئی عزیز یہ کام انجام دیتا۔ حضرت علیؓ حضور علیہ السلام کے بھائی اور داماد تھے، اس لیے آپؐ نے مذکورہ دستور کے تحت حضرت علیؓ کو بھیجا تا کہ لوگوں کو پوری طرح یقین آجائے بعض فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو پیچھے بھیجنے سے یہ مقصود تھا کہ آپؐ حضرت صدیقؓ کے معاون بن جائیں اور تمام مومن بھی خوش ہو جائیں۔ امام رازیؒ نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ماتحتی میں بھیجنے سے یہ بھی مراد تھی کہ حضرت صدیقؓ کی امارت مسلم ہو جائے اور بعد میں کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو۔ چنانچہ فی الواقع ایسا ہوا، حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت علیؓ نے آپؐ کی خلافت کو تسلیم کیا اور آپؐ کی سرکردگی میں امور حکومت میں آپ کے مدد و معاون بنے۔ رافضیوں نے خلافت کا جھگڑا ابلا و جبر پیدا کیا ہے۔ اُن کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ خلافت کے حقدار حضرت علیؓ تھے اور یہ کہ اُن سے خلافت چھین لی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ حضور علیہ السلام نے اپنی حیات ہی میں حضرت علیؓ کو حضرت صدیقؓ کا مدد و نیا کر دیا تھا۔

الغرض! حضور علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق بیزاری کا اعلان ایام حج میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ نے ہر اجتماع کے مقام پر کیا۔ مکہ کی گلیوں، عرفات، مزدلفہ اور خاص طور میدان منیٰ

اعلان  
کا متن

میں جہاں حجاج تین دن قیام کرتے ہیں، بڑے اہتمام سے اعلان کیا گیا حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اعلان برأت میں یہ چار اعلان شامل تھے۔

(۱) پہلا اعلان یہ تھا اَنْ لَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ یعنی آئندہ کسی شخص کو برہنہ طواف کی اجازت نہیں ہوگی۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ مادر زاد ننگے بھی طواف کرتے تھے۔ وہ اس باطل رزم میں مبتلا ہو چکے تھے کہ اپنے جس لباس میں وہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں، اس لباس کے ساتھ اللہ کے پاک گھر کا طواف سوار و ادب ہے۔ لہذا یا تو وہ متولیانِ کعبہ قریش سے کپڑے متعارف کران کے ساتھ طواف کرتے تھے اور اگر ان کو کپڑے میسر نہیں آتے تھے تو پھر برہنہ طواف کو ترجیح دیتے تھے۔ جب مشرکین سے اس قبیح فعل کی وجہ پوچھی جاتی تو کہتے "وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا" (الاعراف) اللہ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ اللہ نے فرمایا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ (الاعراف) اے پیغمبر! آپ ان سے کہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ یہ تو عقلاً بھی محال۔

(۲) حج اکبر کے دن دوسرا اعلان یہ تھا اِنَّهَا الْمُشْرِكُونَ تَحْسَبُ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ كَعِدَ عَلَيْهِمْ هَذَا (التوبہ) مشرک لوگ ناپاک ہیں لہذا اس سال کے بعد انہیں مسجد حرام کے قریب آنے یعنی حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۳) حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق تیسرا اعلان یہ تھا لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُ المؤمن کے سوا جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہو سکے گا۔ لہذا ہر شخص کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے، ورنہ جنت میں داخلہ نہیں مل سکے گا۔

(۴) چوتھا اعلان یہ تھا کہ جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔

”فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ“ ان کے لیے چار ماہ

کی مہلت ہے اس دوران وہ سورج دہسپا کر کے ایمان قبول کر لیں یا ملک چھوڑ جائیں، ورنہ ان کے خلاف جنگ ناگزیر ہو جائے گی۔ اس اعلان کی تشریح آگے پندرہ آیات تک چلی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ الیا اعلان کیوں کیا گیا۔

اذان کا لغوی معنی اعلان ہوتا ہے۔ البتہ یہ لفظ اب شرعی اصطلاح بن چکا ہے۔ مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ کے ساتھ نماز کے لیے اعلان کو اذان کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ عربی ادب میں اس طرح استعمال ہوا،

اذَنْتَنَّا بِبَيْتِهَا اَسْمَاءُ

رَبِّ ثَاوٍ يَمَلُّ مِنْهُ الثَّوَاءُ

اسماء نے اپنی جدائی کا اعلان کر دیا۔ بہت سے ٹھہرنے والے دیگر ہو جاتا ہے اس سے قیام مگر اس کے ٹھہرنے سے دیکھ رہی نہیں ہوئی۔

الغرض! ارشادِ خداوندی ہے وَاذَلَّ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ یہ

اعلان ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے الحی الناس

عام لوگوں کی طرف لوگوں سے مراد عرب کے مشرکین، مختلف قبائل

اور وہ عامۃ الناس ہیں جو حج کے موقع پر جمع ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہ اعلان

يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ حج اکبر کے دن ہے۔ حج اکبر سے کونسا دن مراد

ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے

فرمایا حج اکبر سے مراد یوم النحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے جس دن حاجی منیٰ میں قربانی کرتے ہیں، طواف زیارت بھی اُسی دن ہوتا ہے۔

اس سے پہلے نویں تاریخ کو عرفات کا وقوف بھی مکمل ہو جاتا ہے

تو گویا دسویں تاریخ کو حج کے ارکان مکمل ہو جاتے ہیں، اس لیے اس

دن کو حج اکبر کا دن کہا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک روایت حضرت علیؓ

سے بھی منقول ہے کہ جب اسلامی دار الخلافہ کو فہ منتقل ہو گیا تو آپ

حج اکبر کا دن

دسویں ذی الحجہ کو سفید رنگ کے پتھر پر سوار نماز عید کے لیے جہانہ کے میدان میں نکلے کیونکہ صحابہ کرامؓ کھلی جگہ پر نماز عید ادا کی کرتے تھے۔ اُس دوران ایک شخص نے حضرت علیؓ کے پتھر کا لگام پکڑ کر کہا، امیر المؤمنین! مجھے بتائیں کہ حج اکبر کا دن کونسا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ وہ دن آج ہی کا دن ہے، لگام چھوڑ دو۔

یاد رہے کہ حج اکبر کے مقابلے میں حج اصغر کا لفظ بولا جاتا ہے اور حج اصغر عمرے کو کہتے ہیں۔ عمرہ سال بھر اسوائے ایام حج کسی وقت بھی ہو سکتا ہے مگر حج اکبر اس کے مخصوص ایام میں ہی کیا جاسکتا ہے اور یہ ایام ذی الحجہ کی آٹھویں تا تیرہویں تاریخ ہیں عوام الناس میں مشہور ہے کہ حج اکبر وہ ہوتا ہے جب ۹ ذی الحجہ یعنی عرفہ کا دن جمعہ کو آئے جیسا کہ ۱۸۳۱ء میں آیا تھا۔ جمعہ تو فیسے ہی مبارک دن ہے اور ذی الحجہ کی نویں تاریخ بھی اُسی دن آجائے تو یہ مندرجہ خوشی کی بات ہوگی کہ دو عیدیں اکٹھی ہو گئیں۔ تاہم حج اکبر سے مراد ہر حج ہے جب کہ عرفات میں وقوف کیا جاتا ہے بعض چیزیں غلط العام ہو جاتی ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ کہ جس نے حقیقہ نہ کیا ہو اس کی قربانی قبول نہیں ہوتی۔ یا جس نے پہلے ماں باپ کی طرف سے قربانی نہ کی ہو، اس کی قربانی نہیں ہوتی۔ اس قسم کے مسئلے خود ساختہ ہو گئے ہیں، ان میں حج اکبر کا غلط مفہوم بھی شامل ہے

فرمایا حج اکبر کے دن یہ اعلان عام ہے اَنَّ اللہَ بَرِّیٌّ حَرٌّ مِّنَ الْمَشْرِکِیْنَ بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو نپوالوں سے بیزار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مشرکین کی فکھ اور سوچ غلط ہے، اُن کا عقیدہ باطل ہے اور اُن کا پروردگار غلط ہے، اس لیے اللہ ورسولہ اور ان کا رسول اُن سے بیزار ہیں۔ چنانچہ کلمہ طیبہ میں یہی چیز پائی جاتی ہے تَبَرَّأتُ مِنَ الْکُفْرِ وَالشِّرْکِ میں کفر، شرک اور ہر باطل دین سے بیزار ہوں۔

مشرکین سے  
اظہار بیزاری

اَسْلَمْتُ وَاٰمَنْتُ میں فرمانبردار ہو گیا اور ایمان قبول کر لیا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکین سے بیزاری کا اعلان تھا۔

فرمایا اس اعلان کے بعد فَإِنْ تَبَيَّنَ لَكُمْ كُفْرٌ أَوْ شُرْكٌ سے توبہ کر لو، ہر اہل دین کو ٹھکرا دو فہو خَيْرٌ لَّكُمْ توبہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس سے اللہ بھی راضی ہوگا اور اس کا رسول بھی وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَوْ لَكُمْ عُقُوبَةٌ اگر تم نے روگردانی کی، کفر شرک سے باز نہ آئے تو قَاعِلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ توبہ یاد رکھو! تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، چنانچہ جب مشرکین یہ اعلان سنتے تھے تو کہتے تھے یہ جنگ کی دہمکی ہے، جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا بعض اس اعلان کا مذاق اڑاتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کر دیا کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے، تم اُسے عاجز نہیں کر سکتے۔ اگر اس اعلان کی خلاف ورزی کرو گے تو اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ وعید بھی سنائی وَكَفَى الَّذِينَ كَفَرُوا جَذَابِ الْيُسُفْرِ! آپ ان کافروں کو دردناک عذاب کی خبر بھی سنا دیں خوشخبری تو تحکم کے طور پر کہا گیا ہے۔ یہ دراصل اطلاع ہے کہ اگر یہ لوگ کفر شرک لے کر ہی اللہ کے دربار میں پہنچے تو پھر عذاب الیم کے بغیر ان کے حق میں کیا فیصلہ ہو سکتا ہے۔

فرمایا سارے کے سارے مشرک عہد شکن نہیں، بعض وفا کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ان لوگوں کو عذاب الیم کی خبر سے مستثنیٰ کر دیں کہ جن مشرکین کے ساتھ تم نے عہد کیا قَوْمٌ لَّمْ يَنْقُصُواكُمْ شَيْئًا

معاہدہ کے  
پابند مشرکین



پھر انہوں نے اس کی کچھ خلاف ورزی نہیں کی۔ تاریخ میں بنو ضمرہ وغیرہ کا ذکر ملتا ہے کہ معاہدہ کرنے کے بعد — انہوں نے خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ برخلاف اس کے مکہ والوں نے بد عہدی کی تو اس کا نتیجہ ان کے خلاف فتح مکہ کی صورت میں نکلا۔ تو فرمایا کہ جن لوگوں نے معاہدے میں کچھ کمی نہیں کی یعنی معاہدے کو نہیں توڑا وَأَكْمَرُ لِيُظَاهِرُوا وَعَلَيْكُمْ أَحَدًا اور انہوں نے تمہارے خلاف کسی دوسرے قبیلے کی مدد بھی نہیں کی۔ اس زمانے میں قبائل کے اس قسم کے معاہدات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ جیسے بنو بکر قریش کے حلیف تھے اور انہوں نے بنو بکر کی مدد بھی کی۔ اسی طرح بنو خزاعہ حضور علیہ السلام کے حلیف اور ایک دوسرے کی مدد کے پابند تھے بہر حال فرمایا کہ جن قبائل نے آپ کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو نبھایا ہے اور آپ کے خلاف کسی دوسرے کی مدد بھی نہیں کی فَأَتَمُّوْا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَى مَدَّتِهِمْ تو ایسے معاہدات کو ان کی میعاد مکمل ہونے تک پورا کرو۔ ایسے معاہدہ کے لیے جو بھی مدت مقرر کی گئی، چھ ماہ — یا سال دو سال، اس کو پورا کرو، وہ معاہدہ قائم سمجھا جائے گا۔ باقی لوگوں کو غور و فکر کے لیے چار ماہ کی مہلت دید کہ اس دوران میں وہ اپنا فیصلہ کر لیں کہ انہوں نے اسلام قبول کرنا ہے یا جلا وطنی۔ فرمایا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔ جو لوگ تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ عہد کی پاسداری کرتے ہیں، ان کے ساتھ کوئی تعرض نہ کریں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس سوئم ۳

آیت ۵ تا ۶

فَإِذَا انْصَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحَرَامُ فَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ  
 حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخَذُوهُمْ وَاحْصِرُوهُمْ  
 وَأَقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ  
 وَآتَوْا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ  
 رَحِيمٌ ⑤ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ  
 فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ  
 بِمَا مَآمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ⑥

ترجمہ :- جب گنہگار بائیں مینے حرمت کے ، پس قتل

کرو مشرکوں کو جہاں بھی تم اُن کو پاؤ اور پکڑو اُن کو ، اور گھیرو

اُن کو ، اور بیٹھو ان کے لیے ہر گھات میں ۔ پس اگر وہ توبہ کریں

اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں ، تو چھوڑ دو اُن کا راستہ

بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ⑤ اور

اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص پناہ مانگے آپ سے ، پس آپ

پناہ دیں اس کو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے ، پھر پہنچا دیں اس

کو اس کی امن کی جگہ تک ، اس لیے کہ بیشک یہ لوگ ایسے ہیں

جو علم نہیں رکھتے ⑥

ربط آیات

پہلے درس میں مشرکین سے بیزاری کا اعلان تھا ۔ پھر معاہدات کی خلاف ورزی کے لیے چار ماہ کی مدت فرمائی کہ اگر وہ اس عرصہ میں کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان قبول

فرزی

کہ لیں تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ ملک بدر ہو جائیں۔ چار ماہ کی مدت میں اگر نہ وہ ایمان لائیں اور نہ ملک چھوڑیں تو پھر ان کے خلاف جہاد ہوگا۔ البتہ جو لوگ معاہدے کی پابندی کر رہے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا کہ مقررہ مدت تک ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے اور انہیں سوچ و بچار کا موقع دیا جائے۔

حرمت  
والے مہینے

ارشاد ہوتا ہے فَإِذَا أَفْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَجَبِ حُرْمَتُهَا مِثْلَ سَائِرِ الشُّهُورِ۔ یہاں پر حرمت والے مہینوں سے مراد یہی چار ماہ ہیں جن کی کفار و مشرکین کو مدت دہی گئی کہ وہ اس دوران سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ نہ لیں۔ ان حرمت والے مہینوں سے وہ حرام مہینے نہیں ہیں جن کا ذکر آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے کہ جب سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ اس کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مِثْلَ أَرْبَعَةِ حُرُمٍ جن میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ قلت ابراہیمی میں ان چار مہینوں کے دوران لڑائی ممنوع ہے۔ ان مہینوں کی تشریح حضور علیہ السلام کے ارشادات مبارکہ میں موجود ہے۔ ان میں سے تین مہینے تو اکٹھے ہیں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ جب ہے۔ ان کا حکم آگے آ رہا ہے۔ تاہم اس مقام پر چار ماہ سے وہ مدت مراد ہے جو کسی کافر و مشرک کو سوچ بچار کے لیے دی گئی ہو۔ تاہم ان حرمت والے مہینوں کا حکم بھی یہی ہے کہ اہل ایمان خود لڑائی کی ابتداء نہ کریں اور اگر مشرکین چھیڑ خانی کریں تو پھر ان کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ چونکہ یہ اعلان ۱۰ھ میں دس ذی الحجہ کو کیا گیا، لہذا چار ماہ کی یہ مدت دس ربیع الثانی کو ختم ہو جائے گی اور پھر مسلمان کفار و مشرکین کے خلاف کارروائی کرنے کے مجاز ہوں گے۔

بعد از  
ملت

فرمایا جب یہ ملت ختم ہو جائے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ بِمِثْلِ مَا قَتَلْتُمُوهُمْ۔ کفار و مشرکین کو جہاں بھی انہیں پاؤ۔ مقررہ مدت گزرنے کے بعد ان سے جنگ کرنے کی اجازت ہے وَحَذُّوهُمْ

اور کھڑے اُن کو یعنی قیدی بنا لو، اس کی بھی اجازت ہے وَاحْصُوا وَّهُمْ  
 اور گھیرو ان کو۔ کفار کسی قلعے میں ہوں یا داری میں اُن کا ناطقہ بند کر دو، اگر  
 کسی شہر میں ہیں تو اس کا گھیر کر لو وَاحْصُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ  
 اُن کے لیے ہر گھات میں بیٹھو۔ وہ کسی رصد گاہ میں ہوں یا کھن گاہ یا  
 انتظار گاہ میں، اُن کی تاک میں بیٹھو اور جو ہنسی اپنے ٹھکانے سے نکلیں انہیں  
 دبوچ لو۔ مطلب یہ کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد انہیں ہر طرف  
 سے گھیر لو اور ہر صورت میں اُن کو کبھی نہ دانا تک پہنچاؤ۔

یاد رہے کہ اس آیت کریمہ میں جس لڑائی کی تلقین کی جا رہی ہے  
 اُس سے کوئی دنیاوی مفاد مقصود نہیں۔ نہ تو محض اقتدار کی خواہش ہے  
 اور نہ ہی ہوس ملک گیری۔ اس جنگ کا واحد مقصد اللہ کے دین کو غالب  
 بنانا ہے۔ اسلام میں جہاد کے متعلق سورۃ بقرہ، آل عمران، مائدہ، انفال اور  
 خود اس سورۃ میں بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اس سے مقصود اعلیٰ  
 کلمۃ الحق ہے، نہ کہ مال و دولت کا حصول یا محض انسانی قتل۔ جہاد کا مطلب  
 یہ ہے کہ زمین میں فتنہ و فساد کو ختم کیا جائے تاکہ شعائر دین کی تعمیل میں  
 کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے

فرمایا فَإِنْ تَوَلَّوْا اگر وہ توبہ نہ کریں، کفر و شرک سے باز آجائیں  
 دین کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں، اپنا حقیرہ اور عمل درست نہ کریں،  
 تمام باطل عقائد سے قطع تعلق کر کے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں  
 تو پھر سمجھا جائے گا کہ یہ بھی تمہاری جماعت کے آدمی ہیں۔ پھر ان کو بھی  
 وہ تمام حقوق حاصل ہو جائیں گے جو تمہیں حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں  
 عائد ہوں گی جو تم پر عائد ہیں۔ توبہ میں یہ تمام باتیں آجائیں گی۔

فرمایا توبہ کرنے کے بعد اگر یہ دوسرے باتوں کا اہتمام نہ کریں۔  
 پہلی بات یہ ہے۔ وَكَافَرُوا بِالصَّلَاةِ نماز کو قائم نہ کریں اور دوسری

توبہ کا  
 دروازہ

نماز اور  
 کفر

یہ وَاتَّقُوا الزَّكَاةَ اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں مسلمان اور غیر مسلم میں فرق کرنے والی یہ دو بڑی علامتیں ہیں۔ ایمان تو باطنی چیز ہے جو قلبی تصدیق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ کلمہ پڑھ لینے سے تو بظاہر معلوم نہیں ہوتا کہ خفیہ طور پر واقعی اسلام میں داخل ہو گیا ہے، جب تک ظاہری طور پر جماعت المسلمین کے ساتھ مل کر نماز ادا نہیں کرتا اور اگر اللہ نے صاحب نصاب بنایا ہے تو پھر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کفار کے ساتھ جنگ جاری رکھوں حتیٰ يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یہاں تک کہ وہ کلمہ توحید اپنی زبان سے ادا کریں۔ کلمہ پڑھنے کے بعد دو باتوں کو اولیت حاصل ہے اور وہ ہیں نماز اور زکوٰۃ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں بھی کر دیا گیا۔ جس طرح نماز اور روزہ انسان کا بدنی حق ہے۔ اسی طرح إِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ زکوٰۃ کسی انسان کے لیے مالی حق ہے۔ اور حج مرکب حق ہے کہ اس میں مال، جان اور زبان تینوں کو قربانے کا کار لایا جاتا ہے۔ بہر حال اس آیت میں صرف نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے، روزہ اور حج کا ذکر اس جگہ نہیں کیا گیا۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کے ذریعے تعلق باللہ درست ہوتا ہے۔ نماز کا اجر و ثواب آخرت میں تو اللہ تعالیٰ نے بے حد و بیشمار رکھا ہے، اسی کے ذریعے نجات حاصل ہوگی، بہشت بریں اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا۔ درجات کی بلندی نصیب ہوگی، مہم دنیا میں بھی نماز کے لاتعداد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ نماز کے ذریعے طہارت، پاکیزگی حاصل ہوتی ہے جو ملت ابراہیمی کا اہم ترین اصول ہے، نماز کے فوائد میں وقت کی پابندی، وقت کی قدر و قیمت، باہمی اخوت، محبت اور مساوات کا درس ملتا ہے۔ یہ نماز ہی کی صف بندی ہے جس میں امیر و غریب، آقا اور غلام، اعلیٰ اور ادنیٰ سب کندھے سے

نماز کے  
فوائد

کندھاڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس میں کالے اور گورے کی تمیز اٹھ جاتی ہے  
خاندانی برتری ختم ہو جاتی ہے اور تمام مسلمان ایک ہی سطح پر آ جاتے ہیں مسلمانوں  
میں محض رنگ و نسل کی بنا پر کوئی ذلیل و حقیر نہیں۔ ذلت و حقارت گناہ اور  
معصیت سے پیدا ہوتی ہے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں مَنْ يَعْصِ اللَّهَ  
فَهُوَ السَّعْلَى كَمِينٌ وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اللہ کے ہاں عزت  
و وقار کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ یہ سب سبق نماز کے ذریعے حاصل ہوتے  
ہیں۔ نماز کے ذریعے مسلمانوں کی اجتماعیت کا قیام بہت بڑی بات ہے  
اہل ایمان دن میں پانچ مرتبہ مسجد میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے سے واقف  
حال ہوتے ہیں۔ پھر جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں تو پورے گاؤں  
محلو یا شہر کے لوگ اکٹھے ہو کر اپنی اجتماعیت کا اظہار کرتے ہیں۔ آج بھی  
غیر مسلم اقوام مسلمانوں کو باجماعت نماز پڑھتا دیکھ کر اس اجتماعیت پر رشک  
کرتی ہیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ ہم اجتماعیت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاتے  
بلکہ اسے رواجی چیز سمجھ کر ادا کرتے رہتے ہیں۔ بہر حال نماز ایک ایسی عبادت  
ہے جس کے ذریعے تعلق باللہ قائم ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کے  
فوائد

اور زکوٰۃ ایسی عبادت ہے جس کے ذریعے بندوں کے ساتھ تعلق  
درست ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ  
کی ادائیگی سے دو بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو انسان کے اندر سے  
بخل کا مادہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ بیدار  
ہوتا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا بنیادی اصول یہ ہے۔ **لَتُؤْخَذُ مِنْ**  
**أَغْنِيَائِهِمْ وَ تُرَدُّ إِلَىٰ أَفْقَرِهِمْ** یعنی دولت امت کے  
امراء سے لیکر غرباء کی طرف لوٹائی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ مبارکہ  
میں آٹھ مرات کا ذکر کیا ہے۔ جہاں زکوٰۃ کا مال صرف ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ  
حق المال ہے، یہ ٹیکس نہیں کیونکہ ٹیکس تو جائز بھی ہوتے ہیں اور ناجائز بھی

لیکن زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو صاحب مال اہل ایمان پر فرض ہے۔ اور پھر اس کی ادائیگی کے لیے نیت کا ہونا بھی ضروری ہے جس طرح دیگر عبادات نماز، روزہ، حج وغیرہ نیت کے بغیر ادا نہیں ہوتیں، اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نیت کرنا ضروری ہے۔ بنکوں کی طرف سے کھاتہ داروں سے جبری زکوٰۃ کاٹ لینے میں یہی قباحت ہے کہ وہاں صاحب مال کی نیت کو دخل نہیں ہوتا۔ اگر زکوٰۃ کی رقم جبری ہی کاٹنا ضروری ہو تو پھر ہر کھاتے دار کو اطلاع دینی چاہیے کہ اس کے کھاتے میں اتنی رقم موجود ہے جس سے اس قدر رقم بطور زکوٰۃ واجب الادا ہے۔ اس طرح صاحب مال زکوٰۃ کی نیت کر کے بنک کو کٹوتی کی اجازت دے، زکوٰۃ آرڈمی فنس میں یہ خرابی ہے اور اس سقم کو دور کرنا چاہیے ورنہ معاملات درست نہیں ہوں گے۔

فرمایا اے لوگو! کفر و شرک کو ترک کر کے ایمان قبول کر لیں اور پھر اس کے ثبوت میں نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں فَخَلُّوا سَبِيلَكُمْ تو پھر ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یعنی اگر محاصرے میں ہیں تو محاصرہ اٹھا لو اگر جنگ کا ارادہ ہے تو اسے ترک کر دو اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرو۔ کیونکہ اگر انہوں نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے تو إِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ وہ ان کی سابقہ غلطیوں کو معاف فرمادے گا کیونکہ اب وہ صراطِ مستقیم کے مسافر بن چکے ہیں اور اصل مقصد حاصل ہو گیا ہے، لہذا اب لڑائی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حسن سلوک کی تلقین کی ہے۔ الَّذِينَ نے فرمایا ہے کہ چار ماہ کی مہلت کے بعد بھی وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے۔ فَاجِرْهُ

تو آپ اُسے پناہ دے دیں۔ اس کے خلاف کارروائی بند کر کے اُسے ایک موقع فراہم کریں تَحْتِیْ یَسْمَعُ کَلِمَہِ اللہ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مشرک اس شرط پر مہلت طلب کرتا ہے کہ اُسے اللہ کا کلام اور اس کے احکام سنائے جائیں اور سمجھائے جائیں تاکہ وہ غور و فکر کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکے تو فرمایا اُسے موقع دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے۔ اُسے قرآن سنائیں، اسلامی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ اُن کے فوائد بتلائیں اور اس کے بعد بھی جلد بازی نہ کریں بلکہ اُسے سوچنے سمجھنے کے لیے مزید موقع دیں۔ پھر اگر وہ اپنی امن کی جگہ یعنی اپنے علاقے میں جانا چاہتا ہے ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَا اَمَنَہُ تو اُسے جلد امن تک خود پہنچا دیں۔ اس کے ساتھ ہمدردی اور مہربانی کا سلوک کریں تاکہ وہ ایمان کی حقانیت سے متاثر ہو کہ خود بخود ایمان لے آئے۔ تاہم یہ ان مشرکوں کے لیے ہے جو دین کو سننا اور سمجھنا چاہتے ہوں۔

فرمایا ذَلٰلَکَ یہ مہلت اس لیے دی گئی ہے بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا یَعْلَمُوْنَ یہ جاہل لوگ ہیں۔ سوچنے سمجھنے سے عاری ہیں۔ ان کو اتنا موقع دینا چاہیے کہ یہ خوب غور و فکر کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں جب ان کو پورا پورا موقع دے دیا جائے۔ تو پھر دین کو قبول کرنا ان پر موقوف ہے۔ موقع فراہم کرنے سے پہلے اور مناسب مہلت دینے بغیر ایسے کفار و مشرکین کے خلاف کارروائی کرنا درست نہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ وہ مناسب موقع ملنے پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور دین کو قبول کر لیں۔ لہذا ان کو یہ رعایت ملنی چاہیے۔ فرمایا جو عنادی اور ضدی لوگ اس رعایت کے بعد بھی ایمان قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور نہ مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کریں۔



بلکہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کریں تو ایسے لوگوں کے خلاف طاقت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے لیے دو ہی راستے ہیں کہ یا تو ملک بدر ہو جائیں یا انہیں قتل کر دیا جائے۔

---

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ  
رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَهِدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا  
اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ  
يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ⑤ كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ  
لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً ۖ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ  
وَتَأْبَىٰ وُجُوهُهُمْ ۚ وَكَثُرُ الْمُنَافِقُونَ ⑥ اِشْتَرَوْا  
بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ  
سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑦ لَا يَرْقُبُونَ فِي  
مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ⑧  
فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ  
فِي الدِّينِ ۚ وَنُفِصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ⑨

ترجمہ :- کس طرح ہو سکتا ہے مشرکوں کے لیے عہد اللہ کے

نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک ، مگر وہ لوگ جن سے

تم نے معاہدہ کیا ہے مسجد حرام کے پاس ۔ پس جب تک وہ

سیدھے رہیں تمہارے لیے تو تم بھی سیدھے رہو اُن کے لیے

بیشک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ⑤

کس طرح (ان کے خلاف لڑائی نہیں ہو گی) حالانکہ اگر یہ غالب

آجائیں تو نہیں لحاظ کرتے تمہارے اندر قربت کا اور نہ عہدِ پیمان کا۔ یہ تمہیں راضی کرتے ہیں اپنے مومنوں کی بات سے اور ان کے دل انکار کرتے ہیں اور اکثر ان میں نافرمان ہیں (۸) خریدی ہے انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے حقوڑی قیمت۔ پس روکا ہے انہوں نے اُس کے راستے سے۔ بیشک بُری ہے وہ بات جو یہ لوگ کرتے ہیں (۹) نہیں لحاظ کرتے کسی مومن میں قربت کا اور نہ عہدِ پیمان کا، اور یہی لوگ ہیں تعدی کمنے والے (۱۰) پس اگر یہ توبہ کر جائیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو یہ تمہارے بھائی ہیں دین میں، اور ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں (۱۱)

اس سورۃ کی ابتدا میں پہلے کفار و مشرکین سے برادرت کا اعلان ہوا، پھر ربطِ آیات انہیں سوچ و سچا کر کے کیلئے چار ماہ کی مہلت دی جانے کا ذکر ہوا کہ یہ مدت گزرنے کے بعد حالتِ جنگ قائم ہو جائیگی بشرطیکہ کفار و مشرکین نے ایمان نہ قبول کر لیا ہو یا وہ ملک سے چلے نہ گئے ہوں۔ پھر یہ بیان ہوا کہ اس مہلت کے باوجود اگر کوئی غیر مسلم دینِ اسلام کے متعلق آگاہی حاصل کرنا چاہے، قرآنی پروگرام کو سننے پر آمادہ ہو اور وہ اہل ایمان سے اس مقصد کے لیے پناہ طلب کرے تو اُسے پناہ دے دی جائے بلکہ اسلام کی حقت کرنے کے بعد اُسے مزید مہلت دی جائے اور اُسے اُس کی جائے امن تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو کہ کوئی فیصلہ کر سکے، فرمایا، یہ بے علم لوگ ہیں، انہیں اس قدر رعایت دینی چاہیئے اور اگر اس کے بعد بھی وہ دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے تو ان کا شمار معاند کافروں میں ہوگا اور اُن کے ساتھ جنگ سے متعلق وہی سلوک کیا جائے گا جو اس قسم کے کافروں سے کیا جاتا ہے۔ اب آج کے درس میں جنگ کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ کفار و مشرکین کے خلاف جنگ کیوں ضروری ہے۔

ارشاد ہوتا ہے كَيْفَ يَكُونُ الْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَ  
عِنْدَ رَسُولِهِ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین سے  
 عہد و پیمان کیسے ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو لوگ عہد و پیمان پر قائم نہیں ہوتے  
 اور اُسے بار بار توڑتے ہیں، اللہ اور رسول کے ہاں انکے عہد کی کوئی وقعت  
 نہیں۔ ان کے معاہدے کا کچھ اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ مشرکین نے حدیبیہ  
 کے مقام پر حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک معاہدہ کیا مگر ڈیڑھ سال کے  
 عرصہ میں ہی اسے توڑ دیا۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے کفار اور اہل کتاب  
 نے بھی معاہدات کی خلاف ورزی کی، اسی لیے فرمایا کہ اللہ اور اس کے  
 رسول کے نزدیک عہد شکن لوگوں کے معاہدات کی کوئی حیثیت نہیں۔  
فَمَا بَالُ الْاٰلِ الذِّنِّ عٰهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
الْبَيْتِ وہ لوگ جنہوں نے مسجد حرام کے پاس تم سے معاہدہ کیا۔ فَنَحَا  
اَسْتَقَامُوا لَكُمْ پس جب تک وہ اس معاملہ میں تمہارے ساتھ  
 سیدھے رہیں فَاَسْتَقِيمُوا لَهُمْ تو تم بھی ان کے لیے سیدھا  
 رہو۔ معاہدہ حدیبیہ میں ایک شق یہ بھی تھی کہ جو قبائل چاہیں مشرکین مکہ  
 کے ساتھ شریک رہیں اور جو چاہیں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔  
 اس معاہدہ کی رو سے بعض قبائل نے اپنے عہد کو پورا نہ کیا جبکہ بعض قبائل  
 بنو کنانہ، بنو ضمرہ اور خزاعہ وغیرہ حضور علیہ السلام کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان  
 پر قائم رہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ عہد پر قائم رہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ  
 ویسا ہی سلوک کرو اور معاہدے کی پاسداری کرو۔ ایسے لوگوں سے کس قسم  
 کا تعرض نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي الْمُتَّقِينَ بیشک اللہ تعالیٰ احتیاط  
 کرنے والوں کو لپکا کرتا ہے۔ تقویٰ کا معنی اپنا اور احتیاط کرنا ہوتا ہے۔  
 اور یہاں مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو توڑنے سے جو شخص احتیاط کرتا  
 ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے۔ اور جو لوگ عہد کی پابندی نہیں کرتے

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ایسے معاہدات ناقابل اعتبار ہیں لہذا ایسے  
عہد شکن لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کیوں نہ کیا جائے؟

مخالفین  
کی منافقت

جنگ کرنے کی ایک وجہ تو یہ بیان فرمائی کہ لوگ معاہدات کو پورا نہیں  
کرتے اور دوسری وجہ یہ کہ وَإِنْ يَنْظُرُوا عَلَيْكُمْ فَاعْبُدُوهُمْ کہ اگر یہ لوگ  
تم پر غالب آجائیں لَا يَرْجُوا فِيكُمْ إِلَّا ظَلَمًا یہ نہیں  
لحاظ کرتے تم میں قربت کا اور نہ عہد و پیمان کا۔ اللہ نے معاذین کی یہ  
قیح خصلت بیان فرمائی ہے کہ اگر وہ کسی وقت مسلمانوں پر غالب آجاتے  
ہیں تو پھر وہ من مانی اذیت پہنچانے میں رشتہ داری کا خیال بھی نہیں کرتے  
جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ اُسی معاشرے کے افراد تھے۔ اُن  
کے مخالفین ان کے رشتہ داری تھے، کسی کا باپ کسی کا بیٹا، کسی کا  
چچا اور کسی کا بھائی، کسی کا ماموں اور کسی کا بھتیجا، مگر جب کوئی مسلمان ان  
کی نگرانی یا حفاظت میں چلا جاتا تھا تو پھر وہ اپنی قربت داری کی پروا کیے  
بغیر اس پر ظلم و ستم کرتے تھے۔ اسی لیے سورۃ شوریٰ میں فرمایا  
گیا ہے۔ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي  
الْقُرْبَىٰ اے پیغمبر! آپ ان سے کہ دیں میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ  
نہ تو طلب نہیں کرتا۔ سوائے اس کے کہ میں تمہارا قربت دار ہوں اور اسی  
کی محبت چاہتا ہوں لوگ رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں مگر تم اتنا بھی  
نہیں کرتے، اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ نہ قربت داری کا پاس کرتے  
ہیں اور نہ عہد و پیمان کے ساتھ وفا کرتے ہیں۔ يُرْضَوْنَكَ حُرًّا  
بِأَفْوَاهِهِمْ وقت گزاری کے لیے تمہیں زبانی کلامی راضی کرنے  
کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یا کسی کو تمہارے خلاف  
مدد نہیں دیں گے۔ ان کی زبان پر تو اس قسم چالپوسی ہوتی ہے۔  
وَتَأْتِي قُلُوبُهُمْ مگر ان کے دل انکاری ہوتے ہیں۔ ان کے

دل کفر اور شرک سے بھرے ہوئے اور اسلام کے خلاف نفرت سے  
پُر ہوئے ہیں۔ فرمایا ان کی حالت یہ ہے وَ أَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ  
ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ یہاں پر فسق کا خصوصی معنی بد عہدی ہے اور مطلب یہ ہے  
کہ ان کے قول و فعل کا تضاد ان کی بد عہدی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ یہ لوگ ہر  
موقع پر انسانیت سوز اور اخلاق کے خلاف کاروائی کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں  
کے خلاف کیوں نہ جہاد کیا جائے؟

فرمایا ایسے لوگوں کی ایک خصالت یہ بھی ہے إِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ  
ثَمَنًا قَلِيلًا کہ انہوں نے اللہ کی آیات کے بدلے میں دنیا کا معمولی مفاد  
حاصل کیا ہے۔ کہیں مالی مفاد مطلوب ہے اور کہیں جاہ، اقتدار اور چرچہ و سرا  
کی خواہش ہے۔ اگر اس حقیر دنیاوی مفاد کی بجائے آخرت کی فکر کرتے تو  
کامیاب ہو جاتے مگر انہوں نے حقیر چیز کو پسند کیا ہے۔ اور اس طرح  
اللہ کے راستے سے خود بھی بھٹک گئے ہیں فَصَلُّوْا عَنْ سَيِّئِ  
دُورِمْ کہ بھی اس راستے سے ہٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں دونوں  
قسم کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ دنیا کے مفاد کی خاطر خود بھی کفر و شرک میں  
بتلا ہیں، اللہ کی آیتوں کے بدلے دنیا کا حقیر مال حاصل کرتے ہیں اور جو شخص  
ایمان کی طرف مائل ہوتا ہے اُس کے راستے کا بھی پتھر بن جاتے ہیں۔  
فرمایا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ بہت ہی بُری بات  
ہے یہ لوگ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف کیوں نہ اعلان جنگ  
کیا جائے؟

پھر فرمایا ان کی حالت یہ ہے لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وِلَا  
ذِمَّةً کسی مومن کے معاملہ میں ذرا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ نہ قرابت داری  
کا اور نہ عہد کا۔ جب بھی موقع ملتا ہے، رشتہ داری کو پس پشت ڈال دیتے  
ہیں اور اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان کے خلاف کرتے ہیں۔ عربوں میں

دنیاوی  
مفاد  
پرستی

عزیز و اقارب، خاندان اور قبیلہ کا بڑا لحاظ ہوتا ہے مگر جب ان لوگوں کے پاس اہل ایمان کا معاملہ ہوتا تھا۔ تو پھر ہر قسم کے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر مخالفت پڑا کرتے تھے۔ فرمایا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُصَّدِّقُونَ یہی تصدی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ان کے خلاف جنگ کیوں نہ لڑی جائے؟

دینی بھائی

فرمایا فَإِنْ تَابُوا اگر یہ لوگ توبہ کر جائیں کیونکہ جنگ کا مقصد کسی کو نیت و نابود کرنا یا مال چھیننا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ لوگ کفر و شرک سے باز آجائیں باطل عقائد کو ترک کر کے توحید و رسالت کا کلمہ پڑھ لیں اور اس کے ساتھ ساتھ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ نماز کو قائم کریں وَأَتُوا الزَّكَاةَ اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

ان کے گذشتہ قصہ و معاف کر دیے جائیں اور اب ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے کیونکہ اب یہ تمہارے دینی بھائی بن چکے ہیں۔ یہ آیت پہلے بھی گزری تھی ہے۔ وہاں تھا۔ اگر یہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں۔ اور زکوٰۃ دینے لگیں فَخَلَّوْا سَبِيلَهُمْ تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ اب ان کی گرفت نہ کرو۔ اور اس آیت میں ہے فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ کہ یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ جب کوئی شخص تمہارا دینی بھائی بن جاتا ہے تو پھر اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو تمہیں حاصل ہیں اور اس پر بھی وہ تمام ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو تم پر عائد ہوتی ہیں۔ گویا توحید و رسالت پر ایمان لانے کے بعد نماز اور زکوٰۃ کے ذریعے اخوت دینیہ ثابت ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھنے کے باوجود نماز کا پابند نہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے سے گریز کرتا ہے اس کے ساتھ اخوت دینیہ قائم نہیں ہو سکتی۔ آج کل کے دینی بھائی محض زبانی کلامی ہیں۔ مگر نہ ان میں اخوت کی لازمی علامات مغتود ہیں۔ لہذا ایسے لوگ دینی بھائی کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ فرمایا وَلَفْصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُعْلَمُونَ

ہم اپنے احکام و شرائع ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں جو صاحب علم ہیں، ہماری نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے بعد صحیح راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو شخص غور و فکر کی صلاحیت سے محروم ہے۔ وہ ہماری آیات سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔

ظاہری  
حالت  
پر فیصلہ

شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص نے ظاہری طور پر کلمہ زبان سے ادا کر لیا ہے اور نماز و زکوٰۃ کی ظاہری نشانیوں پر بھی عمل پیرا ہے تو اس کے ایمان کا اور اپنی جماعت کا فرد ہونے پر یقین کیا جائیگا، باقی رہا اُس کے باطنی معاملہ تو حدیث شریف میں آتا ہے **وَأَمْرُهُمْ خُصْرُ الْحِلَالِ** ان کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے وہ بہر حال دینی بجائی سمجھے جائیں گے اور ان کی دو ظاہری علامات ہی کفر و ایمان کے درمیان فارقہ سمجھی جائیں گی اور جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا وہ جماعت المسلمین کا ممبر نہیں سمجھا جائے گا۔ گویا ان دو عبادات کا ترک کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جو شخص توبہ کر کے اسلامی برادری میں شامل ہو جاتا ہے، اُس سے تعرض کرنے اور اس کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کلمہ توحید و رسالت پڑھنے کے باوجود نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ ادا نہ کرے، مسلمانوں کو اس کا راستہ روکنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ امام احمد، شافعیؒ اور مالکؒ کے نزدیک اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ وہ تارک صلوٰۃ کو قتل کر دے تا وقتیکہ وہ توبہ نہ کرے۔ امام احمدؒ کے نزدیک قتل کا حکم اس کے ارتداد کی وجہ سے ہے۔ جو شخص کلمہ تو پڑھتا ہے مگر نماز ادا نہیں کرتا اسے توبہ کرنے کے لیے کہا جائیگا اور اگر وہ توبہ بھی نہیں کرتا تو مرتد ہے جس کی سزا قتل ہے۔ البتہ امام شافعیؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ تارک نماز

تارک نماز  
کے لیے  
وعید



کے لیے موت کی سزا حداً وقتہ ذیل یعنی حد اور تعزیم کی رو سے ہے۔  
 جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تارکِ صلوٰۃ کی سزا یہ ہے کہ اُسے خوب  
 زد و کوب کیا جائے اور قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ یا تو توبہ کر کے  
 چھٹکارا حاصل کر لے اور یا پھر قید ہی کی حالت میں مر جائے۔ بہر حال یہ تعزیم  
 کوئی فرد یا جماعت نہیں دے سکتی بلکہ ایسی سزا دنیا حکومتِ دقت کا کام ہے  
 فقہ کی چھوٹی سے چھوٹی ابتدائی کتاب میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے کہ تارکِ صلوٰۃ  
 کے بارے میں اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ ایسے شخص کو اتنی مار ماری  
 جائے کہ وہ زخمی ہو جائے، پھر اُسے جیل میں ڈال دیا جائے اور جب  
 تک وہ توبہ نہ کرے، وہاں سے نہ نکالا جائے۔

نافعین زکوٰۃ کے متعلق بھی ایسا ہی حکم ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے  
 اپنے زمانے میں ان کے خلاف باقاعدہ جہاد کیا تھا۔ وہ لوگ کہتے تھے  
 کہ ہم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں  
 مگر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جو شخص نماز  
 اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا، میں اس کے خلاف جہاد کروں گا،  
 کیونکہ دونوں یکساں عبادت ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ نماز بدنی عبادت  
 ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت مگر ان کا منکر باطنی ہے۔

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ  
 وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أِيْمَةَ الْكُفْرِ  
 إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ⑫  
 أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا  
 بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَعُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ  
 أَتُخْشَوْنَهُمْ ۚ قَالَ لَهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ  
 مُؤْمِنِينَ ⑬ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ  
 وَيُخْزِيهِمْ وَيَنْصَرِّكُمُ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ  
 قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ⑭ وَيَذْهَبُ غِيظَ قُلُوبِهِمْ  
 وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑮

ترجمہ :- اور اگر توڑ دیں یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے عہد  
 کرنے کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین میں، پس لڑو تم  
 کفر کے سرداروں کے ساتھ، بیشک نہیں اُن کی قسمیں، تاکہ یہ  
 باز آجائیں ⑫ (اے اہل ایمان!) کیوں نہیں تم لڑتے اُن لوگوں  
 کے ساتھ جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور جنہوں نے قصد کیا  
 ہے اللہ کے رسول کو نکالنے کا اور انہوں نے ابتداء کی ہے  
 تمہارے ساتھ پہلی مرتبہ کیا تم اُن سے ڈرتے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ



کے مقام پر ایک پختہ عہد کیا تھا مگر اس کو توڑ دیا جس کی وجہ سے انہیں  
 ذلت اٹھانی پڑی اور وہ مغلوب ہو گئے۔ مدینے کے قابل بنو قینقاع،  
 بنو قریظہ اور بنو نضیر نے بھی اہل ایمان کے ساتھ معاہدات کیے تھے مگر  
 انہیں توڑ کر سخت سزا کے مستحق ٹھہرے۔ تو اللہ نے فرمایا اگر پختہ عہد کرنے  
 کے بعد اُسے توڑ دیں وَطَعْنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ اور تمہارے دین میں  
 طعن کریں یعنی اسلام پر نکتہ چینی کریں۔ اس پر اعتراض کریں جیسا کہ اکثر  
 مشرکین اور اہل کتاب کرتے تھے۔ فرمایا، ایسی صورت میں فَقَاتِلُوْا  
 اَیْمَةَ الْکُفْرِ کفار کے لیڈروں، پیشواؤں اور ان کے سرداروں  
 کے ساتھ جنگ کرو کیونکہ اِنَّھُمْ لَا اَیْمَانَ لَّھُمْ بَیْشَکْ اُنْ  
 کی قسموں اور عہد و پیمان کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ بڑے غلط قسم کے لوگ ہیں۔ ان  
 کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ ورنہ یہ اپنی فبیح حرکات سے باز نہیں آئیں  
 گے، تو فرمایا ان ناقضین عہد اور دین میں طعن ساز لوگوں کے بڑے بڑے  
 چودھریوں کے ساتھ جنگ کرو لَعَلَّھُمْ یَنْتَھُوْنَ تاکہ یہ باز آجائیں  
 ان کے خلاف کارروائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ فتنہ مکمل طور پر ختم کیا جائے۔  
 مشرکین مکہ کی اسلام کے خلاف فتنہ پردازی شروع سے لے کر آج تک  
 جاری ہے۔ عیسائی، یہودی اور ہندو دین اسلام پر نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے  
 نہیں جانے دیتے۔ خاص طور پر یہودیوں کی سازشوں کے متعلق تو تاریخ بھری  
 پڑی ہے۔ عیسائیوں نے اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن پاک کے خلاف ہتھیار  
 لڑ کر پیر شائع کیا ہے۔ دین پر طعن کرنے کے لیے ہزاروں اور لاکھوں کتابیں  
 اور رسالے طبع کیے ہیں۔ ہنود کا حال بھی یہی ہے۔ پشاور کے یکے کے نام نے  
 پیغمبر اور قرآن پر اعتراضات میں کئی کتابیں لکھیں، دیا نند سرسوتی نہایت  
 متعصب ہندو تھا، اُس نے اپنی کتاب کے چودھویں باب میں قرآن پاک  
 پر اعتراضات کیے تھے مختلف سورتوں کی مختلف آیات پر الے

اسلام  
 سبکدلائی  
 محاذِ آزادی

یہود، اعتراضات کیسے تھے جن سے معترض کی خباثت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ عیسائیوں کے بڑے بڑے پادریوں نے بھی دین اسلام کے خلاف کافی زہر افشانی کی ہے جن کی حیثیت محض اعتراض برائے اعتراض سے زیادہ کچھ نہیں۔

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ کو بہت سی رعایات دی تھیں مگر ان لوگوں نے ان احسانات کی کوئی قدر نہ کی بلکہ ہمیشہ تعصب کا ثبوت دیا۔ جب بھی موقع ملا انہوں نے اسلام کے خلاف زہری اگلا۔ کبھی وحی الہی پر اعتراض کرتے، کبھی جہاد کو اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے اور کبھی پیغمبر اسلام کی تعداد ازواج کو تختہ مشق بناتے حالانکہ دین میں طعن کرنا بہت بری بات ہے۔ اگر کسی بات کی سمجھ نہیں آئی تو اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسلام کے تمام اصول فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو اہل ایمان سے وضاحت طلب کرو، ان کی عقلوں میں خرابی تو ہو سکتی ہے مگر اللہ کے نازل کردہ احکام غلط نہیں ہو سکتے۔ فرمایا یہ لوگ جان بوجھ کر دین کو مفلون کرتے ہیں لہذا جب تک ان کے بڑے بڑے پیشواؤں کے خلاف جہاد نہیں ہو گا یہ لوگ بُری حرکت سے باز نہیں آئیں گے۔

امیر شکیب ارسلان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب تک اسلام دشمن طاقتوں کی کمان کے ساتھ کمان، رائفل کے ساتھ رائفل اور بم کے ساتھ بم نہیں ٹکرائے گا، یہ لوگ باز نہیں آئیں گے۔  
اقتنع کل بدیاری و امتنع جاد عن هضم جادہ

اگر ان لوگوں کے خلاف مناسب کارروائی ہو گئی تو یہ اپنی سرحد پہ ہی رُک جائیں گے پھر کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ سورۃ آل عمران میں بھی گمز چکا ہے "وَلْتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

مَنْ قَبْلَكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا اَذَى كَثِيرًا اے ایمان والو! تمہیں اہل کتاب اور مشرکوں کی طرف سے بڑی تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی۔ اس کا علاج یہ ہے کہ صبر اور تقویٰ سے کام لینا اور ان جیسی باتیں زبان سے نہ نکالنا۔ البتہ ایسے ظالموں کے خلاف جہاد کرنا لازمی ہے، اس کے بغیر یہ اپنی غلط حرکات سے باز نہیں آئیں گے۔

جہاد کی  
وجوہات

اگلی آیت میں اللہ نے جہاد کی وجوہات بیان فرمائی ہیں کہ جہاد کیوں نہ کیا جائے۔ چنانچہ اہل ایمان کو خطاب ہے اَلَا تَقَاتِلُوْنَ قَوْمًا كَفَرُواْ بِمَا كُفَرُوْا اَيُّ مَا نَهَوْاْ فَعَمَوْاْ تم ان لوگوں کے خلاف کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں یعنی عہد و پیمان کو توڑا ہے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا لڑائی کا مستقل سبب ہے۔ تو مشرکین کے ساتھ جہاد کی پہلی وجہ بد عہدی بیان فرمائی۔ اور دوسری وجہ یہ بیان کی وَهَمُّوْاْ بِاَخْرَاجِ الرَّسُوْلِ اَنهٗوْنَ نے بنی کو اس کے وطن سے نکلانے کا قصد کیا۔ اور یہی چیز حضور علیہ السلام کے ہجرت مدینہ کا سبب بنی۔ کفار نے منصوبہ بنایا کہ حضور علیہ السلام کو قید کر دیا جائے یا ملک بدر کر دیا جائے یا پتھر قتل کر دیا جائے۔ اور بالآخر ارادہ قتل پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے نبی کو مکہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ ان لوگوں نے حضور علیہ السلام کو مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا، حالانکہ آپ مکہ چھوڑنے پر از خود راضی نہیں تھے بلکہ آپ کو بادل خواستہ بیت اللہ شریف اور بیت المقدس شریف کو چھوڑنا پڑا۔ یہ وہی مرکز ہدایت ہے جس کے متعلق سورۃ آل عمران میں موجود ہے مُبْرِكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ یہ بابرکت شہر بھی ہے اور دنیا جبر کے لیے منبع رشد و ہدایت بھی۔ بہر حال فرمایا کہ انہوں نے بنی کی خواہش کے خلاف اُسے مکہ مکرمہ سے نکالا۔ اور تیسری وجہ یہ تھی وَهَمُّوْاْ بِدُخُوْلِ

اَوَّلَ مَسَّةٍ اور جنگ کی ابتدا بھی انہوں نے کی ہے۔ مسلمان تو لڑائی کے ارادے سے نہیں نکلے تھے بلکہ خود کفار اسلحہ سے لیس لشکر لے کر میدان بدر میں پہنچے اور پھر مسلمانوں کو بھی چار و ناچار اُن کا مقابلہ کرنا پڑا، ورنہ مسلمانوں کے پاس نہ سامان جنگ تھا اور نہ ہی وافر افرادی قوت۔ تو گویا جنگ میں پہل کفار کی طرف سے ہوئی۔

یہاں پر جنگ کی تین وجوہات عرض فرمائی، اخراج رسول اور جنگ میں پہل بیان کی گئی ہیں اور لڑائی لڑنے کے لیے تو ان میں سے کوئی ایک وجہ بھی کافی تھی، یہاں تین جمع ہو گئیں، تو فرمایا ان کے خلاف کیوں نہ فیصلہ کن جنگ کی جائے۔ اے اہل ایمان! تم ان کی سرکوبی کے لیے کیوں گئے نہیں بڑھتے؟ فرمایا اَتَحْسَبُوهُمْ كَافِرِينَ ان کا فکروں سے خوف کھاتے ہو؟ قَالَ لَا اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُمْ حَالًا لَنْمُكِّنَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی كِی ذَات كَا زِيَادَه حَق ہے كِه اُس سے ڈرا جائے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ اگر تم ایمان لائے ہو۔ تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں وہی قادر مطلق ہے، لہذا خوف بھی اُسی کا ہونا چاہیے۔ کفار و مشرکین سے نہیں ڈرنا چاہیے۔

شکرین کی  
سزا

فرمایا فَاتَّقُوهُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ سے لَعَذَابُ اللَّهِ بِأَيْدِيكُمْ انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے سزا دے گا۔ بدر کے میدان میں کافروں نے ابتداء کی تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ہاتھوں اُن کو شکست فاش دی۔ اُن کے ستر سر کردہ کافر مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنے۔ سابقہ امتوں میں سزا کے بعض دوسرے طریقے بھی تھے مثلاً طوفان زلزلہ آتیز آندھی، صیح وغیرہ مگر اس آخری امرت میں اللہ نے ایمان والوں کے ہاتھوں مکہ بن کو سزا دی۔ فرمایا ایک تو انہیں تمہارے ہاتھوں سے سزا ملے گی اور دوسری کہ وَجُزَّهِمُ اللّٰهُ تَعَالٰی انہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ اور تیسری بات یہ کہ قَيِّضُكُمْ عَلَيْهِمُ اُن کے خلاف

تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ میدان بدر میں اللہ نے واضح طور پر مسلمانوں کی مدد فرمائی ہے۔ دو کے مقابلہ پر آتا ہے ”وَ اَنْتُمْ اِلَّا عُلُوْنَ اَرَاۤءَ كُنْتُمْ مُّؤْمِنٰیۤنَ“ اگر تم بچے بچے مومن ہو تو کفار پر تم ہی غالب آؤ گے۔ اللہ کی مدد تمہارے شامل حال ہوگی۔

قادیسیہ کی جنگ کے دوران ایک موقع ایسا آیا جب مسلمانوں میں کمزوری کے آثار پیدا ہو گئے اور شتمہ اسلامی کو شکست کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ پہلا حضرت سعدؓ نے مجاہدین کو جمع کر کے تاریخی خطاب کیا جو تاریخ کے اوراق میں آج بھی محفوظ ہے۔ آپ نے فرمایا، اے اہل ایمان! ہمیں فلاں مورچے پر شکست کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً تم میں کوئی خامی پیدا ہو گئی ہے۔ تمہاری نیت میں فرق آگیا ہے یا کہیں بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے، ہو سکتا ہے کہ تم میں کہیں خود غرضی آگئی ہو، میں نہایت نصیحت کرتا ہوں کہ ایسی تمام خامیوں کو دور کر کے جذبہ جہاد کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ مجاہدین سنبھل گئے۔ ان میں نیا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ مسلسل تین دن رات سنگ جباری رہی اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فتح عطا کی۔ کفار و شرکین کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دینے کے کتنے ہی واقعات تاریخ میں کھنڈرے پڑے ہیں۔

دلوں  
کی شفا

فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے دشمن کو سزا دے گا، ان کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور انہیں رسوا کرے گا۔ فرمایا اللہ کا چوتھا انعام یہ ہو گا وَيَكْشِفُ سُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيۡنَ اہل ایمان کے دلوں کو شفا بخشنے گا۔ جن مسلمانوں نے شرکین کے ہاتھوں زبردست تکالیف برداشت کی ہیں اور ان کے دل دکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو کھنڈا کرے گا، انہیں تمام سابقہ تکالیف بھول جائیں گی وَيَذْهَبَ غِيظَ قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں کے غصے کی جلن کو دور فرما دے گا۔



مطمئن ہو جائیں گے۔ اور اُدھر مشرکین اور کفار کے متعلق یہ ہے وَتُؤْتِي  
اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ جس کی چاہے ہے  
 کا توبہ قبول کر لے گا۔ جس میں صلاحیت اور استعداد ہوگی اُسے اسلام کی  
 آغوش میں لے دیگا۔ چنانچہ بالآخر ابوسفیانؑ اور عکرمہؓ جیسے مخالفین کی توبہ  
 قبول ہوئی۔ عمر و ابن العاصؓ جیسے آدمی جو حضور علیہ السلام کو ختم کرنے  
 کے منصوبے بنایا کرتے تھے، خود رحمت کے سایہ میں پہنچ گئے۔ تو  
فرمایا کہ جس کی چاہا اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ  
اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ہر ایک کی نیت، ارادے،  
عزم، محنت اور کاوش کو جانتا ہے، وہ علیم کل ہے۔ اور حکمت والا بھی ہے  
 اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ضرور کوئی نہ کوئی مصلحت  
 ہوتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہماری ناقص عقلیں اس حکمت تک رسائی  
 حاصل نہ کر سکیں مگر اللہ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

التوبة ۹

واعلموا ۱۰

آیت ۱۶

درس ششم ۶

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ  
 جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَكُمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا  
 رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ  
 بِمَا تَعْمَلُونَ ①۶

۲۸

ترجمہ :- کیا تم گمان کرتے ہو (اے اہل ایمان) کہ تم کو  
 چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ ابھی اللہ نے نہیں ظاہر کیا اُن لوگوں کو  
 جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور جنہوں نے نہیں بنایا اللہ، اس  
 کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی کو دلی دوست۔ اور اللہ تعالیٰ  
 خبر رکھتا ہے اس چیز کی جو تم کرتے ہو ①۶

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اُن اسباب کا ذکر ہو چکا ہے جن کی وجہ سے کفار و مشرکین کے  
 ساتھ جہاد کرنا ضروری ہے۔ وہاں پر تین اسباب بیان فرمائے ہیں۔ یعنی اُن کی عداوت  
 اخراج رسول اور جنگ میں ابتلا۔ بعض وجوہات کا ذکر اُس سے کچھلی آیات میں بھی ہو چکا  
 ہے۔ مثلاً یہ کہ اگر وہ اہل ایمان پر غالب آجائیں تو پھر نہ قربتاری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ  
 عہد و پیمان کی پاسداری، بلکہ وہ ایمان والوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ نے  
 اُن کی ایک خصلت یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ دین پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ دین کے اصولوں پر  
 فضول اعتراضات کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کے رسول اور دین کی باتوں پر طعن  
 اور عیب جوڑتی کرتے ہیں تاکہ لوگ دین اسلام سے متنفر ہو جائیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اِن پیشواؤں  
 کے خلاف جنگ لڑو۔ ورنہ یہ اپنی قبیح حرکات سے باز نہیں آئیں گے، پھر فرمایا کہ ایمان  
 والو تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جو عہد و پیمان کو توڑتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ

کے رسول کو اس کے وطن سے نکالا اور جنہوں نے جنگ میں پہل کی اور شرک کو پھیلانے کی کوشش کی۔

آزمائش  
بدریچہ جہاد

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا ایک اور سبب بیان فرمایا ہے۔ یہ ایمان والوں سے خطاب ہے اور اس میں ان کی آزمائش کا ذکر کیا گیا ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوا كَمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا، نہیں بلکہ تمہارے ایمان کی آزمائش ہوگی سورۃ العنکبوت میں اس موضوع کو یوں بیان کیا گیا اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُتْرَكُوا اَنْ يُتْرَكُوا اَنْ يَقُولُوا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ کب لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ محض اس لیے چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، اور وہ آزمائش نہیں جائیں گے؟ فرمایا اِنَّ کَا بَاطِلٍ گمان ہے۔ ہم نے پہلے بھی ان کی آزمائش کی ہے اور اب بھی کریں گے۔ آزمائش کے مختلف طریقے ہیں جن میں سے ایک طریقہ جنگ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو کفار و مشرکین کے مقابلے کیلئے میدان جہاد میں بھی لاکھڑا کرتا ہے تاکہ ان کے ایمان کی پختگی کی آزمائش کر سکے جس کے نتیجے میں مخلص مومنوں اور منافقوں کے درمیان حاد فاصل قائم ہو جائے اور ایمان والے مخلص لوگ نکھر کر سامنے آجائیں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے یُبْتَٰلِیْ رَجُلٌ عَلٰی قَدْرِ دِیْنِهٖ، جس قدر کسی شخص کا دین ہوتا ہے، اُسی کے مطابق اُس کی آزمائش بھی ہوتی ہے۔ اس آزمائش کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں بیان فرمائی ہے۔

”وَلَنْ يَّبْلُوْا کُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ“..... (الایۃ ہم تمہیں خوف، بھروسہ، مال و جان کی کمی اور پھلوں کی قلت کے سبب آزمائیں گے مگر خوشخبری ہے ان لوگوں کے لیے جو ہر مصیبت میں صبر کا دامن تھامے رکتے ہیں۔ اس وقت ہر صاحب مال کی آزمائش ہو رہی ہے

لَا یُکْشِیْہُ جَبْحٌ وَّقَاطِبِیْ مِثْلُ ۱۱ (فیاض)

کہ وہ جہاد اور دوسرے امور خیر میں کس قدر مال صرف کرتا ہے۔ وہ عیاشی، فحاشی اور رسم و رواج پر خرچ کرتا ہے یا دین کی تبلیغ و اشاعت پر، اگر آپ آج کی دنیا میں مال کے اخراجات پر تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ خود اہل ایمان نیکی کے کاموں پر ایک قلیل مقدار خرچ کر رہے ہیں جب کہ کھیل، تماشے، فحاشی، ملبہ نمک بازی اور فضول رسم و رواج پر کثیر مقدار خرچ کی جا رہی ہے۔ آگے آ رہا ہے ”وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ گویا جہاد میں جان اور مال دونوں چیزیں کھپانا پڑتی ہیں۔ اس معاملے میں معذور لوگوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ اگر کوئی شخص جہانی طور پر جہاد بایف میں شامل نہیں ہوتا اور وہ صاحب مال ہے۔ تو مالی جہاد کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ مال بھی خرچ کرنے کے قابل نہیں ہے تو اس کے لیے جہاد باللسان کا حکم ہے کہ وہ اپنی زبان سے ”تَصَحُّوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ“ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں کلمہ خیر ہی کہ دیں، دین کے حق میں خیر خواہی کی بات کہیں تاکہ اہل ایمان کے حوصلے بلند ہوں۔ اس کے برخلاف اگر دین کے خلاف پراپیگنڈا کرے لگیں تو جہرم کے مرتکب ہوں گے۔ عام طور پر جہاد بایف دو اقسام سے خالی نہیں ہوتا ہے یعنی یا تو دشمن سے بچاؤ کے لیے دفاعی DEFENSIVE جہاد ہوتا ہے یا دشمن پر آگے بڑھ کر داکر کیا جاتا ہے جسے اقامی OFFENSIVE جہاد کہا جاتا ہے۔ سرسید نے یہاں پر غلطی کھائی ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی مدافعت میں تو لڑائی کر سکتے ہیں مگر انہیں اقامی جہاد کرنے کی اجازت نہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جہاد خانہ اور مدافعت دونوں قسم کے جہاد فرض ہیں۔ اگر کفار اہل ایمان پر حملہ آور ہوں تو اپنا بچاؤ کرنے کے لیے تلوار اٹھاتے ہیں تو کوئی شک

جہاد کی مختلف صورتیں

نہیں۔ اور اگر ظلم کی بیخ کنی کے لیے جارحانہ جہاد بھی کرنا پڑے، ظالم کے ظلم کو رفع کرنے اور مظلوم کی امداد کے لیے آگے بڑھ کر بھی حملہ کرنا پڑے تو یہ بالکل جائز ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کا بار اٹھایا تو آپ نے اپنے پہلے تاریخی خطبہ میں فرمایا تھا **اَھَا تَرٰکَ قَوْمٌ جَہَادًا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ الْاَکْذَلُ** جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اب مسلمان صدیوں سے ذلت کا شکار ہیں۔ اہل ایمان اپنے مشن کو قبول چکے ہیں، انہی پورے کی تربیت گاہوں سکولوں اور کالجوں میں شیطان داخل ہو چکا ہے جس نے لوگوں کو عیاش اور آرام طلب بنا دیا ہے جسکی وجہ وہ جہاد جیسے فریضہ سے غافل ہو چکے ہیں۔ لہذا ذلت کا شکار ہیں عزت و توقراتی پر درگرم پر عملدرآمد سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ عیاش و عشرت اور آرام طلبی کے ذریعے ذلت کو دور نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمان صدیوں تک عزت و وقار کے ساتھ دنیا میں قائم رہے۔ پھر انگہ بڑھے ایسی ایسی ہمارے اختیار کیں جن کے ذریعے مسلمانوں سے جذبہ جہاد کو ختم کیا گیا، نام نہاد دین کے ٹھیکیداروں سے جہاد کے خلاف فتوے دلائے گئے۔ جہاد کے خلاف پراپیگنڈا کے لیے جھوٹے لوگوں کو کھڑا کیا گیا تاکہ لوگ اپنے مشن کو بالکل فراموش کر دیں۔ بہر حال جہاد کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر مسلمان اپنی حیثیت کے مطابق اس کا ذخیر میں حصہ لینے کا پابند ہے۔ اگر اس میں کوتاہی کر لیا تو عند اللہ ماخوذ ہوگا۔

جہاد بطور  
عبادت

اللہ نے فرمایا کہ اے اہل ایمان! جہاد کے ذریعے تمہاری آزمائش ہوگی۔ جہاد ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ منافقوں اور مومنوں میں تمیز پیدا کرے گا۔ آگے اسی سورۃ میں منافقین کا حال بڑی تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے یہ لوگ ہمیشہ جہاد سے گمراہ کرتے رہتے اور جھوٹے چلے بانوں سے جنگ میں شامل نہیں ہوتے تھے، حالانکہ نماز اور روزہ کی طرح جہاد بھی ایک عبادت

ہے۔ اب ہمارا ماحول ہی بدل چکا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ دین صرف نماز روزے تک ہی محدود ہے حالانکہ جہاد پانچوں عبادت ہے، اور اس کا درجہ بہت بلند ہے زُجِرُوا إِلَى سُلْهُمِ الْجِهَادِ اسلام کے کوہان کی بلندی جہاد میں ہے یعنی عزت جہاد کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ جہاد کے ذریعے ہی اسلامی نظام قائم کیا جاسکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنی تصنیف حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھتے ہیں کہ بعثت انبیاء کے مقاصد میں یہ داخل ہے رَفَعَ التَّطَالُعِ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ یعنی ظلم کو مٹانا انبیاء کے مشن میں داخل ہے جس کے لیے جہاد ناگزیر ہے۔ جو بت تک لیڈران کفر کی سرکوبی نہیں کی جائیگی وہ ظلم سے باز نہیں آئیں گے۔

فرمایا اے ایمان والو! کیا تم گمان کرتے ہو کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ وَمَا يَعْزِمُ اللَّهُ الَّذِينَ جَهِدُوا مِنْكُمْ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک نہیں جانا اُن لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا تفسیر جلالین دے فرماتے ہیں کہ یہاں پر علم کے معنی علم ظاہر ہے۔ کیونکہ محض علم تو اللہ تعالیٰ کو ازل سے ابتدائیک ہے۔ وہ علیم کل ہے اور ذرے ذرے کو جانتا ہے لہذا یہاں لَمْ يَعْزِمِ اللَّهُ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ظاہر نہیں کیا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جہاد میں حصہ لینے والے کون لوگ ہیں اور اس سے پیچھے رہ جانے والے کون ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جہاد سے مراد اس کے سارے شعبے ہیں یعنی جہاد بالسیف، جہاد بالمال اور جہاد باللسان ہے اسی طرح تبلیغ دین بھی جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔ دین کی سر بلندی اور لوگوں کے شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے تصنیف و تالیف بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنا یہ حکم ہے قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ اقْعَبُوا (آل عمران) کہ اللہ کے راستے میں اقدامی جہاد کرو یا دفاعی جہاد، دونوں فرض ہیں اور موقع کی مناسبت

سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

مسلمانوں میں  
امداد باہمی

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو جہاد کا بار بار حکم دیا ہے مگر آج کی دنیا میں مسلمان اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کی مدد کرنے سے قاصر ہیں۔ دنیا کی بڑی طاقتوں نے اسلامی ریاستوں کو اپنی سیاست کے جال میں اس قدر جکڑ رکھا ہے کہ مسلمان بے بس ہو چکے ہیں۔ افغانستان میں تباہی مچی، برہانیں مسلمانوں کا قتل عام ہوا مگر کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ چاہے تو یہ تھا کہ مشرق میں ایک مسلمان کو تکلیف پہنچتی تو مغرب والے تڑپ اٹھتے، مگر اب یہ جذبہ ہی ختم ہو چکا ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم تک مسلمانوں میں امداد باہمی کا احساس موجود تھا۔ چنانچہ شکیب ارسلان اپنی کتاب حاضر العالم اللہ میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۱ء میں جب طرابلس میں مسلمان اٹلی والوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھے تو میں نے اپنے مورچے کے قریب عجیب مغرب شکل صورت کے کچھ نوجوان دیکھے جن کی تعداد سچاس کے قریب تھی۔ میں نے پوچھا، تم کون لوگ ہو اور یہاں کیسے آئے ہو تو کہنے لگے ہم افغانستان کے باشندے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے آئے ہیں مگر اب اسی صدی کے آخری حصے میں یہ جذبہ بالکل ختم ہو چکا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور روس نے ایسا حال پھیلارکھا ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد نہیں کر سکتا۔ برہانیں لاکھوں مسلمان شہید ہوئے قبرص میں چالیس ہزار ترک مسلمان مارے گئے، اس وقت لبنان کے واقعات ہمارے سامنے ہیں، ہندوستان کے مسلمانوں پر آئے دن مظالم توڑے جاتے ہیں مگر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ زبانی کلامی سب کچھ ہوتا ہے، اجلاس ہوتے ہیں، تجویزیں پیش ہوتی ہیں مگر اصلیت اپنی جگہ قائم ہے جس میں سرمو فرق نہیں آتا۔ مسلمان جہاں بھی مغلوب ہیں ظلم کی چکی میں پستے چلے جا رہے ہیں۔

فرمایا اللہ نے ابھی تک اُن لوگوں کو ظاہر نہیں کیا جنہوں نے تم  
میں سے جہاد کیا اور دوسری بات یہ کہ وَلَا يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ  
اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيًّا اور نہیں بنایا جنہوں  
نے اللہ اس کے رسول اور مومنوں کے علاوہ ولی دوست، ولیجہ کا حق  
دوست اور رازدان ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سچا پکا مسلمان کسی  
غیر مسلم کو اپنا ولی دوست نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ دوستی کے ذریعے راز  
کے افشا کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو قومی لحاظ سے نہایت  
خطرناک ہو سکتا ہے۔ سورۃ مائدہ میں ہے۔ اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوا  
الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ اَوْلِيَاءَ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست  
مت بناؤ۔ دوسری جگہ بَطَانَةٌ کا لفظ بھی آتا ہے، اس کا حق بھی دوست  
اور رازدان ہوتا ہے۔ مگر آج حالت یہ ہے کہ تمام مسلمان ممالک کے  
راز امریکہ اور فرانس کے یہود و نصاریٰ کو معلوم ہوتے ہیں۔ ایک صحابی  
نے غلطی کی تھی۔ جب مسلمان مکہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے تو اُس نے  
کفار کو ایک خط لکھ کر یہ راز افشاء کرنے کی کوشش کی۔ خط پکڑا گیا اور  
اس ضمن میں سورۃ ممتحنہ نازل ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو سخت تنبیہ کی گئی  
کہ اُنہدہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ اے ایمان والو! لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي  
وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت  
بناؤ، ورنہ سارے معاملات خراب ہو جائیں گے۔ آپ دیکھ لیں  
سعودی عرب کے سارے راز امریکہ کو معلوم ہیں۔ دولت ہے، اسلحہ ہے مگر  
دین کے اصولوں پر عمل نہیں۔ اگر اللہ کے احکام پر عمل ہوتا تو آج دنیا میں  
مسلمان ذلیل و خوار نہ ہوتے۔

فرمایا، جنہوں نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو ولی  
دوست نہیں بنایا۔ اللہ نے ان کو بھی ابھی ظاہر نہیں کیا۔ ان کا معاملہ بھی



واضح ہو گا کہ ان کی دوستی مومنوں کے ساتھ ہے یا یہودیوں، عیسائیوں اور  
 ہندوؤں کے ساتھ ہے حالانکہ کوئی کافر کسی مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا  
 لہذا مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ ان کو نہ اپنا دلی دوست بنائیں اور نہ ان پر  
 اپنے راز ظاہر کریں۔ ان کے ساتھ اخلاق کا مظاہرہ تو کیا جاسکتا ہے مگر  
 راز دان دوست نہیں بنایا جاسکتا۔ تو فرمایا ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ان  
 لوگوں کو ظاہر نہیں کیا۔ تو جہاد کی مشروعیت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ  
 آزمائش کرے گا اور پھر ظاہر کرے گا کہ کون مخلص ہے اور کون منافق۔ کون  
 آگے بڑھتا ہے اور کون پیچھے ہٹتا ہے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی کا معنی ابھیدی  
 یعنی راز دان کہتے ہیں۔ جو کسی کے اندرونی رازوں کو جانتا ہو۔ بہر حال فرمایا  
 کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ضرور آزمائے گا۔ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا  
 تَعْمَلُونَ اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ مطلب  
 یہ کہ تمہارا اخلاص یا لفاق، اچھائی یا برائی، جہاد کا شوق یا خوف سب کچھ  
 اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ تمہارا اعمال اُس کی نگاہ میں ہیں، وہ تمہیں  
 آزمائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس ہفتم

آیت ۱۷ ۲۲

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ  
 عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ  
 وَفِي النَّارِهِمْ خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ  
 اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى  
 الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ  
 يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ  
 وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
 الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ  
 عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ  
 آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
 بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ  
 وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ  
 بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَدَتْ لَهُمْ فِيهَا نَفْسُهُمْ  
 مُّقِيمٌ ﴿٢١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ  
 عَظِيمٌ ﴿٢٢﴾

ترجمہ :- نہیں ہے لائق شرک کرنے والوں کے کہ وہ

آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو اس حال میں کہ وہ اپنے نفسوں پر کفر کی گواہی دینے والے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو چکے ہیں اور وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (۱۷) بیشک آباد کرنا ہے اللہ کی مسجدوں کو وہ آدمی جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور نہیں ڈرا وہ سوائے اللہ کے کسی سے۔ پس امید ہے کہ یہی لوگ ہوں گے ہدایت پانے والے (۱۸) کیا ٹھہرایا ہے تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا اس شخص کی طرح جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور جہاد کیا اللہ کے راستے میں نہیں برابر یہ اللہ کے نزدیک اور اللہ نہیں راہنمائی کرنا اُن لوگوں کی جو ظلم کرنے والے ہیں (۱۹) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کے راستے میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہ لوگ بڑے ہیں درجے میں اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ ہیں فائز الملام ہونے والے (۲۰) بشارت دیتا ہے اُن کو اُن کا رب اپنی رحمت سے اور خوشنودی سے اور ان کے لیے ایسے بانات ہیں جن کے اندر دائمی نعمتیں ہوں گی (۲۱) یہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن میں۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے (۲۲)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے مشروع ہونے کی وجوہات بیان فرمائی تھیں۔ ان میں سے بعض وجوہات وہ تھیں جو مشرکین کی طرف سے پیدا ہوئیں مثلاً دین میں طعن کرنا اور اسے مٹانے کی کوشش کرنا، عہد پیمان کو توڑنا، نبی کو اس کے گھر سے نکالنا اور جنگ میں پہل کرنا وغیرہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا کہ

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا امتحان لینا چاہتا ہے اور وہ اس بات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو جہاد میں بخوشی حصہ لیتا ہے اور کون ہے جو پیچھے رہتا ہے۔

مشرکین  
اور مساجد

سورۃ مذ کی ابتدا میں مشرکین کے ساتھ بیزاری اور جنگ کا اعلان کیا گیا تھا۔ بَرَآءَةٌ مِّنْكَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ ..... الخ جب یہ اعلان ہوا تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ ہمارے خلاف بلا وجہ اعلان جنگ کیا گیا ہے حالانکہ ہم بھی تو نیک کام کرتے ہیں۔ ہم بیت اللہ شریف کے متولی ہیں۔ اس کی تعمیر اور ظاہری آبادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور پھر موسم حج میں حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں، خاص طور پر جزیرہ عرب کی سخت گرم آب و ہوا میں ان کے لیے پانی کا انتظام کرتے ہیں، لہذا ہمارے خلاف اعلان بیزاری درست نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا ہے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ اَنْ يَّعْزَمُوْا مَسْجِدَ اللّٰهِ اِنْ مَّشَرُوْا کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے اِنَّهَا الْمُشْرِكِيْنَ كُفُوًا بیشک مشرک لوگ نجس ہیں ظاہر ہے کہ جو خود شرک کی وجہ سے نجس ہو گا وہ اللہ کی مسجدوں کو کیا آباد کرے گا، لہذا اللہ نے مشرکین کی طرف سے مساجد کی آبادی کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا، خاص طور پر اس وجہ سے کہ شَٰهِدِيْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ وہ خود اپنے نفسوں پر کفر کی گواہی دینے والے ہیں۔ یعنی جب وہ خود علانیہ طور پر کفر اور شرک کی باتیں کرتے ہیں، اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے تو پھر ان کی طرف سے اللہ کے پاک گھروں کی خدمت کا کوئی دعویٰ قابل قبول نہیں رہتا۔ فرمایا ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ کفر اور شرک کے ارتکاب کی وجہ سے اُولٰٓئِكَ جَٰطَتْ اَعْمَالُهُمْ اَنْ کے تمام اعمال نالغ ہو چکے ہیں۔ ان کی کسی نیکی کا کچھ فائدہ نہیں۔ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ

جس کا بالآخر نتیجہ یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

مسجد کی  
حقیقی آبادی

اَکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّكَ يَعْصِيْ مَسْجِدَ اللّٰهِ حَقِیْقَت  
میں مسجدوں کا آباد کرنے والا وہ شخص ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں  
یعنی مَنْ اَمَنَّ بِاللّٰهِ جِوَاللّٰهِ تَعَالٰی کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہے وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ  
اور نماز ادا کرتا ہے وَالَّذِيْ الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ وَلَمْ يَجْشِ اِلَّا  
اللّٰهَ اور اللہ کے سوا کسی سے خود نہیں کھاتا۔ دراصل مسجدوں کی آبادی  
اس کی تعمیر اور زیب و زینت ہی سے نہیں ہوتی بلکہ مسجد کی حقیقی آبادی  
ان میں اللہ کی عبادت کرنے سے ہوتی ہے، قرآن پاک کی درس تدریس  
اور اللہ کے ذکر کرنے سے ہوتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے  
قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی بیان فرمائی کہ لوگ مسجدوں  
کی ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت کریں گے۔ فرمایا لَتُخْرِجَنَّ كَمَا  
زَخَرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے عبادت  
خانوں کی ظاہری آرائش کرتے تھے، اسی طرح تم بھی کرو گے، مگر وہ بیت  
سے خالی ہوں گی، یعنی جس مقصد (اللہ کی عبادت اور ذکر) کے لیے بنائی  
گئی ہیں، اُس مقصد سے خالی ہوں گی۔

ایک شخص نے نادانی کی وجہ سے مسجد کے صحن میں پشیاب کر  
دیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسے قریب بلا کمر بات سمجھائی، کہ  
دیکھو بھائی! مسجد اس لیے نہیں تعمیر کی جاتی کہ ان میں گندگی پھیلانی  
جائے بلکہ اللہ کے گھروں کا مقصد نماز کی ادائیگی اور ذکر الہی ہے۔  
سورۃ نور میں اللہ نے فرمایا ہے: "فِيْ بُيُوْتِ اِذْنًا اللّٰهُ اَنْ تَرْفَعَ  
وَيَذْكُرَ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰی نے اپنے گھروں کو طہ رکھنے اور  
ان میں اس کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابو داؤد شریف کی روایت

میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ مسجدوں کو پاک صاف رکھا جائے  
 غرضیکہ مساجد کی حقیقی آبادی تلاوت قرآن، اللہ کے ذکر، نماز کی ادا  
 اور ان میں درس و تدریس وغیرہ سے ہوتی ہے مگر مشرک لوگ ان  
 چیزوں سے محروم ہیں۔ مشرکوں کا حال تو یہ تھا کہ انہوں نے خانہ کعبہ  
 کے ارد گرد بیت رکھے ہوئے تھے، بہت تو سراسر نجاست ہیں۔ بھلا ان کو  
 رکھنے والے مساجد کو کیا آباد کریں گے؟ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مساجد  
 کو آباد کرنا مشرکوں کے لائق نہیں بلکہ ان کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام  
 ہے، جو نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کرتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ سے  
 ڈرتے ہیں۔ فرمایا فَعَلَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ تَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ  
 اُمید ہے کہ ایسے ہی لوگ ہدایت پانے والے ہوں گے۔

مساجد کی  
 قرابت

گذشتہ سورۃ میں مساجد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گزر چکا ہے  
 کہ کافر اور مشرک کسی مسجد کے متولی نہیں ہو سکتے اِنْ أُولَٰئِكَ إِلَّا  
 الْمُتَفَكِّهُونَ یعنی خانہ کعبہ کے متولی تو پرہیزگار لوگ ہی ہو سکتے ہیں تقویٰ  
 کی پہلی منزل یہ ہے کہ انسان کفر، شرک اور معاصی سے بچ جائے۔ جو  
 ان جرائم کا مرتکب ہو، وہ مسجد حرام کا متولی کیسے ہو سکتا ہے؟ جہاں بھی  
 مسجد کے متولی بے دین لوگ ہوں گے وہاں فتنہ و فساد ہی ہوتا ہے گا۔  
 متولی خود بے نماز ہوتے ہیں۔ محض دھڑے بندی میں آکر مسجد تو بناتے  
 ہیں اور خود متولی بھی بن جاتے ہیں مگر ایسی مسجدیں حقیقی آبادی سے محروم  
 ہوتی ہیں۔ مسجد کا متولی وہ شخص ہونا چاہیئے جو متدین، ایماندار، عبادت گزار  
 اور نمازی ہو جو مال کی طہارت اور پاکیزگی کا قائل ہو اور جس کے دل میں  
 خدا کا خوف ہو۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مشرک اور کفر کرنے والوں کا  
 یہ کام نہیں ہے کہ وہ مسجدوں کو آباد کریں، وہ تو ان کی بربادی کا سامان  
 ہی کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن مساجد میں اللہ کی وحدانیت کی بجائے

شُرک کی تبلیغ ہو، اور سنت کی بجائے بدعات کو رواج دیا جائے۔ وہ مسجدیں کیسے آباد ہوں گی؟

نیکی ایمان پر موقوف ہے

غزوہ بدر میں حضرت عباسؓ نے مشرکوں کی طرف سے حصہ لیا تھا آپ جنگی قیدی کی حیثیت سے مدینے پہنچے تو حضرت علیؓ نے انہیں ملک کی کہ آپ نے بھی مشرکوں کا ساتھ دیا۔ اس پر حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ہم سے پہلے ایمان لائے اور پہلے ہجرت کی مگر ہم بھی تو نیکی کے کام کرتے تھے۔ ہم حاجیوں کی خدمت کیا کرتے تھے، ان کو پانی پلاتے تھے، خانہ کعبہ کی دیکھ بھال کرتے تھے، اس میں حاجیوں کی ضروریات کا سامان کرتے تھے، روشنی کا انتظام کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کا غلاف دیا کرتے تھے، مسجد حرام کی صفائی کا بندوبست کرتے تھے، لہذا ہم بھی نیکی میں پیچھے نہیں ہستے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ كَمَا تَمْنَعُونَ مَضْرِيًّا ہے حاجیوں کو پانی پلانا، وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور مسجد حرام کی ظاہری دیکھ بھال کو اس شخص کی طرح کمزور أَمِنْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجْهًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور جس نے جہاد کیا اللہ کے راستے میں۔ فرمایا ایک قدیم الایمان شخص ایسے شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جس کی نیکی محض مسجد حرام کی ظاہری، ٹیپ ٹاپ تک محدود ہے فرمایا لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ یہ دونوں شخص اللہ کے ہاں ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہ ہے جس نے ایمان قبول نہیں کیا۔ اس کی کوئی نیکی بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ اگر ایمان ہے تو نیک کام بھی مفید ہو گا مگر ہجرت اور جہاد کے برابر نہیں ہو سکتا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کی دیکھ بھال کرتا ہے اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور وہ عبادت گزار بھی ہے تو اس





سَبِيلِ اللَّهِ اللَّهُ کے راستے میں جہاد کیا بَا مَوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ  
اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے۔ فرمایا ایسے لوگ اَعْظَمُ دَرَجَةً  
عِنْدَ اللَّهِ اللہ کے ہاں بڑے بڑے درجے والے ہیں۔ وَ  
أُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ یہی لوگ فائز المرام ہیں یعنی وہ اپنی  
مراد تک پہنچنے والے ہیں۔ ان کو انتہائی بلند می نصیب ہوگی۔ قرآنی  
پروگرام میں یہی اسباب اولیت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تہیں  
ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

فَرِيًّا يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ  
فائز المرام لوگوں کو کہ ان کا رب اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا  
ہے۔ وَجَدَتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ایسے لوگوں  
کے لیے باغات کی بشارت بھی ہے جن میں دائمی نعمتیں میسر ہوں گی۔  
گوہریاں پر اللہ تعالیٰ نے تین اعمال کے نتیجہ میں تین النعمات کا  
ذکر فرمایا ہے۔ ایمان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوگی  
جہاد کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی اور ہجرت  
کے عوض میں بہشت میں مقام نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بشارت  
سنائی ہے۔ فَرِيًّا يَنْخُوشُ قِسْمَتِ لَوْك خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا ان بہتوں  
میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکلے جانے کا کوئی خطرہ نہیں  
ہوگا اور نہ ہی عطا کی گئی کوئی نعمت چھینی جائے گی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ  
اَجْرٌ عَظِيمٌ بیشک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے جو وہ اہل  
ایمان اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے والوں کو عطا کرے گا۔

واعلموا ۱۰

درس ہشتم ۸

التوبة ۹

آیت ۲۳ تا ۲۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ  
 أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ  
 يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ②۳  
 قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ  
 وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَ  
 تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا احْبَبَّ  
 إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ  
 فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي  
 الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ②۴

۲  
۸  
۹

ترجمہ :- اے ایمان والو! نہ باؤ اپنے باپوں اور  
 بھائیوں کو اپنا رفیق اگر وہ پسند کرتے ہیں کفر کو ایمان کے مقابلے  
 میں۔ اور جو اُن سے دوستی کریگا۔ پس یہی لوگ ہیں ظلم کرنے والے ②۳  
 (اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے  
 اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان اور مال جو تم  
 نے کھائے ہیں اور تجارت جس کے ماند پڑ جانے سے تم  
 ڈرتے ہو، اور تمہارے پسندیدہ مکانات، زیادہ پسندیدہ ہیں تمہارے  
 نزدیک اللہ سے، اس کے رسول سے اور اس کے راستے میں

جہاد کرنے سے ، تو پھر انتظار کرو تم یہاں تک کہ لائے اللہ تعالیٰ  
اپنا حکم ۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا اس قوم کی جو نافرمانی کرنے

والی ہے (۲۳)

پہلی آیاتیں اللہ تعالیٰ نے جہاد کو افضل الاعمال سے تعبیر کیا ، ایمان لانا ، ہجرت کرنا  
اور جہاد کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا کارنامہ ہے ، اللہ تعالیٰ نے مومنین ، مجاہدین اور  
مجاہدین کے لیے اپنی رحمت ، خوشنودی اور حنت کی بشارت سنائی اور فرمایا کہ اللہ کے  
ہاں ان لوگوں کے لیے اجر عظیم ہے ۔ چونکہ یہ جہاد کا موضوع چل رہا ہے تو اللہ تعالیٰ  
نے مجاہدین کے بلند مرتبہ ہونے کا ذکر کیا ہے ۔ ابتدائی دور کے مسلمانوں کے اکثر  
اعزہ و اقارب کفر کی حالت پر تھے ۔ جب جہاد کا حکم ہوا تو باپ بیٹا ، بھائی بھائی ، چچا  
بھتیجا وغیرہ کے آمنے سامنے آنے کا احتمال پیدا ہو گیا ۔ قربت داری ایک ایسی چیز ہے  
جو جہاد کے راستے میں رکاوٹ بن سکتی تھی ، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آج کے درس میں قرابت داری  
کے مقابلہ میں ایمان کی حقیقت کو واضح فرمایا ہے اور اہل ایمان کو متنبہ کیا ہے کہ یہ رشتہ داری  
مانع جہاد نہیں ہونی چاہیے بلکہ یہ تعلقات اُسی صورت میں قائم رہ سکتے ہیں جبکہ دونوں  
طرف ایمان موجود ہو ۔ لہذا ایک مومن رشتہ داری کے مقابلے میں ایمان کو مقدم رکھے گا اور  
ضرورت پڑنے پر عزیز ترین قرابت دار کے ساتھ ٹکرا جانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا ۔

کھڑے مقابلہ  
ایمان

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ  
وَأَخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ اے ایمان والو ! اپنے باپوں اور بھائیوں کو اپنا رفیق نہ  
بنادو ! اِن اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ا اگر وہ کفر کو پسند کرتے ہیں  
ایمان کے مقابلہ میں ۔ مطلب یہ کہ کافر باپ اور کافر بھائی کے ساتھ تمہاری دلی دوستی  
اور ہمدردی نہیں ہو سکتی کیونکہ تمہارے ادیان مختلف ہیں ، تم اللہ کے دین کی بلندی چاہتے  
ہو اور وہ کفر کے پروگرام کو غالب بنانا چاہتے ہیں اور یہ ایسا بنیادی اختلاف ہے  
جس پر سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا ۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی امت محمدیہ

کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں ہے ”قَدْ كَانَتْ لَكُمْ  
 أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي الْأَبْرَارِ هَيْمٌ وَالَّذِينَ مَعَهُ“ ابراہیم علیہ السلام  
 اور اُن کے ساتھیوں میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش  
 کی مگر وہ کفر اور شرک سے باز نہ آیا۔ ”فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّهِ  
 تَكْرَأُ هَيْمًا“ (التوبہ) جب آپ پر واضح ہو گیا کہ آپ کا باپ  
 اللہ کا دشمن ہے تو آپ نے اُس سے اعلانِ برأت کر دیا۔ باپ  
 اور بیٹے کا قریب ترین رشتہ ہونے کے باوجود جب ایمان کا رشتہ  
 قائم نہ رہ سکا تو آپ نے قطعِ تعلق کر لیا۔ سورۃ الزخرف میں یہ بھی آتا ہے  
 کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور پوری قوم سے کہ دیا اِسْحٰی  
 بَنَاءُ مِّمَّا تَعْبُدُونَ میں تمہارے معبودانِ باطلہ سے قطعی بیزار  
 ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان عداوت اور دشمنی کی دیوارِ حائل  
 ہے ”وَبَدَا يَنْتَنًا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا  
 حَتَّى تَوَفَّيْنَاهُم بِاللَّهِ وَحْدَهُ“ (الممتحنہ) جب تک اللہ وحدہ لا شریک  
 پر ایمان نہیں لاؤ گے۔ یہ دیوار نہیں ہٹ سکتی۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے  
 یہی بات بیان فرمائی کہ ایمان کے مقابلے میں باپ بیٹے جیسا قریب  
 ترین رشتہ بھی کچھ مفید نہیں ہو گا۔ اگر باپ کفر کے پروگرام کو پسند کرتا  
 ہے تو بیٹا اس کے ساتھ دلی دوستانہ نہیں کر سکتا۔ والدین کی اطاعت  
 کے متعلق سورۃ لقمان میں ہے کہ اگر والدین شرک کی طرف مائل کرنا  
 چاہیں ”فَلَا تَطْعَمْهُمْ مَا وَصَّاجُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا“  
 تو اُن کا کمانہ مانو البتہ دنیا میں اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔  
 فرمایا ”وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ  
 الظَّالِمُونَ“ تم میں سے جو کوئی اُن کے ساتھ دوستی کرے گا تو یہی

ظالم لوگ ہیں۔ اگر کوئی مومن اپنے کافر بھائی کے ساتھ دوستانہ کرنا ہے تو اللہ کے ہاں ظالم تصور ہوگا۔

ماہنامہ  
قرآن مجید

اگے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کی محبت کی وجہ سے اکثر لوگ جہاد سے گریز کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز قرابت داری ہے ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں ان کا ان اباؤں کے و ابناؤں کے و اخوؤں کے و ازواج کے و عشیروں کے اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں اور خاندان۔ یہی وہ قریب ترین رشتہ دار ہیں جن کے ساتھ انسان کو محبت ہوتی ہے اور انہی کی وجہ سے لوگ ایمان، جہاد اور ہجرت سے رُک جاتے ہیں فرمایا اگر تم ان عزیز واقارب کو ایمان پر تہیج دو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ کی جانب سے تم پر ذلت مسلط ہو جائیگی۔ انہی کی وجہ سے اکثر لوگ آخرت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ برادری اور خاندان کے رسم و رواج پر ضرور عمل کرتے ہیں کیونکہ ایمانیہ کمپن کے تو برادری میں بیٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اس لیے برادری کی خاطر کئی قسم کی برائیاں اور بدعات اختیار کرنا پڑتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ان قرابت داروں کا نام لے کر فرمایا ہے کہ اگر تمہیں یہ عزیز اللہ اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اللہ کی طرف سے فیصلے کا انتظار کرو۔

(۲) مال اور  
سختی

جہاد سے روکنے والی دوسری چیز کے متعلق فرمایا اَقْرَبُ مَا يَمْنَعُ الْمُؤْمِنَ أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا يَتَمَسَّكُ بِهِ نَفْسُهُ وَآلُوهُ اس کے لیے آزمائش کا باعث ہوتا ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان آخرت اور دین کی باتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مال کی محبت میں انسان حلال حرام کی تمیز بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ نہ مال کے حصول میں جائز و ناجائز کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ ہی خرچ کرنے کے معاملہ میں، لہذا وہ مال و دولت کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں۔ مال کے علاوہ فرمایا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

اور وہ تجارت بھی تمہارے لیے مانع جہاد ہے جس کے مندرجہ سے تم خوفزدہ  
ہوتے ہو کہ کہیں نقصان نہ ہو جائے، کاروبار میں گھٹا نہ پڑ جائے، کاروبار کو  
برقرار رکھنے کے لیے تم بڑی محنت کرتے ہو۔ لہذا یہ بھی تمہیں بڑا عزیز ہے،  
فرمایا کہیں تجارت بھی تمہیں جہاد، ہجرت اور آخرت سے غافل نہ کر دے۔  
اگر تم نے اللہ، اُس کے رسول اور جہاد کی نسبت تجارت کو زیادہ محبوب  
رکھا تو پھر اللہ کی طرف سے اپنے متعلق کسی فیصلے کا انتظار کرو۔ سورۃ بقرہ میں  
ہے ”الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ“ شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا ہے  
کہ اگر کاروبار کی طرف توجہ نہ دی تو مائے جاؤ گے، بھوکوں مر دگے، لہذا  
وہ آخرت کے فکرمند کی بجائے کاروبار کی زیادہ فکر کرتے ہیں اور یہی چیز  
ہے جو انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔

فرمایا بالغات جہاد میں تیسری چیز ”وَمَلَائِكُ تَرْضَوْنَ حَقًّا“  
وہ مکانات ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ لوگوں کو اپنے مکانات اور گھوٹوں  
سے بڑی محبت ہوتی ہے انہیں بڑی محنت سے تعمیر کیا جاتا ہے اور  
آرام و آسائش کی تمام ضروریات مہیا کی جاتی ہیں عرب لوگ محاورے  
کے طور پر کہتے ہیں ”لذة الدار دھرا“ مکان کی ایک دفعہ تعمیر زمانہ بھر  
لطف اندوزی کا باعث ہوتی ہے۔ اگر رہائش گاہ اچھی نہ ہو تو طبیعت  
میں گھٹن رہتی ہے۔ اچھے مکان کی سعادت مندی کی نشانی کہا گیا ہے۔  
چنانچہ منہاج احمد کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی شخص  
کے سعادت مند ہونے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے یعنی  
اچھا مکان، اچھی بیوی، اچھی سولاری ان تینوں چیزوں میں سے کوئی بھی  
کم تر ہو تو انسان کی زندگی پرسکون نہیں ہوتی۔ مکانات کی تعمیر و آرائش قدیم  
زمانے سے محبوب رہی ہے۔ عادی اور عمو کی قومیں بھی بڑے عالیشان  
مکان بناتی تھیں اور ان میں نقش و نگار بناتی تھیں تاکہ آرام و سکون کی زندگی

(۳) پسندیدہ  
مکانات

بسر کر سکیں۔ سورۃ شعراء میں ہے ”وَتَتَّخِذُونَ مَصَافِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُونَ“ اُن کے مکانات ایسی ایسی کاریگری کے شاہکار ہوتے تھے گویا کہ انہوں نے ہمیشہ ان میں رہنا ہے۔ مگر آج اُن مکانات کے کھنڈرات کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے خوبصورت مکان اور کوٹھیاں اور پھر اُن کے ساتھ تمہاری محبت جہاد کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ یہ تیسری چیز ہو گئی۔

دنیا بظاہر  
دین

فرمایا ہے پیغمبر! آپ ان سے کہ دیں کہ اگر رشتہ داری، مال تجارت اور بہت سی باتیں آج آپ کے لئے ہیں اور سواہ و جہاد فی سبیلہ تمہیں زیادہ محبوب ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کے لئے جہاد کرنے سے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و رغبت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لانے اور اُن کے حکم کی تعمیل کرنے کی نسبت دنیا کی چیزیں زیادہ پسند ہیں۔ اور تم ان چیزوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ جہاد کے ذریعے عزت اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ جماعت مضبوط ہوتی ہے، دین کو تقویت ملتی ہے عدل انصاف قائم ہوتا ہے، ظلم و جور کا قلع قمع ہوتا ہے۔ جہاد کو اسلام کی کوہان کی بندی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو فرمایا کہ اگر دنیا کی یہ چیزیں تمہیں اللہ، اس کے رسول اور جہاد سے زیادہ پیاری ہیں۔ فَارْجِعُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرٍ ؕ تو پھر انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی حکم سے آئے اور ظاہر ہے کہ اگر دنیا کو دین پر ترجیح دی گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا حکم ہی آسکتا ہے۔

ترک نہ  
کاواں

ابوداؤد شریف اور منذ احمد کی روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ اَلْغَرَمَ نے خمریہ فرشتہ کو ہی مقصد حیات بنالیا اور چوبیس گھنٹے اُسی میں مہمات و رضیت اللہ بالزوج اور کھیتی باڑی کے کام میں ہی مصروف ہے وَاَخَذْتُمْ بِاَذْنَابِ

الْبَقِيَّ اور گلے پل کو پالنے میں لگے رہے، اس کی دیکھ بھال اور درود دینے میں وقت ضائع کر دیا وَتَرَكْتُمْ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور اللہ کے راستے میں جہاد کو ترک کر دیا تو یاد رکھو! فَتَنَّا بَعْضًا أَن يُسَلِّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ذُلًّا بَعْدَ إِسْرَارٍ اس بات کے منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر ذلت کو مسلط کر دے۔ اور پھر لَا يَنْفَعُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ اور پھر اسے اٹھائے گا نہیں جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف واپس نہیں چلے آؤ گے مقدمہ یہ کہ جو قوم جہاد کو ترک کر کے دیٹی ہے اس پر ذلت مسلط ہو جاتی ہے اور وہ محکوم ہو جاتی ہے۔ پہلے مسلمان تاناری کافروں کے محکوم ہوئے اور آج مسلمانوں کی اکثریت انگریزوں کی محکوم ہے۔ یہ قومی سزا ہے۔ جو مسلمانوں کو مل رہی ہے۔ انہوں نے برادری، مال و دولت اور محلات کو اپنی مقصود حیات بنا رکھا ہے۔ نہ ایمان ہے، نہ رسول کی محبت اور نہ جذبہ جہاد۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ غلامی کی ذلت میں مبتلا ہیں۔ ذلت کئی قسم سے آسکتی ہے مثلاً سلطنت چھین جائے یا بیٹی کی توفیق سلب ہو جائے قوم عیاشی اور فحاشی میں لگ جائے دشمن کا خوف ہر وقت مسلط ہے یا ان کا اخلاقی طور پر دیوالیہ بن جائیں، یہ سب ذلت کی نشانیاں ہیں جو ترک جہاد کی وجہ سے آتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر دنیا کو دین پر ترجیح دو گے تو اللہ کی طرف سے سزا کے منتظر رہو جو کہ کسی بھی وقت آسکتی ہے۔

فرمایا، یاد رکھو! وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔ فسق کا معنی اطاعت سے باہر نکل جانا، نافرمانی کہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی ان کی کرتا ہے جو فسق و فجور سے بچتے ہیں۔ کفر اور شرک کو چھوڑ کر ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ ببت تک تڑپ موجود نہ ہو، ہدایت میسر نہیں آتی۔ اکثر انسان فسق، ظلم



شُرک اور کفر میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے ہدایت سے محروم ہتے ہیں  
 نہ بدائی سے توبہ کرتے ہیں اور نہ اسے ترک کرتے ہیں اور نہ ہی صحیح راستہ  
 معلوم کرنے کی سعی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ کا قانون یہی ہے  
 کہ انہیں حق کی طرف راہنمائی نصیب نہیں ہوتی۔

---

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس نہم ۹

آیت ۲۵ ۲۶

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۖ وَيَوْمَ  
 حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ  
 عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا  
 رَحَبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝۲۵ ثُمَّ أَنْزَلَ  
 اللَّهُ سَاكِنَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
 وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
 وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝۲۶ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ  
 بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۲۷

ترجمہ :- البتہ تحقیق اللہ نے مد کی تمہاری بہت سی جگہوں

میں اور (خاص طور پر) حنین کی لڑائی کے دن جب کہ تم کو  
 تمہاری کثرت نے تعجب میں ڈالا۔ پس نہ کفایت کی اس کثرت نے  
 تم سے کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود کشادہ ہونے  
 کے، پھر تم پھرے پشت پھرتے ہوئے ۝۲۵ پھر اللہ نے نازل  
 کی اپنی طرف سے تلی اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور  
 اُتارا ایسا لشکر جس کو تم نے دیکھا نہیں اور سزا دی اللہ نے کفر  
 کرنے والوں کو، اور یہی بدلہ ہے کفر کرنے والوں کا ۝۲۶ پھر  
 اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے اس کے بعد جس پر چاہے۔ اور  
 اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ۝۲۷

رہط آیات

گذشتہ آیات میں جہاد کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متنبہ کیا کہ اگر ان کے عزیز و اقارب ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کرتے ہیں۔ تو انہیں اپنا رفیق اور دوست نہ بناؤ، ایسا کرنے والا ظالم محض ہے گا۔ پھر فرمایا اگر تمہارے اباؤ اجداد، اولاد، بھائی، خاندان، مال اور تجارت اور مکانات تمہیں اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول اور جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اللہ کی طرف سے کسی افتاد کے منتظر رہو۔ اور یہ چیز اُس وقت بہت دور نہیں ہوگی جب تک تم دین کی طرف واپس نہیں آ جاؤ گے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کثرت اور قلت تعداد کے پیش نظر فتح و شکست کا ذکر فرمایا ہے جب حضور علیہ السلام نے مشرکین کے خلاف اعلان جنگ کیا تو بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا کہ کفار کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے خیالات کی تردید فرمائی ہے اور اہل ایمان کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنی قوم، خاندان، قبیلہ، مال و دولت یا کثرت تعداد کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔ اگر وہ مادی اسباب پر توکل کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے، چنانچہ اس سلسلہ میں واقعہ حنین کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

نصرت الہی

ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ  
البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ہے بہت سی جگہوں میں بمعین کمال  
اس کی تائید میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے قریبی زمانہ  
میں اللہ تعالیٰ نے کم و بیش اسی مواقع پر مسلمانوں کی نصرت فرمائی، اور  
انہیں جہاد میں کامیابی عطا کی۔ ان میں سب سے مشہور واقعہ غزوہ بدر کا  
ہے۔ اور اب ان آیات میں حنین کی لڑائی کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا اللہ  
نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور وَكَوْنُ حُنَيْنٍ حنین کے

دن والی لڑائی میں جنین ایک وادی کا نام ہے جو مکے سے کچھ میل کے فاصلے پر طائف کی طرف واقع ہے۔ فرمایا اس دن واقعوں ہوا اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كُنُوزُكُمْ جب کہ تمہاری کُنُوزِ غنیمت نے تمہیں تعجب میں ڈال دیا فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا مِّمَّا تَمْتَلِكُونَ کچھ فائدہ نہ دیا وَصَاقَتْ عَلَيْكُمْ اَلْاَرْضُ بِهَآ رُجُوتًا اور کشادہ ہونے کے باوجود تم پر زمین تنگ ہو گئی تُمْ وَلَيْتُمْ مَذْيَبِينَ پھر تم پشیمان ہو کر مذبذب ہو گئے۔ کثرتِ غنیمت کے باوجود تمہیں دشمن کے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑا۔ پھر اللہ نے اپنی خصوصی نصرت فرمائی اور تمہیں دوبارہ غلبہ نصیب ہوا۔

دشمن کا  
جنگی منصوبہ

۸۵ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش مغلوب ہو گئے تو قبیلہ ثقیف اور ہوازن نے مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کا مشورہ کیا۔ ان قبائل میں بعض بڑے متعصب لوگ تھے جن میں درید ابن صمہ پیش پیش تھا۔ یہ معمر شخص تھا اور شاعر بھی تھا، جنگی چالوں سے واقف تھا، لہذا اس نے مشورہ دیا کہ عرب کے بعض دوسرے قبائل کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف فوری کارروائی کی جائے ورنہ سارے عرب پر ان کا تسلط قائم ہو جائیگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انہوں نے چار ہزار کی تعداد میں بہترین لڑاکا لشکر تیار کیا جو جدید ترین اسلحہ سے لیس تھا۔ میدان میں لڑنے والوں کے علاوہ ان کے ساتھ خورقیں اور پے بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں کو نصیب دنا جو کہ ان کے نام سے منسوب ہے۔

مسلمانوں کی  
تیاری

مکہ فتح کرنے کے بعد حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کے ہمراہ ابھی وہیں قیام پذیر تھے کہ قبیلہ ثقیف اور ہوازن کی طرف سے جنگی تیاری کی خبر ملی۔ آپ کے ساتھ کامل الایمان دس ہزار کی جماعت تھی جس کا ذکر تو رات میں بھی دس ہزار قدسیوں کے نام سے موجود ہے، حضور علیہ السلام

نے اس معاملہ میں ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ مدینے سے آنے والے دس ہزار صحابہ کے علاوہ دوفہارہ کی تعداد میں مکے والے بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے جو تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے صفوان بن امیہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا، اس سے بھی اسلحہ کی امداد طلب کی۔ پہلے تو اس نے پس و پیش کیا مگر آخر کار مسلمانوں کو اسلحہ دیا گیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے صفوان کو توفیق عطا کی اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ تاہم فتنہ اور محدثین اس واقعہ سے یہ مسئلہ نکالتے ہیں کہ بوقت ضرورت مشرکین سے مدد لینا بھی جائز ہے جیسا کہ صفوان سے اسلحہ لیا گیا۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے غزوہ حنین کے لیے بارہ ہزار کا لشکر تیار کیا۔

حنین کے میدان میں ایک طرف مسلمانوں کے بارہ ہزار مجاہد تھے جب کہ دوسری طرف مشرکین کے چار ہزار سپاہی۔ اپنی کثرت تعداد دیکھ کر بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تعداد کی قلت کے باوجود فتح سے بہکا کر تارک رہے مگر اب تو ہماری تعداد دشمن سے ویسے ہی تین گنا ہے، لہذا ہماری کامیابی یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ فتح و شکست کا دار و مدار قلت و کثرت پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا سر ہون منت ہوتا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کو یاد دلایا ہے کہ جس کثرت تعداد نے تمہیں تعجب میں ڈالا وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا کہ ابتداءً جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بباری تھا، انہوں نے اسے فتح پر محمول کیا اور مجاہدین کی اکثریت مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئی۔ ادھر دشمن نے اپنے بعض تیر انداز تنگ دروں میں بھٹائے ہوئے تھے اور یہ لوگ اسلامی لشکر کی گتت میں تھے۔ چنانچہ جب مجاہدین ایک تنگ پہاڑی درے سے گزر رہے

معبرہ  
حنین

تھے۔ تو دشمن کے تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی بارش کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں افسر تفری پیدا ہو گئی اور جس طرف کسی کو موقع ملا بھاگ کھڑا ہوا۔ پہلے طلحہ علیؓ ہوئے اور پھر عام مسلمان بھی تتر بتر ہو گئے حتیٰ کہ حضور کے ساتھ حضورؐ سے آدمی باقی رہ گئے۔ بعض روایات کے مطابق صرف نو آدمی حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے جن میں حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ اور عباسؓ وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ تاہم بعض روایات میں سو آدمیوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ جب مسلمان لشکر میں اس قدر انتشار پیدا ہو گیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ان کو آواز دو کہ ہاجرین کہاں ہیں، انصار کدھر گئے اور شجرہ کے نیچے بیعت کرنے والے کدھر گئے۔ یہ آواز سن کر مسلمانوں کے حواس ٹھکانے آئے اور وہ پھر حضور علیہ السلام کے گرد جمع ہو گئے۔ دوبارہ معرکہ برپا ہوا، جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت سے مال غنیمت آیا، جس میں چھ ہزار غلام لونڈیاں، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اونٹ چاندی مٹی حضور علیہ السلام نے مال غنیمت کی تقسیم میں قدرے توقف کیا کہ شاید متحارب مشرکین اسلام قبول کر لیں مگر جب ان کی طرف سے فوری طور پر کوئی پیش کش نہ ہوئی تو آپ علیہ السلام نے یہ سارا مال مجاہدین میں تقسیم فرما دیا حتیٰ کہ غلام اور لونڈیاں بھی تقسیم ہو گئیں۔ اس کے بعد جنگ میں حصہ لینے والے مشرکین نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر ان کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اپنی غلطی کا اعتراف اور اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا حضور علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اب تم اپنا مال واپس لینا چاہتے ہو یا اپنی عورتیں اور بچے۔ انہوں نے عورتوں اور بچوں کو مال پر ترجیح دی کہ ہمیں ہمارے عزیز و اقارب واپس کر دیے جائیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کے پاس لونڈی غلام بچے ہیں وہ خود انہیں آزاد کر دے اور اگر وہ سچوٹی

مال غنیمت  
کی تقسیم

ایسا کرنے پر آمادہ نہیں تو ہمارا اس کے ساتھ وعدہ ہے کہ کسی دوسرے موقع پر انہیں لونڈی غلام مے دیے جائیں گے۔ بہر حال لونڈیاں اور غلام سائے کے سائے آنا دیکھ دیے گئے اور مال صحابہ میں تقسیم ہو گیا یہ مال زیادہ تر ان لوگوں کو دیا گیا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے کیونکہ ان کی تالیف قلبی مقصود تھی۔

نزول  
سکینہ

بہر حال اللہ تعالیٰ نے جنین کا واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ تہاری کثرت تعداد نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا اور تم پشت پھیر کر بھاگ گئے۔ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سُكِينَةٍ تسکین نازل فرمائی جس سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور انہیں فتح سے ہمکنار کرے گا۔ اور یہ خاص تسلی عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ اللہ کے رسول پر بھی نازل ہوئی اور ایمان داروں پر بھی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّهُ تَرَاهَا إِبْرَاهِيمَ نازل فرمایا جس قسم نے نہیں دیکھا۔ بدر کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر نازل فرمایا تھا تاکہ ایمان والوں کے دل کو تسلی ہو سکیاں۔ یہ فرمایا کہ ہم نے لشکر کا نزول فرمایا وَعَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کافروں کو۔ تَوَارِدًا کے بہت سے آدمی مارے گئے، عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنے اور بہت سا مال بھی دینا پڑا۔ فَرَأَىٰ ذَٰلِكَ جِبْرِيلُ الْكُفْرَيْنَ کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہوتی ہے۔

فرمایا ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ پھر اللہ تعالیٰ تو بہ قبول فرماتا ہے جسکی چاہے جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی اور مغلوب ہو گئے۔ ان کی توبہ اللہ نے قبول فرمائی اور ان میں سے اکثر اسلام لے آئے جن کی جنگ کے بعد مسلمانوں کی ایسی دھاک بیٹھی کہ پورے عرب میں مسلمانوں

کے سامنے سر اٹھانے والا کوئی باقی نہ رہا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہوا، وگرنہ کثرتِ تعداد کے باوجود مسلمان سخت مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ لہذا تعداد اور اسلحہ پر بھروسہ کرنا ہی بجائے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

بارہ ہزار  
کے لیے  
خوشخبری

بارہ ہزار کے لشکر کے لیے حضور نبی کریم علیہ السلام نے خاص خوشخبری سنائی ہے۔ فرمایا اِنَّ يَغْلِبُ مِنْ قِلَّةٍ اَشْتَا عَشْرَ اَلْفٍ يَنْبَغِي بَارَہِ ہزار افراد کا لشکر قتلِ تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ منظم ہو۔ اگر ایسے لشکر والے ایماندار ہوں گے، اللہ پر بھروسہ رکھیں گے، صحیح اصولوں پر قائم ہوں گے تو کبھی مغلوب نہیں ہوں گے البتہ ہزول، غیر منظم اور غیر متیقن لوگوں کی صورت میں ایسا نہیں ہوگا۔ قرآنِ اولیٰ کے لوگ قرآنِ حکیم اور حضور علیہ السلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر کاربند تھے مگر حنین میں ذرا سی غلطی ہوئی، تنظیم میں فرق آیا تو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ بہر حال، جو لوگ بے غرض اور دین کی طرف رکھتے ہوں اور ان کی تعداد بارہ ہزار ہوگی وہ کبھی مغلوب نہیں ہوں گے حضور علیہ السلام نے یہ خوشخبری بھی سنائی۔

آج کے درس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ کامیابی کا احسن کثرتِ تعداد پر نہیں ہونا بلکہ پوری دلجمعی خدا پر یقین اور اپنے مقصد کے ساتھ لگن پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جنگِ حنین میں اللہ تعالیٰ نے خصوصی مدد فرمائی، پھر غلطی کرنے والوں کی توبہ بھی قبول کی کہ مشرکین کی اکثریت مسلمان ہو گئی، تاہم انہیں شکست کھا کر ذلیل و خوار ہونا پڑا۔ ان کے بچے اور عورتیں غلام اور لونڈیاں بنے۔ کثیر مقدار میں مال بھی ہاتھ سے گیا، مجسٹریکریاں، اونٹ، غلہ، چاندی غرضیکہ سارا مال مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر ہاتھ آیا۔ پھر لونڈی غلاموں کو آزاد بھی کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ



کی مہربانی سے بعد میں انہیں ایمان کی دولت بھی نصیب ہو گئی۔ فرمایا  
 وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والے  
 اور مہربان ہے۔ اُس نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں معاف کر دیا۔

---

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس دہم ۱۰

آیت ۲۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نجسٌ فَلَا  
يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَمِهِمْ هَذَا وَإِنْ  
خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ  
فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۲۸)

ترجمہ :- اے ایمان والو! بیشک مشرک ناپاک ہیں، نہ آئیں  
قریب مسجد حرام کے اس سال کے بعد۔ اور اگر تم خوف کھاؤ  
محتاجی اور فقر کا تو غفریب اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کر دے گا  
اپنے فضل سے اگر چاہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ  
جاننے والا اور حکمت والا ہے (۲۸)

سورۃ کی پہلی آیت میں برأت کا اعلان تھا، پھر جہاد کا اعلان ہوا۔ پھر ان اسباب  
کا ذکر ہوا جن کی وجہ سے جہاد تک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی قباحت اور  
برائی بھی بیان فرمائی اور اہل ایمان کو ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اور صرف  
خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ پھر اللہ نے اہل ایمان کو یاد دلایا کہ  
اُس نے ہمیشہ اپنے مخلص بندوں کی مدد کی ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ  
نے مشرکین کو مسجد حرام کے قریب آنے سے منع فرمایا ہے اور ساتھ اُس کی وجہ  
بھی بیان فرمائی ہے۔

۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور اس سے اگلے سال ۹ھ میں حضور علیہ السلام نے حضرت  
ابوبکر صدیقؓ کی امارت میں مدینہ منورہ سے مسلمانوں کا ایک حج وفد حج کے لیے بھیجا۔

محمد صرم  
بے غلی

اسی دوران سورۃ توبہ کی آیات متعلقہ برأت نازل ہوئیں تو آپ نے یہ آیات حضرت علیؓ کو دیکھ کر مگر مہم بھیجا تا کہ وہ حضرت صدیقؓ کے ساتھ مل کھج کے موقع پر مشرکین سے بیزار می اور اُن کے خلاف اعلان جنگ کر دیں۔ ان احکامات میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ آئندہ کوئی مشرک بیت اللہ شریف کا حج اور طواف نہیں کر سکیگا۔ اعلان عام کیا گیا لا یحجّ بعد العام مشرکون یعنی مشرک لوگ اس سال کے بعد حج کے لیے نہیں آئیں گے وَلَا یطوفون بالبيتِ عریان اور بیت اللہ شریف کا ننگا طواف بھی نہیں کریں گے۔

ارشاد ہوتا ہے یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اے ایمان والو! اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ جَسَدٌ مِّثْلُ بَیْطٍ مَّشْرُکٍ کرنے والے ناپاک ہیں فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عِلْمِهِمْ هَذَا اِنَّمَا اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئیں اگیا ۹ھ کے بعد مشرکین کو حرم شریف سے بالکل بے دخل کر دیا گیا۔ چنانچہ اگلے سال جب سنہ ۱۰ھ میں حضور علیہ السلام خود حجۃ الوداع کے لیے تشریف لائے تو اس سال کوئی مشرک حج کر کے لیے نہیں آیا۔

مشرکین کی  
نجاست

امام ابو بکرؓ جصاص تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ نجاست دو قسم کی ہوتی ہے۔ اس کی پہلی قسم نجاست عین ہے اور اس میں ظاہری طور پر ناپاک چیزیں شامل ہیں جیسے بول و بارز، خنزیر، دم مسفوح وغیرہ۔ اور نجاست کی دوسری قسم نجاست ہی ہے۔ گناہ کو بھی نجاست سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے بتوں کو گندگی کا نام دیا ہے سورۃ حج میں ہے فَاجْبِ تَنَبُّوْا الرَّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ بت پرستی کی نجاست سے بچو۔ تو گویا مشرکوں کی نجاست بھی یا معنوی نجاست ہے اور اسی نجاست اور گندگی کی وجہ سے انہیں مسجد حرام سے روک دیا گیا۔

بعض لوگ جن میں ظاہریہ اور اہلیہ بھی شامل ہیں، مشرکوں کو اسی طرح  
 جہانی طور پر ناپاک سمجھتے ہیں جس طرح کوئی بھی گندی چیز گوبر، خون، بول و  
 برانہ وغیرہ ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی اسی ظاہری نجاست کی وجہ  
 سے اللہ نے انہیں مسجد حرام سے بے دخل کیا ہے تاہم جمہور فقہاء و  
 محدثین فرماتے ہیں کہ مشرکین کا ظاہری جسم ناپاک نہیں ہے بلکہ ان میں  
 معنوی ناپاکی پائی جاتی ہے اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ اس آیت کے  
 نزول کے بعد طائف کے مشرکین کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت  
 میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کے ٹھکانے کے لیے مسجد نبوی کے صحن  
 میں خیمے لگوا دیے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، قَوْمٌ أَجْنَسٌ حَنُورٍ اِیہ  
 تو ناپاک لوگ ہیں اور آپ نے انہیں مسجد میں خیمہ زن کر دیا ہے حالانکہ  
 مساجد کے متعلق حکم یہ ہے کہ اِنَّ قُطُیْبَکَ وَتَنْظِفَکَ اِنِّیْہِیْہِ  
 صاف رکھا جائے۔ مساجد میں کسی قسم کی گندگی نہیں ہونی چاہیے۔  
 مگر مسجد نبوی میں مشرکین کی نجاست کو داخل کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے  
 فرمایا اِنَّہَا اَجْنَسُہُمْ عَلٰی اَنْفُسِہُمْ لَیْسَتْ اَجْنَسُہُمْ  
 عَلٰی اَبْدَانِہُمْ (طہاری۔ ابوداؤد) یعنی ان کے جسم ناپاک نہیں ہیں بلکہ  
 ان کی گندگی ان کے نفسوں میں ہے اور ان کے عقیدے اور اعمال گندے  
 ہیں۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جب ابوسفیان مدینے گئے تو وہ  
 اس وقت تک مشرک تھے مگر انہیں مسجد نبوی میں داخل ہونے پر کوئی  
 رکاوٹ نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی نجاست سے مراد  
 ان کی ظاہری نجاست نہیں بلکہ معنوی گندگی مراد ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا، ظاہری نجاست کا مطلب گوبر، خون،  
 بول برانہ ہے جب کہ مشرکین ان کے دل میں بھڑے ہوئے شرک کی  
 وجہ سے سنجس ہیں۔ اسی سورۃ میں منافقوں کے لیے بھی رجس یعنی گندگی

ظاہری اور  
 باطنی نجاست

کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہمراہ تھے۔ آپ نے فرمایا، مجھے استنجا پاک کرنے کے لیے پتھر تلاش کرو تلاش کرنے پر صرف دو پتھر مل سکے۔ چونکہ استنجا کے لیے تین ٹمبل کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے حضرت ابن مسعودؓ نے دو پتھر اور ایک ٹمبل خشک گوبر کاٹے دیا۔ حضور علیہ السلام نے پتھر تو لے لیے مگر گوبر بھینک دیا اور فرمایا **لَا تَنْهَیْکُمْ عَنْ شَرِّ مَا کَانَ** یعنی یہ گوبر ناپاک ہے اس سے استنجا پاک نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال مشرکین کی نجاست سے مراد ان کی ظاہری پلیدی نہیں بلکہ قلب و روح کی نجاست ہے، ان کے اعمال اور اخلاق گندے اور نیت گندی ہے۔ لہذا وہ اس قابل نہیں کہ مسجد حرام کے قریب آسکیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کے ذریعے مشرکین کو عام مسجد حرام سے بے دخل کیا گیا ہے یا عام مسجدوں کا بھی یہی حکم ہے کہ مشرک ان میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تمام مساجد مسجد حرام کے حکم میں داخل ہیں جب کوئی مشرک مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا تو وہ کسی بھی مسجد میں جانے کا اہل نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف مسجد حرام کے لیے ہے اور دیگر مساجد میں مشرکوں کے داخلے پر کوئی پابندی نہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ مشرکین کے مسجد الحرام میں داخل نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کسی بھی حالت میں وہاں نہیں جا سکتے بلکہ اس آیت کمرمہ کا مطلب یہ ہے کہ مشرک لوگ حج طواف یا دیگر عبادات کے لیے وہاں داخل نہیں ہو سکتے، البتہ اگر کوئی دیگر ضرورت ہو تو وہاں جا سکتے ہیں مثلاً مسجد کی دیکھ بھال یا تعمیر و مرمت

عام مسجد کا حکم

کے لیے ضرورت ہو یا قاضی مقدمہ کی سماعت مسجد میں کمرہ رہا ہو تو مشرک کے داخلے پر پابندی نہیں ہے۔ اس کا جواب اُسی وفدِ طائف کے واقعہ میں موجود ہے کہ آپ نے وفد کو مسجد میں بٹھرایا تھا اور اسلام لانے سے پہلے البوسفیان کے داخلے پر بھی کوئی پابندی نہ تھی۔ بہر حال مشرکین پر پابندی اسی صورت میں ہے کہ وہ عبادت کے لیے آنا چاہیں یا مسجد پر غلبہ حاصل کرنا چاہیں اور یہی حکم عام مساجد کے لیے بھی ہے اب رہی یہ بات کہ کون سے مشرک مسجد کے قریب نہیں آسکتے تو ان میں یہود نصاریٰ، مجوسی، ہندو، سکھ، جاپانی، چینی اور ویٹ نامی تمام کے تمام مشرک شامل ہیں، کوئی بھی عبادت کے لیے مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔ ان کے عطاء اور اعمال گندے ہیں اور ان کے قلوب واذہان نجس ہیں۔ اور یہ ایسی نجاست ہے جو توبہ کے بغیر دور نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص عطاء کی نجاست لے کر اس دنیا سے چلا گیا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نجس ہی رہے گا ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرہ) اللہ تعالیٰ انہیں کبھی پاک نہیں کریگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اسی لیے فرمایا اے ایمان والو! مشرک لوگ ناپاک ہیں۔ یہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔ چنانچہ ۹ھ کے بعد کوئی مشرک حج و عمرہ کے لیے مسجد حرام میں نہیں آیا۔ یہ حکم صرف مسجد حرام کے لیے ہی نہیں بلکہ پورے حرم کے لیے ہے جس میں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات بھی شامل ہیں۔ چونکہ حج کے ارکان انہی مقامات پر ادا ہوتے ہیں لہذا ان کی بے دخلی کا حکم ان تمام مقامات کے لیے ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے اس خدشہ کا ذکر کیا ہے جو مشرکین سے مذکورہ مقامات کی وجہ سے پیدا ہوا جب

مسلمانوں کی  
اقتصادی  
حالت

مشرکین عرب کا داخلہ مسجد حرام یعنی مکہ مکرمہ میں بند کر دیا گیا تو بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا کہ مشرکین کی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے ہمیں ضرورتاً زندگی میسر آتی رہتی تھیں۔ اگر ان کا آنا بالکل بند ہو گیا تو کہیں ہم اقتصادی طور پر مفلوج نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ مشرکین عند میں آکر مزید نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح ایک طرف تو ضروریات زندگی خوراک، لباس وغیرہ کی قلت پیدا ہو سکتی ہے اور دوسری طرف بحیثیت مجموعی اقتصادی بد حالی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی خدشہ کو دور فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنْ خِفْتُمْ عِيْلَةً اگر تمہیں محتاجی اور فقر کا خطرہ ہو تو یاد رکھو! هَسُوْفُ يُعْنِي كُمْ اللہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں غنی کر دے گا مَنْ فَضَّلَ اپنے فضل سے إِنْ شَاءَ اگر وہ چاہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمہاری ضرورتاً اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، وہ تمہاری ضرورت اپنے فضل سے پورا کرے گا۔ اس سلسلے میں تمہیں کوئی فکر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کا حکم بلا چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیے۔ اسی پر مکمل بھروسہ رکھنا چاہیے، وہ تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ مشرکین اہل ایمان کو کوئی گمزدہ پہنچا سکے۔ بلکہ مسلمانوں کو قریبی زمانہ میں بے پناہ مال و دولت حاصل ہوا۔ بہت سے ملک ان کے تسلط میں آئے، زمین، مکانات اور باغات میسر آئے۔ انہیں کوئی خطرہ باقی نہ رہا، مسلمان تھوڑے ہی عرصہ میں غنی ہو گئے اور اس طرح اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔ قرآن پر عمل کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کیے کہ ان کا تمام احتیاج دور ہو گیا اور خوشحالی آگئی فرمایا۔ إِنَّ اللَّهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اللہ تعالیٰ کمال حکمت کا مالک ہے۔ اس کی حکمت سے کوئی کام خالی نہیں۔ وہ علیم کل بھی ہے۔

سب باتیں اس کے علم میں ہیں۔ اس نے دین کو غلبہ دیا اور سچے  
 دین کو قائم کرنے کا حکم دیا۔ اگر اہل ایمان اسے سچائی کے ساتھ قبول  
 کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے گا۔ انسان کا علم ناقص ہے  
 جو اللہ تعالیٰ کی ہر حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہے لہذا انسان کا فرض  
 یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی بلاچون و چرا تعمیل کرے۔

---



واعلموا ۱۰

درس یازدهم ۱۱

التوبة ۹

آیت ۲۹

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ  
وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ  
دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا  
الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ :- لڑو اُن لوگوں سے جو نہیں ایمان لائے اللہ  
پر اور قیامت کے دن پر۔ اور نہیں حرم ٹھہراتے اُس چیز  
کو جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرم قرار دیا ہے اور  
نہیں قبول کرتے سچے دین کو، اُن لوگوں میں سے جن کو  
کتاب دی گئی ہے (لڑو ان سے) یہاں تک کہ وہ جزیہ  
دیں اپنے ہاتھ سے اور وہ بے دلی ہوں ﴿۲۹﴾

گزشتہ دروس میں مشرکوں کے ساتھ جہاد کا ذکر تھا، اُن کا کام تو تمام ہو گیا۔  
عرب کا خطہ تو حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں ہی شرک اور کفر سے پاک ہو گیا تھا۔  
مشرکین کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا اور جو باقی رہ گئے اُن میں مقابلہ کی  
سکت نہ تھی۔ فتح مکہ کے بعد قبیلہ ثقیف، ہوازن اور بنی بکر والے جو حنین کے  
مقام پر مسلمانوں کے بالمقابل آئے تھے، وہ سب آخر میں ملان ہو گئے، البتہ  
جعلی نبوت کا مسئلہ ابھی باقی تھا، پیامہ میں میلہ کذاب کا فتنہ سراٹھار رہا تھا اور دوسری  
اسود عسی کی جماعت اسلام کے متوازی پروگرام جاری کرنا چاہتی تھی ان کا قلع قمع بھی ہو  
گیا۔ اب یہود و نصاریٰ باقی رہ گئے جو عرب کے مختلف خطوں میں آباد تھے، خاص طور

پر مدینے کے اطراف اور خیبر سیو دیوں کے گڑھ تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے، اور دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب کے متعلق احکام نازل فرمائے ہیں۔

اہل کتاب کے  
خلاف حربہ

اہل کتاب بھی مشرکین کی طرح اسلام کی اشاعت کے راستے میں رکاوٹ بن رہے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف بھی جہاد کا حکم دیا۔ البتہ اگر یہ لوگ اسلام دشمنی ترک کر کے مسلمانوں کے ماتحت رہنا قبول کر لیں، اسلامی قانون کی بالادستی تسلیم کر لیں اور شریف شری بن کر گزراوقات کرنے پر رضامند ہوں تو پھر وہ سالانہ جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے زیر تسلط رہ سکتے ہیں۔ اس صورت میں انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل ہو گی اور ان کی جان، مال اور عزت بھی محفوظ ہوگی۔ اور اگر وہ یہ شرط قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر ان کے لیے واحد راستہ یہی ہے کہ ملک بدر ہو جائیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

ایمان بابت

ارشاد خداوندی ہے قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
ان لوگوں کو لڑائی کر دو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے۔ اہل کتاب کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں مگر ان کا یہ ادھر ایمان معتبر نہیں ہے مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو مکین کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ جو اہل کتاب ہیں۔ سب سے پہلے انہیں توجیہ و رہت کے اقرار کی دعوت دینا۔ اگر اس دعوت کو مان لیں۔ وہاں پر الفاظ آتے ہیں فَإِذَا عَرَفُوا اللَّهَ حُبُّهُ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی معرفت الہی درست نہیں ہے۔ حضرت

اہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصطلاح میں یہ لوگ حجابِ سو معرفت کا شکار ہیں۔ مشرک لوگ بھی کسی نہ کسی طور خدا کو مانتے ہیں مگر ان کی پہچان بھی صحیح نہیں۔ جب تک خدا تعالیٰ کی صحیح پہچان اور معرفت نہیں ہوگی۔ اس کی ذات اور صفات کا صحیح تصور نہیں ہوگا، ان کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ ایمان کی تکمیل اس وقت ہوگی جب انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کا تصور قائم ہو جائیگا۔ خدا تعالیٰ کی صفات بندوں میں ثابت کرنا اور بندوں کی صفات خدا تعالیٰ میں ماننا دونوں باتیں غلط ہیں اور یہی حجابِ سو معرفت ہے۔ بٹا ہونا بندوں کی صفت ہے اور اگر یہی صفت خدا تعالیٰ میں ماننے کا تو مشرک ہو جائے گا۔ اس کا ایمان باللہ کہاں درست رہا؟ اسی لیے فرمایا اگر اللہ کی ذات و صفات کا صحیح تصور نہیں ہے تو ایمان بھی نہیں ہے اپنی زبان سے تو اہل کتاب سمیت تمام مذاہب کے پیروکار ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن ان کے ایمان کی نفی کرتا ہے کیونکہ ان کی پہچان صحیح نہیں ہے۔ اور انہی لوگوں سے جنگ کا حکم ہو رہا ہے۔

قیامت پر  
ایمان

فرمایا اُن سے لڑو جو نہ تو اللہ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں وَلَا بِالْيَوْمِ  
الْآخِرِ اور نہ قیامت کے دن پر۔ قیامت کے دن کا تصور تو ج بھی  
درست ہوگا جب ایمان باللہ درست ہوگا۔ جب توحید کے ضمن میں  
ہی معلوم ہو گیا کہ ان کی پہچان صحیح نہیں ہے۔ یہ لوگ انبیت کے عقیدے  
کے قائل ہیں اور بعض دیگر باتیں بھی خدا کی طرف غلط طور پر منسوب کرتے  
ہیں تو ان کا قیامت کا تصور بھی درست نہیں ہے۔ یہودی ہوں یا  
نصرانی رسولِ آخر الزماں کو تو وہ مانتے ہی نہیں۔ آپ کی رسالت کو  
تسلیم نہیں کرتے لہذا وہ اس لحاظ سے کافر ہیں۔ غرضیکہ جو نہ تو اللہ کی معرفت

کا صحیح تصور رکھتے ہیں اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کے قائل ہیں، اُن کا قیامت پر ایمان کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ وہ قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

حلت و  
حرام  
میں امتیاز

وَلَا يَجْرِمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ اور نہ وہ اُس چیز کو حرام ٹھہراتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ حرام و حلال میں امتیاز بھی ایمان کی شرط ہے۔ صحیح حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحیح مسلمان اُس وقت ہو گا جب اللہ کی حرام کردہ چیز کو حرام سمجھے اور حلال کردہ چیز کو حلال سمجھے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا حضور! اَحَلَّتْ مَا اَحَلَّ اللَّهُ وَحَرَّمَتْ مَا حَرَّمَ اللَّهُ کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیا کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھوں، نماز ادا کروں اور باقی فرائض انجام دوں تو کیا مجھے نجات ملے گی، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہاں تجھے نجات ملے گی مطلب یہ ہے کہ حلال اور حرام میں فرق کرنا بھی ایمان کا جزو ہے۔

اس کے برخلاف عیسائی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی حرام کردہ شراب کو حلال جانتے ہیں۔ خنزیر کو حلال سمجھ کر کھا جاتے ہیں تو ان کا ایمان کیسے قائم رہ سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بعض اشیاء کی حرمت کا حکم قرآن پاک میں صریحاً لگایا ہے اِنَّ مَا حَرَّمَ عَلَیْكُمْ الْمَيْتَةَ وَاللَّعْنَةُ وَالْخِنْزِيرِ وَمَا اُھْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ مردار، خون خنزیر کا گوشت اور نذر غیر اللہ قطعاً حرام ہیں۔ اللہ کے رسول نے بھی اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ اس کے باوجود جو شخص ان میں سے کسی چیز کو حلال سمجھتا ہے۔ وہ مومن کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی زنا کو حلال سمجھے، قتل نامحرم کو حلال خیال کرے تو وہ ایماندار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس نے اللہ اور اس کے رسول کی حلت و حرمت میں

دخل اندازی کی ہے۔

حقیقت میں حلت و حرمت کا قطعی حکم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، البتہ اللہ کا نبی اس حکم کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کا نبی کہے کہ فلاں چیز حرام ہے تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی اس چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ نبی بھی الہی کا مبعوث ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں ٹھہراتا بلکہ اللہ کا حکم پہنچاتا ہے۔ دراصل تحلیل و تحریم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور نبی اس کا بیان کرنے والا ہوتا ہے جس کے متعلق نبی کہے کہ یہ حرام ہے، وہ واقعی حرام ہوتی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

فرمایا اہل کتاب کا نہ تو ایمان باللہ درست ہے، نہ ان کا قیمت پر صحیح یقین ہے، نہ حلال و حرام میں تمیز ہے وَلَا یَدْرِیْنَ حَقَّ دِیْنِ الْحَقِّ اور نہ وہ دین حق کی اطاعت کرتے ہیں۔ جو دین حق کو تسلیم نہیں کرتا اس کے خلاف بھی جہاد کیا جائے گا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ ائمہ کفر سچے دین کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کے خلاف جہاد لازم ہو جائے گا۔ یہود و نصاریٰ بھی اسی بیماری میں مبتلا تھے لہذا ان کے خلاف بھی جنگ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ دنیا کے دیگر بہت سے مذاہب کا بھی یہی حال ہے، رو بھی بھی اللہ کے دین کو پسند نہیں کرتے بلکہ اسے رحمت پسندانہ دین کہتے ہیں۔ چینی ہوں یا جاپانی، امریکی ہوں یا جرمن کوئی بھی حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں لہذا ان کے ساتھ مسلمانوں کا دوستانہ نہیں ہو سکتا، اگر مسلمان ان کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ لہذا ان کے ساتھ جب بھی ہوگی جنگ ہی ہوگی۔

آگے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ اور  
قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ  
اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے فرمایا مِنَ الَّذِينَ  
أَوْفُوا بِالْكِتَابِ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں کتاب عطا کی گئی۔ اور ظاہر  
ہے کہ کتاب کے حاملین یہی وہ فرقے یہود اور نصاریٰ ہیں یہودی اپنے آپ  
کو تورات کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نصاریٰ انجیل کی طرف، مگر دونوں  
نے اپنی اپنی کتابوں کو اس حد تک تبدیل کر دیا ہے کہ وہ بالکل نام ہو کر رہ گئی  
ہیں۔ ان لوگوں کو نہ خدا تعالیٰ کی صحیح پہچان ہے اور نہ انبیاء پر صحیح ایمان ہے۔  
ان کے ساتھ جنگ ناگزیر ہے تاکہ یہ لوگ دین حق کی اشاعت میں رکاوٹ  
نہ بن سکیں۔ البتہ ان کے واسطے ایمان کی ایک ہی صورت ہے حتیٰ  
يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دے لیں۔ یعنی  
اسلامی قانون کی بالادستی تسلیم کر کے مسلمانوں کی ماتحتی میں رہنا قبول کر لیں۔  
اور مقررہ رقم بطور ٹیکس ہر سال ادا کریں۔ اس طرح وہ ذمی کہلائیے گئے اور  
انہیں اسلامی حکومت کی طرف سے اخلاقی، مادی اور مذہبی تحفظ حاصل  
ہو جائے گا۔

کافر دو قسم کے ہیں۔ حربی کافر وہ ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی حالت  
میں ہوں اور دوسرے ذمی ہیں جو مسلمانوں کی حفاظت میں ہوتے ہیں اگرچہ  
وہ اپنے دین پر قائم رہتے ہیں۔ ان دونوں قسم کے کافروں کے متعلق  
سورۃ ممتحنہ اور بعض دوسری سورتوں میں الْكُفَّارُ حکم آیا ہے۔ ذمیوں کو  
مکمل حقوق حاصل ہوتے ہیں اور ان کی جان، مال اور عزت دیگر مسلمانوں  
کی طرح محفوظ ہوتی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کافران ہے کہ جب  
کوئی کافر بحیثیت ذمی مسلمانوں کی پناہ میں آجائے تو وہ شخص مامون ہو گیا  
جو کوئی ذمی کو قتل نہ کرے گا۔ اُسے جنت کی خوشبو تک بھی نہیں آئے گی، یہ اتنا

بڑا جرم ہے۔

ذمی کے جرم میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ذمی کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا یعنی اُسے قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے لَا یُقْتَلُ مُؤْمِنًا بِكَافِرٍ یعنی کسی کافر کے قصاص میں مومن کو قتل نہیں کیا جائیگا۔ آپ اس سے عربی کافر مراد دیتے ہیں۔ یعنی اگر عربی کافر کو قتل کر دیا جائے تو اس کے بدلے میں مومن سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ البتہ اگر ذمی کافر کو مارا جائے گا تو اس کا اسی طرح قصاص لیا جائے گا۔ جس طرح کسی مومن کے قتل کا لیا جاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ایمان لانے کے بعد کسی مومن کا مال، جان اور آبرو محفوظ ہو جاتی ہے اسی طرح مانتی میں آنے والے ذمی کو بھی امان حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اہل کتاب میں سے اگر حربہ دینا قبول کر لیں تو پھر ان کے خلاف جنگ نہ کی جائے۔

اسلام کے قانون ہندو پر غیر مسلم اقوام نے بڑے اعتراضات کیے ہیں انگریز، یہودیوں اور ہندوؤں نے اس مسئلہ کو بہت اچھا لایا ہے جس طرح مسئلہ تعدد ازواج غیر مسلم اقوام کا تختہ مشق بناتھا، اسی طرح یہ مسئلہ بھی بنا ہے۔ مگر یہ اعتراض برائے اعتراض ہے۔ تعدد ازواج کے متعلق تو یہود، ہنود اور نصاریٰ نے بڑی گندی باتیں کہی ہیں۔ یہاں راجپال ہندو نے ”ریگلا رسول“ نامی کتاب لکھ کر مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا تھا۔ اس میں تعدد ازواج کے مسئلہ پر سخت برہنہ لائی گئی تھی۔ حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پر بھی حملے کیے گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غازی علم الدین شہید نے راجپال کو جہنم واصل کر دیا۔ عیسائی اور یہودی معترضین کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ سرخورتوں سے خدا کر نے والے شخص پر تو اعتراض نہیں کرتے مگر دو بیویوں سے نکاح کرنے والا اگر دینی

حزب کے  
خلاف  
پہنچتا

بن جاتا ہے۔ یہ متعصب اور خبیث لوگ ہیں جو مسلمانوں کے اہل قوانین پر بلاوجہ اعتراض کرتے ہیں۔

آج کل تمام حکومتوں کا نظام ٹیکسوں پر چلتا ہے۔ بعض ممالک میں تو کل آمدنی کا دو تہائی ٹیکسوں میں چلا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جزیرہ ایک معمولی سا ٹیکس ہے جو ذمی لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے

جزیرہ بطور  
ٹیکس

میں وصول کیا جاتا ہے۔ جزیرہ کی شرح خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہی مقرر ہو گئی تھی۔ یہ ٹیکس ہر خود روزی کلمے والے مسودہ حال شخص سے لائش درہم سالانہ متوسط آمدنی سے چھ بیس درہم اور غریب آدمی سے بارہ درہم

سالانہ ہے۔ اور پھر اس میں استثنا بھی ہے۔ اگر کوئی ذمی فوجی خدمات انجام دے رہا ہے تو اس سے جزیرہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس طرح معذور

آدمی، بچے، عورتیں، پادری، گوشہ نشین آدمی بھی جزیرہ سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ تو عام شرح ہے۔ البتہ اگر صلح کے کسی خصوصی معاہدہ کے تحت کوئی دوسری

شرح مقرر کر لی جائے تو وہ بھی درست ہے جیسے حضور علیہ السلام نے خیران کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ وہ لوگ حضور کے ساتھ

مناظرہ کرنے کے لیے آئے تھے مگر حبیب مجبور ہو گئے تو صلح کر لی اور کچھ کپڑے اور کچھ نقدی بطور جزیرہ دینا قبول کر کے اپنے علاقے میں واپس

چلے گئے۔ بہر حال یہ ایک معمولی سا ٹیکس ہے جو غیر مسلم ذمیوں پر عاید کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خود مسلمان اس سے زیادہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

بنو تغلب کے عیسائیوں نے جزیرہ کی بجائے زکوٰۃ کی دگنی شرح کے برابر رقم ادا کرنے کی پیش کش کر دی حضور علیہ السلام نے اسے منظور فرما

لیا۔ کہاتم ع جزیرہ کی بجائے جو چاہو نام دے دو اور ہمیں کوئی اعتراض نہیں حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ زکوٰۃ تو چالیسواں حصہ تھا، اب اسی

بیسواں حصہ دینا پڑا۔ چونکہ وہ لوگ جزیرہ کے نام سے بدکتے تھے اس لیے انہوں نے زیادہ ٹیکس دینا منظور کر لیا۔ اہل کتاب کو اس میں بھی سہولت



تھی۔ اُن کے دین کے مطابق اُن کی زکوٰۃ چوتھا حصہ مہرتی تھی مگر انہوں نے بیسواں حصہ ٹیکس ادا کیا اور مامون ہو گئے۔

جہنم کا  
دائرہ کا

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب ہی سے واجب الادا ہوتا ہے یا دیگر کفار سے بھی لیا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جزیہ صرف کتبیوں سے لیا جاتا ہے۔ عرب کے مشرکوں کے متعلق حکم یہ ہے کہ وہ دین اسلام قبول کر لیں، ملک بدر ہو جائیں یا اُن کے خلاف جہاد کیا جائے گا۔ اُن سے جزیہ قبول کر کے خطہ عرب میں کوئی دوسرا دین باقی نہیں رکھا جاسکتا۔ یہود و نصاریٰ جزیہ لینے کی جو اجازت دی گئی تھی، وہ ایک خاص وقت تک تھی کیونکہ مسلمان اُن کو کسی بھی وقت ملک بدر کر سکتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں پورے عرب کو یہود و نصاریٰ سے پاک کر دیا گیا۔ البتہ عربوں کے علاوہ عجمیوں سے جزیہ وصول کر کے انہیں اسلامی حکومت میں پناہ دی جاسکتی ہے۔ مجوسیوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس معاملہ میں تردد تھا تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضور علیہ السلام کی حدیث پیش کی کہ مجوسیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ کرو جیسا اہل کتاب کے ساتھ۔ البتہ نہ تم مجوسیوں کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو اور نہ اُن کا ذبیحہ کھا سکتے ہو۔ اُن معاملات میں ان کا حکم مشرکوں جیسا ہے۔ بہر حال عجم کے ہنود، یہود، سکھ، مجوسی، کوئی بھی ہوں انہیں جہنم کے بدلے امان دی جاسکتی ہے۔

اہل کتاب  
کی تفریق

فرمایا اُن سے جنگ جاری رکھو جب تک وہ جزیہ دینا قبول نہ کر لیں وَ هُمْ صَافِرُونَ اور جب تک وہ ذلیل اور محکوم نہ ہو جائیں فقہائے کرام فرماتے ہیں عَنْ یَسَدٍ سے مراد یہی ہے کہ ذمی لوگ خود حاضر ہو کہ جزیہ جمع کر لیں کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ اُن کی ذلت کی نشانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر ذمی کے لیے کوئی ظاہر

فتاویٰ مقرر کردینی چاہیے جس کے ذریعے وہ دُور سے ہی پہچانا جائے کہ

یہ ذمی آدمی ہے۔ تاہم اس آیت کے مطابق ان کا خوردہ اپنے ہاتھ سے  
جزیہ ادا کرنا ہی ان کے لیے کافی تدریل کا باعث ہے۔ آگے اہل کتاب  
کے عقائد باطلہ اور ان کی غرابیوں کا ذکر آ رہا ہے۔ اگرچہ عقیدے کے  
محاط سے یہ بھی مشرکوں جیسے ہی ہیں مگر انہیں کچھ رعایات حاصل ہیں۔

---

التوبة ۹

واعلموا ۱۰

آیت ۳۰ تا ۳۱

درس دوازدهم ۱۲

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزِّيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ إِنْ يُمْفَكُونَ ③۰ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ③۱

ترجمہ :- اور کما یودیوں نے عزیر اللہ کا بیٹا ہے ۔ اور کہا نصاریٰ نے مسیح اللہ کا بیٹا ہے ۔ یہ باتیں ہیں اُن کے اپنے مومنوں کی ۔ مشابہت کرتے ہیں اُن لوگوں کی بات کے ساتھ جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے ۔ اللہ انہیں تباہ کرے ، کدھر پھیرے جا رہے ہیں ③۰ بنا لیا ہے انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو رب اللہ کے سوا ، اور مسیح ابن مریم کو حالانکہ اُن کو نہیں حکم دیا گیا مگر اس بات کا کہ عبادت کریں ایک ہی خدا کی ۔ نہیں اس کے سوا کوئی الہ ۔ پاک ہے اُس کی ذات اُن چیزوں سے جن کو یہ اُس کے ساتھ شریک بناتے ہیں ③۱

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اہل کتاب کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا ۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کر کے ذمی بن جائیں ۔ اگر وہ اس طرح مسلمانوں کی ماتحتی قبول

کہیں تو ان کو امن حاصل ہو جائے گا۔ اہل کتاب کے ساتھ لڑائی کھینے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے۔ تو فرمایا یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کر کے ذلت قبول کریں۔ یہاں پر اشارہ تائید بات نکل آئی کہ ان کا ایمان حقیقت میں نہ اللہ تعالیٰ پر ہے اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ہی یہ دین حق کو قبول کرتے ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے گندے عقیدے کو بیان فرمایا ہے۔ یہ لوگ اسی باطل عقیدے کی اشاعت میں سرگرم ہوتے ہیں اور دین حق کے پروگرام کی مخالفت کرتے ہیں، اس لیے ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔

عقیدہ  
اہلیت

اہل کتاب کے غلط عقیدے کے متعلق فرمایا وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزْرُ بْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کھنصاری نے مسیح کا بیٹا ہے العیاذ باللہ تو رات میں آپ کا نام عزرا EZRA ذکر کیا گیا ہے۔ آپ یہودیوں سے بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے ہیں ان کا نام سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے جب بخت نصر نے اسرائیلیوں پر حملہ کر کے ان کے ملک کو تباہ و برباد کر دیا تو یہ لوگ ایک صدی تک اس ظالم بادشاہ کی غلامی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ بنی اسرائیلیوں کے تمام آثار مٹا دیے گئے اور ان کے عبادت خانے اور کتابیں بھی ضائع کر دی گئیں۔ پھر عزیر علیہ السلام کا اس اُجڑی ہوئی بستی پر سے گزرا ہوا تو تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ اس مردہ بستی کو کیسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک کے لیے موت دے دی۔ پھر اٹھا کہ پوچھا۔ تم کتنی دیر یہاں پہ ٹھہرے، کہنے لگے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ تم سو سال تک یہاں ٹھہرے ہو۔ پھر جب بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد دی ملی تو عزیر

علیہ السلام نے اپنی یادداشت کی بناء پر تورات کو دوبارہ جمع کیا جب یہ کتاب دوبارہ اپنی قوم کو دی تو اُن کو یقین ہو گیا کہ تورات کی دوبارہ ترتیب جیسا عظیم کام خدا کا بیٹا ہی کر سکتا ہے، یہ اور کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اس طرح قوم نے آپ کو ابن اللہ (خدا کا بیٹا) کا خطاب دیا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ عزیر علیہ السلام کے متعلق ابنیت کا عقیدہ سائے کے سائے یہودیوں کا نہیں تھا بلکہ یہودیوں کا ایک گروہ یا فرقہ تھا جس نے یہ باطل اور شرکیہ عقیدہ وضع کیا۔ اسی طرح نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اللہ کا بیٹا ہونا دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ حقیقی بیٹا تصور کیا جائے اور دوسری یہ کہ ”قَالُوا اخَذَ اللَّهُ وَلَدًا“ (البقرہ) خدا تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ یعنی حقیقی بیٹا نہیں بلکہ بے پائل یا منہ بولا بیٹا ہے۔ اور پھر اس سے یہ تاثر بھی اُبھرنا ہے کہ جیسے خود خدا نے بیٹا بنا لیا ہے، وہ خدا تعالیٰ کو نہایت لاڈلا اور پیارا ہوگا۔ پھر خدا تعالیٰ اس کو اختیار بھی دے گا اور وہ حاجت روائی اور مشکل کشائی بھی کرے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حقیقی بیٹے کا تصور تو نہایت ہی جاہل لوگ رکھتے تھے۔ یہ ویسا ہی تصور ہے جیسا کہ پتھر وں کو پوجتے والے اُن میں الوہیت مانتے ہیں۔ یہ تصور تو بعد میں آیا، البتہ ابتدائی نظریہ یہ تھا کہ یہ لوگ نہایت ہی مقرب الی اللہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دے رکھے ہیں اور یہ لوگوں کے کام کرتے ہیں اسی طرح مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی شروع میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کا پیارا ہے مگر بعد میں لوگوں نے اُسے بیٹا بنا دیا۔ عزیر علیہ السلام کو بھی یہودیوں نے خدا کا بیٹا کہہ دیا جیسا کہ قرآن پاک نے یہاں بیان کیا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ایک مرید حاجی امیر شاہ خان مرحوم  
 بڑے نیک آدمی تھے۔ انہوں نے شاہ اسماعیلؒ کو دیکھا تھا۔ آپ نے  
 اپنی کتاب امیر الروایات میں بعض بزرگوں کے متعلق کچھ مستند مشاہدات  
 بیان کیے جسے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مرتب کیا۔ ان کا بیان ہے  
 کہ وہ سیاحت کے سلسلے میں شام و فلسطین کے علاقہ میں گئے، اور  
 وہاں پر بعض یہودیوں کو دیکھا جو اپنے آپ کو عزیریہ کہلاتے تھے،  
 ان کا عقیدہ تھا کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اگرچہ عام یہودی  
 انبیت کے قائل نہیں ہیں تاہم ایک محدود فرقہ ضرور یہ اعتقاد رکھتا  
 ہے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ لوگ شدید غلطی پر ہیں۔

حجاب  
 معرفت

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حجاب سونے معرفت  
 دو وجہ سے واقع ہوتا ہے، اس سے مراد خدا تعالیٰ کے بلے میں انسان  
 کی غلط پہچان ہے۔ انسان یا تو شرک کی وجہ سے اس حجاب کا شکار ہوتا  
 ہے یا عقیدہ تشبیہ کی وجہ سے شرک یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی صفت منقسم  
 کسی مخلوق میں مانی جائے مثلاً خدا تعالیٰ علیم کل ہے، مشکل کشا ہے،  
 حاجت روا اور خالق ہے اور اگر کسی غیر اللہ میں بھی یہی صفات مانی جائیں  
 تو یہ شرک کا ارتکاب ہوگا۔ اور تشبیہ یہ ہے کہ انسان کی صفت خدا تعالیٰ  
 میں مانی جائے مثلاً اولاد ہونا انسان کی صفت ہے۔ اگر یہی صفت  
 رب تعالیٰ میں مانی جائے، اس کی اولاد ثابت کی جائے تو ایسا کہنے  
 والا عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہو کہ گمراہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ اولاد سے بالکل مبرا  
 اور منزہ ہے۔ نہ اس کی حقیقی اولاد ہے اور نہ اس نے مخلوق میں سے  
 کسی کو اولاد بنایا ہے۔ وہ تو غنی ہے۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ  
 ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ بعض لوگ  
 فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے ہیں۔ یہ باطل تصور قدیم مصر، یونان،

بابل اور روم میں بھی پایا جاتا تھا۔ ہندوستان میں ملائکہ کو دیویاں کہتے ہیں جس کا معنی بیٹیاں ہی ہے۔ بہر حال انسان کی صفت خدا میں ماننے والے عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہوئے اور خدا کی صفات مخصوص مخلوق میں ماننے والے شرک میں مبتلا ہوئے۔ اور یہی دو چیزیں معرفت الہی میں بگاڑ کا باعث بنیں جسے شاہ صاحب حجاب سورہ معرفت کا نام دیتے ہیں۔

مخلوق میں سے کسی کو خدا کا بیٹا ماننا یا اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار تفویض کرنا دونوں باطل عقائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی اللہ کا کام ہے۔ تدبیر کرنا بھی خدا کی صفت ہے لہذا ہر چیز کی تدبیر بھی وہ خود ہی کرتا ہے۔ اس دنیا میں بادشاہ، گورنر یا کوئی حاکم اپنے کسی ماتحت کو اختیارات دے دیتا ہے مگر خدا تعالیٰ کے ہاں ایسا کوئی قانون نہیں۔ تمام اختیارات اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہاں تو ملائکہ مقررین بھی یہی ہیں ”مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ“ ان کو بھی کوئی اختیار نہیں ”يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ“ وہ تو خدا تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ نصاریٰ کے غلط عقائد کی انتہا یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ کہا تو آپ کی والدہ مریم علیہا السلام کو مادر خدا کہ دیا۔ یہ سب عقیدہ تشبیہ کا شکار ہے اور شاہ صاحب کی اصطلاح میں حجاب سورہ معرفت ہے۔

اللہ نے فرمایا ذَلِك قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يَرُءِ اعْتِقَادُ ان کے مومنوں کی باتیں ہیں يُضَاهِيُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلِ يَہ اُن لوگوں کی بات کے ساتھ مشابہت ہے جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے مطلب یہ کہ اہل کتاب کا یہ عقیدہ پرانے کافروں کے عقیدے کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ پہلے ادوار میں بُدی بُدی

مختار کل  
اللہ ہے

کفار سے  
مشابہت

قدیم تہذیبیں گزری ہیں۔ ان میں مصری، بابلی، اشوری، ایجیٹا اور ایلو اتھنسیں مشہور ہیں۔ ٹیکسلا میں تین ہزار سالہ پرانی گندھارتہ تہذیب دریافت ہوئی ہے۔ ٹیکسلا کا پڑانا شہر کی حکومت کا دار الخلافہ تھا جو چار میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ سندھ میں منجودھاڑ کی پانچ ہزار سالہ پرانی تہذیب کے حفڈ رات پائے جاتے ہیں۔ ان تمام تہذیبوں کے لوگ مشرک تھے۔ ان کے عقاید بھی وہی تھے، جو نزول قرآن کے زمانے کے یہودیوں اور عیسائیوں کے تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ پرانے کافر اور اہل کتاب بے عقیدگی میں قدر مشرک رکھتے ہیں۔ قُلْ هُمْ اِلٰهَ اللّٰہِ التَّوَّعَالِی انہیں تباہ و برباد کرے اَنی یُؤْفَکُوْنَ یہ کہ دھڑ بھڑے جا رہے ہیں۔ نور ہدایت ایمان اور توحید کے آنے کے بعد بھی یہ ایسی ایسی شرکیہ اور کفریہ باتوں میں ٹوٹے ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے، یہ راہ حق سے دور ہٹائے جا رہے ہیں۔

اللہ کے  
سوارب

فرمایا اہل کتاب کی ایک خرابی تو یہ ہے کہ یہ عقیدہ تبشیر میں مبتلا ہو گئے ہیں اور دوسری یہ کہ اِتَّخَذُوْا اَحْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کے علاوہ اَرِیَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا۔ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ اَبْنٌ مَّرْکِیْمٌ اور مسیح ابن مریم کو بھی کبھی انہیں اللہ کہا اور کبھی ابن اللہ کہ دیا۔ ان میں خدائی اختیار کو تسلیم کیا اور اس طرح اللہ کے علاوہ دوسرے رب بنالیا، غیر اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے لگے اور انہی کی حلال و حرام کردہ اشیاء کو خدائی فیصلہ ماننے لگے، حکم طائی بڑا مشہور آدمی گزرا ہے۔ اس کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی، عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ اس کے بیٹے عدی اور بیٹی نے حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے ابتداء میں اسلام کے خلاف تھا اور جنگ میں حصہ بھی لیا مگر آخر میں اللہ نے ہدایت عطا فرمائی اور خود چل کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ترمذی شریفین اور منہ احمد کی روایت میں آتا ہے کہ جب عدی دربار



نبی میں حاضر ہوا تو اس کے گلے میں سونے کا صلیب لٹک رہا تھا آپ علیہ السلام نے فرمایا اَلْقَ عَنْكَ هَذَا الْوَثْنِ اس بت کو اپنی گردن سے اتار چھینو۔ عدی نے وہ صلیب فوراً اتار چھینا جسٹم اُس بت کو کہتے ہیں جو کسی شکل و صورت پر بنایا گیا ہو۔ اور وثن اُن گھڑے بت کو کہتے ہیں۔ بہر حال آپ نے وہ صلیب گلے سے اُتر وادی اور یہی آیت پڑھی اخذُوا احْبَانَهُمْ ..... الآية یعنی یہود و نصاریٰ نے اپنے عالموں اور مدد ویشوں کو رب بنالیا ہے۔ اس پر عدی نے عرض کیا حضور! ہم لو ان کی عبادت نہیں کرتے اور نہ ان کو رب بناتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم ان عالموں اور پیروں کے حلال کردہ کو حلال اور حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھتے؟ کہا ایسا تو ہے۔ فرمایا یہی رب بنانا ہے۔ محض سجد اور عبادت کرنے سے کوئی رب نہیں بنتا بلکہ اگر غیر اللہ میں تمجیل و تحریم کا اختیار مان لیا جائے تو یہ بھی رب بنانے کے مترادف ہے۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا کلی اختیار رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ اگر ایسا کوئی فعل نبی کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز قطعی طور پر حلال یا حرام ہے اور نبی اس حلت و حرمت کو ظاہر کرنے والا ہے۔ کسی عالم یا درویش کے اختیار میں حلت و حرمت قطعاً نہیں ہے۔

متنزل

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ عالم کا قول عوام کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے بشرطیکہ وہ شرع سے سمجھ کہہ لیا گیا ہو اور اگر وہ قول قرآن و سنت کی بجائے خود اپنی طرف سے بنا کہہ لیا جائے تو وہ سند نہیں ہوگا۔ یہودیوں میں یہی بیماری تھی کہ وہ اپنی طرف سے حکم لگا کر اسے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ انہوں نے خستہ پر کہ از خود حلال قرار دیا۔ پھر اُن پڑھ لوگوں کے ناحق مال کھانے کو جائزہ قرار دیا۔ کہتے تھے لَيْسَ عَلَيْكَ فِي الْاُمَمَيْنِ سَبِيلٌ (آل عمران) ہمارے لیے امیوں کا مال کھانا جائزہ ہے۔ علمائے سود اور پیران سود ہمیشہ ایسی

ہی بات کہتے ہیں۔ وہ بھی ناجائز طریقے۔ سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور یہی علماء اور پیروں کو رب بنانا ہے۔

ایک صاحب تبتلا ہے۔ تھے کہ ایک پیر صاحب دڑھی کو خضاب لگاتے تھے۔ ان کی گردن میں چھوڑا نکل آیا۔ حکیم صاحب نے مشورہ دیا کہ خضاب لگانا چھوڑ دیں کہنے لگے یہ تو بڑے پیر صاحب کا حکم ہے کہ خضاب لگایا کرو۔ لہذا غار، روزہ اور باقی فرائض تو چھوڑ سکتے ہیں مگر خضاب نہیں چھوڑے گا۔

یہی رب بنانے والی بات ہے اور یہی شرک ہے۔ بڑے پیر صاحب کا ایسی بات جو رسول کے حکم کے خلاف ہے اور پھر اس کی وجہ سے دنیا ہی لاحق ہو گئی ہے، اس کو ترک نہیں کر سکتے۔ علمائے سوہو اور پیران سوہو کا یہی کام ہے حضرت عبداللہ بن مبارک مشورہ تابعی ہیں۔ آپ امام ابوحنیفہ کے شاگرد

دین کو  
بگاڑنے والے

اور امام بخاری کے استاد تھے۔ بڑے فقیہ، محدث، غازی، مجاہد اور مجتہد تھے آپ کا یہ مصرعہ مشہور ہے۔ وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّينَ إِلَّا الْمُلُوكُ وَأَجْبَارُ سُوءٍ قَوْمٌ بِأَفْهَامٍ۔ یعنی دین کو بگاڑنے والے یا تو بادشاہ ہیں جو اپنی طاقت اور مال و دولت کے بل بوتے پر دین کو اپنی مرضی کا بناتے ہیں۔

یا پھر بڑے عالم اور بڑے درویش ہیں جنہوں نے دین میں بگاڑ پیدا کیا ہے اگر بادشاہ بگڑیں گے تو مسلمانوں کی معیشت تباہ ہوگی۔ اگر عالم بگڑیں گے تو دین تباہ ہوگا اور اگر پیر صاحبان بگڑ جائیں گے تو اخلاق تباہ ہو جائے گا اگر یہ تینوں طبقے بگڑ جائیں تو پھر قوم تنزل کی گڑھیوں میں جاگہ گی۔ چنانچہ یہ

بگاڑ ہماری امت میں بھی آچکا ہے۔ مسلمانوں کے اکثر فتنے ان تینوں گروہوں کے پیدا کردہ ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ علمائے سوہو، دین کے چور ہیں بلکہ ڈاکوؤں سے بھی بڑھ کر مضر ہیں کیونکہ لوگ انہیں نیک اور بزرگ سمجھتے ہیں مگر یہ دین کی بجائے اپنی بات چلا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی

شریعت بنا رکھی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّينَ إِلَّا الْمُلُوكُ وَأَجْبَارُ سُوءٍ قَوْمٌ بِأَفْهَامٍ۔

لَيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا کہ انہیں تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں۔ عبادت کے لائق سوائے ایک الہ کے اور کوئی نہیں مگر لوگوں نے علما اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔ اب حرام حلال کے فتوے یہ لگا رہے ہیں۔ فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی الہ نہیں۔ اُس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں۔ کوئی قادرِ مطلق اور علیم کل نہیں۔ حاضر و ناظر اور مختار مطلق صرف اللہ کی ذات ہے۔ مافوق الاسباب کوئی مشکل کشائی نہیں کر سکتا، مگر صرف اللہ۔ اُس کے سوا کوئی خالق اور مدبر نہیں۔ انہوں نے علما اور درویشوں کو حلال و حرام کے اختیارات دے دیے۔ اور عزیر علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔ ان کی عقلوں پر حجابِ سوء معرفت پڑ گیا ہے اور یہ تباہ ہو گئے ہیں۔

فرمایا سُبْحَانَہُ اللہ تعالیٰ کی ذات تو پاک ہے عَمَّا يُشْرِكُونَ اُن چیزوں سے جن کو یہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ نہ کوئی اس کا ذات میں شریک ہے نہ صفات میں، نہ عبادت میں، نہ علم میں، نہ قدرت میں اور نہ ارادے میں۔ مشرک لوگ خدا کے باغی اور مجرم ہوتے ہیں اور شرک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اگر کوئی شخص زندگی میں توبہ نہیں کر سکا تو پھر اُس کی بخشش کی کوئی صورت باقی نہیں جاتی۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ  
إِلَّا أَنْ يَتِمَّ نُورُهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي  
أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى  
الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ :- چاہتے ہیں یہ کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے  
مومنوں (کی پھونکوں) سے اور اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ وہ  
پورا کرے گا اپنے نور کو اگرچہ کافر لوگ اس کو ناپسند کریں ﴿۳۲﴾  
اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت  
کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ تاکہ غالب کرے اس دین  
کو تمام ادیان پر اور اگرچہ ناپسند کریں شرک کو نواہی ﴿۳۳﴾

مشرکین سے برأت کے اعلان کے بعد جہاد کا حکم ہوا اور پھر اسی سلسلے میں  
اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذکر بھی فرمایا۔ ان کے خلاف بھی جہاد کا حکم ہوا۔ کیونکہ وہ بھی صحیح  
معنوں میں اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ اور اس کے رسول کی  
حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور نہ ہی دین حق کو قبول کرتے ہیں۔ فرمایا ان کے  
خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ یہ مغلوب ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیں پھر فرمایا کہ ان کے عقائد  
اس قدر فاسد ہیں کہ ان میں سے ایک گروہ (یہود) نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور  
دوسرے گروہ "نصاری" نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا۔ اہل کتاب نے تحریم و تحلیل کا  
اختیار بھی اپنے راہبوں کے سپرد کر دیا اور اس طرح عملی طور پر انہیں اللہ کے سوا رب بنا

دیا۔ حالانکہ اُن سب کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تو غنی اور بے نیاز ہے، اُسے اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اُن چیزوں سے مبرا ہے جن کو یہ خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

پھونکوں سے  
یہ چراغ...

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ایک خرابی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **يُرِيدُ أَنْ يَمْلِكُ الْوَرْدَ بِالْأَوَّلِ**۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے دینوں کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ یہ ایسے غلط کار لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور یعنی توحید، اسلام اور دین کے پروگرام کو ختم نہ کرنا چاہتے ہیں۔ بعض دوسری آیات میں ایمان کو نور اور کفر کو ظلمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اہل کتاب ایسی ایسی منصوبہ بندی کرتے ہیں گویا کہ دین حق کو اتنی آسانی سے ختم کر دیں گے جیسے چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کا سچا دین آفتاب کی طرح چمک رہا ہے اور اس کی طرف آسانی سے نظر بد نہیں اٹھائی جاسکتی۔ ان کی ساری کوششیں

دراستگان جائیں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے **وَيَأْتِي اللَّهُ إِلَّا أَنْ يَنْتَهَ تَوْرَهُ وَكُوفِرَ الْكَافِرُونَ** اور اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے گا۔ اگرچہ کافر لوگ اس کو اپنے دینوں میں شریکین نے تو اسلام کے ساتھ کھلے طور پر ٹکرائی، جنگیں لڑیں اور طے سے مٹانے کی کوشش کی مگر انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ البتہ اہل کتاب نے مختلف حیلوں بہانوں سے دین کو کمزور کرنے کی کوشش کی مگر وہ بھی ناکام ہے۔ ان دونوں گروہوں نے اسلام کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنے اور لوگوں کو اس سے بیزار کرنے کے ہزار حقین کیے۔ یہ کام قدیم زمانے کے مشرک بھی کرتے تھے اور جدید دور کے مشرک اور ہنود، علیانی اور یہودی سب نے مل کر دین کی بنیاد پر حملہ کیا مگر اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کو قائم رکھیں گا۔ چنانچہ اللہ نے ہمہ تن عامل اور صحیح الفکر جماعت کے ذریعے اپنے

دین کو باقی ادیان پر غالب کیا اور اس چراغ کو بجھانے والی تمام چھوٹی چھوٹی چیزیں۔  
 دین اسلام کی حقانیت کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے ”هُوَ الَّذِي  
 ارْسَلَنَا رَسُولًا بِالْهُدَىٰ وَخُلُقٍ نَّاعٍ“ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے  
 رسول کو ہدایت دے کر بھیجا۔ ہدایت سے مراد راہنمائی کا سامان ہے جو اللہ  
 نے اپنے رسول کے ذریعے اپنے بندوں کے پاس بھیجا۔ سورۃ بقرہ میں  
 مِنَ الْكِتَابِ وَالْهُدَىٰ کے الفاظ آئے ہیں۔ بینات اُن واضح باتوں  
 کو کہتے ہیں جو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، صبر  
 شکر اور ایسے ہی سوئے ہوئے اصول البتہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو تعلیم  
 سے متعلق رکھتی ہیں اور وہ بغیر سیکھے سمجھ میں نہیں آتیں۔ چنانچہ اللہ نے  
 نبی علیہ السلام کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے وَيُعَلِّمُهُمُ  
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ) کہ وہ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم  
 دیتے ہیں۔ تو ایسی باتیں جن کے لیے تعلیم کی ضرورت ہے، وہ ہدایت میں  
 آتی ہیں۔ تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا کی ذات وہ ہے جس نے اپنے  
 رسول کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

فرمایا ایک تو اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا اور دوسری چیز و دین  
 الْحَقِّ دین حق بھی عطا کیا۔ اس سے مراد وہ دائمی اور ابدی اصول ہیں جو اس  
 دین اسلام میں موجود ہیں۔ یہ اصول ہر دور اور ہر قوم کے لیے یکساں طور پر کارآمد  
 ہیں اور اُن کی افادیت میں کبھی کمی نہیں آتی۔ اسی دین کے متعلق فرمایا  
 ”وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ“ (البینہ) اور یہی پکا اور سچا دین ہے اس کے  
 اصول بالکل اُٹل میں جو کبھی نہیں ٹوٹتے بلکہ ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ تو اللہ نے  
 اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ  
 نَجْلًا تاکہ اسے تمام ادیان کے مقابلے میں غالب کر دے اللہ تعالیٰ  
 کا یہ ارادہ اور مشیت ہے کہ اُس کا بھیجا ہوا دین تمام ادیان پر سر بلند ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب کی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔  
 بہر حال آیت کا یہ حصہ اس سورۃ کے علاوہ سورۃ فتح اور سورۃ صافات میں آیا  
 ہے۔ اور ہر مقام پر دین اسلام کے غلبے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے وَلَوْ كُنَّا  
الْمُشْرِكُونَ اگرچہ یہ شرک کرنے والوں کو کہتا ہی ناگوار گزرتے سورۃ صافات  
 میں وَلَوْ كُنَّا إِلَّا لَكُفْرٌ کے الفاظ آتے ہیں۔ چاہے یہ کافروں  
 کو کہتا ہی ناپسند ہو۔ سورۃ نور میں خلافت راشدہ کا نظام سمجھایا گیا ہے اور  
 صافات کہا گیا ہے کہ اگر اس نظام کے خلاف چلو گے تو ظالم بن جاؤ گے  
 اور اگر اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔ بہر حال  
 اللہ نے فرمایا کہ ہم اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔

غلبہ باعتبار  
وسیل

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سیاسی غلبہ اور  
 دوسرا غلبہ باعتبار دلیل۔ یہاں بر غلبہ سے مراد دوسری قسم کا غلبہ ہے کہ دلیل بڑی  
 کی رو سے دین اسلام کے مقابلے میں کوئی دوسرا دین نہیں جھڑک سکتا۔ چنانچہ  
 تاریخ شاہد ہے کہ سیود و نصاریٰ اور مشرکین نے اب تک قرآن کے دلائل  
 کو غلط ثابت کرنے کی بڑی بڑی کوششیں کی ہیں، بنی علیہ السلام کے قول و فعل  
 میں کیڑے نکالنے کی کوشش کی ہے مگر ہمیشہ منہ کی کھائی ہے۔ جب  
 بھی مسلمانوں کے ساتھ مناظرہ یا مباحثہ ہوا غیر مسلموں کو ذلیل و خوار ہی ہونا پڑا۔  
 انگریزی دور میں عیسائیوں اور ہندوؤں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف بہت  
 بڑا محاذ قائم کیا۔ شاہجہان پور میں مناظرے کا بندوبست کیا جس میں بڑے  
 بڑے پادری اور ہندو سکالروں کو بلا لیا گیا۔ بڑی دھواں دھار تقریریں ہوئیں۔  
 مگر جب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اسلام کی صداقت اور حقانیت  
 پر مدلل تقریر فرمائی تو سب لاجواب ہو گئے۔ اس سیمینار کی تمام تقریریں  
 ”مباحثہ شاہجہان پور“ کے نام سے مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ بہر حال  
 یہ دین اسلام کے غلبہ باعتبار دلیل کی واضح مثال ہے۔

اسی طرح کا ایک علی معمر کہ حاجی امداد اللہ صاحب کے دوست مولانا رحمت اللہ کیرنوی اور پادری فنڈر کے درمیان ہوا تھا۔ اس پادری کو انگریزوں نے خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف بدزبانی کے لیے بھیجا تھا بڑا عالم فاضل اور ذہین آدمی تھا مگر جب یہاں آکر مولانا کیرنوی سے واسطہ پڑا تو ملک ہی چھوڑ کر بھاگ گیا اور ترکی جا پہنچا۔ اس دوران مولانا رحمت اللہ بھی ہجرت کر کے مکہ چلے گئے تھے۔ حکومت ترکی کو آپ کی موجودگی کا علم ہوا تو آپ کو بلا بھیجا کہ اس پادری سے مقابلہ کرو۔ جب پادری کو پتہ چلا کہ مولانا یہاں بھی آئے ہیں تو وہاں سے بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر حضرت مولانا نے اظہارِ راسخ کے نام سے ترکی اور اردو زبان میں کتاب شائع کی۔ یہ سو سال پہلے کی بات ہے اس زمانے میں اخبار لندن ٹائمز نے لکھا تھا کہ اگر یہ کتاب دنیا میں پڑھی گئی تو عیسائیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کتاب نے انگریزوں کو سخت پریشان کر دیا۔ یہ بھی دلائل کی رٹ سے دینِ حق کے غلبے کا ایک نمونہ ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دین کو صرف دلیل کے اعتبار سے ہی غلبہ حاصل ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کا سیاسی غلبہ بھی چاہتا ہے۔ چنانچہ دینِ حق کو سیاسی غلبہ حاصل ہوا اگرچہ بعد میں مسلمانوں نے دینی کوتاہی کی وجہ سے اسے ضائع کر دیا۔ مولانا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بعثت سے لیکر واقعہ صفین تک پچاس سال کے عرصہ میں مسلمانوں کو آدھی دنیا پر سیاسی غلبہ حاصل تھا۔ اس زمانے میں قیصرِ کسریٰ کی دو بڑی طاقتیں تھیں مگر وہ دونوں اسلامی حکومت کے سامنے مغلوب ہو چکی تھیں۔ اس وقت بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں۔ تادمسیہ کے مقام پر کسریٰ کے خلاف بہت بڑی جنگ ہوئی اور یروشلم کے مقام پر رومیوں کے ساتھ تاریخی محرکہ پیش آیا جس میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ عیسائیوں

اسلام کا  
سیاسی غلبہ



قیصر کسری  
کی حکومت

کے بڑے بڑے گڑھ مصر اور شام فتح ہو گئے۔ روم وائے عیسائی بھی بالکل  
کمزور ہو گئے۔ اس دوران عیسائی اور مسلمانوں کے مقابلے قرن ہا قرن تک  
ہوتے رہے، تاہم اب بھی دنیا میں سب سے زیادہ آبادی عیسائیوں کی ہے  
امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں شرک  
کے دو بڑے گڑھ قیصر اور کسری تھے۔ کسری تقریباً نصف دنیا پر چھایا ہوا تھا۔  
اُس زمانے میں ایران، ترکستان، ازولتان وغیرہ کسری کے ماتحت تھے۔  
اور اُدھر قیصر کے ماتحت مصر، حبشہ، روم، حبشہ اور دیگر علاقے تھے اللہ تعالیٰ  
نے عرب کے خطے سے اپنے آخری نبی کو مبعوث فرما کر ان دونوں بڑی  
طاقتوں کو مات دے دی۔ ہندوستان کے مشرک کسری کے ماتحت تھے اور صابی  
لوگ رومی عیسائیوں کے باج گزار تھے۔ اسلام نے ان دونوں مراکز کا خاتمہ کیا  
اور اس طرح اُسے سیاسی غلبہ بھی حاصل ہو گیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ صحیح  
یافتہ یہ ہے کہ دین کا عمومی غلبہ حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں نہیں ہوا  
کیونکہ اُس وقت تک صرف خطہ عرب پر مکمل تسلط حاصل ہوا تھا، تاہم بعد  
میں اللہ نے خلافت علی منہاج النبوة کے ذریعے مکمل فتح دلائی خلافت  
راشدہ کا نظام نبوت کے ساتھ پیوستہ تھا اس لیے حضرت عثمانؓ کے  
زمانہ تک مسلمانوں نے نہ بددست پیش قدمی کی۔ اسلام کو پوری دنیا میں غلبہ  
حاصل ہو گیا اور باقی تمام ادیان مغلوب ہو گئے۔

مسلمانوں کا  
سیاحتی منزل

مسلمان اپنا یہ غلبہ زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکے۔ ان میں بھی ملکیت  
یا ڈکٹیٹر شپ عود کر آئی، نظام خلافت ختم ہو گیا اور مسلمان قوم کا تنزل شروع  
ہو گیا۔ پہلے چھ سو سال تک مسلمانوں کو دنیا میں سیاسی غلبہ حاصل رہا۔ مگر  
اس کے بعد ان میں خرابیاں پیدا ہونی شروع ہو گئیں۔ اگرچہ خلافت تو  
ابتداء ہی میں ختم ہو گئی مگر بادشاہت کے تحت بھی اسلامی نظام چھ صدیوں  
تک چلتا رہا، تاہم گزشتہ آٹھ صدیوں سے مسلمان انحطاط کا شکار ہیں

مسلمانوں میں مرکزیت اور امیر کی اطاعت کا جذبہ باقی نہ رہا۔ اس کی جگہ حرص ہوا  
نے لے لی۔ مسلمان اپنے مشن کو قائم نہ رکھ سکے اور غیروں کے محکوم بن کر رہ  
گئے۔ آج بھی دنیا میں سچاس سے زیادہ اسلامی ریاستیں موجود ہیں مگر سیاسی  
محاط سے دوسروں کی دست نگر میں کیونکہ انہوں نے خلافت علی منہاج النبوة  
کا مشن فراموش کر دیا ہے۔

اسلام کے  
خلافت  
سازشیں

تاریخ اسلام سے عیاں ہے کہ ملوکیت کی ابتدا یزید سے ہوئی اور یکے بعد  
دیگرے منہ اقتدار پر بادشاہ ہی آتے رہے۔ کوئی اچھا آدمی آگیا تو وقت اچھا گزر  
گیا، ورنہ استبداد ہی کا دور دورہ رہا۔ مسلمانوں کی باہمی کش مکش سے اغیار نے فائدہ  
اٹھایا۔ پہلے تاتاریوں کا سیلاب آیا جس نے مسلمانوں کو زبردست نقصان پہنچایا۔  
پھر علیائیوں نے بڑے مظالم ڈھائے، جب بھی موقع ملا اہل اسلام کو دبانے  
کی کوشش کی گذشتہ دو صدیوں میں تو ساری دنیا پر انگریزوں کو غلبہ حاصل رہا ہے۔  
انہوں نے تو مسلمانوں کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے مسلمان ریاستوں کو  
ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے تاکہ یہ طاقت نہ پکڑ سکیں اور وہ ان پر آسانی سے  
حکومت کرتے رہیں۔ برطانیہ دو سو سال کی سازشوں کے بعد کمزور ہو گیا، تو  
اس کی جگہ امریکہ نے لے لی ہے۔ یہ بھی پانچ صدیوں پہلے برطانیہ سے بھاگے  
ہوئے انگریز ہیں۔ انہوں نے امریکہ میں تسلط حاصل کر لیا۔ اب دنیا میں امریکہ  
بہت بڑی طاقت ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اُدھر اتحادی قوت  
روس ہے۔ وہ بھی عیسائی تھے مگر اس کی جگہ اب کمیونزم نے لے لی ہے۔  
امریکہ والے عیسائی مذہب کا نام لیتے ہیں اور روس والے مذہب کو تسلیم نہیں  
کرتے۔ دونوں آپس میں متصادم ہیں مگر دونوں غلط کار اور اسلام کے دشمن  
ہیں۔ جہاں اسلام کی بات آجاتی ہے، وہاں یہ دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں  
اور سازشیں کرتے ہیں۔ دنیا کی چھوٹی طاقتیں ان کے ہتھکڑوں سے سخت  
نالاں ہیں مگر ان کے سیاسی غلبہ کی وجہ سے مجبور ہیں۔

ملوکیت اور  
ڈکٹیشن

بہر حال اللہ تعالیٰ نے دین حق کا جو پروگرام اہل اسلام کو دیا ہے اگر یہ اس پر عمل پیرا ہوں گے تو انہیں دنیا میں سیاسی غلبہ بھی حاصل ہوگا اور اگر اس نظام کو ہی ترک کر دیا اور مسلمانوں کے فالتو سرمایہ کو صحیح جگہ پر صرف نہ کیا تو اجتماعی غلبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اسلام کے سیاسی غلبے کو خود مسلمانوں نے نقصان پہنچایا ہے۔ اس میں نہ اللہ کا قصور ہے، نہ اس کے رسول کا اور نہ نظام کا ہے مسلمانوں نے قرآن کے پروگرام کو چھوڑ دیا۔ خلافت علی منہج النبوة سے منہ موڑ لیا اور ملوکیت کو اختیار کر لیا یا ڈکٹیشن شپ کو اپنا لیا حالانکہ یہ تو لعنت تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے ذریعے ختم کر دیا تھا۔ اس غلط نظام کے حاملین قیصر و کسری ختم ہوئے تو یہی چیز مسلمانوں نے پکڑ لی۔ خلافت راشدہ کے دور میں کسی سے ذرا بھی چوک ہوتی تو دوسرے مسلمان فوراً اعتراض اٹھاتا اور معاملہ درست ہو جاتا۔ اگر ملوکیت نے دور میں کوئی آواز بلند کر لیا تو فوراً جیل میں ٹھونس دیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ جیسے بابرعب خلیفہ کے جسم پر بھی اگر زائد کپڑا نظر آتا ہے تو ایک معمولی بد اثر کھڑا کر اعتراض کر دیتا ہے کہ سب مسلمانوں کو ایک ایک چادر غنیمت میں ملی تھی، تم نے یہ دو چادر کی قمیص کہاں سے بنوائی۔ امیر المؤمنین نے نہ اس کا جواب دیا اور نہ معترض کو ڈانٹا بلکہ اعتراض کے جواب میں فوراً اپنے بیٹے کو پیش کر دیا جس نے وضاحت کی کہ اس نے اپنے حصے کی چادر اپنے باپ کو دیکھ اس کا کہہ کر نہ بنوایا ہے مقصد یہ ہے کہ خلافت کا نظام تو اس بیج کا تھا مگر آج دنیا میں کیا ہو رہا ہے، سرمایہ کہاں خرچ ہو رہا ہے؟ قوم کی دولت سیاسی رشوت کے طور پر لٹاٹی جا رہی ہے مگر کوئی پوچھنے والا نہیں کیونکہ اس حمام میں بھی ننگے ہیں۔ ملوکیت یا ڈکٹیشن شپ سے یہی توقع کی جا سکتی ہے جب تک خلافت کا نظام قائم نہیں ہوگا، دنیا میں نہ شرف و نہ رٹ سکتا ہے اور نہ دنیا کو امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے۔

فرمایا، خدا کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق

کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں کے مقابلے میں غالب کر دے ۔  
 اگرچہ مشرک لوگ اس کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں ۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت تو یہی ہے  
 کہ اسی کا دین دنیا میں غالب ہو مگر خود مسلمان ہی اپنی ذمہ داری پوری نہیں  
 کریں گے تو دین کو غلبہ کیسے حاصل ہوگا ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ  
وَالرُّهْبَانِ لِيَآكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ  
وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ  
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (۲۴) يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا  
فِي نَارِجَهَنَّمَ فَتَكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ  
وَوُجُوهُهُمْ هَذَا مَا كَنْزْتُمْ لَا نَفْسُكُمْ فذُوقُوا  
مَا كَنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ (۲۵)

ترجمہ :- اے ایمان والو! بیشک بہت سے عالم  
اور درویش البتہ کھاتے ہیں لوگوں کا مال باطل طریقے سے اور  
روکتے ہیں اللہ کے راستے سے۔ اور وہ لوگ جو جمع کرتے  
ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اُس کو اللہ کی  
راہ میں، اُن کو خوشخبری مٹا دیں عذاب الیم کی (۲۴) جس  
دن کہ گرم کیا جائے گا اُس (سونے اور چاندی) کو جہنم کی آگ میں  
داغی جائیں گی ان کے ساتھ ان کی پیشانیاں گرد میں اور پشتیں اور دہا  
جائے گا) کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم خزانہ کر کے رکھتے تھے  
اپنے نفسوں کے لیے۔ پس چکھو اس کا مزہ جو تم خزانہ کرتے

رہنما آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا ذکر فرمایا تھا پھر اس جہاد کی وجوہات بھی بیان ہوئیں۔ اہل کتاب کے عقائد باطلہ کا ذکر ہوا، اور ان حیلہ سازوں کی بات ہوئی جو وہ اسلام کو مٹانے کے لیے کرتے رہتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام ادیان پر دین اسلام کے غلبے کا ذکر کیا۔ پہلے اہل کتاب کے عام لوگوں کی خرابیوں کا بیان ہو چکا ہے، اب آج کے درس میں ان کے خواص یعنی عالموں اور درویشوں کی خرابیوں کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کی امت کو بھی خبردار کیا گیا ہے کہ جو خرابیاں اہل کتاب میں تھیں وہ تم میں بھی پیدا ہو جائیں گی، جس کے بڑے خطرناک نتائج ظاہر ہوں گے۔

اہل کتاب  
کی خرابیاں

یہود و نصاریٰ اہل کتاب تھے۔ یہ لوگ اللہ کے نبیوں کو جلتے اور اس کے پیغمبروں کو پہچانتے تھے، مگر جب ان میں اغراض نفسانیہ پیدا ہو گئیں، مال و جاہ کی محبت آگئی تو انہوں نے صحیح عقیدہ چھوڑ دیا۔ دین میں بگاڑ پیدا کر لیا اور اس میں طرح طرح کی بدعات نکال لیں، نفوس کہ اہل اسلام کے علماء و درویش، پیر اور پیشوا بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں ارشاد ہوتا ہے۔

ترک دنیا

کَثِيرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ بَشَرًا مِّنْ دُونِهَا يُمِئُونَ بِالَّذِي هُمْ يُوعَدُونَ (آل عمران: ۷۵)۔  
اور درویش۔ احبار، رتبہ راجہ کی جمع ہے جس کا معنی علم والا ہے۔ یہودیوں میں اہل علم شخص کو جبر کہتے ہیں۔ اور رہبان

راہب کو کہتے ہیں جس کا معنی پیر، عبادت گزار، درویش یا گوشہ نشین ہے۔ گرجوں میں رہنے والے۔ تارک دنیا پادری راہب کہلاتے ہیں جو دنیا سے قطع تعلق کر کے اپنا تعلق صرف اللہ سے جوڑ لیتے ہیں۔ ان میں مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی جو زندگی بھر نکاح نہیں کرتے بلکہ اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ رہبانیت کا اصل دین سے کوئی تعلق نہیں، یہ یہودیوں کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔

اس قسم کی خرابی ساقا بدھ کے پیروکاروں میں بھی پائی جاتی ہے، ترک دنیا کہنے والے لوگ بدھ بکشو کہلاتے ہیں۔ پرانے ہندوؤں میں تارک دنیا سادھو کہلاتے ہیں۔ بدھ اس نظریہ کا حامی تھا کہ جو شخص دنیا میں آلودہ ہو جاتا ہے اس کو نجات نہیں حاصل ہو سکتی۔ مگر اللہ نے فرمایا ہے کہ ترک دنیا خلافتِ فطرت ہے۔ اس نظریہ کی رو سے جب مرد و زن مجبور ہوتے لگے تو وہی خرابیاں پیدا ہو گئیں جو ہونا چاہیئیں تھیں، بدکاری کا سلسلہ چل نکلا، بنوں نے رہبانیت اللہ کے لیے اختیار کی تھی مگر اس کو بندہ نہ سکے۔ تصورِ علیہ السلام نے توفیق طور پر فرمادیا ہے **لَا دَهْرَ بَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ** یعنی دین اسلام میں ترک دنیا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دنیا کو اختیار کر کے اس کے حقوق ادا کرو، معاشرے میں رہ کر تکالیف برداشت کرو اور ان پر صبر کرو، اسی میں تمہاری نجات ہے ترک دنیا کو پسند نہیں کیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کی رہبانیت جہاد میں ہے۔ جو اللہ کے راستے میں گھر سے نکلتا ہے وہ راہب ہی ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی رضا کے لیے دشمن کو مغلوب کرنے کی غرض سے اور ملکِ اسلامیہ کی تقویت کے لیے جادہ پیائے حق ہوتا ہے تو اللہ کا مقبول بندہ بن جاتا ہے۔ دنیا کو چھوڑ چھار کہ گوشہ نشینی اختیار کرنے والا اور کسی کے کام نہ آنے والا شخص اللہ کو ہرگز پسند نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء و مشائخ کی یہ خصلت بیان فرمائی ہے۔ کہ اے ایمان والو! اہل کتاب کے بہت سے عالم اور درویش ایسے ہیں، **لَيَاكُنَ لَكُمْ اَمْوَالُ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ** جو لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ مفسرینِ کرام نے اس قسم کے اکلِ حرام کی بہت سی تفصیلات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید بریلویؒ نے اپنی کتاب صراطِ مستقیم میں تصوف اور سلوک کے ضمن میں ایسی بہت سی روایات

بتلائی  
ایجاد

کا ذکر کیا ہے جو اہل بدعت، روافض اور دیگر غلط کاریوں اور مولویوں نے  
ایجاد کر رکھی ہیں۔ مولانا عبدالحق حقانی متوفی ۱۹۱۲ء پنجاب کے رہنے والے  
تھے مگر دہلی میں جا کر آباد ہو گئے۔ انہوں نے بھی اپنی تفسیر حقانی میں بہت  
سی بدعات کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے علیائوں کا تعاقب بھی کیا ہے  
اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں بدعات پر سیر حاصل  
بحث کی ہے حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے اصلاح الرسوم  
کے نام سے مستقل کتاب لکھی ہے جس میں اہل بدعت کی ایجاد کردہ بدعات  
سے خبر دار کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض دیگر حضرات نے بھی بدعات کی  
تفصیلات بیان کی ہیں۔

اکل حرام  
کے طریقے

حرام خوری بہت بڑا جرم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے بار بار منع فرمایا  
ہے سورۃ بقرہ اور نساء میں واضح حکم موجود ہے "لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ  
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" ایک در کے کمال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ  
اور اس کی کئی ایک صورتیں ہیں مثلاً علماء اور مفتی بادشاہوں اور دیگر سربراہوں  
کی خوشنودی کے لیے حلال پر حرام کا اور حرام پر حلال کا فتویٰ لگاتے ہیں اور پھر  
اس کے معاوضہ میں جو مال حاصل کرتے ہیں وہ اکل حرام کی مد میں آتا ہے اہل کتاب  
کے علماء کے اکل حرام کی ایک شکل سورۃ آل عمران میں بھی بیان ہوئی ہے یہودیوں  
نے یہ فلسفہ گھڑ رکھا تھا کہ وہ اہل علم ہیں لہذا ان کے لیے عرب کے ان پڑھ  
لوگوں کا مال کھانا جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ عربوں میں تو کوئی ایک دو فیصدی  
پڑھے لکھے لوگ ہوتے تھے، ورنہ ان کی غالب اکثریت جاہل ہی ہوتی تھی۔  
ان کا سارا علم زبانی یادداشت پر ہوتا تھا۔ اور گذشتہ ڈیڑھ ہزار سال سے وہ  
اسی طریقے پر چلے آ رہے تھے یہودی چونکہ پڑھے لکھے اہل کتاب لوگ  
تھے، اس لیے انہوں نے از خود یہ فلسفہ قائم کر رکھا تھا کہ ان کے لیے  
عرب کے امیوں کا مال حلال ہے۔ وہ کہتے تھے "لَيْسَ عَلَيْنَا فِي



الْأَمْسَيْنَ سَبِيلًا“ (آل عمران) ایوں کا مال جس طریقے سے بھی ہاتھ لگے کھا جاؤ۔ اللہ نے فرمایا یہ بڑی بیہودہ اور ظالمانہ بات ہے کہ کوئی شخص اپنے علم کی بنا پر جاہل کا مال ناحق طریقے سے کھا جائے اور پھر اسے حلال بھی سمجھے۔

یہودیوں کے عالم، حج، قاضی اور مجسٹریٹ بھی رشوت لے کر غلط فیصلے کرتے تھے۔ قاتل کو رشوت لے کر بری کر دیتے تھے اور حکومت کو پتہ بھی نہیں چلنے دیتے تھے، عام لوگ بھی ان کی اس قبیح حرکت سے واقف نہ تھے اور وہ اندر ہی اندر حرام کا یہ کاروبار کرتے تھے۔ اہل حرام کی یہ بھی ایک صورت یہودیوں میں رائج تھی۔

تعوینہ  
گنہ گار

یہودی علماء، تعوینہ گنہ گاروں کے ذریعے بھی حرام خوردی کرتے تھے۔ حجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے تعوینہ دیتے تھے۔ چھپاڑ پھونک کرتے تھے اور پھر اس پر معاوضہ وصول کرتے تھے۔ کام جائز ہے یا ناجائز، انہیں اس سے کوئی غرض نہ ہوتی تھی۔ جس نے فیس دے دی اُسی کو تعوینہ لکھ دیا۔ آگے کسی کو فائدہ ہو یا نقصان، ان کی بلا سے۔ اس قسم کا کاروبار ہمارے ہاں بھی چلتا ہے۔ نقوش سلیمانی، نافع الخلائق اور شیخ گواری کی جو اہم قسم کی کتابوں سے ہر قسم کے شرکیہ، بدعتیہ، جائزہ اور ناجائزہ قسم کے تعوینہ لکھے جاتے ہیں اور اچھی خاصی کٹائی کی جاتی ہے حالانکہ کسی ثقہ بزرگ اور اہل اللہ نے کبھی غلط کام کے لیے تعوینہ نہیں دیا مگر آج کے نام نہاد عامل سو فیصدی ناجائزہ کام کے لیے بھی سب کچھ کر گزرتے ہیں، انہیں تو اپنی فیس سے غرض ہوتی ہے۔

نہی روم

بعض مذہبی روم بھی ایسی ہیں جو فیس کے بغیر ادا نہیں کی جاتیں، مثلاً نکاح پڑھانے کی اچھی خاصی فیس لی جاتی ہے بلکہ جنازہ پڑھانے کا بھی نذرانہ لیا جاتا ہے۔ یہ قباحت یہود و نصاریٰ میں تھی اب ہماری امت میں بھی امریت کہہ چکی ہے۔ اس کے علاوہ مرنے والوں کے گناہ بخشوانے کے سلسلے میں

بھی فیس کے مختلف ریٹ ہیں مقررہ فیس ادا کر کے اپنے کسی مردہ عزیز کی جان عذاب سے چھڑا کر صاحبِ تفسیر حقانی لکھتے ہیں کہ بوبرہ اور داؤدی فرتے کے لوگوں میں یہ رسم بھی پائی جاتی ہے کہ ملاں جی مرنے والے کے کفن میں جبریل کے نام ایک رقعہ لکھ کر ڈال دیتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا آدمی ہے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ظاہر ہے کہ ایسے کام کے لیے اور اتنی بڑی سفارش کے لیے معاوضہ بھی اچھا خاصا ہو گا۔ غرضیکہ اس قسم کی کتنی ہی باطل رسوم ہیں جن کے ذریعے لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھایا جاتا ہے تبرکات کی زیارت بھی آمدنی کا اچھا خاصا ذریعہ ہے مسجدوں میں یا زیارت گاہوں میں بزرگوں کے نام پر بعض تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ کسی بزرگ کی پگڑی ہے یا کسی کا جبہ ہے۔ کہیں کسی بزرگ کی تیلیج ٹنگ رہی ہے، کہیں ناخن کا ٹکڑا ہے۔ یہاں لاہور میں شاہی مسجد میں بھی بعض تبرکات موجود ہیں جن کی زیارت کرانے کی فیس وصول کی جاتی ہے۔ کشمیر میں موئے مبارک کے جھگڑے نے بڑا طول پکڑا تھا۔ قرآن شریعت جاتا ہے تو جانے کچھ پروانہیں مگر ایک بال پر اتنا ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ کتنے آدمی مارے گئے۔ مشہور ہے کہ یہ موئے مبارک ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کی چوری سے چونکہ آمدنی بند ہو گئی اس لیے اس کی بازیابی کے لیے حکومتی سطح پر سب کچھ کرنا پڑا۔ یہ تمام چلے بہانے ہیں جن کے ذریعے لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھایا جاتا ہے۔

تبرکات  
کی زیارت

ہمارے ہاں ایصالِ ثواب کے نام پر بھی لوگوں کا مال ہضم کیا جاتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ایصالِ ثواب ملتِ ابراہیمیہ کا مسلمہ اصول ہے مگر مرنے والے کو ثواب تو جی پیسے کا جب حلال مال میں سے سنت کے مطابق خرچ کیا گیا ہو۔ ایسے مال کا صحیح مصرف غریب، مسکین کو کھلانا اور پہنانا، طلباء کو کتابیں دینا، مساجد و مدرسہ کی تعمیر، پانی کا انتظام

ایصالِ  
ثواب

اور دیگر ضروریات کی بہم رسانی وغیرہ ہے۔ اگر دیکھیں پکا کمر غریبوں کی بچانے  
امیروں اور رشتہ داروں کو کھلا دیا جائے گا تو اس سے مرنے والوں کو کیا  
ثواب ہوگا۔ فوتیگی کی تمام رسومات میں امر واجب شریک ہوتے ہیں، حالانکہ  
یہ غریبوں کا حق ہے تو ایسے میں ثواب کی امید رکھنا کہاں تک درست ہے؟  
ایصالِ ثواب کے لیے قرآنی خوانی کا ایک آسان طریقہ نکل آیا ہے  
حافظ صاحب کے پاس جاؤ کہ ہم نے مرنے کو ایصالِ ثواب کے لیے  
قرآنی خوانی کرائی ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نے کتنے قرآن پہلے ہی پڑھ رکھے  
ہیں جتنے ضرورت ہے لے جاؤ، صرف اتنی فیس ادا کرو۔ ہم اتنے  
قرآن پاک کا ثواب تمہارے فوت شدہ گھر ممبر کے دیتے ہیں۔ کہہ دو اتنے  
نفل پڑھ دیں گے۔ یا اتنے روزے رکھ دیں گے، ہماری فیس دے دو۔  
اور ثواب لے جاؤ۔ اس قسم کی دکانداریاں چل رہی ہیں۔ کہیں سوئم ہے اور کہیں  
چالیسوں ہے۔ دیکھیں پکیں گی، برادری والے لکھا جائیں گے اور ثواب مرنے  
کے کھاتے میں ڈال دیں گے۔ جتنی زیادہ فیس دو گے مولوی صاحب  
اتنا لمبا ختم پڑھ کر مرنے والے کو بخش دیں گے۔

فوتیگی  
کدیم

۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے، ہمارے ایک افسکار لاہور میں محنت مزدوری  
کرتے تھے بیوی بیمار ہو گئی اور پھر فوت ہو گئی، پیچھے ایک چھوٹا بچہ رہ گیا۔  
اس کی طرف سے بڑی پریشانی تھی کہ اس کی پرورش کیسے ہوگی۔ وہ صاحب  
اپنے سرال کے ہاں رہتے تھے، بیوی کے کفن و دفن کا انتظام کیا۔ کچھ دنوں  
خارجہ ہو گیا اور باقی رقم سوئم پر اکٹھا کیا۔ چوتھے دن جب مزدوری کے لیے  
گھر سے نکلنے لگے تو ساس اور سرسرنے روک لیا، کہنے لگے آ لے چلم  
آ لے۔ اس کے بے تین سوٹھے کا انتظام کر۔ اس بیچاے نے گھر  
کے برتن بیچ کر تین سو مہیا کیے تو ان کی جان چھوٹی وہ بیمار بیوی سے  
مردم ہوا، بچے کی فکر دامن گیر ہوئی اور اوپر سے رسومات نے گھر توڑ دی

آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہودی اور عیسائی بھی مذہبی رسومات کے نام پر لوگوں کا مال کھاتے تھے اور آج انہی امت کے علماء اور پیر بھی یہی کچھ کر رہے ہیں۔ ایصالِ ثواب کے لئے کھانا تیار ہوا ہے مگر امیر غریب سب کھا ہے سالانہ یہ صرف غریب کا حق ہے اور امراء کے لئے مکہ وہ تحریمی کے درجے میں ہے۔ بھائی! کسی مستحق کو کھلا دو، کپڑا پہنا دو یا ضرورت کی دوسری چیز لے دو تو کچھ فائدہ بھی ہو گا۔ صاحبِ حیثیت لوگوں کو اعلیٰ درجے کے کھانے کھلانے سے مردے کو کیا فائدہ ہو گا؟

شریعت کا حکم یہ ہے کہ مردے کے کفن و دفن کے بعد سب سے پہلے اُس کا ترکہ تقسیم کرو۔ ہر ایک وارث کا حق متعین کرو۔ قبل از تقسیم مال میں سے ایصالِ ثواب جائز نہیں۔ خاص طور پر اگر اس مال میں چھوٹے بچوں کا حصہ بھی ہے۔ تو ایسے مال کا خرچ کرنا حرام ہے۔ سوئم سانا یا چلم ہو مشترکہ مال سے خرچ کرنا ثواب کی بجائے گناہ کا احتمال ہے ہاں اگر بالغ آدمی اپنے جائز مال میں سے خرچ کرے لگا تو ایصالِ ثواب ہو گا اس کا طریقہ یہ ہے کہ حلال کھائی سے اس نیت کے ساتھ صدقہ خیرات کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب مرنے والے کو عطا کرے تو درست ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب رسمیں ہیں اور محض مال کھانے کا ذریعہ ہیں۔ ایصالِ ثواب کی آڑ میں قبر پرستی ہو رہی ہے، عرس منعقد ہوتے ہیں۔ چڑھائے چڑھتے ہیں، تقریبِ غیر اللہ کے لئے نذریں مانی جا رہی ہیں یہ سب حرام خوری۔ اہل کتاب بھی کہتے ہیں اور ہماری امت کے لوگ بھی کہتے ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو خبردار کر دیا کہ تم بھی ان کی طرح نہ ہو جانا۔

فرمایا ایک تو یہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور دوسرا

وَصَدَّقَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی غلط کام کریگا۔ باطل رسومات ادا کریگا اور ان کی طرف دعوت دیگا وہ دراصل صبح راستے سے روک رہا ہے۔ جو کوئی شخص بدعت کی طرف بلا رہا ہے، وہ اللہ کے راستے سے روک کر ہی باطل کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ علماء، سودا کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ بیدار راستے کو چھوڑ کر بدعت، اور باطل رسوم میں پھنسے رہیں اور ان کا پیٹ بھرتا رہے۔ ان کو نذرانے آتے رہیں اور یہ کاروبار چلتا رہے۔ لوگ جہنم میں جاتے ہیں، تو جائیں پیر صاحب کی نذر و نیاز پہنچنی چاہیئے۔ اسی کے مفسرین کرام فرماتے ہیں جو آدمی غلط کام کر رہا ہے۔ وہ اپنے عمل کے ذریعے لوگوں کو راہ راست سے روک رہا ہے۔ اہل ایمان کو بڑا محتاط رہنا چاہیئے۔ کہ کوئی ایسا نہ ہونے پائے جو دین حق سے نفرت کا باعث بنے بہر حال باطل کی طرف دعوت دینا اور اس کی تشریح کرنا اللہ کے راستے سے روکنا ہے۔

فَرَمَا وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ جَوْلُوكَ سَوْنًا اَوْرِجَانِدَی  
جمع کرتے ہیں وَلَا يَنْفِقُوْنَهَا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اور اُسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اُن کو عذاب الیم کی بشارت سنا دو۔ جب دنیا قائم ہوئی ہے۔ سونا چاندی انسانوں کے لیے مرغوب چیز رہا ہے۔ ہر شخص اسے اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا میں کارآمد ہے۔ اگرچہ اس سے عاقبت غراب ہی ہو جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس مال میں کوۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز کی تعریف میں آتا ہے۔ امام بیضاویؒ اور امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ صرف زکوٰۃ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ مال میں جو بھی کسی کا حق بنتا ہے، اگر وہ ادا نہیں کیا گیا، تو وہ مال اس آیت کریمہ کی رو سے خزانہ تصور ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنے اقربا کو لازمی خرچہ ادا نہیں

کہتا، ایک آدمی بھوکا مر رہا ہے اور دولت مند اس کی حاجت براری نہیں  
 کہتا، ننگے کو کپڑا نہیں پہناتا تو اس کا مال کنز میں شمار ہو کہ عذاب الیم کا  
 باعث بنے گا۔ اسی طرح مال موجود ہونے کے باوجود صدقہ فطر ادا نہیں  
 کرتا، قربانی نہیں دیتا، استطاعت ہے تو حج نہیں کرتا، یتیم، مسکین، مسافر  
 اور یتیم کی مدد نہیں کرتا تو اس کا مال غزانہ متصور ہوگا اور وہ شخص اس آیت  
 کی وعید میں آئے گا۔

نخل کے  
 لیے عذاب

اپنے مال کا حق ادا نہ کرنے والے نخل کے متعلق فرمایا: يَوْمَ نَحْمِي  
عَلَيْهَا فَنَارًا جَهَنَّمَ جس دن گرم کیا جائے گا اس سونے  
 چاندی کو جہنم کی آگ میں فَتَكُونُ مِنْهَا حَبًا هَهُمَ وَجَنُوبُهُمْ  
وَظُهُورُهُمْ اور اس سے داغا جائے گا ان کی پیشانیوں کو اور پیٹوں  
 کو اور ان کی پشتوں کو۔ ان کے ساتھ یہ لوگ میدانِ حشر میں ہوگا اور کب  
 تک ہوتا رہیگا۔ اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں آتا ہے  
سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ جس مال میں بخل کیا، حق ادا نہیں کیا  
 اس کو گنجلے سانپ کی شکل میں لگے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا جو نخل  
 کوٹے سے گا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہے گا۔ أَنَا كُنَّا لَكَ أَنَا مَالِكَ میں تیرا  
 خزانہ اور مال ہوں جسے تو نے دنیا میں جمع کر کے رکھا، اب اس کا  
 مزا اچھکو۔ سونے چاندی کا حق ادا نہیں کیا تو اُسے گرم کر کے جسم کو داغا  
 جائیگا اور اگر جانوروں کا حق ادا نہیں کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا  
 کہ قیامت کے دن مالک کو نیچے لٹایا جائے گا اور اس کے جانور  
 اُسے پاؤں سے پا مال کرے گی اور منہ سے کاٹیں گے اور سینک ماریں  
 گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دیگا۔ بہر حال اس کی تفصیلات  
 قرآن و سنت میں موجود ہیں۔

فرمایا: هَذَا مِمَّا كُنْتُمْ لَا تَفْسِحُكُمْ اللہ فرمائے گا یہ وہ

خزانہ ہے جو تم نے جمع کیا تھا کہ دُنیا میں اس سے فائدہ اٹھاؤ گے۔ تم  
 نے حلال و حرام میں تمیز نہ کی، بس مال جمع کر کے دھن میں لگے رہے  
 فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنُزُونَ اب اس کا منہ اچھو جو  
 پھر تم جمع کر رہے تھے، تم نے دُنیا میں اس مال کا حق ادا نہ کیا، آج  
 یہی مال تمہارے لیے وبالِ جان بن گیا ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ  
 كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا  
 اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا  
 فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا  
 يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً وَّاعْلَمُوْا اَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۳۶  
 اِنَّمَا النَّسِيْۤءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهٖ  
 الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا لِّيُؤْطُوْا  
 عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُُّوْا مَا حَرَّمَ اللَّهُ زَيْنَ  
 لَهُمْ سُوْءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
 الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷

۵  
 ۶۸  
 ۱۱

ترجمہ :- بیشک گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک بارہ  
 مہینے ہے اللہ کی کتاب میں جس دن بے کر پیدا کیا ہے اُس  
 نے آسمانوں اور زمین کو، اور ان (مہینوں) میں سے چار (مہینے)  
 حرمت والے ہیں یہ دین ہے مضبوط، پس نہ ظلم کرو ان (مہینوں)  
 میں اپنی جانوں پر اور لڑو شرک کرنے والوں سے پورے کے  
 پورے جیسا کہ وہ تمہارے ساتھ لڑتے ہیں پورے کے پورے ۔  
 اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ۝۳۶ بیشک



جیسے کو پیچھے ہٹا دینا زیادتی ہے کفر میں۔ گمراہ کیے جاتے ہیں اس کے ساتھ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ حلال ٹھہراتے ہیں اس کو ایک سال اور حرام ٹھہراتے ہیں اس کو ایک سال تاکہ پوری کر لیں گنتی اس کی جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ پھر حلال کر لیتے ہیں جس کو اللہ نے حرام بنایا ہے۔ مزین کیے گئے ہیں ان کے برے اعمال اور اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا ان لوگوں کی جو کفر کرنے والے ہیں۔ (۳۷)

پہلی آیات میں اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا ذکر تھا۔ اللہ نے کافروں اور مشرکوں کے ساتھ جہاد کرنے کے بعد اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا حکم دیا۔ نیز فرمایا کہ اگر وہ مغلوب ہو کر جزیہ دینا مستبول کر لیں تو ان کو امن حاصل ہو گا۔ اللہ نے ان کے عقائد فاسدہ کا ذکر بھی کیا کہ یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں جب کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں پھر اللہ نے فرمایا کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مگر اہل کتاب کی بد نصیبی کہ انہوں نے یہ صفت اپنے عالموں اور درویشوں کے لیے ثابت کی۔ اہل کتاب کی ایک خرابی یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ دین حق کو مٹانے کے لیے مختلف قسم کے چیلے کرتے ہیں، گویا اس چراغ کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ اس دین کو مکمل کرے چاہے کافر لوگ اسے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ نے دین اسلام کے غلبے کا ذکر کیا کہ اس نے اپنے آخری نبی کو اس مقصد کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ دین حق کو تمام ایمان پر غالب بنا دے۔ یہ غلبہ دلیل اور برہان کے لحاظ سے بھی ہے اور سیاسی قوت کے لحاظ سے بھی۔ اس کے بعد اہل کتاب کے علماء اور درویشوں کے متعلق فرمایا کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ اکثر لوگ مال جمع کرتے ہیں مگر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ قیامت کو ان کا جمع شدہ سونہ چاندی و زرخ کی آگ میں پتایا جائیگا۔

اور اس سے اُن کی پیشانیوں، کمر و ٹوں اور پشتوں کو داغا جائیگا اور کہا جائے گا کہ یہ سب تمہارا خزانہ جسے تم نے دُنیا میں جمع کیا اور اس کے حقوق ادا نہ کیے۔ دوسری آیت میں بخل کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے مال گنجے سانپ کی شکل میں تشکل کہہ کے ان کے گلے میں ڈال دیے جائیں گے اور وہ پکار پکار کہہیں گے کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں جسے جمع کرنا تھا مگر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا تھا۔

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار حرمت والے مہینوں کا ذکر کیا ہے اور مشرکین کی اُس قبیح حرکت کا ذکر کیا ہے جس کے ذریعے وہ حرمت والے مہینوں کو دوسرے مہینوں سے از خود تبدیل کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے۔ اہل کتاب مختلف اشیاء کی حلت و حرمت میں دخل اندازی کرتے تھے جب کہ مشرکین اللہ کے مقرر کردہ حرمت والے مہینوں میں ادلا بدلی کر لیتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے اَلْحَدَلُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ حَلَالٌ وَهُوَ الَّذِي حَلَّلَ قُرَارَ دِيَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ اَوْ حَرَّمَ وَهُوَ الَّذِي حَرَّمَ قُرَارَ دِيَابِهِ۔ کوئی انسان از خود کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانے یا اسے تبدیل کرنے کا مجاز نہیں۔ حضرت نعان بن نوالؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا، حضور! اگر میں توجید و رسالت پر ایمان رکھتا ہوں اور اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتا ہوں تو کیا مجھے نجات مل جائے گی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں، تو نجات کا حقدار ہو جائیگا، مقصد یہ کہ حلت و حرمت کا مکمل اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، جو کوئی یہ صفت بغیر اللہ کے لئے لے گا، وہ مشرک ہوگا اور مجرم بنے گا۔

یہاں پر مختلف مہینوں کی حلت و حرمت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اَثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ  
 بے شک اللہ کے ہاں اور اس کے حکم کے مطابق مہینوں کی گنتی بارہ  
 مہینے ہے اور یہ کوئی نیا حکم نہیں بلکہ اس دن سے ہی کیلنڈر مقرر ہے  
 يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جِسْرٌ مِّنْ سِدْرٍ مِّنْ لَّبَنٍ لَّيْسَ  
 آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے  
 نظام شمسی قائم کیا ہے۔ سال بھر کے مہینوں کی تعداد بارہ مقرر کی ہے اور  
 پھر ان بارہ مہینوں میں مِثْمَا اَرْبَعَةٌ حُرٌّ مِّنْ حَرِّ مَرْتٍ  
 ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان چاروں مہینوں کو ادب والے مہینے قرار دے کر  
 ان کے دوران جنگ و جدال کو منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام  
 کے دور سے لے کر انکی ملت کا یہ اہم اصول رہا ہے کہ ان حرمت والے  
 مہینوں میں ہر ایک کو امن و امان حاصل ہو گا۔ اور کوئی ایک دوسرے  
 کے خلاف تعرض نہیں کرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت  
 اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں یہ اصول ڈیڑھ ہزار سال تک قائم رہا۔ ان مہینوں  
 کی حرمت کو برقرار رکھا جاتا رہا مگر حضور علیہ السلام کی بعثت سے چار ماہ گھرے  
 چار سو سال پہلے ان مہینوں کی حرمت میں گڑبڑ واقع ہوئی شروع ہو گئی اور لوگ  
 ان میں تغیر و تبدل کرنے لگے۔

تمام اقوام اور اہل مذہب سال بھر کے بارہ مہینے تسلیم کرتے ہیں اور  
 یہ نظام اس وقت سے قائم ہے جب سے اللہ نے آسمان و زمین  
 کو پیدا کر کے نظام شمسی قائم کیا ہے۔ کیلنڈر دونوں ہفتوں، مہینوں اور پھر  
 سالوں کے ذریعہ بنایا ہے۔ البتہ یہ حساب دو طریقے سے دنیا پر رائج ہے  
 ایک تقویم شمسی حساب کے ساتھ ہے جب کہ دوسری قمری حساب سے  
 ان دونوں میں سے کون سا حساب آسان ہے؟ آپ دیکھتے ہیں کہ  
 کہ قمری تقویم فطری ہے۔ کوئی جاہل آدمی اگر کسی جنگل یا مندر کی سطح پر بھی ہے

جہاں اُس کے پاس مہینہ کی تکمیل معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تو وہ ہرے چاند کے طلوع پر معلوم کرے گا کہ پچھلا مہینہ ختم ہو کر نیا مہینہ شروع ہو گیا ہے برخلاف اس کے محض سورج کو دیکھ کر کوئی شخص از خود اندازہ نہیں لگا سکتا کہ مہینہ کب شروع ہوا اور کب ختم ہوا، تاوقتیکہ مہینے کی ابتدا اور اختتام کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قمری تقویم زیادہ آسان اور فطرت کے مطابق ہے۔

حُرمت  
وَالْمَیْلَہ

فرمایا اللہ کے نزدیک سال بھر میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ اُن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں کہ اُن کا ادب و احترام کیا جاتا ہے اور ان میں لڑائی مچھکڑا نہیں کیا جاتا ہے ان چار مہینوں کے نام قرآن پاک میں تو نہیں ہیں البتہ اُن کی تشریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ ان چار میں سے تین مہینے تو اکٹھے آتے ہیں۔ یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب ہے جو جادوی الاضر اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔ ان چار میں سے حج کا موسم بھی اول الذکر تین مہینوں میں پڑتا ہے، چونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ مہینے محترم سمجھے جاتے تھے اس لیے اس دوران لوگوں کی آمد و رفت عام ہوتی تھی۔ کوئی مسافر خطرہ محسوس نہیں کرتا تھا۔ تجارتی اور عام قافلے بلا خوف و خطر سفر کرتے تھے اور اس طرح حج کا سفر بھی بخیر و خوبی انجام پاتا تھا۔ فرمایا ذَٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ یہی مضبوط دین ہے۔ ملت الہیہ بھی کا یہ اہل اصول ہے کہ حرمت والے مہینوں میں کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرنی۔ فرمایا فَلَا تَظْلِمُوا فِیْہِیْنَ اَنْفُسَکُمْ پس ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ جان پر ظلم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے، اُس کے حکم کو توڑ کر گناہ میں ملوث نہ ہو جاؤ۔ دراصل معصیت میں گرفتار ہو کر عذاب کا مستحق بننا خود اپنے آپ پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے

کی جان پر ظلم کرتا ہے، اُس کہ جہانی، ذہنی یا مالی نقصان پہنچاتا ہے تو وہ بھی  
 دراصل اُس کی اپنی جان پر ظلم ہوتا ہے کیونکہ اُسے بالآخر اس ظلم کا بدلہ چکانا ہوگا۔  
 مفسرین کرام نے یہاں پر یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ ظلم تو مطلقاً حرام ہے۔ پھر  
 یہاں پر ان چار مہینوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے کہ ان مہینوں میں ظلم نہ کیا  
 جائے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے گناہ کہنا کسی وقت  
 اور کسی مقام پر بھی حرام ہے مگر حرم شریف میں اس کا ارتکاب زیادہ  
 سنگین اور ڈبل سزا کا موجب ہے۔ اسی طرح عام گلی، بازار میں گناہ کرنے  
 سے مسجد میں گناہ کہنا زیادہ سنگین جرم ہے۔ اس کی ایک مثال سورۃ بقرہ  
 میں یوں بھی آتی ہے "الْحَجَّ أَشْهَرُ مَعْلُومَاتٍ" حج کے مہینے معلوم  
 ہیں۔ "فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ" پس جو کوئی ان مہینوں میں حج کا احرام باندھے  
 پھر وہ نہ کوئی شہوانی بات کرے، نہ گناہ کا ارتکاب کرے اور نہ جھگڑا  
 فساد کرے۔ یہاں بھی یہی بات ہے کہ جھگڑا فساد اور معصیت تو ہر  
 وقت حرام ہے، پھر احرام کی حالت میں اس کی تخصیص اس لیے کی  
 گئی ہے کہ ان ایام میں گناہ کی سنگینی بڑھ جاتی ہے۔ حدیث شریف میں  
 آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت  
 کیا حضور! بڑا گناہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اللہ  
 کے ساتھ شریک بناؤ۔ حالانکہ اُس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ عرض کیا اس  
 کے بعد بڑا گناہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا اِنْ ذَكَرْتَنِي خَلِيلًا  
 جَارًا کہ تو اپنے پیڑوسی کی پیروی سے نہ کرے۔ زنا تو بذات خود ایک عظیم جرم  
 ہے مگر جب اپنے پیڑوسی کے گھر پر ڈاکہ ڈالا جائے تو اس کی سنگینی میں کمی لگ  
 اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ پیڑوسی کا ایک دوسرے پر بڑا حق ہوتا ہے۔ اگر ایک  
 پیڑوسی دوسرے کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کی عزت

تخصیص  
 کی وجہ

کی حفاظت کی بجائے اُسے برباد کرتا ہے تو عام حالات کی نبت اسکے  
جرم کی نوعیت بڑھ جاتی ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ حرمت والے  
مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں، چونکہ حرمت والے مہینوں کا تعلق قمری تقویم  
سے ہے اس لیے یہاں سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ حجاب  
کتاب میں قمری تقویم کو اولیت دینی چاہیے۔ اگر شمسی حساب سے  
بھی کیلنڈر بنانا ضروری ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں تاہم اولیت  
قمری کیلنڈر کو ہی حاصل ہونی چاہیے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ  
مسلمانوں کے تمام احکام شرعیہ کا مدار قمری مہینوں پر ہے۔ مثلاً زکوٰۃ روزے  
حج اور عید وغیرہ قمری مہینوں کے حاسے ہی پورے کیے جاتے ہیں  
لہذا قمری تقویم کو بالکل ترک کر کے صرف شمسی تقویم پر انحصار کرنا مکروہ تحریمی  
میں داخل ہے۔ ایسا کرنے والے مسلمان گنہگار ہوں گے۔ اگر مزید کیلنڈر کے  
علاوہ ہندوؤں کا بھمی سنہ، پارسیوں کا فضلی سنہ اور رومیوں کا اپنا  
کیلنڈر بھی چلتا ہے۔ تاہم اولیت قمری تقویم کو حاصل ہے اور یہی فطری  
تقدیم ہے۔

قمری تقویم  
کی تقدیم

فرمایا یہ چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان میں لڑائی بالکل حرام  
ہے اور اگر مشرکین ان مہینوں کا احترام نہ کریں وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ  
كَأَنَّهُ تَوَجِّهَ شَرِّكُمْ کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ حُرّاجاؤ گے  
يُقَاتِلُونَكُمْ كَأَنَّهُ جس طرح وہ تمہارے ساتھ پوری طرح جنگ  
میں لڑتے ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ آلودہ برائیاں ہوں تو پھر مسلمانوں کو بھی اجازت  
ہے کہ وہ بھی پوری قوت کے ساتھ جنگ کریں۔ سورۃ بقرہ میں ہے۔  
”الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتِ قِصَاصٌ“  
حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے مقابل ہے۔ اور تمام حرمتوں کا

اولے کا  
بدلہ

بدلہ ہے۔ ”فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكَ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ“ پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس کے مطابق زیادتی کر۔ مقصد یہ ہے کہ حرمت والے مہینوں کا تقدس اسی وقت تک قائم ہے جب تک مشرک بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس پابندی کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو پھر ان کی سرکوبی کرنے کے لیے تم سے بھی لڑائی نہ کرنے کی قید اٹھ جائے گی فرمایا وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور نصرت متقیوں کے ساتھ ہے جو اللہ کے حکم کا جس قدر احترام کرے گا اسی درجے میں اسے اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوگی۔

حرمت مہینوں کا تبارک

حرمت والے مہینوں کا تقدس و احترام بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس خرابی کا ذکر فرمایا جو وہ اس سلسلے میں کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ بیشک مہینے کو پیچھے ہٹا دینا کفر میں زیادتی ہے۔ نسیء، نسی مؤخر کرنے کو کہتے ہیں کسی چیز کا آگے پیچھے کر دینا۔ یہاں پر نسی سے مراد حرمت والے مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا ہے يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا کافر لوگ اسی نسی کے ذریعے گمراہ کیے گئے یعنی اللہ کے مقرر کردہ حرمت والے مہینوں میں اولاد بدلی کر کے کافر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک تو حرمت والے مہینوں کا پوری طرح احترام کیا جاتا رہا مگر اس کے بعد مشرکین نے گمراہی کرنی شروع کر دی، اگر وہ کسی حرمت والے مہینے میں جنگ کرنا چاہتے تو حج کے موقع پر متعلقہ قبیلے کے سردار اعلان کر دیتے کہ اس سال حرمت کا فلاں مہینہ فلاں مہینے کے ساتھ بدل جائیگا۔ اس طرح وہ اصل محترم مہینے کی حرمت کو پامال کر کے اسی میں لڑائی لڑتے اور اس حرمت کو کسی دوسرے مہینے پر مؤخر کر دیتے

اللہ نے فرمایا کہ ایسا کہ ان کے کفر میں اضافہ کا باعث ہے، کافرو پہلے ہی ہیں۔ اس بات کے کفر میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ فرمایا يُحِلُّونَكَ عَامًا وَ يُحَرِّمُونَكَ عَامًا اسی نسی نے ذریعہ وہ ایک ہی مہینہ کو کسی سال حلال ٹھہرا دیتے ہیں اور کسی سال حرام قرار دے دیتے ہیں۔ حلت و حرمت کا اختیار تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر انہوں نے اس کو ان خود اپنے ہاتھ میں لے لیا یہ بالکل ایسا ہی کام ہے۔ جیسا یہودی نصاریٰ نے حلت و حرمت کا اختیار اپنے عالموں اور درویشوں کو تفویض کر رکھا تھا لِيُؤْطِقُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ تاکہ اُس گئی کہ پورا کر لیں جس کو اللہ نے حرام کیا ہے فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ پس وہ حلال کر لیتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اللہ نے رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مہینوں کو حرام قرار دیا ہے تو انہوں نے ان کی بجائے بعض دوسرے مہینوں کو حرام قرار دے دیا اور ان مہینوں کی حرمت کو گول کر گئے۔ فرمایا یہ بات کفر میں زیادتی کا موجب ہے۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے اس مقام پر یہ حقیقت بیان کی ہے کہ قمری سال شمسی سال سے دس دن چھوٹا ہوتا ہے اور اس طرح تین سال میں ایک پورے ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ دونوں تقویموں میں اس فرق کو پورا کرنے کے لیے بعض لوگ ہر تین قمری سالوں کے بعد قمری تقویم میں ایک ماہ کا اضافہ کر لیتے ہیں تاکہ شمسی اور قمری سال برابر رہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہر تین قمری سال بعد ایک ماہ لپ LEAP کا بڑھا دیا جاتا ہے تو شاہ صاحب نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ کیا ایسا کرنا نسی کی زد میں تو نہیں آتا جسے اللہ تعالیٰ نے کفر میں زیادتی قرار دیا ہے۔ امام ہدایؒ اور بعض مفسرین ایسا کہنے کو بھی نسی میں داخل کرتے ہیں حالانکہ حق باریت یہ ہے کہ ایسا کہنا محض حساب کتاب کی تکمیل ہے اور اس میں

شمسی اور قمری  
تقویم میں  
مربطہ بوقت



کسی مینے کی حلت و حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہذا اس قسم کا انتہام کرنے میں کوئی عرج نہیں ہے۔ اس انتظام کو کبیرہ کہتے ہیں اور یہ قدیم یو ایمنوں اور ایرانیوں کے ہاں بھی رائج تھا۔ لہذا عام مفسرین کے نزدیک یہ نہی میں داخل نہیں۔

برے اعمال  
کی تہنیں

فَرِيَا زَيْنَ لَهُمْ سُورَةُ اَعْمَالِهِمْ وَ اَنَّ كَے بُرے اعمال  
اُن کے لیے خوشنما بنادیے گئے ہیں۔ وہ غلط کام کر رہے ہیں مگر سمجھتے ہیں  
کہ نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے نکتہ ابڑا یہی کو بگاڑ دیا۔ حلال کو حرام  
اور حرام کو حلال ٹھہرا لیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی، اس کی منشاء  
کے خلاف کام کیا، مگر اسی زعم میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی  
بلکہ چار حرمت والے مینوں کی بجائے چار دوسرے مینے مقرر کر کے  
انہوں نے گنتی پوری کر دی ہے اور اس طرح اللہ کے احکام کی تعمیل  
بھی کر دی ہے۔ سورۃ انعام میں بھی ہے "وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ  
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" جو کچھ الشیطان کا سیدھا کام کرتے تھے شیطان  
اس کو مزین کر کے دکھاتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ ہم بہت اچھا اور نیکی  
کا کام کر رہے ہیں۔ آج بھی بزرگوں کی تعظیم کے نام پر شیطان کتنے ہی  
شرکیہ کام لوگوں سے کرواتا ہے۔ قبروں پر مسجدیں بنوے ہیں، ملا دیں،  
مانگی جا رہی ہیں، چادریں چڑھتی ہیں، قبروں کو غسل دیا جاتا ہے۔ یہ سب بزرگوں  
کی تعظیم کے نام پر شیطان کرواتا ہے اور لوگ اسے ثواب دارین سمجھ کر  
کر رہے ہیں۔ اسی چیر کے متعلق فرمایا کہ اُن کے اعمال اُن کے لیے  
مزن کر دیے گئے ہیں اور وہ اپنی میں مگن ہیں اور نہیں جانتے کہ کتنے  
بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ  
کافر لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب نہیں کرتا۔ جو کفر میں بڑھ جاتے ہیں  
اُن کی واپسی کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور پھر وہ زندگی بھر کفر کے

اندھروں میں ہی بٹکتے رہتے ہیں۔ پھر ان کی ہدایت کی طرف واپسی کا کوئی  
 امکان نہیں رہتا ایسے لوگوں کے متعلق سورۃ نساء میں اللہ کا فرمان ہے  
 "لَوْلَا مَا تَوَلَّوْا وَنَصَلَهُ جَهَنَّمَ" پھر جب سر کوئی جانا چاہتا ہے ہم  
 اسی طرف اس کو پھیر دیتے ہیں، ادھر ہی جانے کی توفیق دے دیتے ہیں اور اسے ہم جہنم  
 میں پہنچا دیتے ہیں و سَاءَتْ سَعِيرًا اور یہ بہت ہی بڑا ٹھکانا ہے اگر کفر و شرک  
 میں مبتلا کوئی شخص توبہ نہیں کرتا، حق و صداقت کو قبول نہیں کرنا چاہتا،  
 گمراہی میں پڑا ہوا ہے، تو ایسا شخص اپنے بڑے اعمال کو اچھا سمجھ رہا ہے  
 اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کی ہرگز راہنمائی نہیں کرتا اور نہ ہی ان کو ہدایت  
 نصیب ہوتی ہے، وہ گندگی میں ہی پڑے رہتے ہیں۔

واعلموا ۱۰

درس شانزہم ۱۶

التوبة ۹

آیت ۲۸ تا ۲۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ  
 ائْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قَلَّيْنَا  
 الْأَرْضَ بِأَرْضِيَّتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ  
 فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا  
 قَلِيلٌ ۝ (۲۸) إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا  
 وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّهُ شَيْئًا وَاللَّهُ  
 عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۲۹)

ترجمہ :- اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب  
 تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو تم بوجھل  
 ہوئے جاتے ہو زمین کی طرف۔ کیا تم راضی ہو چکے ہو دنیا  
 کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر۔ پس نہیں ہے نفع دنیا کی زندگی  
 کا آخرت کے مقابلے میں مگر بہت تھوڑا (۲۸) اگر تم نہ کوچ  
 کرو گے تو سزا دے گا وہ (اللہ) تم کو دردناک، اور تبدیل  
 کر دے گا تمہاری جگہ دوسری قوم کو اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ  
 سکو گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (۲۹)

سورۃ نذکی ابتدا مشرکین سے برأت اور اُن کے خلاف اعلان جنگ سے ہوئی۔ سابقہ مضامین کا خلاصہ پھر اللہ تعالیٰ نے ممانعت جہاد کا ذکر کیا۔ کفر اور شرک کرنے والوں کی خرابیاں بیان فرمائیں جبھی جبکہ ان کے خلاف جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔ پھر اُن کے ساتھ دوستانہ

کرنے کی ممانعت فرمائی۔ اللہ نے اہل ایمان کو مستعد رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا خود بھی امتحان لے گا اور مجاہدین اور کمزوروں کو ممتاز کرے گا۔ پھر اللہ نے ایمان والوں کو مختلف طریقوں سے دی جانے والی امداد کا ذکر کیا۔ یشرکین کو بیت اللہ شریف کے قریب آنے سے منع فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ اس سال کے بعد حج کے لیے نہیں آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا اور اس کی دو وجوہات بیان فرمائیں کہ وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، نیز یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے اور نہ ہی دین حق کو قبول کرتے ہیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے خلاف جہاد ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر جزیرہ ادا کرنے لگیں، ایسی صورت میں ان کو اللہ جہاد حاصل ہو جائیگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے عقائد باطلہ کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ شرک کی بدترین قسموں میں مبتلا ہیں۔ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنایا اور عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں ابنیت کا عقیدہ اختیار کیا۔ یہ لوگ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے تھے، لہذا اللہ نے ان کی طرف سے مسلمانوں کو خبردار کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلام کے عمومی غلبہ کا ذکر فرمایا۔ اُس نے اپنے نبی علیہ السلام کو اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ وہ اسلام کے سچے دین کو دیگر تمام ادیان پر غالب کر دے۔ پھر اہل کتاب کے خاص کردہ یعنی ان کے علماء اور درویشوں کا ذکر کیا کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ مال کو جمع کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ فرمایا کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مگر اہل کتاب نے یہ اختیار اپنے علماء اور درویشوں کو سونپ رکھا ہے، اُن

کے خلاف جہاد کرنے کی یہ بھی ایک وجہ ہے۔ فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو اسی طرح تبدیل کر دیتے ہیں جس طرح مشرکین، حرمت والے مہینوں میں تبدیلی کر دیتے تھے۔ اللہ نے سال بھر میں چار مہینے جب ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم و حرمت والے مہینے قرار دیے ہیں جن کے دوران شہداء اور متوفیوں کو نہ شہداء نہ متوفیوں کا حال یہ ہے جب وہ کسی حرمت والے مہینے میں جنگ کرنا چاہتے تو اُس مہینے کو کسی دوسرے مہینے سے تبدیل کر دیتے اور اپنی خواہش پوری کر دیتے۔ فرمایا یہ بھی کفر کی بات ہے اور تحلیل و تحریم کا اختیار غیر اللہ کو سونپ دینا بھی نافرمانی ہے۔ بہر حال آج کی آیات سورۃ کے ابتدائی مضمون کے ساتھ مربوط ہیں آج کی آیات جنگ ہی کے ضمن میں غزوہ تبوک سے متعلق تمہیدی آیات ہیں، آگے اس واقعہ کی تفصیل بیان ہوگی۔

غزوہ تبوک  
کا پس منظر

شہد میں فتح مکہ کے بعد شوال میں غزوہ حنین پیش آیا اس کے بعد مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کیا اور پھر جب حضور علیہ السلام وہاں سے کوٹے تو ۹ھ میں غزوہ تبوک کے لیے اعلان فرما دیا۔ اس جنگ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ رومیوں کے بادشاہ ہرقل کے خوشامدیوں نے یہ مشہور کر دیا کہ عرب کا مدعی نبوت فوت ہو چکا ہے۔ ملک میں فتنہ پھیلی ہوئی ہے، ملک میں قحط سالی کا دور دورہ ہے لہذا سرزمین عرب پر حملہ کرنے کا یہ بہترین موقع ہے اُس زمانے میں مصر، شام، فلسطین، حمص اور ایشائے کوچک کے اطراف میں رومیوں کا تسلط تھا۔ اور وہ سرزمین عرب پر بھی اپنا تسلط جمانا چاہتے تھے۔ یہ وہی ہرقل ہے جس کی طرف حضور علیہ السلام نے اسلام کا دعوت نامہ بھی بھیجا تھا مگر یہ اُس کی بدعت تھی کہ اپنی بادشاہت کے تحفظ کی خاطر اُس نے ایمان قبول نہ کیا۔ طائف سے واپسی کے وقت مدینہ شریف کے جو حالات تھے

ان کا پناہ مسلم شریعت کی روایت سے چلتا ہے۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت ہم پر کچھ دہشت طاری تھی کیونکہ رومیوں کی طرف سے جنگی تیاریوں کی مسلسل خبریں آرہی تھیں۔ چنانچہ ہر قتل سے لباد نامی ایک شخص کی کمان میں چالیس ہزار کا ایک لشکر عرب پر حملہ کرنے کے لیے دے دیا۔ شام کے علاقے میں عربوں کے بعض قبائل مثلاً لخم، عاملہ، غسان، اور حذام وغیرہ آباد تھے جنہوں نے عیسائیت قبول کر رکھی تھی اور وہ رومیوں کے ہاتھ تھے۔ ان میں غسان کے بادشاہ بڑے مشہور تھے شاہ مہر قتل نے ان قبائل سے بھی امداد حاصل کی اور جنگی تیاریاں پورے زور و شور سے کرنے لگا۔ چنانچہ پیشتر اس کے کہ ہشن مدینہ پر حملہ کرتا حضور علیہ السلام نے طائف سے واپسی پر فوراً اعلان کر دیا کہ دشمن کے ساتھ اس کی سرحد پر جا کر جنگ لڑی جائے گی۔

غزوہ تبوک سے پہلے جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں حضور علیہ السلام کی غص مقام کی طرف کوچ کرنے کا صراحت کے ساتھ اعلان نہیں فرماتے تھے بلکہ صرف اس قدر بتاتے تھے کہ جہاد کے لیے جانا ہے۔ تبوک کا معرکہ پہلا واقعہ ہے جب آپ علیہ السلام نے روانگی سے کئی ماہ پیشتر ہی تیاری کا حکم دے کر منزل مقصود کی وضاحت بھی فرمادی۔ آپ نے اطراف کے قبائل کی طرف بھی آدمی بھیج کر جنگ کی تیاری کا پیغام بھیجا جس کے جواب میں جنگ کی تیاری زور و شور سے شروع ہو گئی۔ چونکہ قحط سالی کا زمانہ تھا، لوگوں کی مالی حالت کمزور تھی اس لیے مجاہدین کے لیے مطلوبہ سواریاں بھی میسر نہیں آرہی تھیں۔ روایت میں آتا ہے کہ چھ چھ یا دس دس آدمیوں کے حصے میں ایک ایک سواری آئی تھی۔ سامان جنگ اور خوراک کی بھی قلت تھی، تاہم نبی علیہ السلام نے اس جہاد کے لیے نچترہ ارادہ فرمایا۔

جنگ کے  
تیاری

چونکہ اس جہاد پر روانگی کے ایام مسلمانوں پر تنگی کے دین تھے اس لیے اس غزوہ کو جیش ذات العسۃ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے یعنی تنگی والا جہاد۔ اس جہاد کے لیے حضور علیہ السلام نے تیس ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کیا۔ بعض مورخین نے چالیس ہزار اور اکسٹھ ہزار کا ذکر بھی کیا ہے تاہم اس لشکر کی تعداد تیس ہزار سے کم نہ تھی۔

منافقین کا کردار

اس واقعہ میں منافقین کی کمزوری اور ان کی رسوائی کا بیان بھی آیا ہے اس لیے اس غزوہ کا ایک نام غزوہ فاضلہ بھی ہے۔ چنانچہ یہاں سے لے کر واقعہ کے آخر تک منافقین کا حال بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یہ لوگ چلے بہانے سے جنگ سے گریز کرنے کی کوشش کرتے رہے آپ علیہ السلام نے ان سے تعرض نہیں کیا مگر تمام مخلص مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جنگ میں ضرور شریک ہوں۔ اس جنگ میں پیچھے رہنے والوں میں صرف معذور آدمی تھے یا وہ تین تو انا آدمی بھی تھے جو بلا عذر پیچھے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اشخاص پر بڑی سختی آئی جس کا ذکر اسی سورۃ میں موجود ہے پھر ان لوگوں کی توبہ بڑی مشکل کے ساتھ قبول ہوئی۔ اس سورۃ کا نام توبہ اسی مناسبت کے ساتھ ہے۔ بہر حال اس موقع پر جو لوگ کمزوری دکھا رہے تھے یا تنگی کی وجہ سے گھبراتے تھے اللہ نے ان کو تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ اگر تم اپنے نبی کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کا کوئی دوسرا ذریعہ پیدا فرما دیگا۔ اور تمہارا حشر بہت بُرا ہوگا۔ آگے اللہ نے منافقین کی صریح طور پر ملامت کی ہے اور ان کی فیضیت (ذلت) کی گئی ہے۔

الغرض! غزوہ تبوک کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہید اس طرح اٹھائی ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ  
الْفِتْنُ وَافُوا سَبِيلَ اللَّهِ اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے

مسلمانوں کی دل شکستگی

کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں کوچ کرو۔ اِنَّا قُلْتُمْ  
 الْحَ اَلْاَرْضِضِ تو تم زمین کی طرف بوجھل ہوئے جلتے ہو۔ جیسا کہ  
 پہلے عرض کیا غزوہ تبوک کے اعلان کے وقت حالت یہ تھی کہ مسلمان قحط  
 سالی کا شکار تھے، لمبا سفر درپیش تھا، وسائل کی کمی تھی، گھجور کی فصل  
 بھی پک چکی تھی جس کی برداشت مطلوب تھی مگر مسلمانوں کے لیے  
 روانگی کا اعلان ہو چکا تھا۔ دوسری طرف ایک بڑی ہمتقل اور منظم سلطنت  
 کے ساتھ ٹکر تھی جس کی وجہ سے بعض ذہنوں میں شکستگی کی کیفیت پیدا ہو  
 رہی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ اے اہل ایمان! ظاہری حالات  
 کو دیکھتے ہوئے بد دل نہ ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ کرتے  
 ہوئے جہاد کے لیے نکل کھڑے ہو۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت ترمسوخ  
 ہو گئی تھی کیونکہ خود مکہ معظمہ دارالاسلام بن چکا تھا۔ البتہ جہاد کے لیے ہر وقت  
 مستعد رہنے کی ضرورت تھی۔ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کا عام حکم تھا،  
 اِذَا سَطَطْلَبُوْا فَاَنْفِرُوْا یعنی جب بھی تم سے جہاد کا مطالبہ کیا جائے  
 فوراً چل پڑو اور کوئی پس و پیش نہ کرو۔ یہاں پر فرمایا کہ جہاد کے نام پر قم  
 زمین کی طرف بوجھل ہوئے جلتے ہو جیسے کوئی شخص زیادہ بوجھل پڑ جائے  
 کی وجہ سے پیچھے جھک رہا ہو۔ اس قسم کی مثال سورۃ اعراف میں بھی موجود  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو صاحب کرامت بنایا تھا، مگر وہ  
 مادی مفاد، شہوانی تصورات اور تعیش کی طرف جھک گیا۔ وَلَکِنَّ  
 اَخْلَدَ الْحَ اَلْاَرْضِضِ مگر وہ زمین کی طرف جھک گیا۔ گویا اس  
 شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے کے لیے  
 حقیر مفاد کو قبول کر لیا۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے  
 کہ تم آرام طلبی، خوشحالی اور تعیش کی خاطر جہاد کی مشقت سے منہ موڑ رہے  
 ہو اور دنیا کا حقیر فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو۔



دنیا طلبی  
یا آخرت  
طلبی

فَرَمَا اَرْضَيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ كَيْثُمَ رَاضِي هُوَ  
چکے ہو دنیا کی زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر؟ اور دنیا کا چند روزہ حقیر سامان ہے  
اور اور آخرت کی دائمی اور پہلے ہمارے زندگی ہے۔ مفسرین کہہ کر م فرماتے ہیں کہ یہ  
الفاظ بتا رہے ہیں کہ ایک مومن اور مسلمان کے نزدیک اولیت آخرت کی  
زندگی کو حاصل ہے۔ جب کہ اس دنیا کے تمام تر مفادات درجہ دوم میں  
آتے ہیں۔ جہاد کے ذریعے دنیاوی مفاد بھی حاصل ہوتے ہیں لیکن اصل  
مقصود آخرت کی کامیابی ہوتی ہے۔ مومن دنیا میں جو کام بھی کرنا ہے  
اس کی اصل غایت یہی ہونی چاہیے کہ کسی طرح دائمی زندگی سنور جائے  
نماز کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اگرچہ اس کے ذریعے اس دنیا میں بھی  
پابندی وقت، تنظیم، ڈسپلن، اجتماعیت اور انسانی ہمدردی جیسے مفاد  
حاصل ہوتے ہیں مگر اصل مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی  
فلاح ہوتی ہے۔

فَرَمَا اِگر تم دنیا کی زندگی پسند کرتے ہو فَكَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ  
الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ اِلَّا قَلِيلٌ دنیا کی زندگی کا سامان آخرت  
کے مقابلے میں بالکل محوڑا ہے۔ کوئی شخص سو سال کی عمر بھی پالے اور دنیا  
کا کتنا بھی ساز و سامان جمع کر لے، اس کی حیثیت بہر حال عارضی ہے۔  
زندگی بھی فانی ہے اور مال بھی ختم ہو جانے والا ہے۔ حضور علیہ السلام کا  
فرمان ہے اَعْمَارُ امْتِي مِائِينَ سَبْعِينَ وَ سِتِّينَ وَقَدْ  
مَا يَجُوزُ ذَلِكَ یعنی میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان  
ہیں اور بہت کم لوگ ہیں جو اس سے آگے جاتے ہیں۔ تو فرمایا تم اتنی  
حقیر زندگی کو آخرت کی دائمی زندگی پر ترجیح دیتے ہو۔ یاد رکھو! اس زندگی  
کی کوئی حیثیت نہیں۔

ترک جہاد  
پر غلامی

اللہ نے فرمایا کہ یہ تمہیں تنبیہ کی جا رہی ہے اِلَّا تَنْفِرُوا اِگر تم

اللہ کی راہ میں کوچ نہیں کرو گے، جہاد کے لیے نہیں نکلو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا **يُعَذِّبُكَ عَذَابًا أَلِيمًا** اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ مفسرین کرام کے بیان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے، وہ ذلت و رسوائی کا شکار ہو جاتی ہے حضرت ابو جبر صدیقؓ نے بھی اپنے خطبے میں یہی فرمایا۔ ترک جہاد کے نتیجے میں ایک سزا غلامی کی صورت میں آتی ہے اور غلامی سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی سزا نہیں۔ انگریز کی دو سو سالہ غلامی سے ہم بھی گنہگار ہیں۔ آج بھی کئی ممالک کافروں کی غلامی میں ہیں، کتنے ہی چینی، روسی اور قبرصی مسلمان ہیں، جو غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے دین سے انخاص بدتنے، قرآن پاک پس پشت ڈالنے اور جہاد سے منہ موڑنے کا۔ جب بھی اس قسم کی غفلت آئے گی، اُس کا نتیجہ غلامی ہوگا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے

غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

غلامی بڑی لعنت ہے، انسان بے ضمیر ہو کر رہ جاتے۔ غلام کو کوئی عزت حاصل نہیں ہوتی، نہ اس کی اپنی رائے ہوتی ہے اور نہ مشیت۔ اُسے تو ہر وقت اپنے آقا کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔

جن لوگوں نے انگریز کی غلامی کئی ہے انہیں کیسے کیسے ذلیل کام کرنا پڑے۔ انہوں نے اپنے مسلمان بھائیوں پر گولیاں چلائیں، خانہ کعبہ، پرچہ طحطائی کمرہ دی اور وہاں پر لوگوں کو ذبح کیا۔ سات سو ترکوں کو مسجد حرام میں شہید کیا گیا۔ عراق اور مصر پر مسلمانوں سے حملہ کر دیا گیا۔ انگریز کے غلام معمولی تنخواہ، عہدہ یا خطاب کی خاطر ضمیر کے خلاف گھٹیا زمین کام کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ کبھی مسلمانوں کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ اس درجہ تک بھی گمہ جائیں گے، تاہم ایمل کے غلبے کے بعد دنیا بھر کے

مسلمان پریشان ہو گئے کہ اب اُن کی اجتماعیت کیسے قائم رہ سکیگی۔ ہماری نمازیں اور جمعے کیسے ادا ہوں گے، چونکہ یہ مسلمانوں کے لیے تنزل کا پہلا واقعہ تھا۔ اس لیے وہ سخت پریشان ہوئے تھے مگر اُس کے بعد مسلمان مسلسل انحطاط میں جا رہے ہیں اور اب ان میں احساسِ محرومی بھی باقی نہیں رہا۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اگر جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ جس قسم کی سزا چاہیگا، دیگا، اور اس میں غلامی کی سزا بھی شامل ہے۔

قوم کی تبدیلی

فرمایا کہ اللہ تمہیں سزا دیگا۔ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ اور تمہارے جگہ دوسرے لوگوں کو بدل دیگا۔ اگر تم دین کی خدمت سے منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ یہ کام دوسرے لوگوں سے لے لیگا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم کہا کرتے تھے، کیا ہوا جو پنجاب کے سیدوں نے دین کی خدمت نہ کی۔ اللہ نے اُن کی بجائے یہاں کے کھنوں کو کھڑا کر دیا، دیکھ لیں مولانا عبدالحق صاحب اور مولانا احمد علی لاہوری کون لوگ تھے ان کا تعلق سکھ خاندانوں کے ساتھ تھا۔ اللہ نے اُن سے وہ کام لیا جو دنیا میں کمر وڑوں سے نہ کر سکے، تو فرمایا اگر تم نے اپنے مشن کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ یہ کام دوسرے لوگوں سے لے لیگا اور تمہارے حصے میں ذلت کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔ جب عربوں میں کمزوری آئی تو اللہ نے اُن کی جگہ ترکوں کو کھڑا کر دیا۔ یہ ترک بڑھی مدت تک ایمان سے محروم رہے مگر حضور علیہ السلام نے سزا دیا اتركوا الترك كما تركوكم جب تک ترک خود نہیں نہ چھڑیں ان کو کچھ نہ کہنا۔ پھر ایسا وقت بھی آیا کہ اللہ نے دین کی خدمت کے لیے ترکوں کو منتخب کیا۔ جب عرب ملوکیت، شہنشاہیت اور سببشی میں پڑے کہ کمزور ہو گئے تو اللہ نے اُن کی بجائے ترکوں کو خدمتِ دین کی توفیق مرحمت فرمائی۔ پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ ایک دن میں چار لاکھ ترکوں نے اسلام قبول کیا۔ جو لوگ کبھی دین کے

بدترین دشمن تھے، وہی لوگ اس کے داعی بن گئے۔

ترکوں کا  
عرج  
وزراں

ترکوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ چار سو سال تک  
یورپی انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے اور اسلام کے جھنڈے کو سر بلند  
رکھا۔ ان میں بعض کمزوریاں بھی تھیں، اس کے باوجود انہوں نے عیاں  
طاقتوں کا خوب مقابلہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے ترکوں پر تسلط حاصل  
کرنے کے بعد انہیں بہت ذلیل کیا۔ بلکہ انہیں تس تس کر کے رکھ دیا  
بہر حال فرمایا کہ اگر تم اسلام کی خدمت میں کمزوری دکھاؤ گے تو اللہ تعالیٰ  
تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے گا۔ چنانچہ یمنوک وغیرہ کی جنگوں میں یمنی لوگ  
کثیر تعداد میں شریک ہوئے اور انہوں نے دین کی خاطر بڑی بڑی خدمات  
انجام دیں۔ جب بھی ضرورت پڑتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے دین کا کام دوسروں  
سے لے لیتا ہے۔ وہ تمہاری کمزوریوں کی وجہ سے تمہیں منظر سے  
ہٹا دے گا وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا اور تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے  
فرمایا یاد رکھو! وَاللَّهُ عَلِيمٌ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اللہ تعالیٰ  
ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہے  
ابھی اور بھی تنبیہات چل رہی ہیں تاکہ مسلمانوں میں کمزوری نہ واقع ہو جائے  
چونکہ تبوک کا سفر بڑا لمبا سفر تھا، راستے کی مشکلات پیش نظر تھیں، سامان کی قلت  
تھی، ایسے حالات میں مسلمانوں کی دل شکستگی قدرتی امر تھا، اس لیے اللہ  
نے خبردار کر دیا کہ کمزوری نہ دکھانا، اس سے اللہ کا تو کچھ نہیں بگاڑے گا۔  
بلکہ تمہیں ہی الٹ نقصان ہوگا۔ پہلے دور کے مسلمانوں نے بڑی بے جگری کے  
ساتھ یہ منازل طے کی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح نصیب فرمائی جب  
حضور علیہ السلام تبوک میں خیمہ زن ہوئے تو دوسروں پر دہشت طاری ہو گئی  
شاہ ہرقل کا نپ اٹھا کہ جو لوگ ایک ہزار میل کا کمٹن سفر طے کر کے یہاں تک  
پہنچے ہیں۔ ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مسلمانوں کے غیر مترزل ایمان کا

نتیجہ تھا کہ روپیوں پر رعب طاری ہو گیا۔ بہر حال اللہ نے یہاں پر فرمایا ہے  
 کہ کمزوری نہ دکھانا ورنہ ذلیل ہو جاؤ گے اور اپنی حیثیت کو گم کر دو گے  
 ایسی صورت میں ہم دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ کھڑا کر کے ان سے  
 کام لے لیں گے۔

---

التوبة ۹

واعلموا ۱۰

آیت ۴۰

درس ہفتم ۱۱

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ  
كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْهُمَا فِي الْغَارِ إِذْ  
يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ  
اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا  
وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ  
اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ④۰

ترجمہ :- اگر تم اس (اللہ کے رسول) کی مدد نہیں کرو  
گے، پس بیشک اللہ نے اُس کی مدد کی جب کہ اُس کو  
نکالا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، وہ دو میں سے دوسرے  
تھے جب کہ دونوں غار کے اندر تھے جب کہ وہ کہہ رہے  
تھے اپنے ساتھی سے، تو غمگین نہ ہو، بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے  
ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اتاری اپنی طرف سے تلکین اس  
پر اور اس کی تائید کی اپنے لشکر کے ساتھ جس کو تم نہیں  
دیکھتے۔ اور کہہ دیا ان لوگوں کا کلمہ جنہوں نے کفر کیا تھا پست  
اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور

حکمت والا ہے ④۰

اس رکوع کی پہلی آیت میں جہاد کے لیے ترغیب اور تنبیہ ہے۔ اور اس کے  
بعد عہد تنبیہات میں یہ غزوہ تبوک کا ذکر ہے جو مسلمانوں میں پیش آمد فتح مکہ اور حنین

چلا آیت

کی لڑائی کے بعد حضور علیہ السلام نے تبوک پر چڑھائی کمرے کا فیصلہ کیا قحط سالی کا زمانہ تھا، سخت گرمی اور ایک ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے جانا تھا۔ یہاں سفر بھی قلیل تھا اور مجاہدین کے لیے سواریاں بھی کم تھیں۔ حتیٰ کہ دس دس آدمیوں کے حصے میں ایک ایک اونٹ ہوتا تھا۔ اس جہاد میں عام لوگوں کو شمولیت کی دعوت دی گئی اور محذوروں کے سوا کسی کو پیچھے رہنے کی اجازت نہ تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ اپنے نبی کی آواز پر فوراً نکل کھڑے ہوں۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تو پہلے بھی اپنے نبی کی مدد کرنا رہا ہے۔ اور اب بھی کرے گا۔ مگر یہ چیز تمہارے لیے باعث شقاوت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو کھڑا کرنے کا اور تم اس سعادت سے محروم رہ جاؤ گے۔

نصرت الہی  
کی مثال

جہاد کی دو قسمیں ہیں یعنی فرض عین اور فرض کفایہ۔ عام حالات میں جب کہ دشمن کے مقابلے کے لیے مجاہدین کافی تعداد میں موجود ہوں تو باقی لوگوں کا جہاد میں شریک ہونا ضروری نہیں ہوتا، صرف مجاہدین کی شمولیت باقیوں کو بھی کفایت کر جاتی ہے۔ البتہ جب دشمن مجبور کر جائے اور محض مجاہدین سے دفاع ممکن نہ ہو تو پھر عام مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اگر ایک عاقل، باغ مسلمان پیچھے رہ جائے تو وہ گنہگار ہوتا ہے۔ غزوہ تبوک کے لیے بھی عام لام بندی کا اعلان کیا گیا تھا، تو اس آیت میں جہاد سے جی چرانے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَللّٰہُ تَنْصُرُوْہُ مسلمانو! اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے، اس موقع پر جانی اور مالی قربانی پیش نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں۔ اس واسطے کہ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰہُ بِکُمْ اللہ تعالیٰ نے اس کی پہلے بھی مدد کی تھی اِذَا اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جب کہ نکال دیا تھا آپ کو کافروں نے۔ یہ ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جب مسلمان بمطاط دلیل

مشرکین مکہ پر غالب آئے تھے اور وہ لوگ تبلیغ دین کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے سے عاجز آچکے تھے تو قحطی ابن کلاب کے مکان دارالندہ میں جمع ہوئے تاکہ اسلام کے راستے میں بند باندھنے کا کوئی حتمی پروگرام طے کر سکیں۔ چنانچہ بڑے غور و خوض کے بعد فیصلہ ہوا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک نوجوان رات کو بنی علیہ السلام کے مکان کا محاصرہ کرے اور جس وقت آپ گھر سے باہر نکلیں، سب لوگ بیک بارگی حملہ کر کے آپ کا کام تمام کر دیں ان کی یکجہمی یہ تھی کہ جب اس قتل میں تمام قبائل ملوث ہوں گے تو آپ کا خاندان فتناس کا مطالبہ نہیں کر سکے گا اور اس کی بجائے مشترکہ طور پر دیت ادا کریں گے۔ اس پروگرام کے تحت رات کو منتخب آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصوبے کی خبر دیدی اور ساتھ ہی ہجرت کی اجازت بھی مرحمت فرمادی۔ چنانچہ آپ علیہ السلام رات کے وقت اٹھے، حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹایا اور حکم دیا کہ صبح تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں اور پھر مناسب وقت پر مدینہ طیبہ آجائیں۔ آپ گھر سے باہر نکلے، شاہت الوجہ کہتے ہوئے اور مٹی کی مٹھی محاصرے پر موجود لوگوں کی طرف پھینکتے ہوئے چل دیے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے اور ان کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ سے پندرہ سولہ کیلو میٹر دور غار ثور میں جا ٹھہرے۔

غار ثور جبل ثور کے آخری سر پہ سہمے، واسطہ دشوار گزار ہے۔ یہ غار پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ غار میں داخلے کا راستہ اتنا تنگ ہے کہ آدمی بیٹھ کر بھی داخل نہیں ہو سکتا بلکہ لیٹ کر داخلہ ممکن ہوتا ہے۔ غار میں پہنچ کر پہلے حضرت صدیق اکبرؓ اندر داخل ہوئے۔ غار کو صاف کیا اس کے سوراخوں کو بند کیا۔ صرف ایک سوراخ رہ گیا جسے بند کرنے کے لیے کچھ نہ ملا۔ حضور علیہ السلام غار کے اندر تشریف لائے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے

غار ثور  
میں قیام



زانو پر سر رکھ کر محو استراحت ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے آخری سوار کو بند کرنے کے لیے اپنا پاؤں اس کے آگے رکھ دیا۔ قنوطی دیر بعد کسی جانب وغیرہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے پاؤں کو کاٹ لیا۔ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی مگر آپ اپنے مقام سے سر نہ ہٹا دیں اور صبراً دھرنہ ہوئے کہ کہیں حضورؐ کے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔ جب نبی علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ کو علم ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ تکلیف پہنچی ہے۔ آپ نے اپنا لعاب دہن حضرت صدیقؓ کے پاؤں پر لگایا تو تکلیف فوراً رفع ہوئی۔ زہر کا اثر زائل ہو گیا اور اللہ نے آپ کو شفاء عطا فرمائی۔

مشرکین  
کی ناکامی

ادھر جب صبح ہوئی تو محاصرین نے حضور علیہ السلام کو اپنے مکان میں نہ پایا۔ حضرتؐ نے موجود تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ انہیں معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کہاں تشریف لے گئے ہیں مشرکین نے جب اپنا منصوبہ ناکام ہوتے دیکھا تو فیصلہ کیا کہ حضور علیہ السلام کو تلاش کیا جائے اور جو شخص آپ کو زندہ یا شہادت کی حالت میں لائے گا ایک سواونٹ انعام کا حقدار ہوگا۔ انعام کے لالچ میں بہت سے لوگ تلاش کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ماہر کھوجی کی خدمات بھی حاصل کیں جو انہیں پاؤں کے نشانات کے ساتھ ساتھ جبل ثور کے دامن تک لے گیا۔ پھر اوپر چڑھا لی۔ شرمع ہوئی حتیٰ کہ مشرکین غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے۔ اب یہاں اُس نصرت الہی کی طرف اشارہ ہے جو اس مشکل مرحلے پر حضور علیہ السلام کو میسر آئی۔ طبرانی اور بعض دوسری کتب احادیث میں روایت موجود ہے کہ جب حضور علیہ السلام اور حضرت صدیق اکبرؓ غار کے اندر پہلے گئے تو غار کے تنگ منہ پر مچھڑی نے جالاتن دیا اور وہاں دھالے کے قریب ہی جنگلی کبوتروں نے گھونسلہ تیار کیا اور اندھے دے دیے۔ جب یہ صورت حال دیکھی تو مشرکین نے کھوجی کی بات پر اعتبار نہ کیا۔ کہنے لگے یہ

جالا تو محمد کی پیدائش سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے، وہ اس غار کے اندر  
کہ صحر سے جاسکتے ہیں؟

صدیق اکبرؓ  
کی پریشانی

غار کے اندر سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشرکین کے پاؤں دیکھے  
تو آپ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ کیونکہ وہ غار کے دہانے تک پہنچ چکے  
تھے۔ یہاں پر یہ بات توجہ طلب ہے کہ حضرت صدیقؓ کی پریشانی اپنی  
ذات کے لیے نہ تھی بلکہ آپ کو فکر حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ کی تھی کہ  
دشمن آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ اگر یہ لوگ  
پاؤں کی طرف جھک کر اندر دیکھیں تو ہمیں پالیں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے  
فرمایا ما ظنک یا ابابکر باثنین اللہ ثالثہما لے ابوبکرؓ!  
تمہارا ان درو اشخاص کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیرا اللہ  
ہے حضور علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہم دونوں کا مددگار  
ہے تو ہمیں کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ ہم اسی کے حکم سے مکہ مکرمہ سے نکلے ہیں۔  
اب وہی ہمیں دشمن سے بچائے گا۔

یہاں پر یہی بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی ہدف مائی  
ثانی اثنین وہ دو میں سے دو کر تھے حضور علیہ السلام اور ابوبکر صدیقؓ  
ہر ایک دو کر کے اعتبار سے ثانی ہیں اذھمکاف الخار  
جب کہ وہ دونوں غار کے اندر تھے۔ اسی لیے حضرت صدیقؓ کو بار غار  
اور مخلص ساختی کہا جاتا ہے کہ وہ اتنے کٹھن وقت میں بھی آپ کے ساتھ رہے  
بہر حال اس سخت خطرے کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور علیہ السلام  
ہی کی فکر دامن گیر تھی۔ یہ دونوں حضرات صرف اسی مقام پر اکٹھے نہیں ہوئے  
بلکہ ہر موقع اور محل پر یہ دونوں ساتھی اکٹھے نظر آتے ہیں زمانہ امن ہو یا جنگ  
اور سفر ہو یا حضر حضور علیہ السلام جہاں بھی جاتے حضرت صدیقؓ آپ کے  
ہمراہ رہتے۔ حضرت صدیقؓ نے جو کاروائی انجام دی وہ

آپ ہی کا حصہ تھے۔

اب غار کے اندر کی کیفیت بتائی جا رہی ہے کہ جب وہ دونوں ساتھی غار کے اندر تھے اذِ یَقُولُ لِّصَاحِبِهِ جب وہ اللہ کا برگزیدہ رسول اپنے ساتھی سے کہ رہا تھا۔ صاحب سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ گویا آپ صابغیت نص قرآنی سے ثابت ہے، اسی لیے حضرت صدیقؓ کی حیثیت کے منکرین کے خلاف علمائے حق کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں کیونکہ یہ نص قرآنی کا انکار ہے۔ علم کلام والے کہتے ہیں کہ کسی بھی صحابی کا منکر فاسق ہوتا ہے۔ یعنی گنہگار اور مجرم ہوتا ہے۔ مگر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ بہر حال صدیق اکبرؓ کی پریشانی کو دیکھ کر اللہ کے برگزیدہ رسول نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اَبِی غم نہ کھائیں، فکر نہ کریں۔ مفسرین یہاں پر یہ نکتہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہاں پر لفظ غم بتلارہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی جان کی فکر نہیں تھی بلکہ آپ حضور علیہ السلام کی ذات کے متعلق فکر مند تھے۔

فرمایا غم نہ کہہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یہاں پر جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اور جس کے ساتھ اللہ ہو، وہ یاقوت نبی ہوگا۔ اور یاد لی۔ تو ان دونوں حضرات میں ایک اللہ کا برگزیدہ تہن نبی ہے اور دوسرا برگزیدہ تہن ولی ہے۔ فرمایا صدیقؓ! تم غم نہ کھاؤ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو جائے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب آپ اپنی قوم ہیبرل کو لے کر نکل کھڑے ہوئے تو آگے بکر قلزم تھا اور پیچھے فرعون کے لشکر تھے۔

اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے کہا "كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّي" (الشعراء) خبردار! بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے، وہی راہنمائی کرے گا۔ مقصد یہ کہ وہاں واحد کا صیغہ ہے۔ کہ اُس وقت اللہ کے برگزیدہ بندے صرف موسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ  
کی معیت

تھے۔ اور یہاں دوہیں اور جمع کا صیغہ ہے کیونکہ دونوں برگزیدہ تھے۔

مکڑی  
کھال

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کا کیا ذریعہ بنایا؟ غار کے منہ پر مکڑی نے جالائن دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک کمزور ترین سبز کوخت کا بہترین ذریعہ بنادیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ عنکبوت میں فرمایا ہے "اِنَّ اَوَّحَنَ الْبُیُوتِ لَبِیَّتِ الْعَنْکَبُوْتِ" یعنی ہر قسم کے کیڑے مکوڑوں کے گھروں میں کمزور ترین گھس مکڑی کا موتا ہے اللہ نے شرک کو مکڑی کے جال سے تشبیہ دی ہے کہ شرکیہ عقیدہ اتنا کمزور ہے۔ مشرکین کا محض وہم ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی مدد کر سکتا ہے یا کوئی حاجت پوری کر سکتا ہے۔ مگر اس مقام پر اللہ نے مکڑی کے جال سے مضبوط ترین قلعے کا کام لیا۔ اور ایسی تدبیر کی کہ مشرکین کے وہم و گمان میں نہ آسکتا تھا کہ حضور علیہ السلام اس غار میں بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے اہل ایمان! اگر تم اپنے نبی کی مدد نہیں کرو گے، اس کے ساتھ جہاد کے لیے نہیں نکلو گے، تو کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی ہمیشہ مدد کی ہے اور وہ آئندہ بھی کرتا ہے گا جہاد سے پیچھے رہ کر اللہ کے نبی کا تو کچھ نقصان نہیں ہوگا، بلکہ اس میں تمہارا ہی گھٹا ہے کہ تم بہت بڑی سعادت سے محروم ہو جاؤ گے۔

سکینتہ  
کا نازل

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس مشکل موقع پر بھی اپنے نبی کی مدد فرمائی فَانْزَلَ اللہُ سُبْحٰنَہٗ عَلَیْہِ اور اس پر اپنی تکلیف نازل فرمائی، آپ کا ساتھی بہت خلیفین ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی کا نازل فرمایا وَ اٰیۃُ الْفَجْرِ لَمَّا تَرَ الْفَجْرَ اَوْ اَسْمٰکَ لَیۡلٍ وَّ اَسْمٰکَ لَیۡلٍ اور اس کی مدد ایسے لشکر سے کی جس کو تم نہیں دیکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے بدر اور حنین کے مواقع پر بھی اپنے فرشتے نازل فرما کر مدد فرمائی تھی اور اس موقع پر بھی اللہ نے فرشتے اتار کر مشرکین کے خیالات ہی پٹ دیے اور وہ سوچ بھی نہ سکے کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اس غار کے اندر

بھی ہو سکتے ہیں۔ اللہ کے فرشتوں نے جبلِ ثور پر اُتے کہ یہ ساری تدبیر کر دی  
فرشتوں کی تائید کا یہی مطلب ہے۔

کلمہ توحید  
کی بلند

خلاصہ کلام یہ ہے وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى  
اللہ نے کافروں کی بات کو پست کر دیا وَكَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا  
اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے۔ یہ کلمہ توحید اور ایمان ہے جسے اللہ نے غالب  
کر دیا۔ اس شدید ترین موقع پر اپنے نبی اور صدیق کی مدد کی۔ دشمن تجھے لگے  
ہوئے تھے مگر اللہ نے ان کی تمام تدابیر ناکام کر دیں کیونکہ اللہ کی  
مشیت ہی ہمیشہ غالب آتی ہے، لہذا تمہارا جہاد میں شامل نہ ہونا تمہارے  
ہی حق میں برا ہو گا۔

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ خدا تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے  
اور حکیم ہے۔ وہ اپنی حکمت سے دو گھر مواقع پر بھی اپنے نبی اور دین  
کی مدد کر سکتا ہے مگر تم سعادت سے محروم ہو جاؤ گے اسی لیے فرمایا  
کہ اللہ کے نبی کی مدد کرو۔ اس کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جاؤ، دین  
کو غالب کرنے کے لیے پوری جانفشانی کے ساتھ مصروفِ عمل ہو جاؤ  
تا کہ دینِ حق کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ جب اسلام غالب آجائے گا تو  
پھر جماعت المسلمین صحیح نظام قائم کرنے کے قابل ہو جائے گی۔

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس ہشتر دہم ۱۸

آیت ۴۱ تا ۴۲

اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ  
وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ  
لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا  
قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعْدَتْ  
عَلَيْهِمُ الشَّقَّةُ ۖ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا  
لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ  
إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ :- (اے لوگو!) کوچ کرو ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد  
کرو اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی  
راہ میں۔ یہ بات بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ﴿۴۱﴾  
اگر ہونا سامان قریب کا اور سفر درمیانہ تو یہ منافق لوگ آپ  
کے پیچھے جاتے، لیکن مسافت اُن پر بعید ہو گئی ہے اور یہ  
قتیں اٹھاتے ہیں اللہ کے نام کی کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو  
ضرور نکلتے تمہارے ساتھ۔ یہ ہلاک کرتے ہیں اپنی جانوں کو۔

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بیشک یہ لوگ جھوٹے ہیں ﴿۴۲﴾

جہاد کے سلسلہ میں غزوہ تبوک کا ذکر ہو رہا ہے۔ ابتدائی آیات میں جہاد  
کی ترغیب دی گئی تھی اور پھر جہاد میں شریک نہ ہونے والوں کو تنبیہ کی گئی۔ ایمان والوں  
کو خبردار کیا گیا کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد نہیں کریں گے یعنی آپ کے

رابط آیات

ساتھ جہاد میں شامل نہیں ہوں گے تو یہ نہ سمجھیں کہ جہاد محض انہی پر موقوف ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے بغیر بھی اپنے نبی کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا کہ اہل نے ہجرت کے مشکل ترین موقع پر بھی مدد فرمائی تھی۔ جب مشرکین نے حضور علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ ارادہ کر لیا اور مسلح نوجوانوں نے رات کے وقت آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت کے ساتھ آپ کو وہاں سے نکال کر غار ثور میں پہنچا دیا تھا۔ جہاں آپ نے تین دن قیام فرمایا اور پھر آگے مدینہ طیبہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اسی غار کے قیام کے متعلق گذشتہ درس میں یہ بیان گزر چکا ہے ”ثَلَاثِي أَشْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ“ وہ دو میں سے دو سرتھے، کہ آپ نے اپنے ساتھی کو تسلی دی تھی کہ غم نہ کھائیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے حضور علیہ السلام نے اپنے یار غار حضرت صدیق اکبرؓ سے یہ بھی فرمایا تھا ”أَنْتَ صَاحِبِي فِي الْغَارِ وَصَاحِبِي فِي الْحَوْضِ“ اے ابوبکر صدیق! جن طرح آپ غار ثور میں میرے رفیق ہیں اسی طرح حوض کوثر پر بھی میرے ساتھی ہوں گے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری شمولیت کے بغیر بھی اپنے نبی کی مدد کر سکتا ہے، تاہم جہاد میں تمہاری عدم شرکت خود تمہارا ہی لیے وبال جان بن جائیگی۔

فریضہ  
جہاد

اب آج کی آیات میں تمام اہل ایمان کو جہاد میں شمولیت کی دعوت دی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا كُوج كُرْ ہلکے ہو یا بوجھل۔ ہر حالت میں مکمل کھڑے ہو و جہاد قَابَا مَوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ فرمایا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ بہ بات تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو یعنی کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ جہاد ایک عبادت ہے اور یہ دو صورتوں میں ادا ہوتی ہے۔

جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے اور اس میں مرد و عورت، بچے، بوڑھے، ہندوستان  
 بیمار سب کے سب مامور ہوتے ہیں۔ مثلاً غزوہ خندق کے موقع پر دشمن نے  
 مدینہ طیبہ پر زبردست چڑھائی کمرہ می بھئی، ایسے حالات میں ہر کس و نا کس پر دفاع  
 فرض عین ہوتا ہے اور اس سے کوئی فرد واحد بھی مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ ایسے موقع  
 پر جو کوئی سستی دکھاتا ہے وہ سخت مجرم ہوتا ہے اور اس کا وبال پوری  
 قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ البتہ عام حالات میں جہاد کا فریضہ بطور فرض کفایہ ادا کیا  
 جاتا ہے۔ یہ ایسا فرض ہوتا ہے کہ قوم کے بعض لوگ ادا کر لیں تو سب کی  
 طرف سے ادا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی کبھی یہ فریضہ ادا نہ کرے تو سب کے  
 سب گنہگار ہونے ہیں۔ مثلاً سردوں کا کفن و دفن، جنازہ، حدود اللہ کا قیام،  
 دین کی تعلیم وغیرہ فرائض کفایہ ہیں اور بعض کی ادائیگی سے یہ فرائض سب کی  
 طرف سے ادا ہو جاتے ہیں۔ عام حالات میں جہاد بھی فرض کفایہ ہوتا ہے۔  
 اگر قوم کے منتخب مجاہدین اس کام کو انجام دے سکیں تو یہ سب کی طرف  
 سے ادا سمجھا جائے گا۔

امام ابو جبرہ جصاصؒ اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ آپ دس دفعہ قسم اٹھا  
 کہہ کہتے تھے کہ اے لوگو! سن لو، جہاد فرض ہے۔ جب ان سے مطلب  
 کی جائے تو مدد کریں اور جب انہیں ساتھ چلنے کو کہا جائے تو ان کا جانا ضروری  
 ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کی جہاد میں ضرورت نہیں ہے تو بیشک گھر میں  
 بیٹھا ہے اور اگر ضرورت ہے تو پھر اس کو لازماً جانا ہوگا، آگے اسی سورۃ  
 میں آ رہا ہے کہ جو آدمی بیمار ہے، معذور ہے تو وہ مستثنیٰ ہوگا مگر اس شرط  
 کے ساتھ اذاً لَصَحُّوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہِ جب کہ وہ اللہ اور اس کے  
 رسول کے حق میں خیر خواہی کرنے والے ہوں اگر جہاد میں بالفعل شریک  
 نہیں ہو سکتا۔ تو زبان سے ہی خیر خواہی کی بات کر دے، اہل ایمان کے  
 حق میں پراپیگنڈا ہی کر دے جس سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور دشمنوں کی



حوصلہ شکنی ہو۔

شرائط  
بیعت

جیسا کہ پہلے عرض کیا اس مقام پر بغزوہ بٹول کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس موقع پر فیض عام کا حکم ہوا اور حضور علیہ السلام نے تمام مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کا حکم دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی بشیر بن الخصاصیہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور! آپ کس چیز پر بیعت لیتے ہیں فرمایا سب سے پہلی بات یہ ہے اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْتَ عَبْدُہٗ وَ تَسُوْغُ لَہٗ کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اُس کا بندہ اور رسول ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تمہیں دین میں پانچ نمازیں ادا کرنا ہوں گی، رمضان کے روزے رکھنا ہوں گے۔ مال ہے تو ہر سال زکوٰۃ دینا ہوگی اور اگر استطاعت ہے تو بیعت اللہ کا حج کرنا ہوگا۔ نیز اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں ان چھ باتوں پر بیعت لیتا ہوں۔ اس پر بشیر کہنے لگا حضور! عقیقہ تو درست رکھوں گا، نماز اور روزے بھی ادا کروں گا۔ مگر میرے پاس وافر مال نہیں ہے اس لیے نہ تو میں زکوٰۃ ادا کر سکوں گا اور نہ حج کے لیے جاسکوں گا۔ اس نے غلاموں میں کمزور دل آدمی ہوں لہذا جہاد میں بھی شریک نہیں ہوں گا اس پر حضور علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک بیعت سے پیچھے ہٹایا اور فرمایا بشیر! لَا جِهَادَ وَلَا صَدَقَۃَ فِیْہَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ اگر تم جہاد میں شامل نہیں ہو گے اور صدقہ نہیں دو گے تو جنت میں کیسے داخل ہو گے یہ سن کر بشیر نے تمام ارکان پورا کر کے دعا کا وعدہ کر کے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

ارکان  
اسلام  
اور بے

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عقیقہ کی اصلاح کے بعد پانچ عبادات ہیں۔ ان میں سے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ فرض عین ہیں اور پانچویں عبادت جہاد ہے جو کبھی فرض عین ہوتی ہے۔ اور کبھی فرض کفایہ۔ فرض عین کا حکم

یہ ہے کہ اگر استطاعت موجود ہو تو وہ ہر حالت میں فرض ہوتی ہے مثلاً نماز اور روزہ ہر عاقل، بالغ اور تندرست آدمی پر فرض ہے۔ اگر کسی وقت کوئی عذر ہے تو یہ عذر رفع ہونے پر نماز یا روزہ کی قضاء دینا ہوگی۔ اسی طرح زکوٰۃ اور حج ہے اگر مال موجود ہے اور نصاب کو پہنچ گیا ہے تو سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہوگا۔ یہ کسی صورت میں بھی ٹل نہیں سکتی۔ اگر سفر خرچ ہو چکا ہے اور آدمی سفر کے قابل ہے تو اسے حج بھی لازماً کرنا پڑے گا۔ حضور نے فرمایا جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا۔ وہ ہماری طرف سے یہودی ہو کر مے یا نصرانی۔ ہمیں کچھ سروکار نہیں۔ حج فرض عین ہے۔ یہ بھی کسی عذر کی وجہ سے مؤخر تو کیا جاسکتا ہے مگر ساقط نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا جہاد، تو جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے اس کی دو حالتیں ہیں۔ ایک فرض عین ہے۔ جب کہ نصیر عام ہو تو جہاد کسی چھوٹے، بڑے، مرد و عورت، بچے، بوڑھے کو معاف نہیں بلکہ سب کو حصہ لینا پڑے گا۔ البتہ اگر عام لام بندی کی ضرورت نہیں بلکہ مجاہدین دفاع کے لیے کافی تعداد میں موجود ہیں، تو یہ فرض کفایہ ہوگا اور دفاعی یا اقدامی جنگ لڑنے والے سپاہی ساری قوم کی کفایت کریں گے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ارکان اسلام والی حدیث میں بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ کا ذکر ہے یعنی اسلام کے ارکان کی تعداد پانچ ہے۔ اس میں عقیدہ توحید و رسالت کے بعد چار عبادات یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ تاہم دوسری حدیث میں جہاد کو بھی عبادات میں شامل کیا گیا اور یہ پانچویں فرض عبادت ہے۔

جب سے جہاد کی ذمہ داری عام مسلمانوں کی بجائے صرف فوج پر ڈالی گئی ہے، اس وقت سے جذبہ جہاد مفقود ہو کر رہ گیا ہے۔ فوج کے افسر اور سپاہی تنخواہ اور مراعات کے بدلے میں اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں وہ جہاد کو ایک عبادت سمجھ کر نہیں کرتے۔ جہاد کا تعلق ہر مومن کے ایمان

جہاد بطور  
عبادت

کے ساتھ ہے جو اسے نماز اور روزہ کی طرح فرض سمجھ کر سبجالانے کا پابند ہے نہ کہ محض تنخواہ وصول کرنے کے لیے۔ اگر کوئی مسلمان نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی عبادات کی ادائیگی کے لیے کوئی معاوضہ وصول نہیں کرتا، تو ہانچوں عبادت جہاد کے لیے کیے تنخواہ وصول کر سکتا ہے۔ بوقت ضرورت ہر تندرست مومن جہاد میں شریک ہونے کا پابند ہے، تاہم اس کی یہ شرکت اس کی طبیعت کے مطابق ہوگی۔ اگر وہ محاذ پر جا کر لڑ سکتا ہے تو وہاں جائے گا اور اگر اس قابل نہیں ہے تو مجاہدین کو اسلحہ پہنچانے کا کام کرے گا۔ ان کے لیے خوراک کا انتظام کرے گا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال اور علاج معالجے کا کام کرے گا یا پھر اندرون ملک شہری دفاع کے امور انجام دے گا۔ بہر حال اپنی حیثیت کے مطابق کوئی بھی مسلمان جہاد جیسی عبادت سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ موجودہ دور میں محاذ جنگ پر لڑنے والی فوج کے لیے تھوڑی سی تربیت کی ضرورت ہے جو ملک کے ہر باشندے کو تو نہیں دی جاسکتی۔ تاہم ضرورت کے مطابق شہری دفاع کی تربیت ہر شخص کے لیے لازمی ہونی چاہیے۔ اور دوران جنگ جو شخص جہاں بھی کوئی فرض ادا کر سکتا ہے، اسے شامل ہونا چاہیے کیونکہ اس وقت جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر شخص کو بقدر استطاعت حصہ لینا اپنے فرض کی ادائیگی کرنا ہے۔ اگر وہ کوتاہی کرے گا تو عند اللہ ماخوذ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ جہاد کے لیے کوچ کر دو، غم ہلکے ہو یا بھیل مطلب یہ ہے کہ جو بھی ڈیوٹی انجام دے سکتے ہو۔ اس کے لیے نکل کھڑے ہو۔ بعض فرماتے ہیں کہ ہلکے اور بو جھیل کا مطلب یہ ہے۔ پیدل یا سوار فقیر یا غنی، جوان یا بوڑھے، غرضیکہ بغیر عام کے موقع پر کسی کا کوئی عذر مسحوق نہیں ہوگا، ہر حالت میں جہاد کے لیے نکلنا پڑے گا۔ شاہ ولی اللہ۔

حفاظ اور ثقال کے متعلق فرماتے ہیں کہ تمہارے پاس سامان تھوڑا ہے یا زیادہ، غم بہر حال میدان جہاد میں کود پڑو۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس

کتنا سامان تھا؛ جب معمولی اسلحہ اور معمولی سامان کے ساتھ اللہ کے راستے میں نکل آئے تو اللہ نے فتح سے ہمکنار کیا۔ فرمایا مال اور جان دونوں چیزوں کے ذریعے جہاد میں حصہ لو۔ جس کے پاس دونوں چیزیں ہیں وہ دونوں بروئے کار لائے۔ جو خود شریک نہیں ہو سکتا، معذور ہے، وہ مال دے اور جس کے پاس مال نہیں وہ اپنی جان پیش کرے اور اگر دونوں چیزوں سے معذور ہے۔ تو نصیحت کی بات ہی کر دے۔ مجاہدین کی حوصلہ افزائی اور دشمن کی حوصلہ شکنی کی بات کر دے تو اس کے لیے یہی جہاد ہے فرمایا ہر صورت میں جہاد میں شامل ہونا ہی تھا اس لیے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر اس میں سستی دکھاؤ گے تو پھر ذلت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ پہلے گنہگار چکا ہے کہ اگر ضعف دکھاؤ گے تو پھر اللہ کے حکم کے منتظر رہو حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک یہی ہے کہ اگر جہاد سے منہ موڑو گے کمزوری کا اظہار کرو گے **يُسِطُّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ الدَّلَّةَ** تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت کو مسلط کر دیگا۔ پھر تمہارا دین بھی ذلیل ہو گا، غلام بن جاؤ گے جو کسی قوم کے لیے بدترین سزا ہے۔

اب آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال بیان فرمایا ہے اور یہ آگے دور تک چلا جائے گا۔ جیسا کہ اگلے رکوع میں آ رہا ہے غزوہ تبوک کے موقع پر بعض منافقین جیلے بہانے سے پیچھے رہ گئے اور پھر حضور علیہ السلام کی واپسی پر عذر پیش کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ایسے منافقین کی قلعی کھول کر ان کو رسوا کیا ہے، ان کے جھوٹ کو ظاہر کیا ہے اور انہ کے لیے خبردار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ چال بالکل پس نہیں بخورے تبوک کے لیے غزوہ علیہ السلام نے روائی سے کئی ماہ پیشتر تیار کا حکم دے دیا تھا۔ کیونکہ مدینہ سے بارہ منزل دور تقریباً ایک ہزار میل کا سفر طے کرنا تھا مگر منافقین یوں کہنے لگے **كَوْكَانَ عَدُوًّا قَرِيبًا** اگر سامان ہوا قریب کا یعنی اس

منافقین کی جہل ساری

سفر میں داخل غنیمت ملنے کی توقع ہوتی وَسَفَرًا قَاصِدًا اور سفر درمیان یعنی ہلکا ہونا لَا تَبْعُوا تَوْضُورِ آپ کے پیچھے جاتے یعنی شریک جہاد ہوتے۔ جیسا کہ خیبر کے موقع پر منافق کہتے تھے قَدْ وَنَا نَتَّبِعُكُمْ (الفتح) ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دیں مگر اللہ نے فرمایا: قُلْ لَنْ تَتَّبِعُوا نَا (الفتح) تم بالکل ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ منافقین جانتے تھے کہ خیبر میں بہت سامان غنیمت ملے گا اور سفر بھی قریب تھا، اس لیے اُس معرکہ میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ مگر نبی علیہ السلام نے اعلان فرمادیا کہ خیبر کے لیے وہ شخص جائیگا جو حدیبیہ میں شریک ہوا تھا، لہذا منافقین وہاں نہ جا سکے۔ اور ادھر تبوک کے سفر کے لیے حالات ناسازگار اور سفر دراز تھا، ادھر جانے کے لیے ہانے بناتے تھے۔

فرمایا منافقین کہتے ہیں کہ اگر سفر ہلکا ہوتا اور سامان قریب ہوتا تو ہم بھی غزوہ تبوک میں شریک ہو جاتے مگر اللہ نے فرمایا وَلَیْکُنْ بِأَعْدَائِکُمْ عَلَیْہِمُ الشُّقَّةُ کہ اُن پر مسافت بعید ہو گئی ہے۔ ہزار میل کا فاصلہ اور گرمی کا موسم تھا، قحط سالی کا زمانہ تھا، راشن، سامان سفر اور سواریاں بھی کم تھیں، پانی کی قلت تھی، راستے میں بے حد تکالیف اٹھانا پڑیں۔ لشکر اسلام تبوک میں ایک ماہ تک قیام پذیر رہا مگر دشمن کو سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر دہشت طاری کہہ دی اور وہ پسپائی پر مجبور ہو گئے۔ علاقے بھر کی طاقتوں نے وفاداری قبول کر لی۔ آپ نے اُن سے جزیہ کا معاہدہ کیا، نیز انہوں نے یہ بھی خمد کیا کہ آئندہ کے لیے وہ مسالوں کا ساتھ دیں گے اور رومیوں کی طرف داری نہیں کریں گے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فتح عطا فرمائی اور وہ کامیاب و کامران واپس لوٹے، یہ اتنا کمٹن سفر تھا کہ آج بھی جب واقعات پڑھتے ہیں تو اہل ایمان کی نچشتی اور عظیم قربانی پر حیرت ہوتی ہے۔

فرمایا منافقین کا حال یہ ہے وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ یہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ اَوْ اسْتَطَعْنَا اَخْرَجًا مَّعَكُمْ اگر ہم طاقت رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ ہم کوئی حیلہ بہانہ نہ کر گئے کہ ہمیں فلاں مجبوری ہے فرمایا يَحْلِفُونَ اَنْفُسَهُمْ مجھوٹے بہانے بنا کر خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ ایسے بہانے اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں چل سکتے صحیح حیلہ تو مسموع ہو سکتا ہے مگر مجھوٹے بہانے تراش کر یہ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ کسی طرح لوگوں کے سامنے ذلیل ہونے سے بچ جائیں مگر آخرت کی رسوائی اور ہلاکت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

فرمایا واللہ یعلم انفسہم لَكَذِبُونَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ مجھوٹے ہیں۔ جہاد سے جی ہمارے ہیں اور اب مجھوٹے بہانے بنا رہے ہیں۔ منافقین کی مذمت کا سلسلہ آگے دوڑتا جا رہا ہے۔ اللہ نے ان کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنَتْ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ  
 لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَذِبِينَ ﴿۲۳﴾ لَا يَسْتَازِنُكَ  
 الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا  
 بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمُ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۲۴﴾  
 إِنَّمَا يَسْتَازِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
 الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رِيبِهِمْ  
 يَتَرَدَّدُونَ ﴿۲۵﴾ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً  
 وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ  
 اقْعُدُوا مَعَ الْقُعْدِيِّنَ ﴿۲۶﴾ لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا  
 زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُضْعِفُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ  
 الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمْعُونُ لَهُمُ وَاللَّهُ عَلِيمُ  
 بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۷﴾ لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ  
 وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ  
 وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ :- اللہ درگزر کرے آپ سے، آپ نے کیوں

خصت دی ان کو یہاں تک کہ واضح ہو جاتے آپ کے لیے

وہ لوگ جو سچ کہنے والے ہیں اور جان لیتے آپ تھوڑوں کو (۴۳)  
 نہیں رخصت طلب کرتے آپ سے وہ لوگ جو ایمان رکھتے  
 ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں  
 اور اپنی جانوں کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے  
 متقیوں کو (۴۴) بیشک آپ سے رخصت مانگتے ہیں وہ لوگ  
 جو نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اور شک  
 میں پڑے ہوئے ہیں اُن کے دل اور وہ اپنے شک میں ہی  
 متردد ہیں (۴۵) اور اگر یہ لوگ ارادہ کرتے نکلنے کا جہاد کے  
 لیے تو ضرور تیار کرتے اس کے لیے سامان لیکن اللہ نے  
 ناپسند کیا ہے ان کے اٹھنے کو۔ پس اِن کو کسل مند کر  
 دیا اور ان سے کہا گیا کہ بیٹھ جاؤ تم بیٹھنے والوں کیساتھ (۴۶)  
 اگر یہ نکلتے تمہارے درمیان تو نہ زیادہ کرتے تمہارے لیے  
 مگر خرابی اور دوڑاتے تمہارے درمیان گھوڑے اور اونٹ۔  
 تلاش کرتے ہیں یہ تمہارے لیے فتنہ۔ اور تمہارے درمیان لیے  
 لوگ بھی ہیں جو ان کی بات کو سُنتے ہیں اور اللہ خوب جانتا  
 ہے ظلم کرنے والوں کو (۴۷) بیشک (منافقین نے) تلاش  
 کیا فتنہ اس سے پہلے بھی اور اُلٹ دیا انہوں نے معاملات  
 کو آپ کے سامنے۔ یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا  
 حکم غالب ہو گیا اور یہ لوگ ناپسند کرنے والے ہیں (۴۸)

یہ غزوہ تبوک ہی کا سلسلہ جاری ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب دی  
 اور پھر اہل ایمان کو خبردار کیا کہ وہ اس معاملہ میں سستی نہ دکھائیں بلکہ ہر حالت میں جہاد میں  
 شریک ہوں۔ پھر جہاد کی حکمت بھی بیان فرمائی کہ اس سے مقصود اللہ کے کلمے کی بلندی ہے



ایمان والوں کو اسی وجہ سے عزت نصیب ہوئی ہے۔ اگر ایمان والے آگے نہیں بڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ دین کا کام کسی اور جہاد سے لے لے گا اور یہ چیز پیچھے رہ جانے والوں کے لیے تذلیل کا باعث ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال بیان کیا کہ جہاں انہیں کوئی مضار نظر آتا ہے وہاں حضور علیہ السلام کے ساتھ چل نہ سکتے ہیں اور جہاں کوئی مشقت طلب کام ہوتا ہے وہاں جانے سے گریز کرتے ہیں۔ غزوہ تبوک کا سفر چونکہ بہت لمبا تھا، گرمی کا موسم اور قحط سالی کا زمانہ تھا اس لیے منافقین نے اس سفر سے حتی الامکان گریز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت بیان فرمائی ہے اور یہ سلسلہ سورۃ کے آخر تک چلا گیا ہے۔

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ منافقین نے کئی جیلے بہانے بنائے کہنے لگے اگر سامان قریب ہوتا اور سفر درمیان ہوتا تو ہم ضرور جہاد میں شامل ہوتے بعض نے کئی قسم کی مجبوریاں ظاہر کیں اور غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے معذرت کر لی۔ اس حضور علیہ السلام نے ان کے عذر قبول کرتے ہوئے ان سے درگزر فرمایا۔ اگرچہ آپ نے یہ کوئی غلط کام نہیں کیا تھا مگر یہ پسندیدہ بھی نہیں تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی لطیف پیرائے میں حضور علیہ السلام کو تنبیہ فرمائی۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَٰؤُلَاءِ ان کو کیوں نہ دیتے حتیٰ یتبیین لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے آپ کے لیے وہ لوگ جنہوں نے سچ کہا وَلَعَلَّكَ الْمُكَذِّبِينَ اور آپ جھوٹوں کو بھی جان جاتے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کو منافقین کو رخصت دینے میں جلدی نہیں کرنا چاہیے۔ اگر آپ ذرا خاموش رہتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو سچے اور جھوٹے کی پہچان کرا دیتا۔ منافقین تو کسی حالت میں بھی جہاد میں شریک نہ

خصت  
میں  
جلدی

پر آمادہ نہیں تھے مگر آپ کی طرف سے اجازت اُن کی عدم شرکت کا معقول بہانہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے عزائم اور باطنی کیفیات کو جاننا ہے، یہ لوگ کسی جیلے کی تلاش میں تھے جو انہیں میسر آگیا اور انہوں نے اپنے آپ کو کسی حد تک الزام سے بری کر لیا۔

مؤمنین کا  
شیوہ

فرمایا یہ تو منافقوں کی حالت ہے کہ جیلے بہانے سے جہاد سے گمراہ کرتے ہیں مگر مؤمنوں کا حال یہ ہے۔ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے ہرگز نہ رخصت طلب نہیں کرتے۔ جن لوگوں کے دلوں میں نورِ ایمان راسخ ہو چکا ہے وہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ اللہ کا رسول تو سفر کی صعوبتیں برداشت کرے اور وہ پیچھے بیٹھے رہیں۔ فرمایا وہ نہیں رخصت طلب کرتے اَنْ يَّجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں کیساتھ اور اپنی جانوں کیساتھ مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان اپنے مالوں اور جانوں کی قربانی کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں۔ سورۃ کے آخر میں آ رہا ہے وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ وہ لوگ اپنی جان کو نبی کی جان پر ترجیح نہیں دیتے۔ جب اللہ کا رسول خود مشقت برداشت کر رہا ہے تو مومن کیسے سکون پکڑ سکتے ہیں؟ فرمایا وَاللَّهُ عَلَيْكُمْ بِالْمُتَّقِينَ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کن لوگوں کے دل میں خوفِ خدا ہے اور کن کے دلوں میں کفر، شرک اور نفاق بھرا ہوا ہے۔

غزوہ تبوک کے جو حالات تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں ملتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان نہایت ہی کٹھن حالات میں سخت تکالیف کو برداشت کر کے حضور علیہ السلام کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے۔ پھر جو لوگ کسی وجہ سے قافلے سے پیچھے رہ گئے وہ بھی نہایت ہی نامساعد حالات میں مجاہدین سے جا ملے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا اونٹ دورانِ سفر چلنے سے

معذور ہو گیا۔ انہوں نے اونٹ کو وہیں چھوڑا اور سامان سفر اپنی گردن پر اٹھا کر چل پڑے۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے قافلے سے جا ملے جب حضور علیہ السلام نے اُن کو دُور سے آتا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ ابوذرؓ دنیا میں بھی یگانہ ہے اور یہ آخرت میں بھی یگانہ ہوگا۔

ابوخیثمہؓ صحابی نے رات بھر مزدوری کی اور ایک صاع کھجوریں لاکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیں اور عرض کیا کہ میری طرف سے جہاد کے لیے قبول فرمائیں۔ منافقین نے فوراً طعن کیا کہ یہ شخص لہو گٹا کہ شہیدوں میں نام کھوانا چاہتا ہے۔ بھلا اتنے بڑے معرکے کے لیے ایک صاع کھجوروں کی کیا حیثیت ہے؟۔ ادھر عبدالرحمن بن عوفؓ میں جنہوں نے اس جنگ کے لیے چار ہزار درہم یا دنیا حضور کی خدمت میں پیش کیے منافقوں نے یہاں بھی اپنی خباثت کا اظہار کیا، کہنے لگے کہ اتنی بڑی رقم دکھلاوے کے لیے ملے رہا ہے۔

اُسی ابوخیثمہؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ بھی قافلے سے پیچھے رہ گیا اور پھر اکیلا ہی پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جب قافلے کے قریب پہنچا تو حضور علیہ السلام نے دُور سے گرد و غبار اٹھتا ہوا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں القا کر دیا کہ یہ ابوخیثمہؓ ہے۔ چنانچہ جب وہ قافلے میں پہنچ گیا تو مجاہدین نے دیکھا کہ وہ واقعی ابوخیثمہؓ ہی تھا۔ آگے تین دو سکر آدمیوں کا ذکر بھی آرہا ہے جو اگرچہ بچے سے مسلمان تھے مگر کسی طرح غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو سکے۔ انہوں نے کوئی جھوٹا حیلہ بنانے کی بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور پھر ان پر بڑی سخت آزمائش آئی۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ مومنوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور اس معاملہ میں اللہ کے رسول سے رخصت طلب نہیں کرتے انہیں اللہ کے راستے میں جو بھی تکلیف پہنچے اُسے بخوشی برداشت کرتے ہیں۔

مذاہقین  
کا طرز  
عمل

اس کے برخلاف منافقین کا طرز عمل یہ ہے اِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ  
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کہ آپ سے رخصت وہ  
لوگ مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ اِن  
کا ایمان لانا محض زبانی کلامی ہوتا ہے۔ وَإِنْ تَابَتْ قُلُوبُهُمْ اور اِن  
کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ فَهُمْ فِي ذَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ  
اور وہ اسی شک میں ہی جکسکے ہوئے ہیں۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول  
کی بات پر یقین ہی نہیں آتا اور وہ ہر چیز کو شک کی نظر سے ہی دیکھتے ہیں۔  
اُن کے اسی تردد کے متعلق سورۃ نساء میں آتا ہے لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى  
هَؤُلَاءِ نہ وہ ادھر کے ہوتے ہیں اور نہ اُدھر کے بلکہ درمیان میں جھٹکتے  
رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ جہاد سے گریز کے لیے ہمارے تلاش کرتے ہیں۔  
اور پھر اللہ کے رسول سے رخصت طلب کرتے ہیں۔ فرمایا یہ تو جہاد میں  
بشرکت کا ارادہ ہی نہیں رکھتے تھے وَلَوْ اَدَّاءُ الْخُرُوجِ اگر یہ جہاد  
میں جانے کا ارادہ رکھتے لَاَعْدُوْا لِهَؤُلَاءِ عَدُوًّا تو سامان تیار کر لیتے بمقصد  
یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے روانگی سے کئی ماہ پہلے تیاری کا حکم دے دیا تھا۔  
اگر یہ لوگ صدقِ دل سے جہاد میں حصہ لینا چاہتے تو سفر کی تیاری کرنے کی بجائے  
کا انتظام کرتے، اہمیتھار لیتے، خوراک کا بندوبست کرتے، مگر یہ تو جانا ہی  
نہیں چاہتے تھے اور جھوٹے جملے بانوں کی تلاش میں تھے۔

فرمایا ادھر مشیتِ الہی یہ تھی وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ  
کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے اٹھنے یعنی سفر پر روانگی کو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ  
اُن کے باطنی غرائز سے سنجیدہ واقف تھا کہ یہ لوگ دل سے تو جانا نہیں  
چاہتے فَقَبَضَهُمْ پس اللہ نے اُن کو کسل مند بنا دیا۔ اُن پر سستی طاری  
کر دی کہ وہ جہاد میں شریک ہونے کی ہمت ہی نہ پاتے تھے۔ اللہ نے  
اُن کو کم ہمت بنا دیا اور فرمایا وَقِيلَ اَفْعُدُوا مَعَ الْفُجَّادِ

مشیت  
الہی

کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔ تم جیسے بزدل آدمیوں کی ضرورت  
 نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ پیچھے رہ جانے والے کمزور و ضعیف معذور و نابینا،  
 عورتیں اور بچے تھے، تو فرمایا تم بھی ان کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہو۔ تمہارا  
 جنگ میں جانا سود مند ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ لَوْ خَرَجُوا فِیْکُمْ اگر  
 یہ لوگ آپ نے ساتھ جہاد کے لیے نکلے مَآ تَوْفَّیْکُمْ الْأَحْبَابُ تو نہ  
 زیادہ کئے تمہارے لیے مگر خیرانی مقصد یہ کہ اگر یہ بادلِ سخاوت آپ کے ساتھ چل بھی  
 پڑتے تو آپ کے لیے مشکلات میں اضافہ کا باعث بنتے لہذا ان کا  
 نہ جانا ہی بہتر تھا۔

منافقین کی  
 لگائی بجائی

اور اس کے ساتھ ساتھ لَا أَوْصَعُوا خِلَافَکُمْ دوڑاتے تمہارے  
 درمیان گھوڑے اور اونٹ۔ ایضاً گھوڑے اور اونٹ کو تیز دوڑانے  
 کو کہتے ہیں مگر محاورہ کے طور پر اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ ادھر کی  
 باتیں ادھر اور ادھر کی ادھر کی جائیں جس سے فتنہ و فساد کا باز نہ آگرم ہو۔ یہ  
 لفظ غیبت اور جھیل خوری پر بھی محمول کیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر یہ  
 لوگ تمہارے ساتھ جہاد کے لیے چلے جاتے تو ایک تو خرابی میں اضافہ  
 کرتے اور دوسرے ایک دوسرے کے ساتھ لگائی بجائی کی باتیں کر کے  
 دُشمنانہ اکیتہ اور نفرت پیدا کرتے اور اس طرح لشکرِ اسلام کو فائدے کی بجائے  
 نقصان کا احتمال ہوتا۔

امرو القیس زمانہ جاہلیت کا بڑا مشہور شاعر ہوا ہے۔ اس نے اپنے  
 ایک غمہ شعر میں ایضاً کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کہتا ہے

أَرَانَا مَوْضِعَیْنَ لَا مَرْغَبَ  
 وَتُسَحَّرُ بِالطَّعَامِ وَبِالشَّوَابِ

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی تیزی سے امرِ غیب کی طرف جا رہے  
 ہیں اور حالت یہ ہے کہ صبح شام ہمیں کھانے پینے کے ساتھ ہلایا جا رہا ہے

شاعر نے بڑی پتے کی بات کی ہے کہ ہم نامعلوم منزل کی طرف تیزی کے ساتھ سفر کر رہے ہیں مگر معلوم نہیں کہ آگے ہمارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ ہم اس غائبانہ منزل کی فکر کی بجائے خورد و نوش میں ہی محو ہیں بھال یہاں ایضاً کو تیز دوڑنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہاں پر اَوْصَحُوا کا لغوی معنی 'تیز دوڑنا ہی ہے'۔ اگر منافق لوگ تمہارے ساتھ نہکتے تو تمہارے درمیان گھوٹے اور اونٹ تیزی سے دوڑاتے یعنی غیبت اور چنچل خوری کے ذریعے تمہارے درمیان لگائی کجھائی کرتے اور اس طرح اختلافات پیدا کر کے تمہارے لیے نقصان کا باعث بنتے لہذا ان کا نہ جانا ہی بہتر ہے

منافقین  
کی فتنہ پڑائی

منافقین کی ایک خصلت یہ بھی بیان فرمائی يَذَّوْنَكَ اَلْفِتْنَةُ کہ یہ تمہارے لیے فتنہ تلاش کرتے ہیں۔ فتنہ و فساد برپا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ فرمایا اور اُدھر تمہاری حالت یہ ہے وَفِيكُمْ سَمْعُونُ لَكُمْ تھمارے درمیان کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی باتوں کو سنتے ہیں یعنی ان کی لگائی کجھائی سے متاثر ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اگرچہ مومن منافقین کی چال میں آجائیں گے تو اس سے فتنہ ہی برپا ہوگا۔ فرمایا وَاللَّهُ عَلَيْكُمْ بِالظَّالِمِينَ خدا تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کی نیت خراب ہے اور کون اہل ایمان میں فساد کا موجب بن سکتا ہے۔

فرمایا لَقَدْ ابْتَعُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلِ اِنْ منافقین نے پہلے بھی فتنہ تلاش کیا۔ جب سے حضور علیہ السلام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے، یہ لوگ ہمیشہ سازشوں میں مصروف رہے اور فتنہ کی آگ بھڑکاتے رہے۔ کبھی یہودیوں کے ساتھ مل کر اہل ایمان کے خلاف سازش کی اور کبھی مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف مدد دی غرضیکہ یہ لوگ ہر موقع پر مسلمانوں کے خلاف مصروف عمل رہے۔ اب بھی اگر یہ جہاد کے

سینے نکل کھڑے ہوتے تو کوئی نہ کوئی فتنہ ہی کھڑا کرتے، لہذا اچھا ہو کہ یہ آپ کے ساتھ رفیقِ سفر نہیں ہوئے۔

فرمایا ان کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے وَقَلْبُوا لَكَ الْأُمُورَ انہوں نے پہلے بھی آپ کے سامنے معاملات کو الٹا کر کے ہی پیش کیا منافقین نے ایسا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا جب مسلمانوں کے معاملات کو الٹ پلٹ کر کے پیش نہ کیا ہو۔ کبھی سازش کی، کبھی غلط پراپیگنڈا کیا اور کبھی افواہ سازی کے ذریعے مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی مگر اللہ نے ان کی ایک نہیں چلنے دی اور یہ ہمیشہ ناکام و نامرد ہی ہوتے رہے ہیں۔ لہذا مغرورہ تبوک کے لیے ان کا نہ جانا ہی مسلمانوں کے حق میں بہتر تھا۔

دین  
حق کا  
علیہ

فرمایا منافقین اپنی ہر سازش میں ناکام ہوئے حتیٰ جَاءَ الْحَقُّ بِهَاں تک کہ حق آگیا۔ یہودی اور منافق سب ذلیل و خوار ہوئے اور اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارے میں آتا ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی دور میں وہ شخص ہر موقع محل پر مسلمانوں کی بدگوئی کرتا اور ان کی حوصلہ شکنی کرنے کی کوشش کرتا۔ پھر جب بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی تو کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ اب معاملہ آہی گیا ہے اور اب اسلام کے آگے بند نہیں باندھا جاسکتا۔ چنانچہ اس نے ظاہری طور پر کلمہ بھی پڑھ لیا مگر دل میں کفر ہی رہا۔

فرمایا منافقین سازشیں ہی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حق آگیا و ظہرِ اُمس اللہ اور اللہ کا حکم غالب آگیا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ دین حق کو غالب بنا کر چھوڑے گا، لہذا وہ وقت آگیا اور اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔ وَهُمْ كَرِهُونَ اور یہ لوگ اس غلبے کو ناپسند کرنے لگے ہیں۔ منافقین تو نہیں چاہتے تھے کہ دین حق تمام ادیان پر غالب آجائے مگر مشیتِ ایزدی یہی تھی، لہذا اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور منافقین بے یل و مل

ہو کہہ رہے گئے۔

منافقین کی خدمت بیان ہو رہی ہے اور سلسلہ آگے دُور تک چلا جائے گا۔ بعض منافقین کا شخصِ طور پر بھی ذکر ہو گا اور کمیتِ مجموعی بھی اُن کی خباثتوں کو واضح کیا جائے گا۔ درمیان میں اس سلسلہ سے تعلق رکھنے والے بعض دیگر مسائل بھی آئیں گے۔

---



واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس بہم ۲۰

آیت ۴۹ تا ۵۴

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۖ اَلَا فِي  
 الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۚ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۴۹﴾  
 اِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ  
 يَقُولُوا قَدْ اَخَذْنَا اٰمْرًا مِّنْ قَبْلُ وَتَوَلَّوْا ۖ وَهُمْ  
 فَرِحُونَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُصِيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا  
 هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾  
 قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا اِلَّا اِحْدَى الْحُسَيْنِ  
 وَخَنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُصِيبَكُمْ اللّٰهُ بِعَذَابٍ  
 مِّنْ عِنْدِهٖ اَوْ بَايْدٍ نَّارٍ فَتَرَبَّصُوا اِنَّا مَعَكُمْ  
 مُتَرَبِّصُونَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ  
 يُّتَقَبَلَ مِنْكُمْ ۚ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَتٰقِينَ ﴿۵۳﴾  
 وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقَبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ اِلَّا  
 اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ  
 اِلَّا وَهُمْ كَسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ :- اور بعض اُن منافقین میں سے وہ ہیں جو کہتے

ہیں کہ آپ مجھے رخصت دے دیں اور مجھے فتنے میں نہ

ڈالیں۔ سنو! فتنے میں تو یہ گرے ہوئے ہیں اور بیشک  
 جہنم البتہ گھیرنے والی ہے کافروں کو (۴۹) اگر پہنچے آپ کو  
 کوئی بھلائی تو ان کو ناگوار گزرتی ہے اور اگر پہنچے آپ کو  
 کوئی مصیبت تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا معاملہ اس سے پہلے  
 سنبھال لیا تھا۔ اور پھرتے ہیں وہ اس حال میں کہ وہ خوشیاں منانے  
 والے ہوتے ہیں (۵۰) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیئے۔ ہرگز نہیں  
 پہنچتی ہمیں مگر وہی چیز جو اللہ نے لکھ دی ہے ہمارے لیے  
 وہی ہمارا کار ساز ہے اور اللہ ہی پر چاہیے کہ ایمان والے  
 لوگ بھروسہ رکھیں (۵۱) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیئے کہ تم نہیں  
 انتظار کرتے ہمارے بارے میں مگر دونیکوں میں سے ایک  
 کا اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے بارے میں کہ پہنچائے  
 تم کو اللہ تعالیٰ سزا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے۔  
 پس انتظار کرو، بیشک ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کریں گے  
 ہیں (۵۲) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجیئے (اے منافقین) تم خرچ  
 کرو خوشی سے یا ناخوشی سے، ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا۔  
 تم سے۔ بیشک تم ایسے لوگ ہو جو نافرمانی کر نیو گے ہو (۵۳)  
 اور نہیں روکا اُن کے خرچ کو قبول کرنے سے مگر اس  
 بات نے کہ بیشک انہوں نے کفر کیا ہے اللہ کے ساتھ اور  
 اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں ادا کرتے وہ نماز کو مگر اس  
 حال میں کہ وہ سست ہوتے ہیں۔ اور نہیں خرچ کرتے

مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرنے والے ہوتے ہیں (۵۴)

اللہ تعالیٰ نے جہاد میں نصیر عام کا حکم دینے کے بعد منافقین کی مذمت بیان

فرمائی ہے اور اُن کے چلے بہانوں کا رد کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں بعض نمایاں منافقوں کا حال خصوصی طور پر بیان کیا ہے۔ نبی سلمہ قبیلہ کا سردار جبہ ابن قیس، بظاہر کلمہ گو تھا مگر اُس کے دل میں کفر تھا۔ یہ وہی شخص ہے جو حدیبیہ کے موقع پر موجود تھا جب حضور علیہ السلام درخت کے نیچے صحابہ کرام سے بیعت رضوان لے رہے تھے تو یہ شخص اپنے گم شدہ اونٹ کی تلاش میں پھر رہا تھا کسی شخص نے اُس سے کہا کہ حضور علیہ السلام لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں، تم بھی اُن میں شامل ہو جاؤ تو کہنے لگا، میرا اونٹ ہی مجھے مل جائے تو اچھا ہے بیعت کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ غرضیکہ یہ شخص اعتقادی منافق تھا، اور اس نے اس موقع پر بھی بیعت نہیں کی تھی۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حدیبیہ کے مقام پر بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی درخت میں نہیں جائیگا مگر ایک سرخ اونٹ والا اور یہ وہی جد بن قیس تھا جو پکا منافق تھا۔

جب غزوہ تبوک کے لیے تیاری کا اعلان ہوا تو یہ شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میں ایک فریفتہ مزاج آدمی ہوں بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ خود حضور علیہ السلام نے جد بن قیس سے پوچھا تھا **نَسَلُكَ فِي جِهَادِ بَنِي الْأَصْغَرِ** کیا تو چاہتا ہے کہ بنی اصغر (رومیوں) کے ساتھ جہاد کیا جائے؟ تو اُس نے جواب میں کہا تھا کہ میں ایک فریفتہ مزاج آدمی ہوں، رومیوں کی خورتیں بڑی گوری چٹی اور خوبصورت ہیں، دل خواہ مخواہ اُن کی طرف مائل ہوتا ہے، وہ لباس بھی نیم عریاں پہنتی ہیں، اس لیے مجھے خطرہ ہے کہ میں اُن کے دام فریب میں گر جاؤں کہ وہیں کا ہو کہ رہ جاؤں گا، لہذا بہتر ہے کہ آپ مجھے اس جہاد میں شرکت سے رخصت کر دیں۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اس منافق کے اس عذر لنگ کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ** **إِذْنًا لِّي وَلَا تَفْتِنِّي** ان منافقین میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے

نصرت، دے دیں اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیں۔ اگر میں رومیوں کے علاقہ میں گیا تو عورتوں کے عشق میں مبتلا ہو کر وہیں کا ہو کر رہ جاؤں گا۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا الْاِثْنَيْنِ سَقَطُوا فتنے میں تو یہ منافق خود ہی پڑے ہوئے ہیں، یہ کون سے نئے فتنے کی بات کرتے ہیں؟ ان کے لیے سب سے بڑا فتنہ تو یہ ہے کہ یہ لوگ جہاد سے گمراہ کر رہے ہیں اور اس کے لیے جھوٹے بہانے بنا رہے ہیں، فرمایا اس سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ حق و صداقت کا ساتھ نہ دیا جائے اور جہاد سے گمراہ کیا جائے۔

معرفت  
الہی کا  
ذائقہ

اہل تحقیق کہتے ہیں کہ انسان کے حق میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ حق کو پہچان لے۔ حضرت مالک بن دینار تابعین کے قریبی زمانے کے بزرگ ہیں، ان کا ایک مشہور مقولہ ہے جسے علامہ اعظمیؒ نے حلیۃ الاولیاء میں جی نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں افسوس! دنیا سے اکثر لوگ چلے گئے مگر انہوں نے لذیہ چیز کا ذائقہ نہیں چکھا۔ پوچھا وہ لذیذ ترین چیز کون سی ہے تو فرمایا وہ اللہ کی معرفت ہے، اسی لیے محققین کے نزدیک انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت معرفت الہی ہے جب وہ اس حق کو پہچان لے تو اس کے مطابق سعی کرے اور اس کے لیے اپنے مال اور جان تک کو قربان کرنے میں دریغ نہ کرے۔ انسان کے حق میں یہی سعادت ہے اور یہی اس کے اخلاق کی تکمیل ہے۔ اس کے بغیر اخلاقی لحاظ سے انسان کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس چیز سے گمراہ کرنے والا انسان منافق ہوتا ہے اور جہاد سے جی چراتا ہے۔ اگر کہیں چلا بھی جائے تو بادل بخوار ہے کیونکہ اس کے نظریات ہی فاسد ہوتے ہیں، تو فرمایا کہ بعض لوگ جھوٹے بہانے بناتے ہیں کہ جہاد میں جا کر عورتوں کے فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے ایسے لوگ بدنیت ہیں اور ان کا یہ بہانہ ہی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اس سے

کہیں بڑے فتنے میں پہلے ہی مبتلا ہو چکے ہیں۔

فرمایا، یاد رکھو! وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ بیشک

جہنم کافروں کا احاطہ کرنے والی ہے۔ جو جہنم میں بہنے لگے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہی انہیں سمیٹ لے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے نظریات درست نہیں ہیں، ان کی فکر غلط ہے یہ نہ تو حق کو پہچانتے ہیں، نہ اس کی خاطر قربانی کے لیے تیار ہوتے ہیں اور نہ ہی حق کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس کی بجائے إِنْ تَصْبُرْكَ حَسَنَةً تَسْؤُهُمْ اگر تمہیں کوئی خوبی پہنچے تو ان کو ناگوار گزرتی ہے، کہیں فتح حاصل ہو جائے۔ مال مل جائے، کوئی کامیابی حاصل ہو جائے تو منافقین کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے، ان کو بُری لگتی ہے۔ وَإِنْ تَصْبُرْكَ مَصِيبَةً اور اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے کوئی نقصان ہو جائے یا شکست ہو جائے يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرًا مِنْ قَبْلُ تو منافق کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا معاملہ سنبھال لیا تھا۔ ہم نے اچھا کیا جو مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے ورنہ ہم بھی ان کے ساتھ مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں ان کے فاسد نظریات کی یہی دلیل ہے کہ ہر اچھے کام میں تو مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں اور جہاں کوئی تکلیف پہنچے، وہاں علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ فرمایا ایسی صورت میں وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ قَرِيبُونَ وہ اس حال میں پھرتے ہیں کہ وہ خوشیاں منانے لگے ہوتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی تکلیف پر انہیں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں كُنْ يُصِيبُنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ہمیں کوئی چیز نہیں پہنچتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے مقدر میں لکھ دی ہے۔ تکلیف یا راحت، شکست یا فتح سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم اس کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں اس کے حکم کے بغیر ہمیں کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ هُوَ مَوْلَانَا وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور وہی اللہ ہے جو ہمارے رب ہے اور وہی اللہ ہے جو ہمارے رب ہے۔

ہا اور چاہیے کہ اہل ایمان صرف اُسی پر اعتماد رکھیں۔ صدمے اور مصیبت کے اثرات کو کم کرنے کے لیے یہ بہت بڑا ہتھیار ہے۔ جو کوئی جس قدر خدا کی ذات پر متوکل ہوگا وہ تکلیف سے اُسی قدر کم متاثر ہوگا۔ مومن جب اللہ کو ہی اپنا کارساز بنالیتا ہے تو پھر بڑی سے بڑی تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی اُسی لیے یہاں پر یہی سبق دیا گیا ہے کہ تکلیف کے وقت آپ یہ فرمادیں کہ میں تو وہی کچھ پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقدر میں کر دیا۔ لہذا ہم کمی مصیبت کی وجہ بد دل نہیں ہوتے۔

دویم  
ایک  
بیچی

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان کو یہ بھی فرمادیں هَلْ تَرَ تَبْصُونَ  
بِئَا اِلَّا اَحَدِي الْحُسَيْنَيْنِ تم نہیں انتظار کرتے ہمارے بارے  
میں مگر دونیکوں میں سے ایک۔ ہمارے لیے فتح یا شکست اور راحت  
یا تکلیف ہر بات میں نیکی۔ ہے۔ اگر فتح ہوگئی اور زندہ رہے تو مال بھی  
مل گیا اور غازی بھی بنے۔ اس کے برخلاف اگر شکست ہوگئی اور مارے  
گئے تو بھی شہادت نصیب ہوگئی۔ دنیا میں ناکامی بھی ہمارے لیے  
آخرت میں دائمی راحت کا باعث ہوگی، لہذا جو بھی صورت حال ہو، ہمیں  
دو میں سے ایک نیکی تو ہر حال حاصل ہو جاتی ہے۔ اے منافقین! تم ہماری  
شکست کے انتظار میں ہو مگر ہمارے لیے یہ بھی بھلائی ہے کیونکہ اس  
طرح ہمارے لیے آخرت کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ تو جس چیز  
تم ہمارے حق میں تکلیف دہ سمجھ رہے ہو۔ ہمیں اس سے کوئی خطرہ  
نہیں کیونکہ ہمارے لیے اس میں بھی بھلائی ہے۔

فرمایا، تم ہمارے بارے میں نہیں انتظار کرتے مگر دو خوبوں میں سے  
ایک خوبی کا وَلَحْنٌ نَّتَرَبَّصُّ بِكُمْ اَنْ يُصِيبَكُمْ اللّٰهُ بِعَذَابٍ  
مِّنْ عِنْدِهِ اور ہم بھی تمہارے بارے میں منتظر ہیں کہ دو چیزوں میں سے  
ایک ضرور ہوگی۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے تمہیں سزا دی

عذاب  
کا انتظار

جائیگی۔ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی افتاد ڈال دیگا اور تم براہ راست اس کی گرفت میں آ جاؤ گے اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا یا ہمارے با محضوں سے اللہ تمہیں سزا میں مبتلا کر دے گا۔ تمہاری ذلت و رسوائی خود ہمارے با محضوں سے بھی واقع ہو سکتی ہے۔ آگے اسی سورۃ میں آ رہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفْرَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاعْلَمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَ الْبُغْيَ ان کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔ منافقوں کے ساتھ زبانی طور پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کی خرابیوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر کے انہیں ذلیل و خوار کیا جائے۔ اس معاملے میں ان کے ساتھ رورعایت نہ کی جائے۔ فرمایا فَتَرَبَّصُوا تم بھی انتظار کرو وَإِنَّمَا هُمْ فَتَنٌ وَيُفْتَنُونَ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔ پھر دیکھیں گے کہ کیا صورت پیش آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یا تو خود تمہیں سزا دے گا یا پھر ہمارے با محضوں سے تمہیں تکلیف پہنچے گی، تم مغلوب ہو جاؤ گے اور محنت رسوا ہو گے۔

بعض منافقین جہاد میں ذاتی شمولیت سے معذوری کا اظہار کر کے مالی تعاون کی پیشکش کرتے تھے جبر ابن قیس بھی انہی میں تھا جس نے عملی طور پر جہاد میں شامل ہونے سے معذرت کر لی، مگر جہاد کے لیے کچھ مال کی پیشکش کی، اللہ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد ہوا، قُلْ لَّيْسَ بِغَيْرِ الْمَالِ آپ ان سے کہیجئے أَنْفَقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے لَنْ يَتَقَبَّلَ اللَّهُ مِنْكُمْ لَكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ تم سے یہ مال ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا بیشک تم ایسے لوگ ہو جو نافرمانی کرنے والے ہو جو کہ تمہارے نظریات ہی فاسد ہیں اور اتفاق فی سبیل اللہ اس وقت مقبول ہو گا۔ جب فکر صحیح ہوگی جہاد مال اور جان دونوں ذرائع سے لازمی ہے۔ اگر ذاتی طور پر عدم شرکت جان بچانا چاہتے ہیں تو پھر ان کا مال بھی قابل قبول نہیں ہے

مال کی  
عم قیولیت

یہ لوگ ظاہری طور پر کلمہ گو ہیں مگر ان کے دلوں میں ابھی تک کفر راسخ ہے  
فرمایا جہاد تو بکلی اعلیٰ، ارفع اور پاک چیز ہے۔ جس کے لیے ناپاک مال قبول  
نہیں کیا جاسکتا۔

پھر آگے عدم قبولیت کی وجہ بھی بیان فرمائی وَمَا مَعَهُمْ  
أَنْ يَقْبَلُوا مِنْهُمْ نَفَقَتْهُمْ أَنْ كَفَرُوا بِاللَّهِ مگر یہ کہ انہوں نے  
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کر دیا فَبِمَا سَوَّاهُ اور اللہ کے رسول کی  
رسالت کو تسلیم نہ کیا۔ اور جب تک کوئی توحید و رسالت کو صحیح معنوں  
میں تسلیم نہ کرے وہ اسلام کے دائرے میں داخل نہیں ہو سکتا، تو ایسے  
شخص کی طرف سے مال کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟ دین اسلام تو  
انسانیت کا بلند ترین شرف ہے۔ اگر انسان حق کو پہچان کر اس کے  
ایسے سچی نہیں کرتا اور نہ جان پیش کرنا ہے تو اس کا مال بھی قبول نہیں  
کیا جاسکتا۔ مال کی قبولیت کے لیے ایمان کا ہونا شرط ہے جسے قرآن  
پاک میں بار بار واضح کیا گیا ہے۔ "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ"  
کے الفاظ کئی سورتوں میں آئے ہیں۔ سورۃ کہف میں ہے کہ جو لوگ ایمان  
لائے اور نیک اعمال انجام دیے ان کے لیے جنت الفردوس میں  
مہمانی ہوگی۔ سورۃ بروج میں ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے باغات ہوں  
گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اسی  
طرح سورۃ بقرہ میں ایمان لانے والوں اور اعمالِ صالحہ انجام دینے والوں  
کے متعلق فرمایا کہ وہ بہترین مخلوق ہیں۔ سورۃ نساء میں ہے وَمَنْ  
يَقْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
مرد و زن میں سے جو بھی کوئی نیک کام کرے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو ایسے  
لوگ بہشت میں داخل ہوں گے، مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بڑی دولت



خرچ کہہ کے رفاہ عامہ کا پڑے سے بڑا کام کرتا ہے لیکن ایمان سے خالی ہے  
 تو اس کی کوئی چیز بارگاہ رب العزت میں قبول نہیں ہوگی۔ ہر نیک کے لیے  
 ایمان شرط اولین ہے۔ چونکہ منافق لوگ یہ شرط پوری نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ  
 کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر دل سے ایمان نہیں رکھتے  
 لہذا ان کی طرف سے کتنا بڑا مال بھی ہو۔ قابل قبول نہیں ہوگا۔

نمازیں  
 سستی  
 دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اولین عبادت جو کسی مسلمان  
 کے لیے ضروری ہو جاتی ہے، وہ نماز ہے۔ اسی کے ذریعے تعلق باللہ  
 قائم ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اصطلاح میں نماز اہم  
 العبادات المقربۃ یعنی اللہ کا قرب دلانے والی عبادتوں میں سے  
 سب سے اہم عبادت نماز ہے۔ تو یہاں پر اس اہم عبادت کے متعلق منافقین  
 کے کردار کو واضح کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخراجات کی عدم قبولیت کی  
 وجوہات کے متعلق فرمایا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس  
 کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا  
وَهُمْ كَسَالَىٰ اور یہ لوگ نماز ادا نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ سستی  
 دکھانے والے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص دل سے ایمان ہی نہیں لایا  
 اُسے نماز کے ساتھ کیا رغبت ہو سکتی ہے۔ چونکہ اس نے ظاہری طور پر اسلام  
 قبول کر لیا ہے، لہذا اُسے چار و ناچار نماز بھی ادا کرنا ہوگی جسے وہ بادلِ خواہش  
 ادا کرنے پر مجبور ہے اور اس میں اکثر سستی کا اظہار کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں  
 کے متعلق سورۃ ماعون میں بھی وعید موجود ہے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ  
الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ایسے نمازیوں کے  
 لیے خرابی ہے جو نماز سے غافل رہتے ہیں یعنی جو نماز کی ادائیگی میں سستی  
 دکھاتے ہیں سستی کا مطلب یہی ہے کہ جب اُسے خدا تعالیٰ کی معرفت  
 ہی حاصل نہیں ہوئی وہ نماز کیا ادا کرے گا، وہ تو لوگوں کو دکھانے کے  
 لے حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۷ (فیاض)

یہ وقت بے وقت چار ٹکریں مار لے گا۔ چنانچہ نماز میں سستی کو منافقوں کی علامت شمار کیا گیا ہے۔ ایمان والوں کو تو نماز سے راحت ہوتی ہے وہ تو مستعدی دکھاتے ہیں۔ تکالیف بھی برداشت کرتے ہیں، رات کے اندھیروں میں ٹھہکریں بھی کھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا بَشِّرَ الْمَشَاطِينَ فِي الظُّلُمِ لَنُؤْمِرَهُنَّ بِالنَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ان کو قیامت واسے دِنِ نُورٍ نام کی بشارت ہے دو۔ ان کے لیے اللہ کے ہاں بڑا عملہ ملنے والا ہے۔ تو فرمایا کہ منافقوں کے مال کی عدم قبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ نماز میں سستی دکھاتے ہیں۔

عدم قبولیت کی تیسری وجہ یہ بیان فرمائی وَلَا يُنْفِقُوا إِلَّا  
وَهُوَ كَرِهُونَ اور وہ نہیں خرچ کرتے مگر بادلِ سخاوت۔ اُن کا دل نہیں چاہتا مگر مجبوراً یاد رکھاوے کے طور پر کچھ نہ کچھ خرچ کرتے ہیں۔ وہ اس اعتراض سے بھی بچنا چاہتے ہیں کہ فلاں آدمی نہ خود جہاد میں شریک ہوا ہے اور نہ مالی معاونت کی ہے۔ منافقوں کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ کو نادان سمجھتے ہیں اور عداوتِ خیرات کو بوجھ خیال سمجھتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی رسم و رواج یا بدعت کا کام ہو تو بڑا دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ لہذا لعب کی بات ہو تو خرچ کرنے میں بڑے مستعد ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اُن کی طرف سے دیا ہوا مال کیے قبول کیا جاسکتا ہے؟

اس کے بعد منافقوں کی حیثیت کے بارے میں ذکر ہو گا۔ اس دنیا میں منافقوں کی آسودگی کو دیکھ کر بعض آدمیوں کو دھوکہ ہوتا ہے کہ اگر منافق اتنے ہی بُرے ہیں تو انہیں اس دنیا میں اتنا ساز و سامان اور عیش و آرام کیوں میسر ہے۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی وضاحت فرمائی ہے۔

بادلِ  
سخاوت  
خرچ

واعلموا ۱۰

الستبة ۹

درس بت کیا ۲

آیت ۵۵ تا ۵۹

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ  
 اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
 وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ⑤۵  
 بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ  
 قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ⑤۶ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغْرَبًا  
 أَوْ مَدَدًا خَلًّا لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ⑤۷  
 وَمِنْهُمْ مَن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ  
 أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ  
 يَسْخَطُونَ ⑤۸ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ  
 وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ  
 فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۙ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ⑤۹

ترجمہ :- پس نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان (منافقین) کے

مال اور اُن کی اولادیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کو سزا

میں ان (مالوں اور اولادوں) کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور

نہلیں اُن کی جانیں اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوں ⑤۵

اور یہ (منافق لوگ) قیام اٹھاتے ہیں اللہ کے نام کی کہ بیشک

یہ تم میں سے ہیں حالانکہ یہ تم میں سے نہیں ہیں، مگر یہ تو

ڈرنے والے لوگ ہیں (۵۶) اگر پاتے یہ کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی سرچھپانے کی جگہ تو ضرور اس طرف چلے جاتے اور یہ بڑی تیزی سے بسیاں تڑاتے ہوئے اُدھر جاتے اور اُن (منافقین) میں سے بعض وہ ہیں جو آپ پر طعن کھتے ہیں (۵۷) انہیں سے بعض ایسے بھی ہیں جو صدقہ کا کئے بارے میں آپ پر طعن کھتے ہیں، پس اگر انکو صدقا میں سے کچھ دیدیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر انکو نہ دیا جائے اُس سے تو یہ ناراض ہو جاتے ہیں (۵۸) اور اگر یہ لوگ راضی ہوتے اُس بات پر جو اللہ نے ان کو دی اور اللہ کے رسول نے اور کہتے یہ کہ کافی ہے ہمارے لیے اللہ تعالیٰ، دیکھا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول بھی۔ بیشک ہم اللہ کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں (۵۹)

رابط آیات

اللہ تعالیٰ نے منافقین کا رد فرمایا کہ وہ جہاد میں شریک ہونے سے گریز کرتے ہیں اور اس کے لیے چلے بہانے بناتے ہیں اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ منافقین جو مال خرچ کرتے ہیں وہ اس لیے قبول نہیں ہوتا کہ ان میں توجید و رسالت کے متعلق کفر پایا جاتا ہے اور وہ نماز بھی صحیح طریقہ سے ادا نہیں کرتے۔ نیز یہ کہ اُن کی طرف سے خرچ بادلِ سخاوت ہوتا ہے اور وہ اس معاملہ میں دل سے راضی نہیں ہوتے۔ بعض منافقین عذر رنگ پیش کرتے تھے اور اس بنا پر جہاد میں شمولیت سے رخصت چاہتے تھے کہ شوریہ مزاج ہونے کی وجہ سے انہیں فتنے میں پڑ جانے کا احتمال تھا البتہ انہوں نے مالی تعاون کی پیش کش کی جسے اللہ نے مسترد کر دیا۔ کیونکہ وہ لوگ ایمان سے خالی ہیں اور صحیح عقیدت کے ساتھ خرچ نہیں کرتے۔

اب آج کے درس میں عام ذہنوں میں آنے والی ایک بات کا جواب دیا گیا ہے۔ بعض اوقات ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کافر اور منافق اللہ کے

مال و اولاد  
معیاری نہیں

نزدیک واقعی برے ہیں تو ان کو اس دنیا میں مال و دولت اور آرام و راحت کیوں میسر آتا ہے۔ برے کے منفقوں میں بھی بڑے بڑے دولت مند اور صاحب اولاد لوگ تھے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر واضح فرمایا ہے کہ کسی انسان کے لیے دنیا میں اچھا ہونے کا یہ معیار ہرگز نہیں کہ اس کے پاس مال و دولت، جاہ و اقتدار ہو یا اولاد ہو بلکہ یہ چیزیں تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق اچھوں بُروں سب کو ملتی ہیں "كَلَّا نَسُدُّهُ هُوْلًا ۖ وَهَوْلًا ۖ وَهُوَ لَآءِ نَافِرَانُوں، نَافِرَانُوں، بَاغِيْنُوں اور سرکشوں کو بھی اللہ بہت کچھ دیتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں کافروں، منافقوں اور فاسقوں کو بھی ملتا ہے۔ اور بعض اوقات اہل ایمان عسرت میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ کے نزدیک اچھائی کا معیار عیش و عشرت کی فراوانی نہیں بلکہ نیکی کا حقیقی معیار ایمان، عبادت پاکیزگی، اخلاق اور اعمال صالحہ ہیں اگرچہ کوئی انسان مالی لحاظ سے کتنا ہی کمزور کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ اس لیے فرمایا عَلَا تَحْجِدُ اَمْوَالَهُمْ وَلَا اَوْلَادَهُمْ اَنْ كَسَالُوں اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو یہ چیزیں اتنی کثرت سے دی ہیں۔ اِنْ كُوْنَتِيْن مِلْنِ كِي حِكْمَتِ يَرْهِي اِنَّمَا يَرْيَدُ اللّٰهُ لِيُعْبَدَ بِهِمْ بِهَآ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بَشِيْكَ اللّٰهُ تَعَالٰی چاہتا ہے کہ ان کو سزا دے دنیا کی زندگی میں وَتَرْهَقَ الْاَنْفُسُ مِنْهُمْ وَهُمْ كَافِرُوْنَ اور ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ اور آگے چل کر بڑی سزا کے مستحق ٹھہریں بِغَرَضِيْهِمْ حُضُوْر عَلِيْہِ السَّلَام کو قتل دی جا رہی ہے کہ آپ اِنْ مَنَافِقُوں کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر لال نہ کہیں بلکہ یہی چیز ان کے لیے دنیا و آخرت میں سزا کا موجب بننے والی ہے۔

ہیں۔ خواجہ حسن ابصری فرماتے ہیں کہ مال میں سے اللہ کی مقرر کردہ زکوٰۃ ادا کرنے سے منافقوں کو بڑی دلی تکلیف ہوتی اور یہ ان کے لیے ایک قسم کی سزا ہی ہے۔ اسی طرح بعض منافقین کی اولاد ان کی سرمنی کے خلاف ایمان لا چکی تھی اور یہ بات ان کے لیے محنت اذیت کا باعث تھی لہذا یہ چیز بھی ان کے لیے ذہنی سزا کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو زیادہ مال اس لیے دیتا ہے تاکہ انہیں آخرت میں سزا بھی زیادہ ملے۔ ظاہر ہے کہ کفر و شرک کے ساتھ جس قدر مال میں فراوانی ہوگی، عذاب بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ لہذا مال اور اولاد منافقین کے حق میں بہتر نہیں کیونکہ یہ تو اللہ کی جانب سے انہیں سزا مل رہی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی سزائے موت پانے والے مجرم کو پھانسی کے تختہ پر لٹکانے سے پہلے عہدہ سے عہدہ غذا دی جائے، اسی طرح چونکہ یہ لوگ بھی مرنے کے بعد سخت سزا میں مبتلا ہونے والے ہیں اس لیے انہیں دنیا میں اچھی سے اچھی نعمتیں دی جاتی ہیں۔ اگر کسی بیمار آدمی کو نہایت مقوی غذا بھی دی جائے تو اسے فائدے کی بجائے نقصان ہی ہوتا ہے کیونکہ اس میں اخلاطِ فاسدہ پائے جاتے ہیں۔ ایسے ہی کسی منافق آدمی کے لیے دنیاوی نعمتیں بیماری میں اچھی غذا کے مترادف ہیں۔ اس دنیا کا عیش و عشرت ان کے لیے آخرت میں سزا پر مصیبتیں لانے کا باعث ہوگا۔ منافقین کے لیے سزا کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ انہیں مال کی محبت تو بہت زیادہ ہوتی ہے مگر اطمینانِ قلب نصیب نہیں ہوتا جس کی وجہ سے انہیں ہر وقت فکر لگی رہتی ہے اور یہ اندر ہی اندر گھٹتے رہتے ہیں عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی شخص جس قدر زیادہ دولت مند ہو وہ اُسی قدر زیادہ متفکر ہوتا ہے۔ سرمایہ دار پاکستانی ہو یا امریکی یا یورپی فخر مندی سب کی مشترک سزا ہے، مال و دولت کے ضیاع یا جاہ و اقتدار سے

محروری اُن کے لیے ہمیشہ سولانِ روح بنی رہتی ہے۔

مومن اور  
کافریں  
فرق

مالدار مومن اور مالدار کافر میں بنیادی فرق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو مال و دولت سے نوازے گا تو وہ اُسے ایسی جگہ خرچ کرے گا جو اس کے دین کی تقویت کا باعث بنے اور اس سے اُسے روحانی خوشی حاصل ہوگی۔ اسی طرح اگر اللہ نے اولاد دی ہے تو مومن آدمی اس کی بہتر تربیت کمزور کے اُسے دین کا معاون بنائے گا اور اس طرح نہ صرف اس دنیا میں آرام و سکون کی زندگی بسر کرے گا بلکہ یہ مال و اولاد اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ بھی بن جائیں گے۔ اس کے برخلاف اگر مشرک، کافر یا منافق کے پاس مال ہے تو اُسے مرتے دم تک اس کی حفاظت کی فکر لاحق رہتی ہے۔ اور اُسے تو یہ بھی نصیب نہیں ہوتی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ زندگی بھر انسان مالی مالی (میر مال میر مال) کہتا رہتا ہے مگر اُسے کچھ نفع نہیں پہنچتا اور وہ مال کی فکر میں ہی دنیا سے چلا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ کسی نافرمان آدمی کی دنیاوی نعمت کو دیکھ کہ دھوکہ نہ کھانا کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج ہے، اس کی دی ہوئی مہلت ہے، ایسا شخص غریب اللہ کی گرفت میں آجائے گا بناہ عبد القادر بھی فرماتے ہیں کہ اس بات پر تعجب نہ کہہ کہ اللہ نے بے دین آدمی کو نعمت کیوں دی ہے یہ تو اُس کے حق میں وبال ہے۔ ایسا شخص مرتے دم تک اپنے مال و اولاد کی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔

دعویٰ  
ایمان

فَرِیَا وَیَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ یٰۤاٰیْمَانُ فَعِنَ اللّٰهِ  
قَسَمٌ اِذَا کَرِهَتْ ہِیْ کہ وہ تم میں سے ہیں یعنی ایماندار ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے وَمَا هُمْ مِنْكُمْ کہ یہ لوگ تم میں سے نہیں ہیں ان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ وَلٰکِنَّهُمْ قَوْمٌ یَّفْرِقُونَ  
بلکہ یہ تو ڈرنے والے لوگ ہیں۔ جہاد کا نام سن کہ ڈر جاتے ہیں، ساتھ چلنے

کے لیے تیار نہیں ہوتے مگر ایمان دار ہونے کی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں اور اتنے خوفزدہ ہیں کہ لَوْ يَجِدُونَ مَلَجًا اگر یہ کوئی پناہ گاہ پاتے أَوْ مَغْرَبًا یا کوئی غار پاتے أَوْ مَدَّخَلًا یا نہیں سر چھپانے کی کوئی جگہ مل جاتی لَوْ لَوَّا إِلَيْكَ تو ضرور اس طرف چلے جاتے۔ اور اتنی تیزی سے جاتے وَهُمْ يَجْعَلُونَ جیسے کوئی جانور دریاں تڑا کر بھاگتے ہیں مطلب یہ کہ منافق لوگ دعویٰ ایمان میں جھوٹے ہیں، لہذا اگر انہیں کہیں ذرا بھی پناہ مل جائے تو یہ لوگ فوراً اسلام کے دائرہ سے بھاگ کھڑے ہوں۔ یہ ڈرنے والے لوگ ہیں، نہ یہ تم میں سے ہیں۔ اور نہ یہ جہاد میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے حال سے مطلع فرمادیا۔

خوشی اور  
ناخوشی کا  
معیار

اللہ نے منافقوں کی یہ خصلت بھی بیان فرمائی ہے وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا اگر آپ انہیں اس میں سے کچھ دے دیں تو خوش ہو جاتے ہیں وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اور اگر آپ اس میں سے کچھ نہ دیں إِذَا هُمْ يَسْتَعْطُونَ تو یہ لوگ ناراض ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ ان کے دین کا دارمعاذ پرستی پر ہے۔ ایسے لوگ محض مفاد کی خاطر دین قبول کرتے ہیں۔ اصل ایمان تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی فلاح کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، اس میں ذاتی مفاد کو قربان کرنا پڑتا ہے اور اجتماعی مفاد کو اولیت دی جاتی ہے مگر منافقین ذاتی اغراض کو پیش نظر رکھتے ہیں اور یہی ان کا اول و آخر ہوتا ہے لہذا یہ لوگ مسلمانوں کی جماعت میں شامل نہیں ہو سکتے فرمایا ان لوگوں کی حالت یہ ہے۔ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ اگر یہ اس چیز پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور



اس کے رسول نے انہیں مال غنیمت یا صدقات میں سے دیا ہے، تو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہوتی۔ مال غنیمت کی تقسیم کا اصول سورۃ انفال میں بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح صدقات کی تقسیم کا قانون بھی اگلی آیت میں آرہا ہے۔ تو فرمایا کہ ان قوانین کے مطابق اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تقسیم پر خوش ہو جائے اور اپنے ذاتی مفاد کو پیش نظر نہ رکھتے تو یہ چیز ان کے لیے دنیا و آخرت میں بہتر ثابت ہوتی مگر انہوں نے ناجائز مطالبات کر کے اپنے دونوں مفاد، مال کو نقصان پہنچایا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وَقَالُوا اور کہتے حسبنّا اللہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے، اس کی ذات اور اس کی کفالت و کالت پر بھروسہ رکھتے اور اس کی تقسیم کو بسر و چشم تسلیم کرتے۔ اگر انہیں وقتی طور پر کچھ کم حصہ ملا ہے تو یوں کہتے مَسِيئَتُنَا اللہ من فضّلہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے ضرور دیگا۔ وَسِعْهُ اور وہ اپنے رسول کے ہاتھ سے ہمیں دلائے گا۔ اب نہیں ملا تو کوئی بات نہیں، آئندہ مل جائے گا، آگے بھی کئی مواقع آنے والے ہیں مگر ان لوگوں نے صبر کا دامن چھوڑ دیا اور ذاتی مفاد کی خاطر اللہ اور اس کے رسول سے ناراض ہو کر بیٹھ گئے کہ ہمیں نظر انداز کیا گیا ہے یا یہ کہ تقسیم درست نہیں ہوئی، بغیرہ، وغیرہ، ایک شخص نے مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں یہ جملہ بھی کر دیا کہ یہ تو ایسی تقسیم ہے جس کے ساتھ اللہ کے رسول نے انصاف کا ارادہ نہیں کیا۔ اس پر حضور علیہ السلام کو بڑی کوفت ہوئی اور فرمایا، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو دنیا میں اور کون انصاف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اور آسمانوں کے فرشتے تو مجھے امین جانتے ہیں اور تم مجھے خائن سمجھ رہے ہو۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا، اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی مگر انہوں نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ لہذا میں بھی اس بات پر

عبر کردوں گا اور انتقام نہیں لوں گا۔ بہر حال فرمایا کہ اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عطا کردہ پر راضی ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مزید عطا کرنا اور یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اگر یہ یوں بھی کہتے

إِنَّا الْحَمْدُ لِلَّهِ مَا عَنِ بَشَرٍ هُمْ إِلَهُ كِي طَرَفِ رَغْبَتِ وَالْ

ہیں یعنی ہمارا رجحان، توجہ اور اعتماد صرف اللہ کی ذات پر ہے۔ وہ جس طرح چاہے گا اپنی مشیت کے مطابق دے گا اور دلائے گا۔ مکہ انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ اللہ کے نبی پر طعن کیا اور اس طرح ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ تو فرمایا کہ ان کا مال و دولت آپ کو تعجب میں نہ ڈالے۔ یہ چیزیں ان کے حق میں اچھی نہیں ہیں۔ ان کی پوزیشن بہت گندی ہے اور یہ تمہاری جماعت کے آدمی نہیں ہیں۔ یہ ہزار قسمیں کھائیں کہ وہ ایمان لائے ہیں مگر یہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا  
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي  
سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ  
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ⑥۰

ترجمہ :- بیشک صدقات فقرا کے لیے ہیں اور محتاج  
کے لیے اور جو اس کی تحصیل کا کام کرتے ہیں۔ اور ان  
لوگوں کے لیے جن کے دلوں کو الفت دلائی جاتی ہے۔  
(اسلام کے مقصد میں) اور گمراہوں کو آزاد کرنے میں اور  
تاوان بھرنے والوں کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور  
مسافروں کے لیے۔ یہ فریضہ ہے ٹھہرایا ہوا اللہ کی طرف سے۔  
اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ⑥۰

اس سے پہلے جہاد میں عدم شرکت کی وجہ سے منافقین کی مذمت بیان ہو چکی  
ہے۔ نیز یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ منافقین جو مال اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہیں وہ  
اس بناد پر قابل قبول نہیں کہ وہ توحید و رسالت اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اپنی  
خوشی خاطر سے یہ کام کرتے ہیں بلکہ ان کا انفاق بادلِ نخواستہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد  
ایک شبہ کا ازالہ بھی کیا گیا کہ اگر منافقین اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنے ہی بُرے ہیں تو پھر  
پسوردگار نے انہیں مال و دولت اور اولاد کی فراوانی کیوں عطا کر رکھی ہے۔ اس کا  
جواب یہ دیا گیا کہ دنیا کا مال ان کے حق میں بہتر نہیں ہے بلکہ یہ ان کے لیے باعث  
عذاب ہے جس کا وبال آخرت میں بہت زیادہ ہو گا۔ پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ منافق لوگ

جھوٹی قسمیں کھا کر تمہیں باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ تمہاری جماعت کے آدمی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو جہاد سے ڈرنے والے لوگ ہیں۔ اگر انہیں کوئی جائے پناہ، غار یا سر چھپانے کی کوئی جگہ میسر آ جائے تو دوڑ کر اُس کی طرف چلے جائیں، لہذا یہ لوگ جماعت المسلمین کے ممبر نہیں ہو سکتے پھر فرمایا کہ بعض لوگ پیغمبر خدا پر طعن کرتے تھے اور اگر صدقات یا غنیمت میں سے انہیں کچھ مل جاتا تو راضی ہو جاتے ورنہ ناراض ہوتے ہیں حالانکہ اُن کی سچائی کا تقاضا یہ تھا کہ جو کچھ اللہ کے رسول کے ہاں حقوق مل جاتا اُسے لے لیتے اور اگر نہ ملتا تو خاموش رہتے۔ اس ضمن میں وہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتے کہ اگر ہمیں ہلا تو کوئی بات نہیں، اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق چاہے گا تو آئندہ دلائلے گا۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا جو کہ اُن کی منافقت کی دلیل ہے۔

مسائل زکوٰۃ  
و صدقات

لفظ صدقہ زکوٰۃ اور نفلی صدقات سب پر لہ لاجاتا ہے متوجوں کو اللہ کی راہ میں دینا دینے والے کے ایمان کی دلیل ہوتی ہے اسی لیے وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ بھی کہا گیا ہے، تاہم قرآن پاک کے اس مقام پر صدقہ سے مراد فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ ہے۔ نفلی صدقات تو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی دیے جاسکتے ہیں اور قرآن پاک میں اس کی تصریح موجود ہے مگر واجبی صدقات یعنی زکوٰۃ، نذر اور صدقہ فطر صرف مسلمانوں کے حق ہیں۔ ان میں سے غیر مسلموں کو نہیں دیا جاسکتا اس مسئلہ میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے تَوَخَّذْ مِنْ أَعْيُنِ أَهْمٍ وَ تَرُدَّ إِلَى فَقْرٍ ۚ ہمسر یعنی زکوٰۃ کا مال اہل ایمان کے دو ہمتہوں سے لیا جاتا ہے اور اُنہی کے غریبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اگر زکوٰۃ کا مال کسی ہندو، سکھ، عیسائی، دہریہ یا فاسد العقیدہ آدمی کو دیا جائے گا، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف آج کی آیت کریمہ میں بیان کیے گئے ہیں اور یہ مدت اللہ تعالیٰ نے خود مقرر رکھی ہے لہذا ان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی جتنی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان مصارف میں رد و بدل کرنے کا اختیار نہیں ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے صدقات کو کسی نبی یا غیر نبی کی مرضی سے تقسیم کرنے کا حکم نہیں دیا۔ چنانچہ کوئی غنی آدمی ان مدت میں داخل نہیں اور نہ وہ زکوٰۃ لینے کا حقدار ہے حضور علیہ السلام کا واضح فرمان ہے لَا تَخْلُ الصَّدَقَاتِ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ (مسند احمد، النائی، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ) صدقہ یعنی زکوٰۃ کسی غنی (صاحب نصاب) یا جہانی طور پر مضبوط آدمی کے لیے حلال نہیں ہے جو شخص خود صاحب مال ہے وہ تو ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کا حقدار نہیں، البتہ اگر کوئی غریب آدمی بھی جسمانی لحاظ سے تندرست و توانا ہے، محنت کر سکتا ہے تو وہ بھی مستحق نہیں ہے۔ جو شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زکوٰۃ کے مال سے حصہ طلب کیا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اِنْ سِئِمًا اَتَيْتُكُمْ وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِغَنِيٍّ مُّكْتَسِبٍ اگرچہ ہو تو میں تم دونوں کو دے دوں مگر یاد رکھو کہ اس میں کسی غنی اور ایسے مضبوط آدمی کے لیے حصہ نہیں ہے جو خود کمائی کر سکتا ہو۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا سوال کہ نہ ناجائز نہیں مگر تین قسم کے آدمیوں کو اجازت ہے۔ پہلا آدمی وہ ہے تَحْمَلَ حِمْلًا کہ اس پر بوجھ پڑ گیا ہے، کسی کی ضمانت دے کر پھنس گیا ہے، تو ایسی صورت میں اپنے بوجھ کو اتارنے کے لیے زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہے جس کی وجہ سے اس کا مال ضائع ہو گیا ہے اور وہ محتاج ہو گیا ہے مثلاً طوفان آگیا ہے یا زلزلہ آیا ہے یا کسی بیماری کی وجہ سے جانور ضائع ہو گئے یا باغات اور فصل تباہ ہو گئی ہے تو ایسے شخص کو بھی سوال

کرنے کی اجازت ہے۔ فرمایا تیسر شخص وہ ہے جسے فاقہ آگیا ہے۔ اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ اگر اس کی قوم کے تین آدمی گواہی دیں کہ اس شخص کو واقعی فتنے آ رہے ہیں تو اس کے لیے بھی سوال کمرہ حلال ہے یہ ایک عام اصول ہے کہ کسی صاحب نصاب آدمی کو زکوٰۃ یا صدقہ کا مال کھانا جائز نہیں۔ البتہ پانچ صورتیں ایسی ہیں جن میں زکوٰۃ و صدقات کا مال غنی آدمی کے لیے بھی حلال ہے۔ پہلا شخص وہ ہے جو زکوٰۃ کی وصولی پر متعین ہے۔ وہ کارکردگی کے معاوضے کے طور پر زکوٰۃ کے مال میں سے لے سکتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو زکوٰۃ کا مال کسی مالک سے خرید لیتا ہے کسی مستحق کو مال ملا اور اس نے آگے بیچ دیا تو اب خریدنے والا اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ تیسرا آدمی وہ ہے جسے کوئی تاوان پڑ گیا ہے، اگرچہ وہ خود صاحب نصاب ہے مگر اس تاوان کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے۔ چوتھا آدمی وہ ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلتا ہے اگرچہ وہ آسودہ حال ہے مگر جہاد میں نکلنے کی وجہ سے مال زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے۔ پانچواں آدمی مسافر ہے جس کا توشہ راستے میں ختم ہو گیا یا کوئی نقصان ہو گیا ہے تو وہ بھی زکوٰۃ میں سے لے سکتا ہے۔ اگرچہ اس کے گھر میں کافی مال موجود ہو۔

زکوٰۃ کی تقسیم کا یہ بھی ایک مسلمہ اصول ہے کہ بنی ہاشم یہ مال حاصل نہیں کر سکتے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِ مُحَمَّدٍ وَلَا لِ اٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی صدقات و زکوٰۃ کا مال نہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آپ کی آل کے لیے۔ فرمایا اِنَّهَا  
هِيَ اَوْ سَاخُ التَّاسِ یہ تو لوگوں کی میل کچیل ہوتی ہے، لہذا یہ محمد اور آل محمد  
کے لیے جائز نہیں۔ اہل بیت میں یہ خاندان شمار ہوتے ہیں یعنی حضرت عباسؓ  
کی اولاد، حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ اور حارث ابن نوفل کی  
اولاد۔ ان کے لیے زکوٰۃ و صدقات کا مال حلال نہیں ہے

مذکر  
مال

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور بعض دیگر علمائے احناف اور فقہائے کرام  
کہتے ہیں کہ اس آیت میں متحین کے نام سے پہلے جو حرف لام آیا ہے یعنی لِّلْفُقَرَاءِ  
فَالْمَسْكِيْنِ .... الا یہ متعلقہ مستحقین کی تملیک کے لیے ہے اور مطلب  
یہ ہے کہ جس شخص کو مال زکوٰۃ و صدقات دیا جائے اُسے اُس مال کا مالک  
بنا ضروری ہے ورنہ ادائیگی کا حق ادا نہ ہوگا۔ تملیک کا معنی کسی چیز کا مالک بنا  
دینا اور حقیقی ملکیت اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کوئی چیز  
کسی کے قبضے میں نہ چلی جائے۔ لہذا زکوٰۃ کا مال نقدی کی صورت میں ہو یا  
جنس یا جانوروں کی صورت میں اُس کا مستحق زکوٰۃ کے قبضے میں جانا ضروری  
ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات  
کمال کسی میت کے کفن و دفن کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا کیونکہ مرنے والے  
کو اس کا مالک نہیں بنایا جاسکتا جو اسے اپنی مرضی کے مطابق خرچ یا استعمال  
کرنے پر قادر ہو۔ اسی طرح یہ مال نہ مسجد پر صرف ہو سکتا ہے، نہ مدرسے کی  
عمارت پر، نہ ہسپتال یا مسافر خانہ تعمیر کرنے پر اور نہ ہی دوسرے  
رفاہ عامہ کے کام پر، کہ ایسی صورت میں کسی مستحق زکوٰۃ کو اُس مال کا مالک  
نہیں بنایا جاسکتا۔ لہذا تقسیم زکوٰۃ کے سلسلے میں بڑی احتیاط کی ضرورت  
ہے۔ یہ مسئلہ جمہور فقہاء کے نزدیک مسلم ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کم از کم کتنے مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس  
کے لیے سنت نبوی سے یہ اصول وضع ہونا ہے کہ کوئی مال جس قدر آسانی

نصاب و  
شرح زکوٰۃ

سے حاصل ہوتا ہے اُس پر زکوٰۃ کی شرح زیادہ ہے، اور جو مال جتنا محنت سے حاصل ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ کی شرح کم ہے۔ باغات اور غلے کی پیداوار کا نصاب پانچ وسق ہے جو کہ تقریباً تین من بنتا ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہم کے نزدیک اس سے کم پیداوار میں زکوٰۃ نہیں ہے تاہم ابن عباسؓ، زید بن علیؓ اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ پیداوار کی کمی بیشی کا کچھ لحاظ نہیں، زکوٰۃ ہر حالت میں واجب ہے۔ یہ ایک اصولی بحث ہے اور فقہ کی کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بہر حال اگر پیداوار بغیر مشقت کے حاصل ہوتی ہے جیسے زمین بارانی ہے اور اس میں کنوئیں یا ٹوب ویل سے پانی نہیں دیا جاتا تو شرح زکوٰۃ کل پیداوار کا دسواں حصہ ہوگا۔ اور اگر کھیتی یا باغ کے لیے پانی کا انتظام کاشتکار کو خود کرنا پڑتا ہے تو پیداوار کا بیسواں حصہ زکوٰۃ ہوگی۔ اگر کسی کی زمین میں کوئی کان ہے اور وہاں سے وصول ہونے والے مال کے لیے کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی تو اسے مال پر پانچواں حصہ (خمس) زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔

چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولے کے برابر ہے جب اتنا مال موجود ہو تو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہے۔ اسی طرح سونے کا نصاب سببیل مثقال یعنی ساڑھے سات تولے ہے جب کسی کے پاس سونا اس مقدار کو پہنچ جائے تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے گا۔ سکہ رائج الوقت بھی جب چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر اگر کسی کے پاس کرنسی نوٹ موجود ہیں تو اس پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔

چرنے والے جانوروں میں اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ ہیں تو اسے سالانہ ایک بکری زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ دس اونٹ پر دو، پندرہ پر تین اور بیس اونٹ پر چار بکریاں ادا کرے گا۔ البتہ جب اونٹوں کی تعداد چھپس تک پہنچ جائے تو ایک اونٹ ادا کرنا ہوگا جسے ایک سال مکمل ہو کہ دوسرا سال



تشرع ہو چکا ہو، — اسی طرح گائے بیل اور بھینس وغیرہ کا نصاب  
تیس ہے۔ جب ریوڑ اس تعداد کو پہنچ جائے تو ایک گائے یا بھینس ادا  
کرنا ہوگی۔ بھینس بکری کا نصاب چالیس ہے۔ ہر چالیس میں ایک بھینس بکری  
ادا کی جائیگی۔

زکوٰۃ کے  
اصول و مسائل

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ کی تقسیم کے مسئلہ میں منافقین اور  
کمرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زکوٰۃ کے اٹھ مصارف  
بیان کر دیے ہیں تاکہ آئندہ کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے گویا زکوٰۃ کی تقسیم  
کا کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور اپنے نبی کو بھی اختیار نہیں دیا کہ  
وہ مرضی سے تقسیم کر دیں۔

فقراء  
مساکین

ارشاد ہوتا ہے اِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ  
بیشک صدقات (زکوٰۃ) فقراء اور مساکین کے لیے ہے امام شافعیؒ  
فرماتے ہیں کہ فقیر وہ شخص ہے جو بالکل نادار ہو حتیٰ کہ اس کے پاس ایک  
وقت کا کھانا بھی نہ ہو۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس بھڑا بہت ہے  
مگر وہ اس کی جائز ضروریات کے لیے ناکافی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اسکی تعبیر لفظ  
کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جس کی کم از کم ضروریات بھی  
پوری نہ ہوتی ہوں۔ اگرچہ اس کے پاس کچھ نہ کچھ ہے مگر اس کی گزرتا وقت  
ٹھیک طریقے سے نہیں ہوتی۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس بالکل  
کچھ نہ ہو یعنی اسے ایک وقت کا کھانا بھی میسر نہ ہو۔ سورۃ بلد میں آتا ہے  
”اَوْ مَسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ“ یعنی مسکین جو بالکل مٹی میں ملا ہوا ہو،  
اس کے پاس کچھ نہ ہو بہر حال یہاں پر فرمایا کہ زکوٰۃ کے حقدار پہلے نمبر پر  
فقراء اور دوسرے نمبر پر مساکین ہیں۔ مال زکوٰۃ ان کو ادا کیا جائے گا۔

عالمین  
زکوٰۃ

تیسرے نمبر پر فرمایا وَالْعَمِلٰیْنَ عَلَیْہَا یعنی وہ لوگ جو نظام زکوٰۃ اور

اس کی تحصیل کا کام کرتے ہیں۔ زکوٰۃ موقع پر وصول کرنے والے یا اس کے لیے دیگر انتظام کرنے والے ملازمین وغیرہ اس مال سے معاوضہ وصول کرنے کے حقدار ہیں بشرطیکہ وہ بنو ہاشم کے خاندان سے نہ ہوں۔

مؤلفۃ  
القلب

فرمایا وَالْمُؤَلَّفَةُ قُلُوبُهُمْ چوتھے نمبر پر مستحقین زکوٰۃ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو الفت دلائی جاتی ہے بعض لوگ اسلام تو لے آئے ہیں مگر مالی لحاظ سے کمزور ہیں۔ ایسے لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے بھی زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے تاکہ کوئی دوسرے مذہب والے سے لالچ و دیکھ اپنی طرف مائل نہ کر سکے حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں اس سے ان لوگوں کو دے دیا جاتا تھا، جن کے اسلام لانے کی توقع ہوتی تھی۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت عطا فرمادی تو پھر ایسے لوگوں کو نہیں دیا جاتا تھا۔ البتہ جو شخص اسلام لا چکا ہے اور کمزور رہے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے مال زکوٰۃ میں دیا جاتا رہا ہے

آزادی  
غلامان

زکوٰۃ کا پانچواں مصرف وَفِي الرِّقَابِ گمروں کو چھڑانا ہے۔ یعنی غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے بعض مکاتب غلام ہوتے تھے کہ اتنا مال کما کر دے دو تو تم آزاد ہو۔ ایسے غلاموں کی مدد بھی مال زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے تاکہ وہ مقررہ رقم ادا کر کے آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکیں بعض فرماتے ہیں کہ اس مدد سے متعلق غلاموں کو بھی خرید کر آزاد کیا جاسکتا ہے۔ یا اگر کوئی قیدی ہو تو ان کا فدیہ ادا کر کے انہیں رہائی دلائی جاسکتی ہے۔ یہ سب گمروں کو چھڑانے کی مدد میں شامل ہیں۔

مقرض

فرمایا وَالْفَارِصِينَ مقرض لوگوں کے لیے یا تاوان بھرنے والوں کو بھی یہ مال دیا جاسکتا ہے کسی شخص پر کسی وجہ سے تاوان پڑ گیا ہے یا کوئی شخص کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہے، یا کسی کی ضمانت دے کر پھنس گیا ہے تو ایسے لوگوں کی مدد بھی زکوٰۃ کے مال سے کی جاسکتی ہے مثال کے طور پر ایک آدمی

کے پاس دس ہزار روپے موجود ہیں مگر اُس نے گیارہ ہزار روپیہ قرض دینا ہے تو اس کے قرض کی بیانیہ کے لیے اُس کی مدد کی جاسکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ قرض کسی جائز مقصد کے لیے لیا گیا ہو اور پھر اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اگر فضول رسم و رواج کی ادائیگی یا کسی علم کام جو وغیرہ کے لیے قرضہ لیا ہے تو ایسے شخص کی امداد نہیں کی جائیگی۔ یہ زکوٰۃ کی چھٹی مد ہے۔

فی سبیل اللہ

زکوٰۃ کی ساتویں مد کے متعلق فرمایا وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ اور اللہ کے راستے میں مفسرین کہہ کر فرماتے ہیں کہ اس میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں۔ ایک تو وہ غازی ہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں، اگر وہ محتاج ہیں تو انہیں مال زکوٰۃ میں سے دے دو۔ دوسری قسم کا وہ آدمی ہے جو حج کے لیے نکلا مگر راستے میں کوئی حادثہ پیش آگیا، چوری ہوگئی یا کسی اور طریقے سے مال ضائع ہوگیا اور اس کا خرچہ ختم ہو گیا ہے۔ ایسے شخص کو منقطع الحاج کہتے ہیں یہ بھی زکوٰۃ کا مال لے سکتا ہے۔ تیسرے نمبر پر دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء ہیں جو حصول تعلیم کی وجہ سے کوئی کاروبار نہیں کر سکتے یہ لِلَّذِينَ أَحْصُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ کے تحت غازیوں میں ہی شمار ہو کر زکوٰۃ کے مستحق شمار ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ کے مستحقین میں سے أَهْوَ نمبر وَابْنِ السَّبِيلِ یعنی مسافروں کا ہے۔ کوئی ایسا مسافر جس کا سفر خرچ ختم ہو گیا ہے اگرچہ گھر میں اس کا کافی مال موجود ہے مگر اس سے یہ نہیں کہا جائیگا تو اپنے گھر سے مال منگوائے بلکہ وہ مال زکوٰۃ کا مستحق ہے لہذا اس کی مدد کی جائیگی۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں کہ مال زکوٰۃ ان مدت پر صرف ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی۔

فرمایا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے

یہ کسی انسان کا وضع کردہ نظام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم، حکمت اور مصلحت کے تحت یہ تقسیم کر دی ہے۔ ان مدت میں کسی کو دخل اندازی کی اجازت نہیں حتیٰ کہ اللہ کا نبی بھی اپنی مرضی سے زکوٰۃ تقسیم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے اس قانون کی پابندی لازمی ہے۔

فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ ہر ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ وہ ہر ایک کا غنا، استحقاق، غربت وغیرہ کو جانتا ہے۔ اور وہ جو بھی فیصلہ کرتا ہے اس میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے خواہ انسانوں کو اس کی سمجھ آئے یا نہ آئے۔ حکیم خدا تعالیٰ کی صفت ہے لہذا اس کی حکمت کے تحت دیے گئے احکام کو تسلیم کرنا ہی عین سعادت ہے۔ خدائی احکام میں اپنی عقل کو دخل نہیں کرنا چاہیے۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ  
 قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ  
 لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ  
 وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٦١  
 يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيَرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ  
 أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ٦٢ أَلَمْ  
 يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ  
 لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ  
 الْعَظِيمُ ٦٣ يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ  
 سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ  
 اسْتَهْزِئُوا بِاللَّهِ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ٦٤  
 وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ  
 وَنَلْعَبُ قُلْ أَبَا اللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ  
 تَسْتَهْزِئُونَ ٦٥ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ  
 إِيمَانِكُمْ إِنَّ نَعْفَ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ  
 يُدْزِبُ طَائِفَةٌ بَأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ٦٦

ترجمہ :- اور بعض اُن (منافقین) میں سے وہ ہیں جو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ کے نبی کو اور کہتے ہیں کہ وہ کان (کے کچے) ہیں۔ آپ کہہ دیجئے وہ کان ہیں تمہاری بہتری کے لیے۔ وہ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور تصدیق کرتے ہیں ایمان والوں کی اور مہربان ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے تم میں سے۔ اور وہ لوگ جو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول کو، اُن کے لیے دردناک عذاب ہے (۶۱) یہ (منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کے نام کی تمہارے سامنے تاکہ تمہیں خوش کریں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ حذر ہے کہ یہ اُس کو خوش کریں اگر یہ ایمان رکھتے ہیں (۶۲) کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ بیشک جو شخص مخالفت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی، تحقیق اُس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا اور یہ ہے رسوائی بڑی (۶۳) ڈرتے ہیں منافق اس بات سے کہ نازل کی جائے اُن پر کوئی سورۃ جو بتلا دے اُن کو جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے ٹھٹھا کر لو، بیشک اللہ تعالیٰ نکالنے والا ہے اُس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو (۶۴) اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو یہ کہیں گے کہ بیشک ہم تو بات چیت کرتے تھے اور محض دل لگی کرتے تھے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ٹھٹھا کرتے

تھے (۶۵) مت بہانے بناؤ تم نے کفر کیا ہے بعد ایمان کے ظاہر کرنے کے۔ اگر ہم معاف کر دیں گے ایک گروہ کو تم میں سے تو یقیناً ہم سزا دیں گے ایک گروہ کو اس وجہ سے کہ بیشک وہ مجرم ہیں (۶۶)

رہنمائی

پہلے جہاد کی فرضیت اور اس کی ترغیب کا بیان تھا۔ پھر منافقت جہاد کا ذکر ہوا اور جہاد و قتال سے متعلق بہت سے ضروری احکام صادر ہوئے پھر منافقین کی پرکڑی کا ذکر ہوا۔ ان کا پیچھے رہ جانا، چلے بہانے بنانا، طعن و تشنیع کرنا، خود غرضی اور مفاد پرستی میں مبتلا ہونا، یہ سب اللہ نے بیان فرمایا۔ مفاد پرستی ہی کے ضمن میں ایک یہ بات بھی تھی کہ منافقین صدقات کے بارے میں اعتراض کرتے تھے، اگر انہیں کچھ مل جاتا تو خوش ہو جاتے ورنہ اللہ کے رسول کی تقسیم پر اعتراض کرتے۔ اللہ نے ان کے ایسے اعتراضات کا جواب بھی دیا اور پھر زکوٰۃ و صدقات کے مصارف بھی بیان کیے کہ یہ مال فلاں فلاں مدت پر خرچ ہو سکتا ہے اور فلاں فلاں لوگ اس کے حقدار ہیں اس سے واضح ہو گیا کہ اعتراض کرنے والے منافق جو خود صاحب مال تھے، وہ زکوٰۃ و صدقات کے حقدار نہیں ہو سکتے تھے۔ آگے بھی اللہ تعالیٰ نے منافقین کی بہت سی بُری خصلتوں کا ذکر کر کے ان کی مذمت بیان کی ہے۔

منافقین کی  
ایذارسانی

ارشاد ہوتا ہے، وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ إِنَّ مَنَافِقِينَ  
میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں وَيَقُولُونَ هُوَ ذُو  
اور کہتے ہیں کہ وہ کان ہیں یعنی کان کے کچے ہیں، وہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں  
لہذا ہم جو بات کریں وہ مان لیں گے۔ گویا اس طرح وہ بدگوئی کمر کے اللہ کے رسول  
کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جہاد میں عدم شرکت کے متعلق ہم جو بھی حیل سازی  
کریں گے، اور اللہ کے رسول کو یقین دلانے کی کوشش کریں گے، وہ ہماری بات  
پر یقین کر لیں گے۔ چنانچہ غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے بہت سی باتیں کیں اور

بڑی جلد سازی کی مگر اللہ کے رسول نے ان سے درگزر کیا، اُن کے چلے بہانے کو قبول کرتے ہوئے اُن کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی۔ جب مسلمان تبوک کی طرف روانہ ہوئے تھے تو منافقین اس قسم کی طعنہ زنی کرتے تھے کہ دیکھو جی! یہ رومی سلطنت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں انہوں نے رد میوں کو بھی عرب ہی سمجھ لیا ہے۔ اس تہم کی باتیں آگے آ رہی ہیں اور بس لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غلط قسم کا پراپیگنڈا کرتے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ انہوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کے نبی کو اذیت پہنچاتے ہیں، یعنی یہ کہ آپ انصاف نہیں کرتے اور ہمیں ہمارا حق نہیں دیتے۔ اللہ کے نبی کو اذیت پہنچانا تو کفر کی بات ہے۔ نبی کو ناراض کرنا اللہ کو ناراض کرنا ہے۔ اس قسم کی باتیں کافر اور منافق لوگ ہی کہتے تھے پھر اس چیز کو اللہ نے سورۃ احزاب میں بھی بیان فرمایا ہے اللہ اور رسول کے خلاف اذیت ناک یہودہ باتیں کرنے والا شدید لعنت کا مستحق بنتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص بے گناہ مسلمانوں کے خلاف بھی ایسی بات کہہ لگا تو مجرم بنے گا اور خدا تعالیٰ کے ہاں ملعون ٹھہرے گا۔ بہر حال فرمایا کہ منافقین میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے نبی کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ اول فول کہہ دیں گے وہ ہماری بات مان جائیں گے کیونکہ وہ کان کے کچے ہیں۔

اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پیغمبر! قُلْ آپ کہہ دیجئے اَذُنٌ حَیْرٌ لَّکُمْ بَشَکٌ اَپ کہہ دیجئے کہ وہ کان ہیں مگر تمہاری بہتری کے لیے آپ کے اخلاق کا تقاضا ہے کہ وہ تم میں سے ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں اس میں تمہاری بہتری ہے حضور علیہ السلام تو اخلاق کی بلند ترین منزل پر تھے اللہ تعالیٰ نے اس بات کی گواہی دی ہے ”وَ اِنَّکَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ“ (القلم) یعنی آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام کا اپنا

حضور کا  
خلق عظیم



ارشاد مبارک بھی ہے لُعِثَتْ لَأَتَمَّ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ  
یعنی اللہ نے مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے معجور فرمایا ہے۔  
حضور علیہ السلام تو اس اخلاقِ حسنہ کے تقاضا کے تحت منافقین کی الٹی  
سیڑھی باتیں اور فضول جملے بانی سن لیتے تھے مگر یہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ  
کو کسی چیز کا علم ہی نہیں بلکہ بالکل سادہ طبع ہیں، جو کوئی جملہ بانی پیش کرتا ہے اُسے  
قبول کر لیتے ہیں۔ فرمایا یہ کان ہیں مگر تمہاری بہتری کے لیے اور وہ اللہ کا نبی  
يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الشَّهِيدِينَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَيُؤْمِنُ بِالْمُؤْمِنِينَ اور وہ  
ایمان والوں کی تصدیق کرتا ہے۔ یہاں پر ایمان لغوی معنوں میں استعمال ہوا  
ہے۔ ایمان کا لغوی معنی تصدیق کرنا ہی ہوتا ہے۔ شریعت کی خاص خاص  
باتوں کی تصدیق کو ایمان کہا جاتا ہے۔ مومن جو بات کرتے ہیں اللہ کا نبی  
اس کی تصدیق کرتا ہے یعنی اس کو سچ سمجھتا ہے۔

فرمایا اللہ کا نبی خود اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور دوسرے مومنوں کی  
تصدیق کرتا ہے "وَرَحْمَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ" اور اللہ کا نبی  
مہربان ہے اُن لوگوں کے لیے جو تم میں سے ایمان لائے کیونکہ اللہ کا  
فرمان ہے "وَأَخْفَضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ" اپنے شفقت کے  
بازو ایمان والوں کے لیے پست کر لیں یعنی اُن سے شفقت اور مہربانی  
کے ساتھ پیش آئیں۔ اسی سورۃ کے آخر میں آپ کو "بِالْمُؤْمِنِينَ  
رُؤُوفٌ رَّحِيمٌ" بھی کہا گیا ہے، یعنی آپ اہل ایمان کے لیے  
نہایت شفقت والے اور مہربان ہیں۔ گو یا حضور علیہ السلام اپنی صفات  
جمیلہ کی بنا پر ہر ایک کی بات سن لیتے تھے مگر بد باطن منافقین سمجھتے  
تھے کہ وہ آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

فرمایا یاد رکھو! الَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ جِوَاللَّهِ کے  
رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وہ دردناک عذاب



اس کی وجہ سے بھی انسان شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ فرمایا تمہیں اٹھاتے ہیں اللہ کے نام کی لِيُصَوِّدَکُمْ تاکہ تمہیں خوش کر دیں۔ مومن سمجھنے لگیں کہ یہ ہمارے ہی آدمی ہیں۔ فرمایا ان کا نظریہ بالکل باطل ہے۔ تمہاری رضا مطلوب نہیں بلکہ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضَوْهُ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو راضی کرتے اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ اگر ان میں ایمان ہے تو انہیں اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا چاہیے خواہ دوسرے کوئی راضی ہو یا نہ ہو۔ سب سے پہلے اللہ کی رضا مطلوب ہے اور اس کے بعد اس کے رسول کی خوشنودی چاہیے جو اللہ کا نائب اور اس کی مرضیت کو دنیا میں پورا کرنے والا ہے مگر ان منافقوں کی حالت یہ ہے کہ خدا کو تو ناراض کر رہے ہیں اور تمہیں راضی کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کرے گا اور مخلوق کو راضی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کے ہاتھوں اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔

مخالفت  
رسول  
کے  
لیے  
وعید

فرمایا اَلَمْ يَكْفِکُمْ کیا ان کو علم نہیں کیا یہ اس حقیقت سے ناواقف ہیں اِنَّهُ مَنِ یَّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ کہ جو کوئی مخالفت یا مقابلہ کرے گا اللہ اور اس کے رسول کا فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ اس شخص کے لیے دوزخ کی آگ تیار ہے خَالِدًا فِيْهَا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب بھی ہو گا اور اس کی لعنت بھی برسی فرمایا کیا یہ بات ان پر واضح نہیں ہوئی؟ جماعت کے لوگوں کو تو راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کر رہے ہیں۔ یہ تو جہنم کے مستحق ہیں ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ اور یہ بدست بڑی رسوائی ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا ذلت ہو سکتی ہے کہ انسان راحت کی ہر چیز سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لیے سزا میں مبتلا ہو جائے۔ اور سزا بھی ایسی سخت کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ذہنی کیفیت کو بھی بیان فرمایا ہے منافق جانتے ہیں کہ ان کی بے ایمانی کی باتوں کو وقتاً فوقتاً ظاہر کر دیا جاتا ہے وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بنی کو آگاہ کر دیتا ہے اور پھر اللہ کا بنی ان کا حال عام لوگوں میں بیان کر دیتا ہے۔ منافقین ہمیشہ اس خوف میں مبتلا رہتے تھے کہ کہیں ہمارا راز وحی الہی کے ذریعے فاش نہ ہو جائے۔ اسی بنا پر سال میں ایک دو مرتبہ یہ لوگ رسوا بھی ہوتے تھے مگر یہ باز نہیں آتے تھے حالانکہ ایک عام انسان جب رسوا ہو جاتا ہے تو اسے بدکرداری سے باز آ جانا چاہیئے مگر یہ لوگ بار بار ذلیل ہونے کے باوجود اپنی قبیح حرکات سے باز نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی کیفیت کو بیان فرمایا ہے يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ اَنْ تَنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ مِّنْ مَّنَافِقٍ لُّوْگِ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورۃ اتاری جائے تَذِیْبُھُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِھُمْ جو تیل دے ان کو جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ان کے رازوں کو افشا کر دے۔ منافقین ہمیشہ اس بات سے خائف رہتے ہیں مگر سازشوں سے پھر بھی باز نہیں آتے۔

فرمایا قُلْ اسْتَغْفِرُوْا لَیْسَ بِعِزِّہُمْ اِلَیَّ اِنَّ اللہَ مُخْرِجٌ مَّا یَحْذَرُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ نکالنے والا ہے اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو۔ مشرک اور منافق کمزور مسلمانوں کو کھٹکا کیا کرتے تھے کہ دیکھو! ان کے پاس لباس ہے، نہ مکان اور نہ سواری اور یہ بہشت کے ملک بنے پھر رہے ہیں۔ یہی سورتوں میں لیا ہی حال مشرکوں کا بیان ہو چکا ہے اور اب منافقین کا بھی ہو رہا ہے۔ منافق کہتے تھے کہ ملک روم فتح کرنے جا رہے ہیں حالانکہ کھانے کو کچھ ملتا نہیں۔ نہ فوجی تنظیم ہے اور نہ اسلحہ سواری مفقود ہے۔ ایک ہزار میل کا سفر درپیش ہے اور یہ روم کے محلات کے خواب دیکھ رہے ہیں اس قسم کا مذاق کرتے

تھے جس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ اب تو ٹھٹھا کر لو مگر اللہ تعالیٰ تمہارے رازوں کا پردہ ضرور فاش کر کے چھوڑے گا، چنانچہ یہ باتیں بھی اللہ نے ظاہر فرمادیں۔ اس کے علاوہ غزوہ تبوک کے راستہ میں انہوں نے جو سازش کی، اللہ نے اُسے بھی بذریعہ وحی ظاہر فرمادیا۔ اور وہ تمام سازشی ذلیل و خوار ہوئے۔

منافقین  
کا عذر  
نہ

فرمایا وَلَٰكِنْ سَأَلْتَهُمْ اَگَر آپ ان سے پوچھیں کہ تم نے ایسی بات کیوں کی جسکی وجہ سے لوگوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے لَيَقُولُنَّ اِنَّمَا كُنَّا مَخْوَضٌ وَ نُلْعَبُ تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ ہمارا مقصد تو صرف دورانِ سفر تفریح طبع تھا، کسی کی برائی مقصود نہ تھی۔ ایسی بات چیت کرنے کرنے سے سفر آسانی سے طے ہو جاتا ہے۔ انہوں نے بدگوئی کا یہ بہانہ تلاش کیا مگر اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں اَبَا لِلّٰهِ وَاٰتِيَتْهُ وَرَسُولُهُ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُوْنَ کیا تم اللہ، اس کے (احکام) اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے تھے۔ تمہیں ٹھٹھا کرنے کے لیے کوئی دو سری چیز میسر نہ آئی۔ تم نے جہاد فی سبیل اللہ کو ہی ممنوعِ سخن بنالیا اور اس ملک الملک کے حکم کے ساتھ استنزا کیا جس نے قرآن پاک نازل فرمایا پھر تم نے اللہ کے رسول کے ساتھ ٹھٹھا کیا جو یہ سب کچھ اُس کے حکم کے مطابق انجام دے رہا ہے۔

فرمایا لَا تَقْتَدِرُوْا عَلٰیہَا نہ مت بناؤ۔ قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اٰیْمَانِكُمْ تم نے اظہارِ ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے مخرجینِ محمدین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کے کسی حکم یا اُس کے رسول کے ساتھ تمسخر کر لیا وہ کافر ہو جائیگا خواہ اُس نے ایسی بات سنجیدگی سے کی ہو یا محض دل لگی سے۔ زبان سے کلمہ پڑھا ہے مگر ٹھٹھا کر کے کفر کر بیٹھے ہو، تو بہت غار

کرو اور اللہ سے معافی مانگو۔ اللہ نے منافقین کو یہ وعید بھی سنائی ہے اَنْ  
نَعَفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ اگر ہم ان میں سے ایک گروہ کو معاف  
 کر دیں گے نَعَذِّبُ طَآئِفَةً تو یقیناً ایک گروہ کو سزا بھی دیں گے۔ معافی  
 کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا کر دے۔ چنانچہ بعض منافقین  
 حضور علیہ السلام کے زمانے کے بعد سچے دل سے تائب ہو کر اسلام میں مکمل طور  
 پر داخل ہو گئے، اللہ نے ان سے درگزر فرمایا۔ اور جس گروہ نے معافی نہیں  
 مانگی، اُن کے دل کفر پر اڑے رہے، منافقت ان کے جسم و جان میں رچی  
 بسی رہی وہ لازماً سزا کے مستحق ہیں، فرمایا ایسے لوگ ہماری سزا سے بچ نہیں سکیں گے  
وَجِبَ ظَاهِرُہُمْ بِاَنفُسِہُمْ کَاَنُوْا مُجْرِمِیْنَ وہ مجرم ہی ہے، وہ سچے  
 دل سے ایمان نہ لائے لہذا وہ سزا کے مستحق ٹھہرے۔  
 یہاں اللہ نے منافقین کے وہ حالات بیان فرمائے ہیں جو غزوہ تبوک  
 کے ضمن میں ظاہر ہوئے۔ آگے منافقین کے بعض دیگر قبیح اوصاف بھی بیان  
 کیے گئے ہیں۔

الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ  
 بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ  
 أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ  
 هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٦٤﴾ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ  
 وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ  
 وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٥﴾ كَالَّذِينَ  
 مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَآكَثَرُ  
 أَمْوَالًا وَآوَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلْقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ  
 بِخَلْقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ  
 بِخَلْقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا أُولَئِكَ  
 حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
 وَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٦﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ  
 نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٍ  
 وَثَمُودَ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ  
 وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ  
 لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ :- منافق مرد اور منافق عورتیں یہ بعض بعض سے  
ہیں۔ یہ حکم دیتے ہیں بُری بات کا اور منع کرتے ہیں اچھی بات  
سے اور میکڑتے ہیں اپنے ہاتھوں کو۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ  
کو فراموش کر دیا ہے، پس اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے  
محروم کر دیا ہے۔ بیشک منافق لوگ وہی ہیں نافرمان لوگ (۶۷)  
اللہ نے وعدہ کیا ہے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے  
اور کافروں سے جہنم کی آگ کا جس میں یہ ہمیشہ رہنے والے  
ہیں۔ وہی ان کے لیے کافی ہے اور اللہ نے ان پر پھٹکار  
کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہو گا (۶۸) ان لوگوں  
کی طرح جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ تم سے زیادہ طاقت  
والے تم سے اور زیادہ مالوں والے اور زیادہ اولاد والے۔ پس انہوں  
نے فائدہ اٹھایا اپنے حصے کا، پس تم نے فائدہ اٹھایا اپنے  
حصے کا جیسا کہ فائدہ اٹھایا ان لوگوں نے جو تم سے پہلے  
گزرے ہیں اپنے حصے کا۔ اور گھسے تم باطل باتوں میں جیسا  
کہ وہ گھسے۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو چکے  
ہیں دُنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ ہیں نیاں کار (۶۹)  
کیا ان کے پاس نہیں آئی خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے  
گزرے ہیں یعنی لوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد اور قوم ثمود، اور  
ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور مدین کے رہنے والے اور الٹی بتیوں والے۔  
اُن کے پاس اُن کے رسول واضح نشانیاں تھیں کہ۔ پس نہیں  
تھا اللہ تعالیٰ ایسا کہ اُن پر ظلم کرتا، لیکن تھے وہ خود اپنی جانوں  
پر ظلم کرتے (۷۰)



ربط آیت

اللہ تعالیٰ نے جہاد کے سلسلے میں منافقین کی مذمت بیان فرمائی اور اُن کی خود غرضی، بے دلی، مفاد پرستی اور اُن کے بُرے انجام کا ذکر فرمایا۔ پھر اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں کا حال بیان کیا کہ اُن کے اس عمل کا نتیجہ خطرناک صورت میں ظاہر ہو گا۔ فرمایا یہ لوگ دنیا میں بھی سب کے سامنے ذلیل ہوں گے اور آخرت کی سب سے بُری نامزدی تو اُن کے لیے لازمی ہے اب آج کے درس میں اللہ نے منافقین کے بعض اوصاف بیان کیے ہیں کہ یہ لوگ کس قسم کے اخلاق کے حامل ہوتے ہیں۔ پھر عبرت کے لیے پہلے لوگوں کا حال بھی بیان فرمایا ہے اور ان لوگوں کے انجام سے باخبر کر کے بات سمجھائی ہے کہ اگر تم بھی ان کے نقش قدم پر چلو گے تو تمہارا انجام بھی پہلے لوگوں سے مختلف نہیں ہو گا۔

قرآنی اصطلاحات

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ بِشُكٍّ مِّنْ اَعْيُنِ الْمَرْءِ اور منافق عورتیں منافق کی جمع منافقین ہے اور منافقہ کی جمع منافقات ہے اللہ نے مرد و زن منافقوں کے لیے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے یعنی آگے جس بات کا ذکر آ رہا ہے وہ تمام مرد و زن منافقوں پر کیاں لاگو ہوتی ہے قرآن پاک میں بہت سی اصطلاحات بیان ہوئی ہیں جن میں ایک منافق بھی ہے مثلاً قرآنی اصطلاح میں کافر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سارے یا کسی ایک حکم کا انکار کر دے جس طرح ایمان لانے کے لیے تمام اجزاء ایمان کی تصدیق ضروری ہے اور کسی ایک جزو کی کوتاہی ایمان سے خارج کر دینے کے لیے کافی ہے اسی طرح کسی ایک جزو کا انکار بھی کافر ہو جانے کے لیے کافی ہے اور اس کے لیے تمام اجزاء ایمان کا انکار ضروری نہیں۔ ایمان دار بننے کے لیے خدا تعالیٰ کی ذات صفات، اس کی وحدانیت اس کے ملائکہ، کُتُب، مَکاوِیہ، تمام رسل، قیامت کے دن اور تقدیر خیر و شر پر یقین ضروری ہے اسی طرح امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ ان اجزاء ایمان

میں سے کسی ایک کا انکار بھی کافر بننے کے لیے کافی ہے۔

قرآنی اصطلاح میں مشرک اُس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہوئے اُس کی عبادت یا صفتِ مختصہ میں کسی دوسری ہستی کو شریک بناتا ہے۔ مشرک خداوند تعالیٰ کا منکر تو نہیں ہوتا مگر وہ مشرک کا ارتکاب کر کے کافر ہی کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زندقہ یا ملحد بھی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ الفاظ ایسے شخص پر لے جاتے ہیں جو آیاتِ الہی اور نصوص کا ایسا مطلب بیان کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی مراد نہیں ہوتا۔ یہ شخص بھی کافر سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے علاوہ مرتد کا لفظ بھی اصطلاح کے طور پر ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے۔ جو عاقل، بالغ ہے، اسلام میں داخل ہے اور پھر اسلام چھوڑ کر دوسرے ہو جاتا ہے یا کوئی دوسرا دین اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً یہودی، عیسائی، ہندو وغیرہ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح منافق بھی ایک اصطلاح ہے اور منافق دو قسم کے ہوتے ہیں یعنی اعتقادی اور عملی۔ اعتقادی منافق حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھے جو ظاہری طور پر کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جاتے، نماز پڑھتے اور دیگر اسلامی امور بھی بجالاتے مگر دل سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرتے اور نہ حضور علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کرتے وہ قرآن پاک کو آسمانی کتاب بھی نہ سمجھتے تھے اکثر جہاد سے گریز کرتے اور کبھی مجبوراً شریک بھی ہو جاتے۔ اعتقادی منافقوں کے لئے دل میں ہمیشہ کفر بھرا ہوتا ہے اور یہ ابدی جہنمی ہوتے ہیں۔ مدینہ کے منافقوں میں عبد اللہ بن ابی کا نام سرفہرست ہے، یہودیوں میں سے اور بھی بہت سے لوگ منافق تھے۔ منافقوں کی دوسری قسم عملی منافق ہے جس کو اخلاقی منافق بھی کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے دل میں تو ایمان موجود ہوتا ہے اور زبان سے اُس کا اقرار بھی کرتے ہیں مگر عملی طور پر اُس کی تصدیق نہیں کر پاتے، گویا ایک چیز کو مانتے ہوئے بھی اُس پر عمل کرنے سے قاصر

ہتے ہیں۔ یہاں پر قرآن پاک میں جن منافقین کا ذکر بار بار آیا ہے، ان سے مراد اعتقادی منافق ہیں اور یہ کافروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

نزل کے اعتبار سے سورۃ توبہ قرآن کی سب سے آخری سورۃ ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے تمام ضروری باتیں بیان فرمادی ہیں۔ جماعت کی تطہیر کی خاطر یہ مسئلہ خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ منافقوں کی سازشوں سے خبردار رہتے ہوئے انہیں اپنی جماعت کافر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اگر انہیں قریب کر دو گے، اپنا ہم راز بناؤ گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ اس سورۃ کا ایک نام سورۃ فاحشہ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں منافقین کا پردہ چاک کر کے انہیں خوب رسوا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں منافقین کے بعض اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض سے ہیں یعنی ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ تشابہہ فی الاخلاق ہے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں۔ سب کے اخلاق ایک جیسے ہیں۔ جو کام مرد کرتے ہیں وہی عورتیں کرتی ہیں گویا ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔ اس قسم کی مشابہت کے متعلق خود حضور علیہ السلام نے بعض آدمیوں کی نسبت فرمایا أَنَا صِدِّيقٌ وَهُوَ صِدِّیقٌ یعنی میں اس سے ہوں اور وہ مجھ سے ہے۔ اس قسم کے الفاظ حضرت جعفرؓ، حضرت علیؓ، ام حنینؓ، اور بعض دیگر صحابہؓ کے حق میں آتے ہیں حضور علیہ السلام نے اشعریوں کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، یعنی جو صفت میرے اندر پائی جاتی ہے وہی ان میں بھی موجود ہے۔ اس طرح یہاں منافقین کے بارے میں فرمایا ہے کہ مرد و زن بعض ان کے بعض سے ہیں یعنی یہ سب اخلاق میں ایک جیسے ہیں اور ایک چال چلتے ہیں۔

منافقین  
کے  
اوصاف

فرمایا ان کی صفت یہ ہے يَا مُرُونَ بِالْمُنْكَرِ بری بات کی تلقین کرتے ہیں وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ اور اچھی بات سے منع کرتے ہیں۔ ان کی دلچسپی اور پراپیگنڈا بری بات کے لیے ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ لہو و لعب، کھیل مٹاتے فحاشی اور جھوٹی بات کی تلقین کرتے ہیں اور لوگوں کو نیک کام سے روکتے بھی رہتے ہیں۔ مثلاً اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایسا پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ لوگ دین حق کو قبول نہ کریں۔ اس کے برخلاف شیطانی کام کی طرف راغب کریں گے جو کہ بہت ہی بری مصلحت ہے۔

اللہ نے منافقین کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ وہ اپنے ہاتھوں کو سیٹھرتے ہیں یعنی بھل سے کام لیتے ہیں انہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا ہے۔ پس اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ جہاں مال خرچ کرنے کا موقع آتا ہے، جہاد کی تیاری ہوتی ہے یا زکوٰۃ و صدقا کی ادائیگی کا موقع ہوتا ہے تو ہاتھ روک لیتے ہیں۔ سبیل کو بدتمین بیماری کہا گیا ہے حضور علیہ السلام کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ اس میں ایسی ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں مگر وہ سب بھل ہے۔ آپ نے فرمایا أَيُّ دَاوُعٍ أَدُوٌّ مِنْ الْبُخْلِ یعنی بخل سے بڑھ کر کون سی بیماری ہو سکتی ہے؟ جو شخص بخل ہے وہ کسی تعریف کے قابل نہیں، ترمذی شریف میں ہے کہ بخل آدمی اللہ سے دُور، مخلوق سے دُور اور جنت سے دُور ہوتا ہے اور ایسا شخص جہنم سے قریب ہوتا ہے۔ فرمایا إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ منافق لوگ ہی نافرمان ہیں۔ فاسق بھی قرآنی اصطلاح ہے اور اس سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جو ایمان لانے کے باوجود اچھی بات پر عمل نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور جو شخص مانتا بھی نہیں اور نافرمانی بھی کرتا ہے وہ کافر بھی ہے اور فاسق بھی۔ گویا فاسق کا لفظ عام ہے۔

فرمایا وَعَدَ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا اللہ نے وعدہ کیا ہے منافق مردوں، منافق

منافقوں  
یہ سزا



كَالَّذِي خَاضُوا اور تم بھی باطل باتوں میں گھس گئے جیسا کہ وہ لوگ گھسے تھے۔ یعنی جس طرح وہ کھیل کود، لہو و لعب، کفر و شرک، بدعاتِ روم باطلہ اور حق کی مخالفت میں مصروف تھے اسی طرح تم بھی اپنی امور میں مصروف ہو۔  
 امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ كَالَّذِي موصولہ مفرد ہے اور یہ نحو کی طرف جارح ہے یعنی جس طریقے سے پہلے لوگ فضولیات میں گھس گئے تھے اسی طرح تم بھی گھس گئے ہو۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ كَالَّذِي لفظوں میں مفرد ہے مگر معنوں میں جمع ہے اور اس کا ارفے سخن اُن لوگوں، قوموں اور گروہوں کی طرف ہے جو باطل میں گھسے تھے مفرد کے بطور جمع استعمال ہونے کی مثال اس عربی شعر میں بھی ملتی ہے۔

سَاتِ الذِي حَانَتْ بِعَدَجٍ دِمَاءُ هُمْ

هَمُّ الْقَوْمِ كُلِّ الْقَوْمِ يَا امَّ خَالِدٍ

وہ قوم جن کے خون فلج کے مقام پر گرے ہیں، وہ بڑے کامل درجے کے لوگ تھے اے ام خالد! بہر حال یہ لفظ مفرد ہونے کے باوجود جمع کا مطلب بھی دیتا ہے۔

فَرَمَا أَوْلِيكَ حَبَطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
 یہی لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے اس دنیا میں اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں جس چیز کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے منافقت کا راستہ اختیار کیا، وحی الہی کے ظاہر کر دینے کی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کی ساری کارگزاری ضائع ہو گئی۔ اور آخرت میں بھی کفر اور نفاق انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اُن کو نجات نصیب نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں گے۔ فَرَمَا أَوْلِيكَ هُمْ الْحَسِيُّونَ اور یہی لوگ ہیں زیاں کار یعنی نقصان اٹھانے والے۔ اگر یہ اپنے سے پہلے لوگوں کے حالات پر غور کرتے تو اس سے عبرت پکڑتے اور خدا تعالیٰ کو فراموش نہ

اعمال کا  
 ضیاع

کرتے مگر انہوں نے نفاق اختیار کر کے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا۔

سابقہ اقوام  
کے حالات

اب آگے اللہ تعالیٰ نے بعض پہلی قوموں کا ذکر کیا ہے جن کے واقعات سے منافقین نے کچھ عبرت حاصل نہ کی۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ يَأْتِهِمْ مِّنْ قَبْلِهِ  
الَّذِينَ مِمَّنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَمَا اَنَّ تِلْكَ اَنْ لُّوْكَوْا كِيْ خَبْرِيْنِيْنِ پھنچي جو اُن سے پہلے گزرے  
ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کو اُن کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاکت میں ڈال  
کر ہمارے لیے عبرت کا سامان پیدا کر دیا ہے اور یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
نہرانی ہے مگر نہ وہ ہمیں بھی ہلاکت میں ڈال کر آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے  
ہمیں بھی یا عث عبرت بنانے پر قادر ہے۔ اسی لیے فرمایا، کیا ان لوگوں  
کے پاس پہلی قوموں کی خبر نہیں پہنچی اور قومیں کون سی تھیں؟ فرمایا قَوْمِ لُوطٍ  
سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کا حال دیکھئے۔ انہوں نے نافرمانی کی تو  
اللہ نے پوری قوم کو پانی میں غرق کر دیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ  
کشتی میں صرف وہی لوگ بچے جو صاحب ایمان تھے۔ وَتَحَادُّ وَتَحَادُّ  
قوم عاد اور ثمود کے انجام پر بھی غور کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر سخت آندھی  
بھیج کر ہلاک کیا اور کسی قوم کو زلزلے نے آکھڑا اور چیخ نازل ہوئی۔ ان کے  
جگر پھٹ گئے، ہر چیز تہ و بالا ہو گئی اور پوری کی پوری قومیں ہلاک ہو گئیں۔  
پھر فرمایا وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے  
حالات پر بھی نظر کریں۔ انہوں نے اللہ کے خلیل کے ساتھ سخت، برائی  
کی اور انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ آپ کو ہجرت پر مجبور کیا گیا مگر  
کیا وہ ظالم بادشاہ صحیح سلامت رہا؟ تاریخی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ  
نے اُس پر ایک مچھر کو مسلط کر دیا جو اُس کے ناک میں گھس گیا۔ اللہ نے ایسی  
منزائیں مبتلا کیا کہ مچھر کی تکلیف سے بچنے کے لیے سر پر جوتے مروانے پڑتے  
ان کی قوم کا حال بھی ایسا ہی ہوا۔ اگرچہ قوم ابراہیم کا تفصیلی ذکر نہیں ملتا تاہم  
تباہ شدہ قوموں کی فہرست میں اس قوم کا نام بھی موجود ہے۔

فرمایا وَالصَّحِيبُ مَدَّ يَدَيْنِ اور مدین والوں کا حال بھی ایسا ہی ہوا۔ یہ  
 تاجر پیشہ لوگ تھے مگر ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے، اللہ کے نبی  
 نے سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر اللہ نے آسمان سے  
 آگ برسا کر اس قوم کو ہلاک کیا۔ وَاللَّهُ نَزَّلَ حَتَّىٰ اور اٹی بستی والوں کے  
 حال سے بھی عبرت حاصل کرو۔ یہ قوم لوط سے جو اردن کے رہنے والے تھے۔  
 اُس زمانے میں چار سے چھ لاکھ نفوس پر مشتمل یہ قوم آباد تھی۔ لوط علیہ السلام  
 سا لہا سال تک تبلیغ کرتے رہے مگر اپنی بیٹیوں کے علاوہ بیوی نے بھی  
 ایمان قبول نہ کیا۔ اس قوم کا حال قرآن میں موجود ہے کہ اس بستی کو الٹ کر پیٹ  
 دیا گیا اور اوپر سے پتھر بھی برسائے گئے۔ ہر پتھر نشان زدہ تھا اور اس پر ہلاک  
 ہونے والے کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہ لوگ الٹے کام کرتے تھے تو اللہ نے سزایں ان  
 کی بستی کو الٹ دیا اور وہ ہلاک کر دیے گئے۔ فرمایا کیا ان قوموں کا حال منافقوں کے  
 پاس نہیں پہنچا کہ یہ اس سے عبرت حاصل کرتے۔

فرمایا أَنَّهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ اُن کے پاس اُن کے رسول  
 واضح نشانیاں لے کر آئے، اللہ کی طرف سے معجزات لائے اور اللہ کے  
 احکام اُن تک پہنچائے مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور آخر کار ہلاک ہوئے  
 فرمایا فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ اللہ نے انہیں ہلاک کر کے اُن پر کوئی  
 زیادتی نہیں کی وَالِئِنْ كُنْتُمْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ بلکہ وہ خود  
 ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ انہوں نے ایسے باطل اعتقادات اختیار  
 کیے اور ایسے بُرے افعال انجام دیے کہ وہ عذاب الہی کے مستحق ہوئے۔  
 بہر حال پہلی قوموں کا حال بیان کر کے منافقوں کو عبرت دلائی گئی ہے  
 اور جس طرح یہ واقعات منافقوں کے لیے باعث عبرت ہیں اسی طرح  
 ہمارے لیے بھی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے پہلی قوموں کے

مقام  
عبرت



حالات ہماری عبرت کے لیے بیان فرمائے ہیں اگر ہم بھی غفلت  
 میں پڑے رہیں گے اور عبرت نہیں پڑیں گے تو کچھ عجیب نہیں کہہ سکتے  
 مانتے بھی وہی سلوک ہو جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوا۔

---

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس بہت اونچ ۲۵

آیت ۱۰ ۲۲

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ  
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ  
اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ  
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ  
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
وَمَسْكَنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ۖ وَرِضْوَانٍ  
مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: اور ایمان مند مرد و عورتیں، بعض ان میں سے  
دوست ہیں بعض کے۔ حکم دیتے ہیں وہ نیک بات کا اور منع  
کرتے ہیں بُری بات سے اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور  
ادا کرتے ہیں زکوٰۃ - اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس  
کے رسول کی - یہی لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر رحم  
فرمائے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے ﴿۱۰﴾  
اللہ نے وعدہ کیا ہے ایمان مند مردوں اور ایمان مند عورتوں سے بہشتوں  
کا کہ بہتی ہوں گی ان کے سامنے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے  
ہوں گے ان میں۔ اور رہائش گاہیں پاکیزہ رہنے کے باغوں میں  
اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی تو سب سے بڑی ہے، یہ ہے بڑی کامیابی ﴿۱۱﴾

رابط آیات

سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کا سرگزشتی مضمون اسلام کا قانونِ صلح و جنگ ہے ان میں جہاد کی ضرورت اور فرضیت اور اس کے فوائد کا تذکرہ ہے اور ساتھ ساتھ جہاد کو ترک کرنے کا وبال اور خسارہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ ترک جہاد کی وجہ سے قوم پر ادبار اور زوال آتا ہے، اللہ نے ان سب چیزوں کو بالوضاحت بیان کیا ہے۔ گذشتہ آیات میں اللہ نے جہاد سے پیچھے ہٹنے والے منافقین کی مذمت بیان فرمائی اور پھر ان کے اوصافِ قبیحہ کا ذکر بھی فرمایا ان اوصاف کی وجہ سے منافقین کے انجام کا ذکر بھی کیا۔ گذشتہ درس میں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ منافق مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے ثابت رکھتے ہیں۔ ان کے اخلاق، عادات اور خصائل ایک جیسے ہیں۔ وہ ہمیشہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی کے کام سے منع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ انتہائی درجے کے کجخوس ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روک لیتے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا ہے تو خدا نے بھی انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ نیز فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا۔ اللہ نے منافقین کو سابقہ اقوام کے حالات سے عبرت بھی دلائی کہ انہوں نے نافرمانی کی تو وہ سخت سزائیں مبتلا ہوئے اگر یہ لوگ بھی حق کو قبول نہیں کریں گے اور قبیح حرکات سے باز نہیں آئیں گے تو ان کا حشر بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

بات یہاں سے چلی تھی کہ منافقین جہاد سے گریز کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں اپنا مال بخوشی خرچ نہیں کرتے تھے۔ تو ان کے مقابلے میں اب اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور ان کے اوصافِ جمیلہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کی خصوصیات، ان کے کام اور پھر ان کا انجام بھی بیان فرمایا ہے۔ قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں ترہیب کی بات کرتا ہے وہاں ترغیب کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ منافقین کے تذکرے کے بعد اب مومن مردوں اور عورتوں کا ذکر

ہو رہا ہے کہ منافق مردوں اور عورتوں کی طرح مومن مرد و زن بھی ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ منافقین کا تشابہ فی الاخلاق برائی میں ہوتا ہے جب کہ مومنوں کا تشابہ نیکی کے کاموں میں ہوتا ہے۔

مرد و زن  
کی معاشرتی  
حیثیت

صنفِ نازکِ انسانیت کا نصف ہے۔ انسانی گاڑی مرد و زن ہی کے دو پہیوں پر چلتی ہے۔ اللہ نے ابتداء سے ہی "حَلَقَ مِنْهُ اَوْجَہًا" فرمایا کہ اس کی حکمت ظاہر فرمادی۔ انسانیت کے لیے جتنا مرد ضروری ہے اتنا ہی عورت بھی ضروری ہے۔ دونوں انسانی تمدن کے بنیادی عنصر ہیں ان دونوں میں سے اگر ایک صنف نہ ہو تو دنیا کا نظام ہی نہیں چل سکتا۔ لہذا ہر ایک کو اپنی حیثیت کو سمجھنا چاہیئے۔ اللہ نے یہ سارے حقائق سورۃ نسا میں بیان فرمائیے ہیں۔ مرد اور عورت ان فی سوا سٹی کے اہم ترین ارکان ہیں، البتہ عورت کے مقابلے میں مرد کو اللہ نے فوقیت بخشی ہے۔ اور ہر ایک کے حقوق و فرائض اور ہر ایک کا دائرہ کار مقرر کیا ہے جس طرح مرد مکلف ہیں۔ اسی طرح عورتیں بھی مکلف ہیں اور جس طرح مرد کے لیے اپنا میدانِ عمل ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی دائرہ کار ہے جس طرح مرد کو عبادات کی ضرورت ہے اور اس کے نتیجے میں نجات کی ضرورت ہے اسی طرح عورت کو بھی ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ البتہ ان دونوں کے درمیان تفریقِ صنف کی وجہ سے ہے۔ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر فوقیت دیکر کچھ مزید فرائض بھی ان کے سپرد کیے ہیں، تاہم شریعت کی نظر میں دونوں یکساں مخاطب ہیں۔

مرد و زن کا  
دائرہ کار

امام شاہ ولی اللہؒ اپنی معرکتہ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ اجتماعی نظام کی ذمہ داری اللہ نے مردوں پر ڈالی ہے۔ مسلمانوں کے امیر کے لیے شرط ہے کہ مسلمان، عاقل، بالغ اور مرد ہو۔ عورت مسلمانوں کی امیر نہیں ہو سکتی۔ عورت کا کام کچلی صفت میں کھڑا ہونا ہے آخر سُوا

النِّسَاءِ مِنْ حَدِيثِ أَخِي هُنَّ اللّٰهُ عَوْرَتُونَ کو پیچھے رکھو  
 جہاں اللہ نے ان کا مقام مقرر کیا ہے۔ جب بھی عورتوں کو پہلی صف  
 میں لانے کی کوشش کرے گی، انتشار ہی پیدا ہوگا۔ انگریز عورت کو آگے  
 لائے تو دنیا نے تمام خرابیوں کا مشاہدہ کر لیا۔ اگر ہر دفتر، محکمے اور ادارے  
 میں عورت کام کرے گی تو بگاڑ ہی پیدا ہوگا۔ یہ تو بیسویں صدی ختم ہو رہی ہے  
 گذشتہ صدی کے ایک انگریز مؤرخ اور فلسفی نے کہا تھا کہ لعنت ہو ہمارے  
 اس قانون پر جو انگریزوں نے وضع کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ  
 کی پینتالیس کروڑ کی آبادی میں سے یقین کے ساتھ پینتالیس حلال کے آدمی  
 بھی نہیں نکالے جاسکتے۔ عورتوں اور مردوں کو خلط ملط کرنے کا یہی نتیجہ نکلے  
 گا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے ہر چیز کو اپنے اپنے مقام پر رکھا ہے۔ عورت  
 کے اپنے فرائض ہیں مگر اپنے دائرہ کار میں رہ کر۔ اگر عورت مردوں کی صف  
 میں کھڑی ہوگی تو لازماً خرابی پیدا ہوگی۔ جہاد حبیباً عظیم فرض بھی اصلاً مردوں  
 پر فرض ہے، عورت اس کے لیے مکلف نہیں۔ ہاں عورت مجاہدین کی  
 معاون بن سکتی ہے۔ ان کی خدمت پر مامور ہو سکتی ہے۔ اگر تیار لے کر اگلے مورچے  
 پر مردوں کے شانہ بشانہ جانے کی کوشش کرے گی۔ تو اس کا یہ عمل خلافِ فطرت  
 اور خرابی کا باعث ہوگا۔

اسی طرح اجتماعی امور میں عورت مقتدی تو بن سکتی ہے مگر امام بن کر  
 نماز نہیں پڑھا سکتی۔ اگر عورت امام بنے گی تو نہ اُس کی اپنی نماز ہوگی اور  
 نہ کسی مقتدی کی۔ عام نمازوں کے علاوہ عورت جمعہ اور عیدین کی نماز بھی نہیں  
 پڑھا سکتی۔ کیونکہ یہ خالصتاً مردوں کی ذمہ داری ہے۔ امام شعرانیؒ نے اپنی  
 کتاب میں لکھا ہے کہ ارشاد و تبلیغ کی بنیادی ذمہ داری بھی اللہ نے مردوں  
 پر ڈالی ہے۔ عورتوں کا مردوں کو تبلیغ کرنا خلافِ فطرت بات ہے۔  
 اس سے امر بیکہ، روس اور یورپ کا تمدن تو زندہ ہو سکتا ہے۔ اسلام کا

تدن زندہ نہیں ہو گا۔ عورتیں صرف وہ کام کریں جو ان کی ذمہ داری میں ہیں۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی کہا ہے کہ گھر میں رہ کر گھر کی آبادی کے ضمن میں عورت کو بڑی اہمیت حاصل ہے اولاد کی تربیت عورت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ہر مہمان کی پہلی پوچھ بپوچھ اس کا گھر ہوتا ہے جہاں سے بنیادی تعلیم حاصل کرتا ہے۔

مادریت، درس نختہیں با تو داد

انسان کو پہلا سبق ماں ہی سکھاتی ہے اور جو کچھ سکھاتی ہے وہ ساری عمر یاد رہتا ہے۔ اگر کلمہ پڑھائے گی، قرآن و حدیث کا درس دیگی تو وہ یاد رہے گا اور اگر گالی گلوچ اور گانے سکھائے گی تو بچہ وہی کچھ سیکھے گا۔ جو کچھ پڑھائے گی بچے کے ذہن پر اس کا نقش باقی رہے گا۔

ارشاد ہوتا ہے وَالْمُؤْمِنَاتُ مَوْنٌ اور مرد اور

مومن  
مرد و زن  
کے خواں

مومن عورتیں بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ بعض بعض کے رفیق ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور اخلاق و عادات میں آپس میں مشابہت رکھتے ہیں۔ جس طرح کافر کافر کا، منافق منافق کا اور بے دین بے دین کا رفیق ہوتا ہے، اسی طرح مومن مومن کا رفیق ہوتا ہے کسی مومن کا دوست اور سرپرست کوئی کافر نہیں ہو سکتا۔ تو فرمایا مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے آپس میں مشابہت رکھتے ہیں اور ان میں بعض امور یہ ہیں کہ يَا مُسْرُوفٌ يَا مَعْرُوفُ ان سب کی اچھی خصلت یہ ہے کہ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور برائی کے کام سے منع کرتے ہیں۔ مومن مرد اور عورتوں کو جب بھی موقع ملتا ہے وہ اچھی بات کرتے ہیں۔ جو کوئی برائی کی تلقین کرے گا وہ منافق بن گیا یا منافق یا پھر مشرک اور مشرک بن گئے۔ لہذا مومن مرد اور عورتیں ایمان کی دعوت دیتے ہیں یا تبلیغ اور جہاد کی طرف بلا تے ہیں۔ اس کے

علاوہ مومنین اور مومنات فرائض کی تعمین کرتے اور شریعت مطہرہ سے ثابت اچھائی کی باتوں کا حکم کرتے ہیں۔ اور جو چیزیں عقل اور شریعت کے نزدیک بُری ہیں مثلاً شرک، بدعت، نفاق، ظلم وغیرہ، ان سے روکتے ہیں۔ بد اخلاقی، دغا بازی، فتنہ و فساد، جھوٹ، فریب اور فراڈ سے منع کرتے ہیں۔

موصول  
علم کا  
فریضہ

تبلیغ کا کام اصلاً مرد کے ذمہ ہے، تاہم عورتیں بھی اپنے ماحول میں اُسی وقت تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے سکیں گی جب ان کے پاس معقول علم ہو گا اور اگر عورتوں کو تعلیم ہی نہیں دی گئی تو وہ اچھائی کی تعمین کیسے کریں گی۔ اسی لیے تعلیم کو انسان کے بنیادی حقوق میں شمار کیا گیا ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ علم کا حصول ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کے ساتھ مُسْلِمَتِ کا لفظ بھی لگاتے ہیں مگر اس کی ضرورت نہیں۔ بنیادی تعلیم کا حصول دونوں پر فرض ہے اور بنیادی تعلیم وہ ہے جس سے انسان اپنا تختہ درست کر سکے، حقوق و فرائض کو پہچان سکے اور پھر اس کے مطابق عمل کر سکے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی اکثر آبادی اعراف میں ہے، چھوٹے طبقات کسان، مزدور وغیرہ تک دین کی بات نہیں پہنچتی۔ ان کی تعلیم کا حکومت کوئی انتظام نہیں کرتی حالانکہ ہر شخص کے لیے تعلیم جبری ہونی چاہیے اور پھر اس میں دینی تعلیم کو مقدم رکھا جائے تاکہ ہر شخص اپنے فرائض کو پہچان کر ان پر عمل پیرا ہو سکے۔

اس وقت دنیا میں برائی کی ابتدا عورت سے ہوتی ہے یہ تو مردوں کا کام ہے کہ عورتوں کی صحیح تربیت کریں اور ان کو ایسی تعلیم دیں کہ برائی کا قلع قمع ہو سکے مگر اس کے برخلاف یہ مرد ہی ہیں جو عورت کو خود گھسیٹ کر برائی کے راستے پر لے جاتے ہیں کھیل تماشہ ہو یا سیر و تفریح کا موقع عورتوں کو مرد ہی ساتھ لے جاتے ہیں۔ اگر مرد عورتوں کو صحیح راستے پر لانا چاہیں تو یہ عین ممکن ہے۔ اور اگر مرد ہی بے دین ہوں، ہر وقت عیاشی اور فحاشی کی

باتیں کہیں تو عورت بھی دیسی ہی ہوگی۔ اچھائی کی تلقین کرنے کے لیے پہلے اچھائی سے واقفیت ضروری ہے اور یہ اچھی تعلیم سے ہوتی ہے، لہذا حصولِ تعلیم مرد اور عورت دونوں کے فرائض میں داخل ہے۔

مسلمانوں  
کی برائی

فرمایا مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ مگر اس زمانے میں معاملہ بالکل الٹ ہو چکا ہے۔ اب مسلمان آپس میں مشابہ ہونے کی بجائے دوسری اقوام سے اس قدر مشابہ ہیں کہ مسلم اور کافر میں امتیاز ہی نہیں ہو سکتا۔ کون کس سوسائٹی کا ممبر ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اب تو تشابہ فی الاخلاق عیسائیوں اور کافروں کے ساتھ ہو رہا ہے بلکہ مسلمان ان سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ وہ اپنے اصول ہی ترک کر چکے ہیں۔ اب ترقی کی بجائے برائی کی تلقین میں مسلمان پیش پیش ہیں۔ کھیل، تماشہ، سود خوری، برائی اور بدکاری، شرک اور بدعات، رسوا باطلہ، اور لغویات مسلمانوں کے پسندیدہ مشاغل ہیں اور انہی کے حق میں پراپیگنڈا کر رہے ہیں، آج ہر برائی کا اشتہار مسلمان سے رہا ہے۔ اس معاملے میں تو مسلمان یودیوں اور عیسائیوں کو بھی مات کر گئے ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں اسر بالمعروف اور بنی عن المنکر کی صفت موجود رہے گی ہم زندہ رہیں گے، ہماری قوم زندہ رہیگی۔ چند افراد کی بات نہیں۔ جب تک غالب اکثریت نیکی کی طرف رجوع نہیں کرے گی، اسلامی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا۔ اجتماعی نظام کی تبدیلی افراد کا نہیں، جماعتوں کا کام ہوتا ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ قوم کی ساٹھ فیصد آبادی اسر بالمعروف اور بنی عن المنکر کا فریضہ سنبھالے اگر ایسا ہو جائے گا تو باقی چالیس فیصدی خود بخود مغلوب ہو کر درست ہو جائیں گے۔ اور اگر اکثریت برائی کی طرف راغب رہے گی تو پھر اصلاح احوال کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

فرمایا مومنوں کے دو کام تو یہ ہیں کہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے

صلوٰۃ  
و زکوٰۃ



ہیں، اور اُن کا تیسرا کام یہ ہے وَيُفَيِّمُونَ الصَّلَاةَ وہ نماز کو برپا کرتے ہیں نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے تعلق باللہ درست ہوتا ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ نماز کی مثال ایسی ہے کہ اگر کسی مالک کا بھگا ہوا غلام واپس آکر اپنے مالک کے حضور پیش ہو کر معافی مانگ لے گا تو مالک کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اسی طرح جب کوئی بندہ اپنے پروردگار کے سامنے دست بستہ نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے تو مالک حقیقی کا غصہ فرو ہو جاتا ہے۔ اور حجب کوئی شخص اللہ کے حضور حاضر نہیں ہوتا، اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ اغیار کی اطاعت کا دم بھرتا ہے تو خدا تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے تو نماز کو ترک کرنا خدا تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ مومن نماز کو برپا کرتے ہیں۔ نماز کا قیام گھر سے لے کر حکومتی سطح تک سب کا فریضہ ہے۔ جب حکمران خود نماز پڑھنے لگیں گے اور عوام میں نظام صلوٰۃ رائج کریں گے تو سارا نظام درست ہو جائے گا۔ فرمایا لَا حَطَّ فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلَاةَ لَهُ جس کا نماز میں حصہ نہیں اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ فرمایا نماز ادا کرنے کے علاوہ مومن مردوں اور عورتوں کا یہ کام بھی وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ سے دو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان سے کجی دور ہوتا ہے اور دوسری طرف مجبور اور محتاج انسانوں کی ضرورت پوری ہوتی ہے اللہ نے اس میں یہ دوہری مصلحت رکھی۔ ہے

اللہ اور  
رسول کی  
اطاعت

اب اہل ایمان کی پانچویں صفت یہ بیان فرمائی ہے وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں ایک مومن کا مطلع نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی وقت خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ مومن آدمی اور عورت خدا اور رسول کی اطاعت کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہترین

مثال پیش کی ہے۔ سورۃ بقرہ میں موجود ہے۔ "اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اسْلِمْ" جب ان کے پروردگار نے ان سے فرمایا۔ فرمانبردار بن جاؤ تو آپ نے فوراً کہا "قَالَ اسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ" میں پروردگار عالم کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے ہر وقت تیار ہوں میں اس کے ہر ارشاد کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ "لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ" کا بھی یہی معنی ہے کہ مولائے کرم میں تیرا ہر حکم بسر و چشم تسلیم کرنے کے لیے حاضر ہوں۔ ایسے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے متعلق فرمایا "اُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ" یہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ یقیناً رحم فرمائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق مومنین کو ضرور انعامات سے نوازے گا۔

مومنوں  
کے لیے  
انعامات

فرمایا یاد رکھو: وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہوں گے۔ اس کے علاوہ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَاتٍ فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ان کو نہایت صاف سختری اور پاکیزہ رہائش گاہیں نصیب ہوں گی رہائشوں کے باغات میں۔ باغات تو بغیر رہائشی سہولتوں کے کھلے عام بھی ہوتے ہیں مگر جنتیوں کو ایسے باغات مل ہوں گے جن میں رہائش کے لیے کوٹھیاں اور بنگلے ہوں گے۔ یہاں اختصار کے ساتھ اپنی چیزوں کا ذکر کیا ہے، البتہ دوسرے مقام پر عمدہ لباس، لذیذ ترین ماکولات و مشروبات اور دیگر نعمتوں کا بھی ذکر ہے۔ خاص طور پر۔ بیویوں کے متعلق فرمایا وَلَهُمْ فِيهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اُن کے لیے اخلاق و عادات اور شکل و صورت کے اعتبار سے نہایت پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ وہ شخص

کتنا سعادت مند ہوگا، جس کو پاکیزہ بیوی، پاکیزہ مکان اور پاکیزہ کھانا پینا نصیب ہوگا۔

ضائع  
الہی

بہشت میں ان مادی نعمتوں کے علاوہ ایسی روحانی نعمتیں بھی نصیب ہوں گی جو سکون، راحت، فرحت اور روحانی مسرت کا باعث ہوں گی۔  
وہ کیا ہے؟ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوگی جو سب سے بڑی نعمت ہے، مادی نعمتیں عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا، کیا میں تمہیں کچھ مزید عطا کروں؟ لوگ تعجب سے کہیں گے کہ اے مولا کریم! تو نے ہمیں وہ نعمتیں دی ہیں جو کسی کو نہیں دی ہوں گی اب اور کون سی نعمت باقی ہے۔ اللہ فرمائے گا اَحِلُّ عَلَیْكُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْكُمْ بَعْدَہٗ اَبَدًا میں تمہیں اپنی خوشنودی اور رضا کی نعمت عطا کرتا ہوں اور یہ نعمت تم سے کبھی نہیں چھینی جائیگی۔ میں تم سے آئندہ کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ چنانچہ اہل ایمان کو جتنی خوشی اس بات سے ہوگی کسی اور چیز سے نہیں ہوگی۔ اور پھر دوسری بات یہ کہ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا الْحَسَنٰتِ اَجْرُہُمْ نَہِ دُنْیَا میں نے دنیا میں اچھے کام کئے ان کو اچھائی کا اچھا بدلہ ملے گا وَزَیَادَۃً اور کچھ مزید حاصل ہوگا۔ اور وہ اللہ کا دیدار ہوگا۔ یہ روحانی نعمتوں کا بلند ترین مرتبہ ہوگا۔ اس سے زیادہ خوشی والی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اس مقام پر صرف رضوان کا ذکر ہے جب کہ دوسرے مقام پر دیدار کا ذکر بھی آتا ہے لہذا جب بھی کوئی مومن نیک کام کرے تو اس کی خواہش یہ ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔

ہمارے بزرگوں میں حاجی امداد اللہ ماہر سیّد فرمایا کہ تھے کہ لوگ ایسی چوڑی دعائیں مانگتے ہیں مگر میں یہ مختصر دعا مانگتا ہوں اَللّٰهُمَّ رَاحَۃَ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّةَ وَاعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں اور تیری ناراضگی

اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ جب خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگئی تو سب  
 کچھ حاصل ہوگیا۔ اگر خدا راضی نہیں ہوگا تو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ بہت بڑی دُعائے  
 جس کو ایک مومن طلب کرتا ہے۔ فَرَمَا ذَلِكَ هُوَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ  
 یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو جائے۔ اللہ نے منافقوں  
 کا انجام بھی بیان فرما دیا اور مومنوں کے نیک اعمال اور ان کے لیے انعامات  
 کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ تاہم منافقین کی مذمت کا بیان ابھی جاری ہے

---

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس بت و شش ۲۶

آیت ۴۳، ۴۲، ۴۱

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ  
 عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٤٣﴾  
 يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ  
 الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهُمْ يُؤَابِمَا  
 لْمُيَنَالُوا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
 مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۚ  
 وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمْ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ فِي  
 الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ  
 وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٤٤﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ جہاد کریں کافروں اور منافقوں  
 کے ساتھ اور ان پر سختی کریں۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور  
 وہ بہت بُری لڑنے کی جگہ ہے ﴿۴۳﴾ وہ اللہ کے نام کی  
 قسمیں اٹھاتے ہیں کہ انہوں نے وہ بات نہیں کی۔ البتہ  
 تحقیق انہوں نے کسی ہے کفر کی بات۔ اور کفر کیا انہوں نے  
 اپنے اسلام کے اظہار کے بعد اور انہوں نے قصد کیا اُس چیز  
 کا جس کو وہ نہ پا سکے۔ اور انہوں نے نہیں عیب پایا سوائے  
 اس کے کہ اللہ نے ان کو غنی کر دیا ہے اور اس کے رسول

نے اپنے فضل سے پس اگر یہ لوگ توبہ کر جائیں تو بہتر ہو گا ان کے لیے اور اگر یہ روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو سزا دیگا دردناک دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہو گا ان کے لیے زمین میں کوئی حاشی اور نہ کوئی مددگار ﴿۷۴﴾

رابط آیات

اس سورۃ کا موضوع ہی جہاد ہے لہذا اس کا تذکرہ ہو رہا ہے پہلے مشرکین اور کافریں کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا اور اہل کتاب کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنے کا حکم ہوا۔ چونکہ جہاد سے گریز کرنے والے زیادہ تر منافقین ہی تھے اس لیے اللہ نے ان کی مذمت بیان فرمائی ہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ منافقین کے بُرے اوصاف کا تذکرہ اور پھر ان کے بُرے انجام کا بیان بھی ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے اوصافِ جمیلہ اور ان کو حاصل ہونے والے انعامات کا ذکر بھی گذشتہ درس میں کر دیا ہے۔

خطاب کی نوعیت

آج کی آیات بھی سابقہ سلسلہ مضمون کے ساتھ مربوط ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** اے نبی علیہ السلام! یہ خطاب تو حضور علیہ السلام کو ہے مگر حکم عام ہے قرآن پاک کے اکثر مقامات پر اس قسم کا خطاب پایا جاتا ہے جس میں روئے سخن تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے مگر بات پوری امت کو سمجھائی جاتی ہے۔ گویا حکم جو اللہ کے نبی کو دیا جا رہا ہے، وہ حکم پوری امت کے لیے واجب التعلیل ہے مثلاً سورۃ کوثر میں ہے **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ** اپنے رب کے لیے نماز پڑھو۔ اور قربانی کرو۔ یہ خطاب تو نبی علیہ السلام سے ہے مگر ساری جماعت المسلمین اس حکم کی مکلف ہے۔ بعض مقامات پر اللہ نے اپنے پیغمبر کو خصوصی خطاب فرمایا ہے اور وہ حکم صرف آپ ہی کے لیے ہے۔ تاہم خطابِ زبیر در کس احکام مخصوصہ میں سے نہیں بلکہ عام حکم ہے۔

تجلیا گروہوں کے جہاد

ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر! **جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ** آپ جہاد

کہیں کافروں اور منافقوں کے ساتھ۔ جہاد کا معنی ہے اسْتَفْرَاغُ الْجِهَادِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا یعنی باطل کو مٹانے اور حق کو قائم کرنے کے لیے ظاہری اور باطنی پوری طاقت کھپا دینے کا نام جہاد ہے کفار کے ساتھ جہاد کا تفصیلی ذکر تو پہلے ہو چکا ہے، تاہم منافقین سے جہاد کے متعلق اس آیت کی تفسیر میں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ایک تلوار کا زور کے خلاف اٹھائی جائے، دوسری منافقوں کے خلاف، تیسری اہل کتاب کے خلاف اور چوتھی باغیوں کے خلاف اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ اس وقت تک جنگ کہیں جب تک کہ وہ مغلوب ہو کہہ جزیہ دینے پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ باغیوں کے لیے بھی حکم یہ ہے کہ ان کے خلاف بھی جہاد کیا جائے کیونکہ وہ صحیح نظام کو درہم بہرم کے افراتفری کی فضا پیدا نہنا چاہتے ہیں۔ سورۃ حجرات میں واضح حکم موجود ہے ”فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفْقِئَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ“ باغیوں سے اس وقت تک جنگ کہیں جب تک وہ لوٹ کہہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف نہ آجائیں غرضیکہ کافر، منافق، اہل کتاب اور باغی یہ چار گروہ ہیں جن کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ کفار کے ساتھ جہاد کے لیے تیرا تلوار اور جدید تہین اسلحہ استعمال کرنے کا حکم ہے جب کہ منافقوں کے ساتھ جہاد باللسان کی اجازت دی گئی ہے۔ بعض مواقع پر جب کسی منافق کا نفاق ظاہر ہو جاتا تو صحابہ کرامؓ عرض کرتے کہ حضور! اس شخص نے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے، آپ اجازت دیں تو اس کا سر قلم کر دیا جائے مگر حضور علیہ السلام نے کبھی بھی منافق کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ ایک موقع پر نبی علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کسی منافق کو قتل کیا گیا تو لوگ کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي قَتَلَ اَصْحَابَهُ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

منافقین  
کیا حق  
جہاد

اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں اور اس قسم کا براہِ اِگنڈا اسلام کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہے، لوگ کہیں گے کہ محمد بنی نہیں بلکہ ملوک ہیں جو ایسا کام کرتے ہیں کہ اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ منافق اگر قتل کا مستحق بھی ہو تب بھی اس کو قتل نہ کرو۔ اس نے زبان سے کلمہ پڑھ کر اسلام کا اقرار کیا ہے، لہذا اس کو کلمہ کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ اس کے دل میں کفر بھرا ہوا ہے۔ البتہ ان کے متعلق فرمایا وَاعْلَظَّ عَلَيْهِمْ ان پر زبان سے سختی کرے۔ ان کے عیوب کو ظاہر کر کے انہیں رسوا کرے اور ان پر حدود جاری کرے، ان کے خلاف یہی جہاد ہے۔ بالکل یہی آیت سورۃ تحریم میں بھی موجود ہے اور مفسرین کرام نے وہاں بھی اس سے جہاد باللسان ہی مراد لیا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انہیں جماعت سے الگ کر دیا جائے عام سیاسی پارٹیوں کا بھی یہی دستور ہے کہ جب کوئی پارٹی منشور کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اُسے پارٹی سے نکال باہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام بھی منافقوں کو جماعت سے خارج کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایسا کرنے سے یا تو وہ اپنی غلطی کا احساس کر کے تائب ہو جائیں گے اور دوبارہ جماعت میں شامل ہو سکیں گے اور یا پھر کافروں کے ساتھ اتحاد کر لیں گے۔ ایسی صورت میں ان کے خلاف جہاد باللیف جائز ہوگا۔ کیونکہ کلمہ کھلا کفر کی حمایت میں چلے جائیں گے منافق اور مشرک کفر کے لوگ ہمیشہ جماعت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اہل حق کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ لہذا ان کے خلاف سخت کاروائی ضروری ہے تاکہ ان کی حیثیت کھل کر سامنے آجائے۔ پھر ان کے آخری انجام کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ نفاق سے باز نہ آئے وَمَا أَوْفَقَهُمْ جَهَنَّمَ ان کا ٹھکانا جہنم میں ہے وَبِئْسَ الْمَصِيرُ جو کہ بہت بُرا ٹھکانا ہے درحقیقت جہاد مختلف ذرائع سے ہوتا ہے جن میں سے ایک



ذریعہ مادی طاقت یعنی اسلحہ کا استعمال ہے۔ پرانے زمانے میں تیر، تلوار اور نیزہ وغیرہ سے لڑائی ہوتی تھی۔ مگر اب آلات حرب بہت ترقی کر چکے ہیں۔ اب بندوق، رائفل، توپ، راکٹ، ہوائی جہاز، بم اور میزائل وغیرہ جنگ میں استعمال ہوتے ہیں۔ اب جدید ہتھیاروں میں مہارت حاصل کیے بغیر جنگ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آج کے جدید ترین ہتھیار اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت سب کچھ جہاد بالیغ میں شامل ہیں کیونکہ ان کے بغیر دشمن کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک موقع پر خود حضور علیہ السلام نے بھی تیر اندازی فرمائی ہے اور اس کی تعریف کی ہے۔ اس زمانے میں تیر موثر ترین آلہ حرب ہوا کرتا ہے۔ گھوڑے بھی میدان جنگ میں بہت کام آتے تھے لہذا انہیں جنگی نقطہ نظر سے خاص طور پر پالا جاتا تھا اب گھوڑوں کے قائم مقام ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں آگئی ہیں جو جنگ میں بڑی کار آمد ثابت ہوتی ہیں۔

جہاد کا دوسرا ذریعہ مال ہے۔ مجاہدین کے لیے اسلحہ، نقل و حمل، ان کی خوراک اور طبی امداد کے لیے مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا اسے بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جہاد کے لیے تیسری لازمی چیز جان ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے ”جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ“ یعنی اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لو۔ جب تک اسلحہ استعمال کرنے میں نفوس نہیں ہوں گے، لڑائی کیسے لڑی جائے گی؟ پھر چوتھا ذریعہ جہاد باللسان ہے۔ منہ احمد کی حدیث میں آتا ہے جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ یعنی اللہ کے راستے میں جہاد گنہ اپنے مالوں، زبانوں اور جانوں کے ساتھ۔ تبلیغ دین زبان کا جہاد ہے۔ کسی مشرک یا کافر کو دین کی دعوت دینا، کسی کاشک شبہ دور کننا، تعلیم دینا، اور اس تک اللہ اور رسول کا پیغام پہنچانا زبانی جہاد میں داخل

ہے۔ اور جہاد کا پانچواں ذریعہ قلم ہے۔ قرآن و سنت میں قلم کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ سورۃ قلم میں اللہ نے اس کی قسم کھائی ہے ”الْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ“ سورۃ علق میں فرمایا ”الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ“ رب تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے یوزن مداد العلماء بدمر الشهداء یوم القیۃ یعنی علمائے حق کے قلم کی سیاہی کو قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر تو لا جائے گا۔ لوگو! ایسی تحریر لکھنا، اس کو شائع کرنا جس سے اسلام کو تقویت حاصل ہوتی ہو جہاد بالقلم ہی تو ہے۔

ذرائع  
جہاد کا  
غلط استعمال

جہاد کے تمام ذرائع کو بڑی اہمیت حاصل ہے مگر اب مسلمانوں کے ہاں ان سب میں فتور پیدا ہو چکا ہے۔ اسلحہ غلط طریقے سے استعمال ہو رہا ہے اور مال تو بالکل ہی غلط راستوں پر خرچ ہو رہا ہے۔ لوگوں کی اپنی جانیں آرام طلب ہو چکی ہیں اور نیکی کے کام میں زیادہ تر استعمال نہیں ہوتیں بلکہ اس کا رجحان برائی کی طرف ہو رہا ہے زبان ہے تو وہ بھی غلط راستوں پر چل رہی ہے۔ بنیادی چیزوں کی تبلیغ کی بجائے فتویٰ بازی پر صرف ہو رہی ہے۔ باقی رہا قلم تو اس کے کارنامے رسائل اور اخبارات میں دیکھ لیں۔ ہر طرف فحاشی اور عریانی پھیل گئی ہے۔ یہی ہے نیکی کی تقویت کی بجائے قلم کا استعمال لوگوں کے اخلاق بگاڑنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ ان تمام چیزوں میں فتور آچکا ہے جس کی وجہ سے مسلمان تنزل کی طرف جا رہے ہیں

فرمایا منافقوں کی یہ خصلت بھی دیکھو ”يُفَوِّنُ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا“ اللہ کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا۔ اس حصہ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے جہاد سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کی مذمت بیان فرمائی تو ان میں سے بعض نے کہا کہ جہاد سے پیچھے رہ جانے والے تو ہمارے اچھے لوگ ہیں حضور نے خواہ مخواہ ان کی مذمت بیان فرمائی ہے

منافقین  
کی جھوٹی  
قسمیں

اور اگر آپ کی بات ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم گدھوں سے بھی زیادہ بُرے ہیں۔ کسی مسلمان نے یہ بات سُن کر حضور علیہ السلام سے شکایت کی۔ جب حضور علیہ السلام نے اس منافق کو بلا کر اس قبیح حرکت کے متعلق پوچھا تو وہ صاف انکار کر گیا اور قسم اٹھالی کہ میں نے ایسی بات نہیں کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی کہ یہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کی۔ فرمایا ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں۔ نیز یہ کہ "وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ كَذِبُوْنَ" (المنافقون) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں کئی مواقع پر منافقوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو بری کرنے کی کوشش کی۔ یہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ وہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کی وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ ابلا ہے وَكَفَرُوا وَاعَدُوا رَسُوْلَهُمْ اور اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے ہیں، گویا ایک غلط بات کہہ کر اس سے انکار کفر کے برابر ہے۔

فرمایا وَهُمْ قَوْمٌ بِمَا كُفَرُوا انہوں نے ایسی چیز کا ارادہ کیا جسے نہیں سکتے۔ اس جملے کی شان نزول کے متعلق مفسرین کدیم بیان کرتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور علیہ السلام اپنے دو صحابہ عمار بن یاسرؓ اور حذیفہؓ کے ہمراہ قافلے سے الگ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک تنگ درہ آتا تھا۔ منافقین کی ایک ٹولی نے یہ منصوبہ بنایا کہ جب حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس تنگ درے میں داخل ہوں تو آپ کا کام تمام کر دیا جائے رات کا وقت تھا وہ لوگ منہ لپیٹ کر ایک ٹکڑے پر بیٹھ گئے کہ جب آپ ادھر آئیں گے تو آپ پر پتھر وں کی بارش کر دی جائیگی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی اس منصوبہ کی خبر دیدی۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس قسم کے لوگ جہاں ہیں ان کو پکڑ کر چنانچہ

منصوبے کی ناکامی

حضرت حذیفہؓ نے ان کو پایا، ان کے اونٹوں کو بھی مارا اور انہیں بھی بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان میں سے بارہ آدمی ابدی جہنمی ہیں، تین آدمیوں کو معذرت سزا دیا اور آٹھ کے متعلق فرمایا کہ ان کے جسموں میں ایسے پھوڑے نکلیں گے کہ اگر وہ سینے میں ظاہر ہوں تو ان کی جلن پشت تک محسوس ہوگی، اور اگر پشت پر نکلیں تو سینے تک جلن محسوس ہوگی اس واقعہ کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے ایک کام کا ارادہ کیا مگر وہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے۔ اس آیت، کہ تم میں مذکور واقعہ کا پس منظر سورۃ منافقون میں بھی بیان کیا گیا ہے کسی جہاد کے موقع پر ایک انصاری اور ایک مہاجر آپس میں الجھ پڑے جھگڑے نے طول پھینچا اور انصاری کہنے لگا کہ واپس جا کہ ہم ان ذلیل لوگوں کو مدینے سے نکال باہر کریں گے۔ یہ ممکن نہ تھا، وہ شخص خود ہی ذلیل ہوا۔ اس کا اپنا بیٹا پکا سچا مسلمان تھا۔ اور باپ کی مخالفت کرتا تھا۔ یہ اُس کے لیے بڑی اذیت ناک بات تھی۔ پھر یہ بھی کہ منافق لوگ عبد اللہ ابن ابی کو اپنا سردار بنانا چاہتے تھے مگر حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کی موجودگی میں وہ اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ بہر حال اس آیت کے مصداق یہ واقعات بھی ہو سکتے ہیں کہ منافقین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

فرمایا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ اور نہیں عیب پایا انہوں نے مگر یہ کہ اللہ نے اہل ایمان کو غنی کر دیا۔ منافق تو ایمان والوں کو پھولتا پھلتا نہیں دیکھ سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں مالدار کر دیا۔ یہ غریب لوگ تھے، اسلام کی بدولت انہیں خیر و برکت عطا کی اور مال بھی دیا۔ مختلف لڑائیوں میں بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے انہیں غنی کر دیا وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ

اللہ کے رسول نے بھی انہیں غنی کر دیا اپنے فضل سے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں فضل سے مراد مال غنیمت ہے کہ حضور نے بڑی مقدار میں مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی تجارت میں بھی بڑی ترقی ہوئی۔ انہوں نے بڑا نفع کمایا اور مالدار بن گئے۔

فرمایا منافقین کی ان تمام تر حرکات کے باوجود فَإِنَّ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہو گا۔ اب بھی سنبھل جائیں اور نفاق کو ترک کر کے صحیح ایمان قبول کر لیں تو ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اللہ تعالیٰ سابقہ کوتاہیاں معاف فرما دیگا۔ وَإِنْ يَتُوكُوا اور اگر وہ گمراہی کریں گے يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا تو اللہ تعالیٰ انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور وہ عذاب ایسا ہو گا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ جو اس دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں تو بہر حال سہی چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ منافقین اس دنیا میں ہی اپنی کرتوتوں کی وجہ سے بار بار ذلیل و خوار ہوئے اور اپنی کسی حکیم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ فرمایا آخرت کا عذاب تو دائمی ہے اگر مرتے وقت نفاق ہی ساتھ لے کر گئے تو کفار کی طرح یہ بھی ابدی جہنمی ہوں گے۔ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا خَصِيمٍ ان کے لیے زمین میں کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہو گا۔ اب توبہ لوگ دشمنان اسلام کے ساتھ مل کر سازشیں کرتے ہیں کبھی کسی فریق کی طرفدار ہی کرتے ہیں اور کبھی کسی کی مگر بالآخر ایسی صورت حال پیدا ہونے والی ہے جب ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہو گا۔ اگر یہ نفاق کو ترک نہیں کریں گے تو ان کا یہی حال ہو گا، لہذا بہتر ہے کہ اب بھی توبہ کر لیں اور اسلام میں پورے پورے داخل ہو جائیں۔

آخری موقع

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ  
لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَلَمَّآ  
اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ  
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ  
اِلٰى يَوْمٍ يَلْقَوْنَہٗ بِمَا اَخْلَفُوْا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ  
وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ  
اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰیہُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ  
الْغُیُوْبِ ﴿۶۰﴾

ترجمہ :- اور بعضے ان (نافقین) میں سے وہ ہیں جنہوں  
نے عہد کیا ہے اللہ کے ساتھ کہ اگر دیگا وہ ہمیں اپنے فضل  
سے تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے اور البتہ ہم ضرور ہوں  
گے نیکوں میں سے ﴿۵۷﴾ پس جب اللہ نے دیا ان کو  
اپنے فضل سے تو انہوں نے سخیل کیا اس میں اور پھر گئے  
وہ اس حال میں کہ وہ روگردانی کرنے والے ہیں ﴿۵۸﴾ پس  
اس کے پیچھے اثر رکھ دیا نفاق کا ان کے دلوں میں اس  
دن تک جس دن وہ اُس سے ملیں گے اس وجہ سے  
کہ انہوں نے خلافت کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس چیز کا  
جو اس سے وعدہ کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ

بولتے تھے ﴿۷۸﴾ کیا ان لوگوں نے معلوم نہیں کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے راز کو بھی اور ان کی پوشیدہ سرگرمیوں کو بھی اور بیشک اللہ تعالیٰ تمام غیبوں کو جاننے والا ہے ﴿۷۹﴾

جہاد کی فرضیت اور پھر جہاد سے گریز کرنے والے منافقین کی مذمت ربط آیت بیان کی گئی۔ پھر منافقین کے فضائل اور ان کے انجام کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد اہل ایمان کے اوصاف جمیلہ اور ان کی کامیابی کا بیان ہوا۔ اللہ نے کافروں کے ساتھ تلوار سے اور منافقوں کے ساتھ زبان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا۔ فرمایا ان کے عیوب کو ظاہر کیا جائے اور زبانی طور پر ڈانٹ ڈپٹ اور سختی کی جائے تاکہ یہ لوگ جماعت المسلمین سے الگ ہو جائیں یا تائب ہو کر سچے مومن بن جائیں۔ اگر منافقین کافروں کے ساتھ رل مل جائیں گے تو پھر کافروں کی طرح ان کے خلاف بھی جہاد بالسیف جائز ہو جائیگا گذشتہ آیت میں بھی بعض خاص منافقوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب یہاں بھی بعض خاص منافقوں کی بات ہو رہی ہے اور اس ضمن میں بعض اصولی باتیں بھی سمجھائی گئی ہیں۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ انصاریں ایک شخص ثعلبہ ابن حاطب تھا، اُس نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! فقر کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا رہتا ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے غنی کر دے حضور علیہ السلام فرمایا کہ عام اصول یہ ہے مَا قُلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاللّٰهُمَّ جو بھٹوڑی چیز کفایت کر جائے وہ اس زیادہ سے بہتر ہے جو انسان کو غفلت میں ڈال دے۔ آپ نے اُس شخص کو سمجھایا کہ مال و دولت میں فراوانی طلب نہ کر و کیونکہ انسان مال کے حقوق ادا نہ کر کے غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر ثعلبہ نے وعدہ کیا کہ میں مال کے سارے حقوق ادا کروں گا۔ صدق خیرات کیا کروں گا، لہذا آپ ضرور میرے لیے خوشحالی کی دعا فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی مثال پیش کی کہ دیکھو میں خود

۱۔ ابن کثیر ص ۲۴۲ ۲۔ یہ ثعلبہ بدری صحابی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو روح المعانی ص ۱۴۳ ۳۔ بلکہ ثعلبہ کئی آدمیوں کا نام ہے۔ ملاحظہ ہو الاصابہ ص ۱۹۹ ۴۔ (فیاض)

قامت لے سکتے ہوں، دولت کی خواہش نہیں کرتا، لہذا تم بھی اس کی طلب نہ کرو مگر اس شخص نے اصرار ہی کیا۔ حضور علیہ السلام نے اُس کے حق میں دُعا فرمائی جو رب العزت کی بارگاہ میں قبول ہوئی اور حضور نے ہی عرصہ میں ثعلبہ کے پاس بھیڑ بکریوں کے کئی ریڈے ہو گئے۔ پھر یہ شخص اپنے وعدے پر قائم نہ رہا اور اللہ نے اُسے سخت ذلیل کیا۔ آج کی آیات کا مصداق یہی شخص ہے۔

الفاتحہ  
اعراض

ارشاد ہوتا ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ اِنْ مَنَعْنٰہُمْ مِنْ بَعْضِ لَوْاۤءِیْہِیْنَ ہِیْ جُنُوۡبُہُمْ سَآءَ مَا کٰتَبَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ فَاَنۡفٰکَہُمْ عَنْ ذٰلِکَ فَاَصۡبٰہُ کَذٰبًا اِنَّہُمْ یَعۡلَمُوۡنَ اگر اللہ دے گا ہمیں اپنے فضل سے تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے وَکَکُوۡنُوۡنَ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ اور نبی کریمؐ والوں میں سے ہوں گے۔ جب ثعلبہ کی بھیڑ بکریوں میں سبت اضافہ ہو گیا تو اس کا شرم رہنا مشکل ہو گیا اور وہ شرم چھوڑ کر گاؤں میں جا لیا۔ جوں جوں اُس کا مال بڑھتا گیا اس کی مصروفیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ پہلے رات کی غازیں چھوٹی اور دن کے وقت مسجد میں آتا رہا۔ پھر وہ بھی جاتی رہی اور صرف جمعہ رہ گیا اور پھر رفتہ رفتہ جمعہ کی شرکت بھی ختم ہو گئی۔ جب زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آیا تو حضور علیہ السلام نے اُس کے پاس آدمی بھیجے۔ ثعلبہ کی نیت خراب ہو چکی تھی اور وہ بخوشی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے تیار نہ تھا اس نے لگا ہوا اَرٰی الزَّکٰوۃَ اِلَّا الْجَزِیۡۃَ زکوٰۃ نہیں مجھے تو جزیہ معلوم ہوتا ہے جو زبردستی وصول کیا جا رہا ہے۔ اُس پر (شرع میں چالیس میں ایک پھر ایک سو اکیس میں دو پھر دو سو ایک میں تین پھر چار سو میں چار اور پھر) ہر سو بھیڑ بکریوں میں سے ایک بھیڑ بکری زکوٰۃ نکلتی تھی مگر اُس شخص نے انکار کر دیا واپس آ کر جب وصول کنندگان زکوٰۃ نے یہ واقعات حضور علیہ السلام کے گوش گزار کئے تو آپ نے تین دفعہ فرمایا وَجِیۡدُکَ یَا ثَعْلَبَۃُ اے ثعلبہ! تجھ پر افسوس ہے۔ کبھی تیری تنگی کی یہ حالت تھی کہ فراخی رزق کے لیے اصرار کر کے دُعا کرتی تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے تجھے مال و دولت عطا کیا ہے تو تو اُس مال میں سے اللہ کی راہ میں لینے



سے انکار کر گیا ہے۔ پھر جب اس شخص کو حضور علیہ السلام کی ناراضگی کا علم ہوا تو زکوٰۃ کا مال لے کر خود حضور کی خدمت میں حاضر ہوا مگر آپ نے اس کا مال لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری زکوٰۃ وصول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ سن کر اُسے بڑی شرمندگی ہوئی، بڑا رونا دھونا کیا حتیٰ کہ اپنے سر پر مٹی ڈالی مگر حقیقت یہ ہے کہ منافق ہی تھا، یہ سب کچھ اُس نے دکھاوے کے لیے کیا تھا اور سچے دل سے ایمان نہیں لایا تھا۔ جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیائے رخصت ہو گئے تو یہ شخص پھر زکوٰۃ کا مال لے کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آیا مگر انہوں نے بھی یہ مال لینے سے انکار کر دیا۔ فرمایا جب حضور علیہ السلام نے تجھ سے مال قبول نہیں کیا تو میں بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں اُس نے پھر زکوٰۃ ادا کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے بھی اس کا مال قبول نہ کیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ شخص حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں مر گیا، اُس نے توبہ نہیں کی اور نہ ہی اس سے زکوٰۃ وصول کی گئی۔ وہ اس دنیا سے ناکام و نامراد ہی گیا۔

اس آیت کریمہ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ثعلبہ و امہ شخص نہیں جو اپنے نفاق اور عدم ادائیگی زکوٰۃ کی وجہ سے ناکام ہوا بلکہ اس قسم کے اور لوگ بھی تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ بعض ان میں سے وہ ہیں کہ جنہوں نے عہد کیا کہ اگر اللہ انہیں اپنے فضل سے دے گا تو وہ صدقہ خیرات کریں گے اور نیکو کاروں میں ہوں گے مگر ہوا یہ کہ فَلَمَّا اٰتٰهُمْ مِنْ فَضْلِهِ جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا بَخِلُوْا بِهٖ تو اس سے بخل کر گئے اور فرائض کی ادائیگی سے بھی انکار کر دیا۔ وَتَوَلَّوْا فَمِنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور وہ پھر گئے اس حال میں کہ روگردانی کرنے والے ہیں۔ انہوں نے سچے دل سے ایمان لانے سے

اعراض کیا اور مال کے حقوق ادا کرنے میں سبھل کیا۔

اس سبھل کا کیا نتیجہ نکلا؟ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ بِسُوءِ اللَّهِ  
 نے پیچھے رکھ دیا نفاق کا اثر اُن کے دلوں میں یعنی اُن کے دلوں میں نفاق  
 ڈال دیا۔ اَعْقَبَ کی ضمیر جب فعل سبھل کی طرف لوٹتی ہے تو اس کا مطلب  
 یہ بنتا ہے کہ اس سبھل نے اُن کے نفاق کو سچتہ کر دیا اِلٰی یَوْمٍ یَلْقَوْنَهُ  
 اِس دن تک جب وہ اللہ سے ملیں گے یعنی مرتے دم تک ان کے  
 دلوں میں نفاق سزا کے طور پر راسخ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ  
 اپنا فضل عطا کرتا ہے، پھر وہ ناشکری کرتا ہے یا سبھل کرتا ہے، حقوق ادا  
 نہیں کرتا، فرائض پورے نہیں کرتا تو خطرہ ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کے دل  
 میں تغیر پیدا کر دے۔ دو کمر مقام پر آتا ہے ”کَلَّا بَلْ يَكْتُمُونَ عَلَىٰ  
 قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ“ (المطففین) اُن کی بُری کھائی  
 یعنی گناہوں کی وجہ سے اُن کے دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں دل سیاہ  
 ہو جاتے ہیں اور سخت ہو جاتے ہیں جو انتہائی قساوت قلبی کی علامت ہے  
 اللہ نے بنی اسرائیل کی مثالیں بیان کی ہیں کہ اُن کے دل معکوس ہو گئے۔  
 اور ایسے سخت ہو گئے کہ ان میں رقت پیدا ہی نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے  
 وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ انبیاء کو ایذا پہنچاتے ہیں اور طرح طرح  
 کی بد اعمالیاں کرتے ہیں اور پھر غضب الہی کے مستحق بنتے ہیں، خدا تعالیٰ  
 کی طرف سے ان پر لعنت بھی بکرتی ہے۔ یہ تمام نتائج روگردانی،  
 بد عملی اور وعدہ خلافی کے ہیں۔ انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا کہ اگر مال بٹے  
 گا تو صدقہ خیرات کریں گے مگر جب آسودگی آگئی تو اُس وعدے کو  
 بھول گئے اور مرتے دم تک نفاق میں مبتلا رہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ منافق کی علامت یہ ہے۔ اِذَا  
 وَعَدَ أَخْلَفَ کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا

کہ ان کے دلوں میں نفاق اس وجہ سے راسخ ہو گیا لیکن اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا اور پھر اس کی خلاف ورزی کی۔ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے اِنَّ الْعٰهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا فَاِيَمَّتْ کے دن وعدے کے متعلق باز پرس ہوگی۔ سورۃ مائدہ میں بھی گزر چکا ہے اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اے ایمان والو! اپنے عہد کو پورا کیا کہہ دو کہ یہ بڑی اہم بات ہے۔ اگر وعدہ خلافی کرو گے تو دل میں نفاق بیٹھ جائے گا اور اس کا نتیجہ خطرناک نکلے گا۔

فرمایا ان کے دلوں میں نفاق کی پختگی ایک تہ وعدہ خلافی کی وجہ سے ہوئی اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُوْنَ کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو وعدہ خلافی کرتا ہے وہ جھوٹ بھی بولتا ہے زبان سے کچھ کہتا ہے اور دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ جھوٹ بولنا بھی منافق کی علامت ہے حضور نے منافق کے متعلق فرمایا اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف کرتا ہے اور جب جھگڑتا ہو جائے تو گالی گلوچ پر آمہ آتا ہے حضور نے منافق کی نشانیاں بیان فرمائیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے منافقین کو سزا ملی۔ ان کے دلوں میں نفاق اس لیے راسخ ہوا کہ انہوں نے وعدہ خلافی کی اور نخل کیا۔ اور نخل بدترین روحانی بیماری ہے حضور نے فرمایا اَمْسِيْ دَاۤءٍ اَدُوُّوْ مِنْ الْبَخْلِ نخل سے بڑی بیماری کو نسی ہے نخل آدمی نہ اپنے اوپر خرچ کرتا ہے اور نہ دوسروں کا حق ادا کرتا ہے گذشتہ آیات میں منافقین کی یہ صفت بھی بیان ہو چکی ہے

کہ لَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ وَہ اپنے ہاتھوں کو سیکڑتے ہیں۔ بہر حال یہاں فرمایا کہ انہوں نے وعدے کا خلاف کیا اور دوسری بات یہ کہ جھوٹ بولا

جکی وجہ سے ان کے دلوں میں نفاق پختہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کو تنبیہ بھی فرمائی ہے اَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّ  
اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ کَمَا اِنْ لَوْ کُوْنُوْا مَعْلُوْمٍ لَّيْسَ بِهٖ اَکْثَرُ  
اَللَّهِ تَعَالٰی اِنْ کَے رازوں کو جانتا ہے۔ اِنْ کا کوئی بھید اللہ سے پوشیدہ  
نہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ اِنْ کی پوشیدہ سرگوشیوں کو بھی جانتا ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ  
عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اور بیشک اللہ تعالیٰ تمام غیبیوں کا جاننے والا ہے عالم الغیب  
ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔

سورۃ مائدہ کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اِنْ  
سے اُن کی امت کے متعلق سوال کہیں گے کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا کہ اللہ  
کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو، تو عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے، اے  
مولا کریم! تیری ذات پاک ہے، میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کا مجھے  
حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات دنیا میں کی ہے تو تو اُسے جانتا ہے  
کیونکہ ”اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ“ تو ہی تمام غیبیوں کا جاننے والا ہے  
بہر حال منافقوں کے ارادے، عزائم، خفیہ اجلاس، مشورے اور بھید سب  
اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ منافقوں کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے۔  
یہاں پر اللہ تعالیٰ نے بخیل منافقوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی بخیل کہہ لگیا یا وعدہ خلافی کرے گا تو اس  
کا نتیجہ وہی ہو گا جو منافقوں کا ہوا۔ دل میں کہہ ورت پیدا ہوگی، نفاق بڑھے گا  
اور پھر وہ پختہ ہو جائے گا یہاں تک کہ مرتے دم تک اس سے چھڑکارا حاصل  
نہیں ہو سکے گا یہ انسان کی ناکامی کی دلیل ہے۔ آگے منافقین کی مزید خرابیوں  
کا ذکر آ رہا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے  
اور منافقوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

التوبة ۹

آیت ۹، ۸۰ تا

واعلموا ۱۰

درس بت و بہت ۲۸

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي  
الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ  
مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩﴾  
اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ  
لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ  
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي  
الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٨٠﴾

ترجمہ :- وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں خوشی خاطر سے  
صدقہ خیرات کرنے والے مومنین پر اور اُن لوگوں پر جو نہیں  
پاتے مگر اپنی محنت - پس ٹھٹھا کرتے ہیں اُن کے ساتھ  
اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے ٹھٹھے کا بدلہ دیگا اور ان کے  
یہ دردناک عذاب ہے ﴿۹﴾ آپ ان کے لیے بخشش  
طلب کریں یا نہ طلب کریں۔ اگر آپ ان کے لیے ستر  
مرتبہ بھی بخشش طلب کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو  
ہرگز نہیں بخشے گا۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا  
اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اللہ نہیں رستہ دکھاتا  
نافرمانی کرنے والوں کو ﴿۸۰﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض منافقین عہد کرتے ہیں مگر اس کو پورا نہیں کرتے۔  
 کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے دیگا تو ہم صدقہ خیرات کریں  
 گے مگر جب اللہ نے عطا کر دیا تو انہوں نے بھل کیا۔ ان کی وعدہ خلافی اور  
 کذب بیانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق کو بچھڑا کر دیا  
 اب یہ نفاق مرتے دم تک ان کے دلوں سے نہیں کھل سکے گا۔ اب آج  
 کے درس میں منافقین کی ایک اور قباحت کا ذکر ہے غزوہ تبوک کے  
 سلسلے میں جب حضور علیہ السلام نے لوگوں سے مالی تعاون کی اپیل کی تو  
 ہر بچے سچے سمان نے اپنی حیثیت کے مطابق اس کا خیر میں حصہ لیا مگر  
 جن کے دلوں میں نفاق تھا۔ انہوں نے صدقہ کرنے والوں کو مختلف قسم  
 کی طعن کا نشانہ بنایا۔ اس کے علاوہ منافقین کی مغفرت کے لیے دعا کا مسئلہ  
 بھی بیان کیا گیا ہے۔

صحابہ کی  
 فرائض

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوہ تبوک کے لیے اعلان فرمایا  
 تو بعض آسودہ حال مسلمانوں نے خطیر مال آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ بعض  
 کمزور صحابہ محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے، انہوں نے اپنی  
 حیثیت کے مطابق مالی تعاون کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جلیل القدر  
 صحابہ اور عشرہ مبشرہؓ میں سے ہیں۔ آپ کا تعلق قریش خاندان سے ہے۔  
 وسیع تجارت تھی اور اللہ نے بڑا مال و دولت عطا فرمایا تھا۔ مفسرین کرام بیان  
 فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد آپ کی دو بیویاں پیچھے رہ گئیں۔ جب  
 آپ کا ترکہ تقسیم ہوا تو آپ کی دونوں بیویوں کو کل مال کا آٹھواں حصہ ملا  
 ان میں سے ایک بیوی نے اپنے حصہ کی جائداد انتی ہزار دینار میں فروخت  
 کی، یہ آٹھویں حصے کا نصف تھا۔ اسماء البرجال کی کتابوں میں آتا ہے  
 کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اپنے کسب حلال سے تیس ہزار غلام خرید  
 کر آزاد کئے جو کہ بہت بڑا درجہ ہے۔ آپ نے غزوہ تبوک کے لیے چار ہزار

دینار پیش کیے، اور حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ اس وقت میرے پاس کل آٹھ ہزار دینار تھے جن میں نصف گھر میں بال بچوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور باقی نصف آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ امراء صحابہ میں سے عاصم ابن عدی عجلانیؓ کا تعلق انصار مدینہ سے تھا۔ آپ کے کھجوروں کے بہت سے باغات تھے۔ انہوں نے ایک موقع پر بطور صدقہ ایک سو دس کھجوریں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیں کہ یہ صدقہ ہے، آپ اسے ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیں۔ یاد ہے کہ ایک دس سو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع چار سیر کا۔ اس حساب سے وہ کھجوریں چھ سو تین ہشت دوسری طرف ابو عقیل انصاریؓ تھے۔ انہوں نے بیوی سے پوچھا، گھر میں کچھ ہے؟ کہا کچھ بھی نہیں، انہوں نے رات بھر مزدوری کر کے ایک صاع کھجوریں حاصل کی جن میں سے آدھی گھر میں بٹے دیں اور آدھی لاکھ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیں۔

منافقین کا  
طعن

اب منافقین نے اپنی خباثت کا اظہار شروع کیا۔ جن لوگوں نے بڑھ چڑھ کر مال پیش کیا، ان کے متعلق کہنے لگے کہ یہ لوگ ریاکاری کر رہے ہیں اور اپنا نام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس غریب آدمی نے صرف نصف صاع کھجوریں پیش کیں اس کے متعلق کہنے لگے کہ یہ ہو لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ابو عقیل سے فرمایا، تم نے سخت محنت کر کے یہ کھجوریں مزدوری حاصل کی ہیں، اس لیے یہ بڑی بابرکت ہیں، انہیں پورے ڈھیر پر بچھیر دو تاکہ سارا مال بابرکت ہو جائے۔ بہر حال حضور علیہ السلام کے صحابہ میں نہ تو ریاکاری تھی اور نہ ان کی نیت میں کوئی خرابی تھی بلکہ وہ تو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے حسبِ توفیق خرچ کرتے تھے مگر منافقین ان پر طرح طرح سے طعن کرتے تھے لہذا اللہ نے ان کی خدمت بیان فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي  
الصَّدَقَاتِ وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں۔ خوشی خاطر سے صدقہ خیرات کرنے  
 والے مومنوں پر۔ يَلْمِزُونَ لَمَن سَعَىٰ سے ہے جس کا معنی طعن یا عیب جوئی  
 کرنے والے ہیں اور طَوَّعَ خوشی خاطر کہہ سکتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ جو  
 لوگ اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ کوئی چارہزار  
 دینار دیتا ہے یا سو سو کھجوریں پیش کرتا ہے اسب اللہ کی رضا کے  
 لیے کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ جب قربانی کرو  
 یا کوئی فرض ادا کرو، زکوٰۃ و صدقہ ادا کرو تو بخوشی کیا کرو۔ دل میں کوئی بوجھ  
 محسوس نہ کرو۔ بلکہ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے تمہیں خرچ کرنے کی توفیق عطا  
 فرمائی۔ اگر وہ توفیق ہی سبب کرے تو تم کیا کر سکتے ہو، لہذا دل کی خوشی سے  
 خرم ہو۔ اور پھر کسی محتج کو نہ ایذا پہنچاؤ اور نہ اس پر احسان جتلاؤ، یہ چیزیں  
 اللہ کو سخت ناپسند ہیں۔ اہل ایمان کا کام یہ ہے کہ وہ خوشی خاطر سے صدقہ  
 خیرات کرتے ہیں۔

فَرَمَاَ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ منافق لوگ  
 ان اہل ایمان پر بھی طعن کرتے ہیں جو نہیں پاتے مگر محنت و مشقت  
 جہد کا معنی محنت ہے۔ یعنی جس شخص نے ساری رات پانی کھینچ کر تھوڑی  
 سی مزدوری حاصل کی اور اس میں سے بھی ادھا حصہ صدقہ کر دیا منافقین کے  
 اعتراض سے وہ بھی نہیں بچ سکا۔ فرمایا جو سخت محنت کر کے کھاتے  
 ہیں، منافق ان پر بھی طعن کرتے ہیں فَيَسْتَعْرِفُونَ مِنْهُمْ ان کے  
 ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں کہ دیکھو! نصف صاع کھجوریں دے کر بڑا تیر مار  
 ہے ہیں فرمایا يَسْتَعْرِفُوا مِنْهُمْ اللہ بھی اُن کے ٹھٹھے کا بدلہ دے  
 گا، اللہ کے ٹھٹھا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ٹھٹھا کا جواب دے گا۔  
 سورۃ بقرہ میں بھی گمز چکا ہے کہ منافق جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے



ہیں، ہم ایمان لے آئے ہیں مگر جب اپنے ساتھی منافقوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں سے ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں، ہم دل سے تو ایمان نہیں لائے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمُ اللَّهُ يَخْتِئُ بِهِمُ اللَّهُ اُن کے ساتھ مذاق کرتا ہے یعنی اُن کے مذاق کا بدلہ دیتا ہے۔ تو فرمایا اللہ تعالیٰ إِنْ بَدَلْتُمْ بِذُنُوبِكُمْ إِحْسَانًا بد اخلاق اور بد نیت منافقوں کو ضرور ان کے مذاق کا بدلہ دیگا جو خوشی خاطر سے صدقہ کرنے والوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ اس سے یہ عام قانون معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے آدمی کے ساتھ مذاق نہیں کرنا چاہیے۔ کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو اس پر تمسخر نہیں کرنا چاہیے کہ یہ بڑا غامزی اور پرہیزگار بنا پھرتا ہے۔ یہ تو منافقوں کا کام ہے۔ اس کے بجائے نیکی کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے اور جو کوئی کسی نیکی کار کی دل شکنی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی وعید کی زد میں آلیگا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی یہ بری عادت بھی بیان فرمادی۔

منافقین کے لیے دعائے مغفرت

اگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ آپ منافقین کے لیے بخشش طلب کریں یا نہ کریں برابر ہے۔ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ اگر آپ ستر مرتبہ بھی اُن کے لیے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ عربی اصطلاح میں ساٹھ ستر یا سات سو تکثر کے لیے آتا ہے یعنی جب کسی چیز کا کثیر تعداد میں ذکر مطلوب ہو تو اس قسم کے عدد استعمال کیے جاتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ آپ کتنی زیادہ دفعہ بھی ان منافقوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، اللہ قبول نہیں کرے گا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی جب مر گیا تو اس کے مسلمان بیٹے نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرا باپ فوت ہو گیا ہے۔ اُس نے ظاہری طور پر کلمہ بھی پڑھا تھا اور بعض

اوقات جہاد میں بھی شامل ہو جاتا تھا۔ آپ مہربانی فرما کہ اس کا جنازہ پڑھیں اس کی مکمل تفصیل تو اگلے رکوع میں آرہی ہے۔ ناہم اس کے بیٹے کی سفارش پر حضور علیہ السلام نے اپنی قیمتی عبد اللہ بن ابی کے کفن کے لیے دیدی، اس کے سنہ میں لعاب دہن بھی ڈالا، اس کا جنازہ بھی پڑھایا اور اس کی بخشش کے لیے دعا کی۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر حضور علیہ السلام کو دیکھنے کی کوشش کی اور عرض کیا کہ آپ اے شخص کے لیے دعائے مغفرت فرما رہے ہیں جس نے فلاں فلاں موقع پر فلاں شرارت کی تھی۔ آپ نے فرمایا، عمرؓ! ہٹ جاؤ، مجھے دعا کرنے دو کیونکہ اللہ نے مجھے دعا کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اختیار دیا ہے کہ آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔

امام ابو بکر ابن عمرؓ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھا ہے کہ چونکہ اللہ نے حضور کو دعا کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا اس لیے مصلحت اسی میں تھی کہ آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے۔ منافقوں کے حق میں دعا کی قطعی ممانعت بعد میں آئی تھی جس کا ذکر اگلے رکوع میں آرہا ہے، لہذا اس موقع پر حضور علیہ السلام کے جنازہ پڑھنے اور دعا کرنے کا یہ اثر ہوا کہ عبد اللہ بن ابی کے قید کے ایک ہزار افراد مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے جان لیا کہ اتنے کریمانہ اخلاق کا مالک ایک نبی ہی ہو سکتا ہے جس نے اپنے اے دشمن پر مہربانی فرمائی جو ہمیشہ آپ کی عیب جوئی کرتا تھا اور دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

عبد اللہ بن ابی کے بیٹے کا اصل نام حباب تھا۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے نام دریافت کیا، عرض کیا میرا نام حباب ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو شیطان کا نام ہے، لہذا آج سے تمہارا نام عبد اللہ بن عبد اللہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی سنت کے اتباع میں کسی غلط نام کو بدل دینا چاہیے۔ کوئی ایسا نام جس سے شرک کی تہ آتی ہو یا جس نے ظلم و

زیادتی اور گناہ کا اظہار ہوتا ہو، بدل دینا چاہیے۔ اسی طرح ایک خاتون کا نام بڑے تھا۔ بڑی نیک اور پارہ ساختون تھیں مگر اس کا معنی اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا ہے، لہذا حضور علیہ السلام نے فرمایا، اس نام کو بدل دو، آج سے تمہارا نام زینب ہے۔ فرمایا لَا تَزَكُوْا اَنْفُسَكُمْ اپنی تعریف خود نہ کیا کرو کہ خود ستانی اچھی نہیں ہوتی۔

عدم معافی  
کا اعلان

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی علیہ السلام اگر آپ منافقین کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش کی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہیں کرے گا کیوں؟ ذَلِكْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔ انہوں نے خدا کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کیا، اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا، بخشش کا مدار تو ایمان پر ہے اگر ایمان ہی ختم ہو تو بخشش کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟ جو شخص اللہ کے فرشتوں، اس کی نازل کردہ کتابوں، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا، وہ نجات کا حق دار کیسے ہو سکتا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز معاف نہیں کریگا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو راہ نہیں دکھاتا۔ جو فتنہ پرارے ہوئے ہیں، انہیں راہ راست نصیب نہیں ہو سکتا۔ جب یہ دنیا سے جاتے ہیں تو کفر کی حالت میں جاتے ہیں اور بالآخر جہنم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے حصے میں ابدی ناکامی آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنے والے ہدایت کے مستحق نہیں بنتے۔

التوبة ۹

آیت ۸۱ تا ۸۷

واعلموا ۱۰

درس بہت دیر ۲۹

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلْفَ رَسُولِ اللَّهِ  
وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ  
جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝۸۱  
فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا  
كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۸۲ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ  
مِنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُواكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا  
مَعِيَ أَبَدًا وَلَكِنْ تُفَاتِلُونِي عَدُوًّا إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ  
بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخُلَفَاءِ ۝۸۳ وَلَا تَقْصِرْ  
عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ  
إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ  
فَاسِقُونَ ۝۸۴

ترجمہ :- خوش ہیں پیچھے روکے گئے (منافق) اپنے بیٹے  
پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور ناپسند کیا  
ہے انہوں نے کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں سے اور اپنی  
جانوں سے اللہ کے راستے میں - اور کہا انہوں نے (ایک  
دوسرے سے) نہ کوچ کرو گرمی کے زمانے میں (اے پیغمبر!)

آپ کہ دیجئے، جہنم کی آگ بہت زیادہ سخت ہے گرمی کے لحاظ سے اگر ان لوگوں کو سمجھ ہو (۸۱) پس چاہیئے کہ یہ نہیں تھوڑی مدت تک اور روئیں زیادہ یہ بدلہ ہے اس کا جو یہ کہتے ہیں (۸۲) پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو واپس لوٹے ان میں سے ایک گروہ کی طرف، پھر وہ اجازت طلب کریں آپ سے (آپ کے ساتھ) نکلنے کی تو آپ کہ دیں کہ ہرگز نہ نکلؤ تم میرے ساتھ کبھی بھی اور نہ لڑو تم میرے ساتھ ہو کہ دشمن سے۔ بیشک تم راضی ہو چکے بیٹھے ہوتے کے ساتھ پہلی مرتبہ، پس بیٹھ جاؤ پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ (۸۳) اور (اے پیغمبر!) آپ نہ نماز پڑھیں ان میں سے کسی ایک پر جو مر گیا ہو کبھی بھی، اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر بیشک انہوں نے کفر کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مرے اس حال میں کہ وہ نافرمانی کرنے والے تھے (۸۴)

گذشتہ دروس میں اللہ نے جہاد کے سلسلے میں منافقین کی مذمت بیان فرمائی ربط آیات پھر ان کی قبیح صفات بدعہمی اور جھوٹ کا ذکر کیا۔ گذشتہ آیات میں منافقوں کی اس خصلت کو بیان کیا کہ وہ لوگ اپنی خوشی خاطر سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ کوئی شخص اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑا خرچ کرے یا زیادہ، منافق ہر حالت میں ان پر اعتراض ہی کرتے تھے۔ پھر اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا، کہ آپ ان منافقوں کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں، ان کے لیے یہ ہرگز مفید نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اے بدطینت لوگوں کو نہ بخشے کا فیصلہ کر رکھا ہے اب آج کی آیات میں اللہ نے منافقین کی ایک اور خباثت کا ذکر فرمایا، جہاد گریز

وہ لوگ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے اور بجائے اس کے کہ اس حرکت پر نادم ہوتے، الٹا خوش ہوئے کہ شدید گرمی کے موسم میں سفر کی صعوبتوں سے بچ نکلے ہیں ارشاد ہوتا ہے فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِ هَزْمٍ خوش ہو گئے ہیں پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھے رہنے پر جب حضور علیہ السلام اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہو گئے تو منافق لوگ بڑے خوش ہوئے کہ وہ چلے بہانے کہہ کے اس سفر سے بچ گئے ہیں۔ جو چلے گئے ہیں ان کا تو صحیح سلامت واپس لوٹنا مشکل ہے۔ لہذا ہم اچھے ہے جو ان کے ساتھ نہیں گئے۔

مُخَلَّفُونَ کا معنی ہے جن کو پیچھے رکھا گیا اور پیچھے رکھنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے انہیں توفیق ہی نہیں دی کہ وہ اس جہاد میں شریک ہوتے یا پھر پیچھے چھوڑنے والا اللہ کا رسول ہے جس نے جھوٹے چلے بہانے سن کر پیچھے رہ جانے کی اجازت دیدی، صاحب تفسیر روح المعانی نے پیچھے روکے جانے کی تیسری امکانی وجہ یہ بیان کی ہے کہ شاید انہیں شیطان نے اغواء کیا ہو اور ان کے ذہنوں کو گمراہ کر کے جہاد پر جانے سے روکا ہو یا پھر چوتھی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ لوگ اپنی سستی اور کمالی کی وجہ سے شریک سفر نہ ہوئے ہوں۔ بہر حال پیچھے رہنے کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے جس پر منافقین خوش تھے۔ اور پیچھے کس سے رہ گئے خَلَفَ رَسُولُ اللَّهِ خلف کا معنی بعد ہوتا ہے گریا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد پیچھے رہ گئے سخت گرمی کا موسم تھا۔ سفر دور دراز کا تھا، سامان ضرب و حرب اور خورد و نوش کم مگر ایک بڑی منظم اور طاقتور حکومت سے مقابلہ تھا۔ اللہ کے رسول اور مسلمانوں نے یہ ساری تکالیف برداشت کیں مگر منافق انہی تکالیف سے ڈرتے ہوئے پیچھے بیٹھے رہے۔ سورۃ کے آخری حصہ میں آتا ہے کہ ایمان والوں کے لیے کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ اللہ کا رسول تو جنگوں اور

صحرؤں کی صعوبتیں برداشت کرے اور وہ گھروں میں مقیم رہیں۔ ایسا کر۔ نے  
والامومن نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ منافق ہو گا۔ اور اس نفاق کے نتیجے میں محسوب الہی  
اور محروم القسمت ہو گا۔ فرمایا وہ اپنے پیچھے رہنے پر خوش ہوئے حالانکہ پہلے  
اللہ کا یہ حکم گزر چکا ہے الْفِرُّ وَخِفَافًا وَثِقًا تم ہلکے ہو یا بوجھل نہیں  
مہر حالت میں اللہ کی راہ میں نکانا چاہیے۔ اس کے برخلاف وَكِرْهُوًا  
انہوں نے ناپسند کیا اَنْ يَّجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ اس بات کو کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں کے  
سائتہ اللہ کی راہ میں۔ سچے مومن تو دین کی تقویت کے لیے مال و جان کھپا  
دینے کو باعث سعادت سمجھتے ہیں کیونکہ جہاد بھی دیگر عبادات کی طرح  
ایک بہت بڑی عبادت ہے مگر منافقوں نے استہزا پسند کیا اور اس سعادت  
سے محروم ہے۔ اور ایک دوسرے سے کہنے لگے وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا  
فِي الْحَرِّ گرمی میں کو حج نہ کرو، بڑی تکلیف ہوگی۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ  
نے یوں دیا قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ  
جہنم کی آگ تو اس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے اگر تم اس سفر میں گرمی کو  
برداشت نہیں کر سکتے تو پھر جہنم کی گرمی کیسے برداشت کر دگے جو اس  
سے کہیں زیادہ سخت ہے۔ لَوْ كُنَّا لَا يَفْقَهُوْنَ اگر تمہیں کچھ سمجھ ہے  
تو سوچو کہ اس دنیا کی تپش برداشت کر لینا آسان ہے یا جہنم کی گرمی میں جھونک  
دیا جانا۔

حضرت علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ اس دنیا کی آگ سے ستر گاہ  
زیادہ گرم ہے۔ ایک اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ابتداء میں جہنم کو ایک  
ہزار برس تک بھڑکایا گیا تو اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔ پھر اس کو مزید ایک  
ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو یہ سفید ہو گئی۔ جب تیسری دفعہ اسے ہزار برس  
تک جلایا گیا تو اس کی رنگت سیاہ ہو گئی۔ چنانچہ جنت اور دوزخ اس وقت

بھی کسی دوسری دنیا میں موجود ہے اور دوزخ کی رنگت سیاہ ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حضور! لوگوں کو جلانے کے لیے تو اس دنیا کی آگ ہی کافی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا، دوزخ کی آگ اس آگ سے ستر گنا تیز ہے اگر جہاد جیسی عبادت کے لیے اس دنیا کی گرمی برداشت نہیں کر سکے تو آخرت کی ستر گنا تیز گرمی کیسے برداشت ہوگی؟

حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ اتنی تیز ہے کہ آج کوئی انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فرمایا اگر جہنم کی آگ کا ایک شرار دیا چنگاری مشرق میں پڑی ہو تو مغرب والے بھی اس سے جل اٹھیں۔ امام ابن کثیرؒ نے طبرانی اور منذ البوعلیٰ کے حوالے سے حدیث بیان کی ہے کہ جہنم کی شدت پیش کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی بڑی مسجد جس میں سو لاکھ آدمی موجود ہوں (جیسے بادشاہی مسجد لاہور) اور ان میں ایک جہنمی آدمی ہو، تو اس شخص کے سانس میں اتنی پیش ہوگی کہ صرف ایک دفعہ سانس لینے سے پوری مسجد جل جائے اور سارے آدمی ہلاک ہو جائیں۔ امام مبرور نے اپنی کتاب کامل میں ایک واقعہ نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ مامون الرشید کے زمانے میں حدیث اور لغت کے امام اصمعیؒ رمضان کے ہیتہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں تھے۔ گہمی کا موسم تھا۔ انہوں نے سوچا کہ یہاں تو سخت گرمی ہے، چلو روزے طائف میں جا کر رکھتے ہیں۔ وہاں کا موسم خوشگوار ہے۔ سواری لی اور طائف کی طرف چل دیے۔ راستے میں ایک بدو ملا، علیک سیک کے بعد دریافت کیا، حضرت کہاں کا ارادہ ہے امام صاحب نے کہا کہ روزے رکھنے کے لیے طائف جا رہا ہوں کیونکہ مکہ میں سخت گرمی ہے۔ بدو کہنے لگا کہ میں تو طائف سے مکہ جا رہا ہوں تاکہ رمضان کے روزے وہاں جا کر رکھوں۔ کہنے لگا میں بھی گرمی سے بچنے کے لیے مکہ جا رہا ہوں۔ سوچا تھا کہ آگہ آج مکہ کی گرمی برداشت کر



لوں کا توکل جہنم کی تپش سے بچ جائیں گا۔ بات درست تھی، جو شخص اس دنیا کی گمراہی برداشت نہیں کر سکتا اُسے جہنم کی تپش برداشت کرنے پڑے گی جو اس گمراہی سے سترگنا تیز ہے۔

فرمایا فَلْيَصْحُقُوا قَلِيلًا پس چاہیے کہ یہ منافق ہنس لیں عقوقی مد رؤنہ کا مقام کیلئے وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا اور روئیں بہت زیادہ۔ مراد یہ ہے کہ اس دنیا کا ہنسی خوشی کا وقت بہت عقوقی مد ہے، یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ اور آگے چل کر رُمنے کا مقام آئے گا۔ اور یہ اس لیے کہ جَزَاءُ كَيْفَا كَانُوا يَكْسِبُونَ یہ بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کماتے تھے یعنی انہیں اپنے بُرے اعمال کی پاداش میں جہنم کی آگ میں جلا ہو گا۔ منہ ابو یعلیٰ کی روایت میں آتا ہے کہ اہل روزخ اتنا روئیں گے کہ اُن کے آنسوؤں کی وجہ سے آنکھوں پر گڑھے پڑ جائیں گے اور چہرے پر نالیاں بن جائیں گی۔ جب آنکھوں کا پانی ختم ہو جائے گا تو خون بہنے لگے گا۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ روزخ والے عرصہ دراز تک روتے رہیں گے حتیٰ کہ آنسوؤں کی جگہ پیپ جاری ہو جائیگی۔ اور روزخ کے داروغے اُن سے کہیں گے۔ یا معشر الاشتیاء اے گروہ اشتیاء رُمنے کا مقام تو دنیا میں تھا۔ اگر وہاں روتے تو آج بچ جاتے۔ چونکہ وہاں تم سنتے رہے لہذا آج روتے رہو۔

پھر روزخ والے جنتیوں کو پکار کر کہیں گے یا معشر الاشباء والامهات والاولاد یعنی اے ہمارے ماں باپ اور اولاد کے گروہ! ہم نے حشر کا پورا عرصہ پیاس کی شدت میں گزارا ہے اور آج بھی سخت پیاس میں ہیں۔ خدا کے لیے پانی کا ایک گھونٹ ہی دے دو۔ مگر جہنم کے داروغے کہیں گے اِنَّكُمْ مَّا كُنْتُمْ تمہیں اسی حالت میں رہنا ہو گا۔ روایت میں آتا ہے کہ جہنم والے چالیس سال تک مدد کے لیے پکارتے رہیں گے اور بالآخر مالوس ہو جائیں گے۔ پہلے سورۃ اعراف میں بھی گمراہ چکا ہے

کہ اہل دوزخ اہل جنت سے کہیں گے کہ میری حقارت اسبابی دیدیا جو پھر اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے کچھ میری بھی دیدیا مگر اہل جنت جواب دیں: **إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا عَلَى الْكَافِرِينَ** اللہ تعالیٰ نے کافروں پر یہ چیزیں حرام کر دی ہیں تمہیں نہیں مل سکتیں پہلے اللہ نے منافقین کی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ یہ دنیا میں خوشیاں مناتے تھے۔ فرمایا یہاں کھڑی دیدی کے لیے ہنس لو، پھر تمہیں دیتا دیکھو رونا پڑے گا اور یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہوگا۔

منافقین  
کی  
محرومی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام سے فرمایا **فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ** اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے ایک گروہ کی طرف لوٹایا فاسْتَأْذِنُوا لَكَ لِلْخُرُوجِ پھر وہ آپ سے اجازت طلب کریں، نکلنے کی، مطلب یہ کہ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آئیں اور منافقین میں سے کچھ لوگ آئندہ جہاد میں شرکت کی پیش کش کریں۔ **فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ** اِنکاً آپ کہہ دیں کہ ہرگز نہ نکلو میرے ساتھ کبھی بھی۔ یعنی آپ ان کی پیش کش قبول نہ کریں اور صاف صاف کہہ دیں کہ آئندہ کبھی میرے ساتھ جانے کی اجازت نہیں ہوگی **وَلَكِنْ تَقَاتِلُوا مَعِيَ** اور نہ میرے ساتھ مل کر تمہیں دشمن سے جنگ کرنے کی اجازت ہوگی، تم نے غزوہ تبوک کے موقع پر ساتھ چلنے سے گریز کیا۔ اب تمہیں یہ موقع کبھی نہیں ملے گا۔ **إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ** اَوَّلَ مَرَّةٍ تم پہلی دفعہ بیٹھتے ہوئے پر رضی ہو چکے ہو۔ جب گمراہی کے موسم اور لیے سفر پر جانے سے گریز کیا اور گھر میں بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے تو اب **فَأَقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ** بیٹھ رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔ ہم آئندہ کبھی تمہیں ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ پیچھے رہنے والوں میں اکثر محدثیں، بچے، بوڑھے اور معذور ہوتے ہیں، لہذا تم بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر بیٹھ رہو۔ یہ منافقوں کی

تذلیل ہو رہی ہے کہ جہاد میں شامل نہ ہونے والے معذوروں کی صف میں شامل ہیں وگرنہ کوئی جوان مرد جہاد سے گریز نہیں کر سکتا۔ اب منافقوں کے لیے دو صورتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ یا تو وہ سچے دل سے تائب ہو کر جماعت المسلمین میں شامل ہو جائیں اور یا پھر واضح طور پر کفار کے ساتھ مل جائیں تاکہ ان کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جاسکے۔

منافقوں کا  
جنازہ اور  
استغفار

منافقوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو یہ بھی ارشاد فرمایا  
وَلَا تَقْصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَكَاتٍ أَبَدًا جَبَّانٍ مِنْهُمْ مَكَاتٍ أَبَدًا جَبَّانٍ  
مر جائے تو کبھی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کاواقعہ  
پہلے بیان ہو چکا ہے۔ نماز جنازہ کے لیے اُس کے بیٹے نے حضور سے  
درخواست کی جسے آپ نے قبول فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے ہر چند روکن  
چاہا کہ یہ اسلام کا دشمن منافق تھا، آپ اس کا جنازہ نہ پڑھیں مگر حضور علیہ السلام  
نے یہ کہہ کر جنازہ پڑھا کہ اللہ نے مجھے ایسا کرنے سے روکا نہیں بلکہ اختیار دیا  
ہے کہ اس کے لیے استغفار کروں یا نہ کروں۔ ایک روایت میں آتا ہے  
کہ جب آپ جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تو اس موقع پر یہ حکم  
نازل ہوا جس میں آپ کو جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا، تاہم بخاری شریف  
کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے عبد اللہ بن ابی  
کا جنازہ پڑھا اور اس کا کفن دفن ہوا۔ البتہ یہ آیت کسی بعد کے موقع پر نازل  
ہوئی جس کے ذریعے آپ کو جنازہ پڑھنے اور قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنے  
سے منع کر دیا گیا۔ فرمایا اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو نہ اس کا جنازہ پڑھیں  
وَلَا تَقْصِلْ عَلَى قَبْرِهِ اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ قبر  
پر کھڑا ہونے کا مقصد دفن کرنا، اس کے لیے دعا کرنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا  
ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کسی بھی مقصد کے لیے منافق کی قبر پر کھڑا ہونے  
سے منع فرما دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ منافق کی بخشش کے لیے دعا

بھی نہیں کی جاسکتی۔ البتہ اہل ایمان کی قبر پر کھڑا ہونا مسنون ہے البعد و شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ دفن کرنے کے بعد اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ اپنے بھائی کے لیے بخشش کی دعا کرو۔ اب اس سے سوال جواب ہو رہا ہے اور یہ اس کے حق میں دعا کے لیے موقع ہے اسی طرح اگر کوئی قرآن مجید پڑھیں گے یا ذکر کرے گا تو اس سے بھی انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

حضرت علیؑ کے والد ابوطالب آخر دم تک ایمان نہیں لانے جب وہ فوت ہو گئے تو حضور علیہ السلام کو اطلاع دی گئی کہ آپ کے چچا فوت ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ جاؤ کہ اُسے مٹی میں دبا دو۔ فقہاء اور محدثین فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کا کافر عزیز یا رشتہ دار فوت ہو جائے تو سنت کے مطابق اس کا کفن دفن اور جنازہ پڑھنے کی بجائے اُسے ویسے ہی گڑھے میں دفن کر دو۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اپنے باپ کو مٹی میں داب کر دے میرے پاس چلے آنا جب حضرت علیؑ واپس آئے تو آپ نے صرف دعا کی، ابوطالب کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوئے کیونکہ اللہ نے منع کر دیا تھا۔

فرمایا یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے اِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ منافق نہ تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ بنی کو سچا بنی سمجھتے ہیں۔ وَمَا تَوْأَمُّوْهُ اِذْ هُمْ فٰسِقُوْنَ اور وہ نافرمان ہیں جو شخص کفر، شرک یا نفاق کی حالت میں مر گیا وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہو گیا۔ اس کے لیے صدقہ خیرات بھی مفید نہیں ہوگا۔ اس کا جنازہ پڑھنے اور دعا استغفار کرنے کی بھی اجازت نہیں کیونکہ ان چیزوں سے بھی اُسے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے اور آگے پھر آ رہا ہے کہ مشرکین کیلئے استغفار کر بنی اجازت نہیں ہے

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس سی ۳۰

آیت ۸۵ تا ۸۹

وَلَا تَعْجَبْ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ  
 اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ  
 أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا أَنْزَلْتُ سُورَةً  
 أَنْ أَمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ  
 أُولُوا الطَّلُوفِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَحْنُ مَعَ  
 الْقَاعِدِينَ ﴿٨٦﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ  
 وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾  
 لَكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا  
 بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرُ  
 وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ  
 جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
 ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾

ترجمہ :- اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان (منافقوں) کے  
 مال اور انکی اولاد بیشک اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ سزا دے ان کو ان  
 (کے مالوں اور اولاد) کی وجہ دنیا میں ، اور نکلیں ان کی جانیں اس  
 حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہیں ﴿۸۵﴾ اور جب اُنہاری بات  
 ہے کوئی سورۃ (اور اس میں حکم دیا جاتا ہے) کہ ایمان لاؤ  
 اللہ کے ساتھ اور جہاد کرو اس کے رسول کے ساتھ مل کر تو

رضعت مانگتے ہیں آپ سے طاقت والے لوگ ان میں سے اور کہتے ہیں کہ چھوڑ دیجئے ہمیں تاکہ ہو جائیں ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ (۸۶) یہ راضی ہوتے ہیں اس بات پر کہ ہوں یہ پیچھے ہٹنے والی عورتوں کے ساتھ اور ہر کہ دی گئی ہے ان کے دلوں پر، پس یہ نہیں سمجھتے (۸۷) لیکن اللہ کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں آپ کے ساتھ، انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ، اور یہی لوگ ہیں کہ جن کے لیے نیکیاں ہیں اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں (۸۸) اللہ نے تیار کیا ہے ان کے لیے بہشت بہتی ہیں ان کے سامنے نہریں، ہمیشہ بہنے والے ہوں گے ان میں۔ یہ ہے کامیابی بڑھی (۸۹)

رابط آیات

جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے منافقین کی مذمت کا سلسلہ جاری ہے گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیچھے بیٹھے رہنے پر بڑے خوش ہوئے کہ اچھا ہوا ہم اس دور دراز کے سفر پر نہیں گئے گو یا کہ انہوں نے اللہ کے راستے میں مال و جان کھپا دینے کو ناپسند کیا، وہ ایک دوسرے کو گرمی کی شدت میں سفر کرنے سے منع کرتے تھے مگر اللہ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ تو بہت سخت ہے، اگر اس دنیا کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے تو دوزخ کی تپش کیسے برداشت کر و گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ بھی دیا کہ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آئیں گے تو منافق لوگ اُنہ جہاد میں شمولیت کی پیشکش کریں گے مگر حضور علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ آپ صاف انکار کر دیں اور کہ دیں کہ تم سہی مرتبہ جہاد میں شریک نہیں ہوئے، اب ہمیشہ کے لیے تمہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تم کبھی بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو سکو گے۔ ان کو جماعت المسلمین سے

بالکل الگ کر دیا جائیگا۔ تاوقتیکہ یہ اسلام میں صدقِ دل سے داخل ہو جائیں۔  
پھر اللہ نے منافقوں کا جنازہ پڑھنے اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر دعائے مغفرت  
کرنے سے بھی منع فرمادیا۔

مالِ فرعیہ  
از مال

بعض ذمہوں میں یہ بات آسکتی ہے کہ اگر منافق اللہ کے ہاں اتنے ہی  
ناپسندیدہ ہیں تو پھر انہیں مال و دولت اور اولاد کی فراوانی کیوں حاصل ہے؟  
اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ  
وَأَوْلَادُهُمْ ان کے مال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ کافروں  
اور منافقوں کی خوشحالی کو ان کے حق میں اچھائی کی علامت نہ سمجھا جائے۔  
إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا  
بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ ان کو انہی چیزوں کی وجہ سے دنیا میں سزا  
دے۔ گویا مال و اولاد کی فراوانی منافقوں کے لیے وبالِ جان بن جائے گی۔  
یہ لوگ جب تک اس دنیا میں زندہ رہیں گے مال و اولاد کی فکر میں ہی  
میتل رہیں گے۔ کبھی مال جمع کرنے کی فکر ہوگی، کبھی اس کے اخراجات کے  
متعلق تفکرات ہوں گے اور کبھی مال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہمیشہ  
سر پر سوار رہیگا اور انہیں کسی صورت چین نہیں آئے گا اور یہی چیز ان کے  
لیے اس دنیا میں بحیثیت عذاب کے ہے۔ نیز فرمایا وَتَنَزَّهَتْ  
أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ اور ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں گی  
کہ وہ کفر کرنے والے ہوں گے۔ مقصد یہ کہ مرتے دم تک انہیں  
ہدایت نصیب نہیں ہوگی بلکہ کفر کی حالت میں ہی ان کی موت واقع  
ہوگی۔ لہذا مال و دولت کی فراوانی نیک آدمی کے حق میں تو اچھی ہو سکتی ہے  
مگر ایک کافر اور منافق کے لیے یہ سعادت ہندی کی علامت ہرگز نہیں  
بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی شخص  
نافرمانی ہی کرتا چلا جا رہا ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ مال میں مسرورانی

اور خوشحالی عطا کر رہا ہے تو ہرگز دھوکہ نہ کھانا کہ یہ شخص اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے بلکہ یہ تو اس درج یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ذمیل اور مہلت ہے، اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا۔ اس کی رسی دراز کرے گا اور جب چاہے گا ایسے شخص کو گرفت میں لے لے گا۔ شاہ عبد القادرؒ نے اس آیت کرمیہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ تعجب نہ کہہ کہ بے دین کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کیوں دی۔ اس کے حق میں یہ مال و دولت تو وبال ہے۔ کیونکہ ان کے پیچھے دل پریشان رہتا ہے کبھی مال کے جمع کرنے کے سلسلے میں اور کبھی اسے خرچ کرنے کے معاملہ میں اور یہ فکھ مرتے دم تک چھوٹنے نہیں پاتی۔ جب تک انسان مال و دولت کی فکھ سے نہیں چھوٹے گا۔ اُسے تو بہ کرنے یا نیچی کرنے کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا **وَنَزَّهَقَ الْاَنفُسَ عَنْهُ وَهُوَ كَافِرٌ** اِن منافقین کی جانب سے اس حالت میں نکلیں گی کہ وہ کافر ہی ہوں گے، انہیں مرتے دم تک ایمان کی دولت نصیب نہیں ہو سکتی۔

منافقین کو اسی دنیا میں سزا کی ایک صورت مفسرین کرام یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بعض منافقین کی اولادیں صحیح معنوں میں مومن ہو گئیں، اس کی مثال عبد اللہ بن ابی کا بٹیا عبد اللہؒ ہے۔ جو نہایت مخلص مسلمان تھا۔ جب مسلمان اولاد منافق والدین کے خلاف جاتی تھی تو انہیں سخت اذیت پہنچتی تھی۔ اسی لیے فرمایا کہ مال اور اولاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ منافقوں کو اسی دنیا میں سزا دینا چاہتا ہے اور وہ کفر کی حالت میں ہی مریں گے جس کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب کے مستحق ہوں گے۔  
**فَرَمَا وَ اِذَا اُنْزِلَتْ سُورَةٌ اَنْ اَمْسُوا بِاللّٰهِ جِبْ قُرْآنِ پَاک**  
 کی سورۃ نازل کی جاتی ہے جس میں حکم دیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ **وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُوْلِهِ** اور اللہ کے رسول کے ساتھ

صحابان  
 استطاعت  
 کی خواست  
 طلبی



ہل کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرو، دین کی بقا اور ترقی کے لیے جہاد ضروری ہے تو اسْتَاذَنْکَ اَوْ کُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ اِنْ مِنْ سِیَاقِ مقتدر یعنی طاقت رکھنے والے، جہانی طور پر پندرست اور مالی لحاظ سے خوشحال لوگ جیلے بہانے بنا کر آپ سے رخصت طلب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فلاں کام پڑ گیا ہے یا فلاں مجبوری لاحق ہو گئی ہے لہذا ہم جہاد کے لیے نہیں جا سکتے وَقَالُوا ذَرْنَا نَحْنُ مَعَ الْقَعِدِیْنَ لہذا ہمیں چھوڑ دیں تاکہ ہم پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔ فرمایا دیکھو، ان کی ذہنیت کتنی ضراب ہے رَضُوا بِاَنْ یَّکُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ کہ یہ اس بات پر راضی ہیں کہ پیچھے بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ ہم بھی گھر میں بیٹھ رہیں اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوں۔

خَوَالِفَ خالف کی جمع ہے اور یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں صنفوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ خَالِفٌ کی جمع بھی خَوَالِفَ ہی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے مراد معذور مرد ہیں جو جہاد میں شریک ہونے سے قاصر ہوتے ہیں، مثلاً بہت بوڑھے ہیں، نابینا ہیں یا کسی عضو سے معذور ہیں اور اس لحاظ سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقین معذور مردوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اور اگر خوالف سے مراد پیچھے بیٹھنے والی عورتیں لیا جائے تو یہ بھی درست ہے کیونکہ عورتوں کا مقام اُن کا گھر ہی ہے۔ سورۃ احزاب میں ہے۔ وَقَدْ نَفِیْ بِیُوتِکُنَّ عَوْرَتِیْنَ اِنِّیْ لَمُبْطِیْ رَہِیْ اِنْ پَر جہاد فرض نہیں ہے ہاں نفیر عام کی صورت میں وہ کوئی خدمت انجام دے سکتی ہیں یا کسی مجبوری کے تحت گھر سے نکل سکتی ہیں۔ بہر حال شیخ الحداد نے اس کا ترجمہ عورتیں کیا ہے۔ بعض نے خوالف سے معذور آدمیوں کی جماعتیں مراد لیا ہے اور یہ بھی درست ہے۔ بہر حال فرمایا کہ منافع

اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہوں بلکہ پیچھے رہنے والوں میں شامل ہوں۔

فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوا وَطِيعَ عَلَا قُلُوبُهُمْ اُن کے دلوں پر مہریں لگا دی گئیں کیونکہ انہوں نے نفاق کی وجہ سے اپنی استعداد کو خراب کر لیا ہے فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ پس یہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہم کیا برائی کا گزری انجام دے رہے ہیں۔ ان کے لیے مناسب تھا کہ اپنے دل سے ایمان لاتے اور پھر جہاد میں شریک ہوتے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے جہاد سے گریز کرنے والوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صاحب حیثیت اور صاحب استطاعت لوگوں کے متعلق رفاہیت بالغہ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اسودہ حال لوگوں کا اچھا کھانا، اچھا پینا، اچھی رہائش اور اچھی سواری وغیرہ رفاہیت بالغہ میں داخل ہے اور یہ درست نہیں ہے کیونکہ انہی چیزوں کی وجہ سے لوگ آرام طلب ہو جاتے ہیں مال و دولت کی محبت ان کے دلوں میں گھر کر جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جہاد اور مشقت کے دیگر امور کی انجام دہی سے جی پھرتے ہیں دین کی طرف رغبت نہیں کرتے۔ یہ سب اولو الطول لوگ ہیں۔ اکثر سرمایہ دار اور ملوک اسی بیماری میں مبتلا ہیں اور مسلمانوں کے لیے بحیثیت قوم تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ اگرچہ بہت بد حالی بھی اچھی نہیں۔ مگر آرام طلبی اور عیش پرستی بھی قوم کے لیے سخت مضر ہے۔ انسان مشقت سے گریز کرنے لگتے ہیں حالانکہ اس کے بغیر فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ انسان کی تخلیق ہی مشقت میں ہوئی ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ہم نے انسان کو مشقت میں ہی پیدا کیا ہے اور مرتے دم تک وہ مشقت میں ہی مبتلا رہے گا اور اسی مشقت کی وجہ سے

رفاہیت بالغہ

اُسے فلاح حاصل ہوگی۔ پھر مشقت کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک مشقت محض مال کمانے کے لیے ہوتی ہے یا اولاد کی تربیت کے لیے جدوجہد کی جاتی ہے مگر ایک مشقت ایسی ہے جو انسان اللہ کے دین کے لیے برداشت کرتا ہے۔ اللہ کے رسول نے اسی مشقت کو اختیار کیا ہے اور اپنے پیچھے اس کا نمونہ چھوڑا ہے۔ حضور علیہ السلام نفارت اور آرام طلبی کے سب سے زیادہ مسخ تھے مگر آپ نے اُسے اختیار نہیں کیا بلکہ پوری زندگی مسلسل جہاد میں گزاری ہے۔ حضور علیہ السلام کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے منہ خلافت پر بیٹھ کر جو سب پہلا خطبہ دیا تھا وہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے فرمایا **اترك القوم جهادا في سبيل الله الا ذلوا** یاد رکھو! جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیگی وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیگی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔

مؤمنین کا  
شیوہ

اُدھر اہل ایمان کا شیوہ یہ ہے **لكن الرسول والذين امنوا معه** کہ اللہ کا رسول اور جو لوگ آپ کے ساتھ سچے دل سے ایمان لائے جاہدوا **باموالهم وانفسهم** وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں دونوں چیزیں کھپاتے ہیں غزوہ تبوک میں مجاہدین کی تعداد تیس ہزار سے لیکر ستر ہزار تک مختلف روایتوں میں آتی ہے اگرچہ اس میں بعض منافقین بھی شریک تھے مگر اکثریت سچے مسلمانوں کی تھی۔ فرمایا **وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ** یہی لوگ ہیں جن کے لیے خیریاں اور اچھائیاں ہیں **وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** اور یہی لوگ ہیں جن کو فلاح نصیب ہوگی۔

فرمایا **أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا** **الأنهار** اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے عالیشان باغات تیار

کہہ رکھے ہیں جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں خَالِدِينَ فِيهَا وہاں انہیں  
 دائمی زندگی نصیب ہوگی کوئی کلفت اور مشقت نہیں اٹھانا پڑے گی  
 انہیں جہانِ روحانی، مادی اور ذہنی سکون حاصل ہوگا۔ ذَلِكَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حقیقی فلاح یہ ہے کہ  
 انسان حظیرۃ القدس کا نمبر بن جائے اور بہشت بریں میں پہنچ جائے۔  
 اس دنیا کی فلاح اور عیش و آرام تو بالکل عارضی ہے۔ یہاں کی نعمتیں بھی  
 ختم ہو جانے والی ہیں مگر آخرت کی زندگی دائمی ہے اور وہاں کی نعمتیں  
 بھی نہ ختم ہونے والی ہیں اور یہ چیزیں مجاہدے، مشقت اور ایمان کی  
 بدولت حاصل ہوتی ہیں۔ اللہ کا رسول اور سچے مومن اسی راستے پر  
 گامزن ہیں جو دائمی فلاح کی طرف جارہے ہیں۔

واعلموا ۱۰

التوبة ۹

درس بی یک ۲۱

آیت ۹۰ تا ۹۳

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ  
وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑨۰ كَيْسَ  
عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمُرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ  
لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرْجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ  
وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ  
غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑨۱ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّ  
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتُ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ  
تَوَلَّوْا وَعَيْنُهُمْ تَفِضُ مِنْ الدَّمَاعِ حَذَنًا إِلَّا  
يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ ⑨۲ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى  
الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ  
يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى  
قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ⑨۳

ترجمہ :- اور آئے بہانہ ساز دیہاتی تاکہ ان کو رخصت  
دے دی جائے اور بیٹھ گئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ  
بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے - عنقریب پہنچے گا کفر

کھرنے والوں کو دردناک عذاب (۹۰) نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے وہ چیز کہ خرچ کریں، کچھ گناہ جب کہ وہ خیر خواہی کریں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی۔ اور نہیں ہے نیکی کرنے والوں پر کچھ الزام اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا، از حد مہربان ہے (۹۱) اور نہیں ہے گناہ ان لوگوں پر جو آئے تھے آپ کے پاس تاکہ آپ ان کو ساری دیں تو کہا آپ نے کہ میں نہیں پاتا اس چیز کو کہ میں اس پر تم کو سوار کروں، تو بیٹے وہ لوگ اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ اس چیز کو جس کو وہ خرچ کریں (۹۲) بلیک الزام ان لوگوں پر ہے جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ وہ راضی ہو گئے ہیں اس بات پر کہ ہو جائیں وہ پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ نے مُرکَر دی ہے ان کے دلوں پر پس وہ نہیں جانتے (۹۳)

گذشتہ دروس میں غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والے منافقوں کی مذمت بیان کی گئی تھی اور اس جہاد میں شامل ہونے والے مومنین کی تعریف کی گئی تھی۔ اب آج کی آیات میں دیہاتی منافقین کے کردار کے پیش نظر ان کی بھی مذمت بیان ہوئی ہے ارشاد ہوتا

ہے وَجَاءَ الْمَعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ

اور آئے معذور لوگ دیہاتیوں میں سے تاکہ انہیں رخصت مل جائے۔ مفسرین کرام اس آیت کی دو طرح سے تفسیر بیان کرتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت ایسے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جن کے پاس غزوہ تبوک میں عدم شرکت کا معقول عذر موجود تھا لہذا اللہ کے رسول نے انہیں رخصت دیدی۔ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ان دیہاتی

دیہاتی منافقین  
کی جلد سازی

لوگوں کے متعلق ہے جو جھوٹے جیلہ ہائے سے جہاد میں جانے سے  
 گریز کرتے تھے اور حضور علیہ السلام سے رخصت کے طالب تھے ۔  
 بہر حال فرمایا کہ بعض لوگوں نے اپنا عذر پیش کر کے جہاد میں نہ جانے کی  
 اجازت چاہی وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ اور وہ  
 لوگ یونہی گھروں میں بلا اجازت بیٹھے رہے جنہوں نے اللہ اور اس کے  
 رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان میں جھوٹے  
 تھے، وہ اللہ اور اس کے رسول پر ٹھیک طریقے سے ایمان نہیں لائے  
 تھے، اس لیے وہ بلا عذر جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹے  
 بہانے بنانے والوں اور بلا عذر اور بلا اجازت بیٹھے رہنے والوں کی مذمت  
 بیان فرمائی ہے فرمایا سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ  
 أَلِيمٌ جن لوگوں نے کفر کیا انہیں عنقریب دردناک سزا ملے گی۔ جو لوگ  
 سچے دل سے ایمان نہیں لائے تھے بلکہ ویسے ہی کسی مفاد کی خاطر زبان  
 سے کلمہ پڑھ لیا تھا، وہ حقیقت میں ایمان دار نہیں تھے۔ بلکہ کافر تھے ۔  
 ان کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ انہیں بہت جلد اس کفر کا بدلہ مل جائیگا۔  
 اس دنیا میں ان میں سے کچھ مائے جاہلیں گے اور کچھ ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے اور پھر آخرت  
 کی سزا تو دائمی رہے اس سے بھی بچ نہیں سکیں گے۔

حقیقی  
 معذور  
 لوگ

آگے اللہ تعالیٰ نے جہاد سے حقیقی معذور لوگوں کا ذکر فرمایا۔ ہے اور  
 انہیں ایک شرط کے ساتھ رخصت عطا فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ۔  
 لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ مِنْهُمْ جَرَجُ كَمُزُورٍ بِمُزُورٍ سے مراد  
 عورتیں، بچے، بہت بوڑھے مرد یا جسمانی طور پر معذور، لنگڑے، اندھے  
 وغیرہ لوگ ہیں جو جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے۔ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى  
 اور نہ ہی بیماروں پر کچھ گناہ ہے۔ مرضی مریض کی جمع ہے اور اس سے وہ  
 لوگ مراد ہیں جو جسمانی طور پر اتنے بیمار ہوں کہ جہاد کی مشقت برداشت نہ کر

سکتے ہوں، بیمار آدمی بعض اوقات نماز اور دیگر عبادات بھی صحیح طریقے سے ادا نہیں کر سکتے اور اس کے لیے انہیں مشروط رخصت ہوتی ہے تو گویا بیمار آدمی بھی ایک خاص شرط کے ساتھ جہاد سے مستثنیٰ ہیں فَمَا وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ اور ان لوگوں پر بھی کچھ الزام نہیں جو خرچ کرنے کے لیے اپنے پاس کچھ نہیں پاتے۔ یہ مالی طور پر نادار لوگ ہیں جن کے پاس سواری نہیں ہے یا زوارہ میسر نہیں اور وہ جہاد کے سفر پر جانے سے قاصر ہیں، ایسے لوگوں کو بھی جہاد میں شمولیت سے استثناء حاصل ہے۔ غَرَضُكَ اللَّهُ تَعَالَى نے تین قسم کے آدمیوں کو جہاد سے رخصت عطا کی ہے یعنی ضعیف، مریض اور نادار لوگ، مگر یہ استثناء ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے اور وہ ہے إِذَا دُخِعُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کریں۔ یہ کہ حقیقی معذور لوگ ان کا دین اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ منہاس ہونا ضروری ہے اور نہ جہاد میں عدم شرکت کی بنا پر وہ بھی مجرم ٹھہریں گے۔

اللہ اور رسول کے ساتھ خیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف غلط پراپیگنڈہ نہ کیا جائے اور نہ افواہیں پھیلائی جائیں بلکہ ایسی باتیں کی جائیں جن کے ذریعے دین کو تقویت حاصل ہوتی ہو اور مجاہدین اور عام مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ اگر معذور لوگ مسلمانوں سے خیر خواہی کی بجائے ضعیف پہنچانے والی باتیں کریں گے تو عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کوئی امیر لشکر کسی ہزل شخص کو اپنی فوج میں قبول نہیں کرتا جو ایسی باتیں کرنے کا عادی ہو جس سے مسلمانوں میں ضعیف پیدا ہوتا ہو اور کوئی ایسا شخص بھی مجاہدین کی صف میں شامل نہیں کیا جائیگا جو غلط خبریں اور افواہیں پھیلانے والا ہو جس سے مجاہدین اور دیگر اہل اسلام میں بددلی پیدا ہوتی ہو۔ اس قسم کے غلط کار لوگ جہاد



سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے خواہ وہ معذوروں کے مذکورہ تین گروہوں سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں۔ گویا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ وہ پوری طرح دین کی سر بلندی سے خواہشمند ہوں۔ اگر وہ یہ شرط پوری نہیں کرتے تو انہیں جہاد سے استثناء حاصل نہیں ہوگا۔ محققین فرماتے ہیں کہ جو لوگ جہاد کی طور پر معذور ہوں ان کا جماعت المسلمین، مجاہدین اور دین اسلام کے حق میں خیر خواہی کی بات کہہ دینا ہی جہاد میں شمولیت کے برابر ہوگا اور یہ ان کا زبانی جہاد تصور ہوگا۔

نیوکار  
لوگ

فرمایا صَاعِلِ الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلِ نَبِيٍّ كَرِهَ وَالْوَلَدِ  
کچھ الزام نہیں ہے۔ جو لوگ اگرچہ جہاد کی طور پر معذور ہیں مگر خیر خواہی کی بات کرتے ہیں اور دین کی تقویت کا باعث بنتے ہیں تو یہ نیوکار لوگ ہیں اور ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ بہت کیونکہ یہ اپنی حیثیت کے مطابق صحیح کام کر رہے ہیں۔

اس حصہ آیت سے امام ابو بکر جصاص نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے دو گھر شخص سے کپڑا مستعار لیتا ہے اور وہ کپڑا ضائع ہو جاتا ہے تو ایسے نمازی پر کوئی الزام نہیں آئے گا کیونکہ یہ نیکی کرنے والا ہے۔ اس نے ایک نیک کام کی ادائیگی کے لیے کپڑا یا کوئی چیز حاصل کی مگر وہ ضائع ہو گئی تو اس آیت کی رو سے نمازی پر فضیلت نہیں آئے گی۔ اس قسم کے واقعہ کے لیے شریعت میں ہلاک اور استہلاک کی دو اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص عاریتہ کوئی چیز لے کر اس کی مناسب حفاظت نہیں کرتا اور وہ چیز ضائع ہو جاتی ہے تو ایسا شخص قابل مؤاخذہ ہوگا۔ اور اگر مقدور بھر حفاظتی اقدامات کے باوجود ایسی چیز ضائع ہو جائے تو لینے والا معذور سمجھا جائے گا اور اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص سواری کا جانور کسی دوسرے شخص سے مانگ

کہ حج کے لیے جاتا ہے۔ اس کا مقصد نیکی ہے اور وہ جانور کی حسب استطاعت  
 حفاظت بھی کرتا ہے۔ اب اگر وہ سواری ضائع ہو جاتی ہے تو حاجی پر اس  
 کا تاوان نہیں ڈالا جائے گا۔ فرمایا وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ  
 بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اگر انسان کی نیت اور ارادہ درست  
 ہے، پھر اس سے کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔  
 آگے جہاد ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ کی طرف  
 اشارہ کیا جس میں بعض مخلص مسلمان سواری نہ ملنے کی وجہ سے جہاد میں شریک  
 نہ ہو سکے۔ چونکہ وہ خلوص دل سے جہاد میں شرکت کرنا چاہتے تھے، اس  
 لیے انہیں محروم ہونے کی وجہ سے بہت صدمہ ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَا  
عَلَى الَّذِينَ إِذْ مَا اتَّوَلَّوْا لِحُبَالِهِمْ ان لوگوں کو بھی کچھ گناہ نہیں ہے  
 جو آپ کے پاس اس لیے آئے کہ ان کو سوار کر دیا جائے یعنی ان کے  
 لیے سواری کا بندوبست کر دیا جائے تاکہ وہ جہاد میں شریک ہو سکیں۔ مگر  
قُلْتُ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ آپ نے کہہ دیا کہ میں نہیں  
 پاتا کوئی چیز جس پر نہیں سوار کر سکوں یعنی اس وقت سواری کا کوئی انتظام نہیں  
 ہے تو ان لوگوں کو جہاد سے رہ جانے کا سخت افسوس ہوا۔ سواری سے محروم  
 وہ کرن لوگ تھے، مختلف روایات آتی ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس  
 آیت کے مصداق حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھی ہیں اور بعض کہتے  
 ہیں کہ یہ آیت بنی مقرن کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام  
 بیضاویؒ اور دوسرے مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ سات آدمی تھے جو حضور علیہ السلام  
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سواریاں فراہم کرنے کی درخواست پیش  
 کی۔ ان کے نام یہ ہیں ۱۔ معقل ابن یسار ۲۔ صخر ابن خضاد ۳۔ عبداللہ ابن  
 کعب ۴۔ سالم ابن عیسر ۵۔ ثعلبہ ابن خنم ۶۔ عبداللہ ابن معقل ۷۔ علی رضی اللہ عنہم  
 بعض روایات میں کچھ مختلف نام بھی آتے ہیں، تاہم یہ سات آدمی تھے

سواری  
 کے  
 طلبکار

جو ہباد سے بچھے رہ جائے کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے۔ تَوَلَّوْا  
اور جب مایوس ہو کر واپس لوٹے تو فطرِ غم سے اُن کی حالت یہ تھی۔

وَاعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَنْ كُنْهُمْ مِنْ اَنْسُو  
بہ سے تھے اور وہ اس وجہ سے غمگین تھے اَلَا يَجِدُوْا مَا يَنْفِقُوْنَ  
کہ وہ نہیں پاتے وہ چیز کہ جس کو خرچ کر سکیں یعنی ان کے پاس مال بھی نہیں  
تھا جو خرچ کر کے سواری کا انتظام کر سکتے یا زادِ راہ لے لیتے لہذا وہ سخت  
غمگین ہوئے۔ اُن نیک بخت لوگوں کے اَنْسُو اللہ کے ہاں اس قدر قیمتی  
ثابت ہوئے کہ اللہ نے اُن کا ذکر قرآن پاک کی آیت کے طور پر کر دیا اور  
یہ آیت ابد الابد تک تلاوت ہوتی رہیگی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ  
بعد میں اُن کے لیے سواری کا انتظام ہو گیا تھا مگر ابتداء میں اُن کے دل پر  
جو صدمہ گزرا اللہ تعالیٰ کو وہ بڑا ہی پسند آیا۔ فرمایا ایسے لوگ بھی اگر جہاد سے  
رہ جائیں تو وہ بھی معذور سمجھے جائیں گے اور ان پر بھی کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

قابلِ مواخذہ  
اغنیاء

اَگے اللہ تعالیٰ نے اُن صاحب استطاعت لوگوں کا ذکر کیا ہے  
جو بلا عذر جہاد میں شرکت سے گریز کرتے ہیں۔ فرمایا اِنَّهُمْ السَّيِّئُ  
عَلَى الَّذِيْنَ كَيْدًا ذُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاءُ الزَّمَانِ اُن لوگوں  
پر ہے یعنی قابلِ مواخذہ وہ آدمی ہیں جو آپ سے رخصت طلب کرتے  
ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں مگر خرچ کرنے والے نہیں چاہتے۔ گذشتہ آیت میں اولوالِ طول  
کا ذکر تھا اب اغنیاء کی بات کی گئی ہے۔ مطلب ایک ہی ہے کہ  
گنہگار وہ لوگ ہیں جو مالدار ہونے کے باوجود جہاد میں شریک نہیں ہونا چاہتے  
رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ یہ اس بات پر خوش ہیں کہ  
گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ بیٹھ رہیں اور انہیں جہاد کی مشقت  
بمداشت نہ کہہ فی پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ  
کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ یہ منافق ہیں اور ابہی معاذ

سے محروم لوگ ہیں فرمایا **فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** ان کو سمجھ ہی نہیں ہے یہ نہیں جانتے کہ جہاد میں شریک نہ ہو کر کس قدر نقصان کا سودا کر رہے ہیں۔ جہاد سے گمراہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیں گے اور پھر انتہی سخت ہوگی اور ان پر زوال آئیگا۔

**غرضیکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے معذور لوگوں کو ایک شرط کے ساتھ جہاد سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور وہ یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں۔** یہ لوگ بھی خیر خواہی کی بات کر کے جہاد میں شریک ہی سمجھے جاتے ہیں۔ جسمانی طور پر معذور ہونے کی بناء پر ان کا نہ بانی جہاد بھی قبول ہے اور اس لحاظ سے کوئی بھی مسلمان جہاد سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی شکل میں جہاد میں شریک ہوتا ہے اور جو اس سے گمراہ کرتا ہے وہ منافقین کی صف میں شامل ہو جاتا ہے جس کے نتائج نہایت خطرناک برآمد ہوں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مزید مذمت بیان فرمائی ہے اور یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ درمیان میں بعض دیگر ضروری باتیں بھی آئیں گی۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ تُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لَتَعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رَجِسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۴﴾ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لَتَرْضُوا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۹۵﴾

ترجمہ :- (اے ایمان والو!) یہ (منافق لوگ) ہانے کریں گے تمہارے سامنے جب تم واپس آؤ گے ان کی طرف رہے پیغمبر! آپ کہہ دیں مت ہانے بناؤ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہیں کریں گے۔ بیشک اللہ نے ہمیں بتا دی ہیں تمہاری خبریں۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا تمہارے عمل کو اور اس کا رسول۔ پھر تم لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف۔ پھر وہ ظاہر کر دیگا تمہارے سامنے وہ باتیں جو تم کیا کرتے

تھے (۹۴) یہ لوگ قسمیں کھائیں گے اللہ کے نام کی تمہارے سامنے جب تم پیٹ کمرے آؤ گے اُن کی طرف تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ پس درگزر کرو ان سے، بیشک یہ ناپاک لوگ ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بدلہ ہوگا اس کا جو یہ کہاتے تھے (۹۵) قسمیں اٹھائیں گے تمہارے سامنے تاکہ تم راضی ہو جاؤ ان سے پس اگر تم راضی ہو جاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راضی ہوتا ان لوگوں سے جو نافرمان ہیں (۹۶)

زجباد  
مازی

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی بائیں وجہ مذمت بیان فرمائی کہ نہ تو وہ خوشی خاطر سے جہاد میں شریک ہوتے ہیں اور نہ مال خرچ کرتے ہیں، انہوں نے غزوہ تبوک پر جانے سے پہلے کچھ جیلے بہانے بنائے حالانکہ وہ یہ سفر اختیار کرنے کے لیے جہانی اور مالی لحاظ سے مضبوط تھے۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے منافقین کے اُن جیلوں بہانوں کا تذکرہ کیا ہے جو وہ غزوہ سے واپسی پُسمکانوں اور پیغمبر اسلام کے سامنے پیش کرنے والے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ یہ لوگ جیلے بنائیں گے اور عذر پیش کریں گے تمہارے سامنے جب تم لوٹ کر ان کے پاس آؤ گے۔ اس آیت کا مصداق سورہ میں پیش آنے والا غزوہ تبوک ہی ہے۔ گرمی کا موسم اور قحط کا زمانہ تھا جب کم از کم تیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر اسلام حضور نبی کریم علیہ السلام کی قیادت میں روانہ ہوا۔ دشمن سے مقابلہ کے لیے ایک ہزار میل کا سفر طے کیا اور راستے میں ٹبری تکالیف برداشت کیں۔ بعض منافقوں نے تو روانہ ہوتے وقت ہی جیلے بہانے کر کے نبی علیہ السلام سے رخصت حاصل کر لی تھی اور بعض ایسے بھی تھے جو خود بخود ہی گھروں میں بیٹھے رہے اور حضور علیہ السلام کی طرف سے قبل از وقت اعلان کے باوجود جہاد کے سفر پر روانہ نہ ہوئے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اہل ایمان کو خبردار کیا گیا ہے کہ جب تم اس جہم سے واپس آؤ گے تو یہ لوگ طرح طرح کے عذر پیش

کہیں گے۔ اور خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

فرمایا جہاد سے واپسی پر جب یہ موقع آئے تو اے پیغمبر! قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا  
 آپ ان سے کہہ دیں کہ جیلے بنانے مت کرو، لَنْ تَوَفُّوْهُمْ كَكُمْ ہم ہرگز  
 تمہاری تصدیق نہیں کریں گے۔ ایمان کا لغوی معنی تصدیق کرنا ہوتا ہے مطلب  
 یہ کہ ہم تمہاری بات کو سچا نہیں سمجھیں گے کیونکہ قَدْ نَبَأْنَا اللّٰهَ مِنْ اٰخِاِرِكُمْ  
 بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے حالات سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ اللہ  
 نے وحی کے ذریعے تمہارے جھوٹ کا پول کھول دیا ہے۔ تم نے اپنے  
 ذہنوں میں جو کچھ جیلہ سازی کی ہے، اللہ نے ہمیں ہر چیز سے باخبر کر دیا ہے  
 وَسَيُكْرِى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ اور عنقریب اللہ تعالیٰ دیکھے گا۔  
 تمہارے تمام اعمال کو اور اس کا رسول بھی۔ اس مقام پر یہ اشکال پیدا ہوتا  
 ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو ازل سے دیکھ رہا ہے اور ہر شے ابد تک  
 اس کی نگاہ میں رہے گی تو عنقریب دیکھنے کا کیا مطلب ہے مفسرین کرام  
 فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں بھی اس قسم کے الفاظ آتے ہیں ان سے  
 ظاہر کہ نامراد ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری کمر توڑ  
 کو ظاہر کر دیگا۔ چنانچہ امام ابن کثیرؒ اس حصہ آیت کا ترجمہ کرتے ہیں -  
 يُظْهِرُ اَعْمَالَكُمْ لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال لوگوں کے  
 سامنے کھول دیگا اور انہیں پتہ چل جائے گا کہ منافقین جھوٹی جیلہ سازی کہ  
 رہے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ ظاہر کر دے گا تو پھر اللہ کا رسول بھی جان لے گا۔  
 فرمایا اس دنیا میں تو اللہ تعالیٰ تمہارا پردہ فاش کر دے گا اور اس کے  
 بعد اگلی منزل آئیگی ثُمَّ تَرَدُّوْنَ اِلَیْهِ عَلَیْهِ الْغِیْبِ وَالشَّہَادَةِ  
 پھر تم لوٹے جاؤ گے اُس ذات کی طرف جو عالم الغیب والشہادۃ  
 ہے۔ مرنے کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہوگا جو ہر  
 ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔ سورۃ سبأ میں آتا ہے لَا یَعْزِبُ عَنْهُ

مَثَقَالَ ذَرَّةٍ اللّٰهُ تَعَالٰی سے ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز غائب نہیں، ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللّٰہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں تو پھر اس کے غائب جاننے کا کیا مطلب ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ پر غیب اور شہادۃ کا اطلاق اضافی طور پر ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں مخلوق کے اعتبار سے مادی یا غیب ہیں، اللّٰہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ مخلوق میں فرشتے جنات، انبیاء اور عام انسان بھی شامل ہیں۔ بعض چیزیں فرشتوں کی نگاہ میں ہیں یا جنوں کے سامنے ہیں مگر ان لوگوں سے مخفی ہیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو ان لوگوں کے بھی سامنے ہیں۔ تو گویا پوری مخلوق کے اعتبار سے جو چیزیں حاضر ہیں یا غائب ہیں وہ سب اللّٰہ کے علم میں ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

فرمایا تمہیں ہر ظاہر و باطن کو جاننے والے خداوند تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا۔ ہے فِیْئِ بِشَکْکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تُعْمَلُوْنَ پھر وہ تمہیں بتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے تمام اچھے اور بُرے اعمال، تمہاری سازشیں اور نفاق تمہارے سامنے ظاہر کر دیا جائے گا اور وہ تم اپنی قیص حکمتوں کا انکار نہیں کر سکے۔ تو بہر حال اللّٰہ تعالیٰ نے یہ بات پہلے ہی سمجھا دی کہ تبوک سے واپسی پر منافق لوگ چلے بہانے کریں گے اور اپنی مجبوری کا اظہار کریں گے مگر اے پیغمبر! آپ اُن سے صاف صاف کہ دیں کہ ہم تمہاری باتوں کا یقین نہیں کرتے۔ اللّٰہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو یہاں بھی ظاہر کر دے گا اور پھر قیامت کے دن تمہارا پورا ریکارڈ لا کر تمہارے سامنے کر دیا جائے گا۔

مَنَافِقُ لَّوْگُوں کے متعلق مزید فرمایا سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ  
اِذَا اَقْبَلْتُمْ اِلَيْهِمْ حُبِّ تَمْ غَزْوِہِ تَبُوْکَ سے اُن کی طرف واپس

درگزر کرنی  
کی خواہش



پٹو گئے تو یہ بتا رہے سأَمْنُ اللّٰہَ کی قسمیں اٹھائیں گے اور تمہیں اپنی مجبوری کا  
یقین دلانے کی کوشش کریں گے۔ لَتَقْرَضُوْا عَنْہُمْ تاکہ تم ان سے  
 درگزر کرو۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ جیسی باعزت ذات کے نام  
 کی قسم اٹھائے گا تو اس کی بات پر یقین لانا پڑے گا۔ منافقین کا یہی مقصد ہے  
 کہ ان کے جھوٹے عذر کو تسلیم کر لیا جائے اور حجاب سے پیچھے رہ جانے کی وجہ  
 سے انہیں مطعون نہ کیا جائے۔ اللہ نے فرمایا کہ قسمیں تو ان کی جھوٹی ہیں  
 مگر پھر بھی فَاعْرِضْہُمْ آپ ان لوگوں سے درگزر ہی کریں  
 ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور کچھ تعرض نہ کرو کیونکہ اِنَّہُمْ رَجَسٌ  
 یہ ناپاک اور گندے لوگ ہیں، ان سے اعراض ہی بہتر ہے۔

لفظ رَجَسٌ ظاہری اور معنوی ہر دو گندگیوں پر بولا جاتا ہے۔ جیسے  
 سورۃ حج میں ہے ”فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ” آپ بتوں کی  
 نجاست سے پرہیز کریں۔ یہ معنوی گندگی ہے۔ اسی طرح پیچھے گزر چکا  
 ہے۔ ”اِنَّہَا الْمُشْرِکُیْنَ کَوْنٌ رِّجْسٌ” یعنی مشرک لوگ ناپاک ہیں۔  
 یہاں بھی ظاہری نجاست مراد نہیں بلکہ شرکیہ عقیدے کی غلاظت مراد  
 ہے۔ رجب کی ظاہر گندگی کی مثال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی روایت ہے  
 حضور علیہ السلام نے استنجایا کر کے لیے تین ڈھیلے طلب فرمائے  
 ابن مسعودؓ کو تین ڈھیلے تو نہ مل سکے، البتہ وہ دو پتھر اور ایک خشک گوبر  
 کا ڈھیلہ لے آئے جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے تو آپ نے  
 دو پتھر لے لیے اور گوبر کو پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ رجب یعنی ناپاک ہے اور  
 ناپاک چیز سے استنجایا پاک نہیں کیا جاسکتا۔ بہر حال منافقوں میں کفر، شرک  
 اور نفاق کی گندگی پائی جاتی ہے، ان کی روح، دل اور دماغ ناپاک ہیں، لہذا  
 اللہ نے ان کو ناپاک فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ظاہری اور  
 باطنی نجاست سے دور رہنے کی تلقین ابتدائی وحی لے کر دی تھی کہ وہ

مَتَّى وَالرَّجْزَ فَاهْجُرْ (المذثر) آپ نجاست سے بچتے رہیں۔

بعض نجاستیں ایسی ہیں جو ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی ہو سکتی ہیں۔

مثلاً کسی کے بدن یا کپڑے پر بول و براز کی نجاست پڑ گئی ہے۔ تو وہ ظاہری گندگی ہے۔ اس کے بخلاف اگر جسم اور لباس تو صاف ستھرا ہے۔ خوشبو

بھی لگائی ہوئی ہے مگر وہ کپڑا حرام کی کھائی سے خریدیا گیا ہے۔ اس میں

سود، رشوت یا دھوکہ دہی کا پیسہ لگا ہوا ہے تو وہ لباس ناپاک ہی رہیگا خواہ

اُسے کتنا بھی دھویا جائے۔ اسی طرح اگر انسان کی خوراک حرام کی کھائی سے

میاں لی گئی ہے تو وہ جسم کتنا بھی صاف ستھرا ہو، معنوی طور پر نجس ہی ہوگا۔ امام

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسان طہارت اختیار کر لے، اپنے رب

کے سامنے اجابت یعنی عاجزی کا اظہار کرے، سماحت کو اپنائے یعنی

خیس چیزوں سے بچتا ہے اور عدالت یعنی عدل و انصاف قائم کرے

تو اس کا مزاج بالکل درست ہے گا۔ اور اگر طہارت کی بجائے نجاست

اجابت کی بجائے تکبر، سماحت کی بجائے برہمی باتوں کو اختیار کرے۔

اور عدالت کی بجائے ظلم و جور کو اپنائے تو ظاہر ہے کہ انسان کا مزاج

فاسد ہو جائیگا اور معنوی طور پر وہ نجاست میں متکس ہو جائے گا۔ اس کی

مثال ایسی ہے کہ گائے بھینس کی خوراک گھاس ہے جب تک کہ وہ گھاس

چرتی رہیں گی ان کا مزاج درست ہے گا، اور اگر (بالفرض) یہ گوشت کھانے لگ

جائیں تو ان کا مزاج بگڑ جائے گا۔ اسی طرح درندوں کی خوراک گوشت ہے

اگر وہ گھاس کھانے لگیں تو ان کا مزاج درست نہیں ہے گا، انسان کا معاملہ

بھی ایسا ہی ہے۔ جب تک وہ حلال اور طیب اشیا استعمال کرے تا رہیگا۔

اس کا مزاج درست رہیگا اور اسے باطنی طہارت حاصل ہے گی اور اگر

اس کی خوراک مالِ حرام بن جائے تو مزاج فاسد ہو جائے گا۔ اور ایسا شخص

معنوی نجاست میں ملوث ہو جائے گا۔

باطنی نجاست  
کا نقصان



کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اس سے جماعت المسلمین کی طہارت بھی مقصود ہے اور ان کو تنبیہ بھی مطلوب ہے کہ کفر، شرک، نفاق اور عقیدے کا فساد انسان کو تباہی کی طرف لے جائے گا اور بالآخر جہنم میں پہنچا کر چھوڑ دیا گیا۔ لہذا اہل ایمان کو بخش لوگوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور توحید کی بات پر راضی ہوتا ہے، وہ اطاعت کرنے پر خوش ہوتا ہے اس کے برخلاف نفاق اور بد اخلاقی سے خوش نہیں ہوتا بلکہ ناراض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو نیکی کی توفیق بھی عطا کرتا ہے مگر وہ اس عطا کردہ استعداد کو ضائع کر دیتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ راضی نہیں ہوتا، لہذا اپنی استعداد کو درست طور پر استعمال کرنا چاہیے اور منافقوں، نافرمانوں، جھوٹے اور ناپاک لوگوں سے درگزر نہ کرنا چاہیے۔

يعتذرون ۱۱

التوبة ۹

درس سی و سہ ۳۳

آیت ۹۷ ۹۹

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا  
 حُدُودَ مَا نَزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ  
 حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ  
 مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۖ عَلَيْهِمُ  
 دَائِرَةُ السَّوْءِ ۖ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ  
 الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ  
 يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتُ  
 الرَّسُولِ ۖ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ  
 اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٩﴾

ترجمہ :- دیہات کے رہنے والے گنوار بہت زیادہ شدید  
 ہیں کفر اور نفاق میں اور زیادہ لائق ہیں وہ کہ نہ جانیں وہ  
 حدود جو اللہ نے نازل کیے ہیں اپنے رسول پر اور اللہ تعالیٰ  
 سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۹۷﴾ اور دیہاتیوں  
 میں سے بعض وہ ہیں جو بناتے ہیں اُس چیز کو جو خرچ  
 کرتے ہیں تادان، اور انتظار کرتے ہیں تمہارے متعلق گردشوں  
 کا، انہی کے اوپر سب سے گہرا غم اور اللہ تعالیٰ سننے والا  
 اور جاننے والا ہے ﴿۹۸﴾ اور جو بعض وہ ہیں جو

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور بناتے ہیں اُس چیز کو جس کو وہ خرچ کرتے ہیں اللہ کے نزدیک قربت کا ذریعہ اور رسول اللہ کی دُعا لینے کا ذریعہ۔ سُنو! بیشک وہ قربت ہے اِن کے لیے۔ غفریب اللہ تعالیٰ اِن کو داخل کرے گا اپنی رحمت میں، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۹۹)

رابطہ آیات

جہاد سے پیچھے رہنے والے منافقین، اُن کے کوائف اور اُن کے انجام کا بیان ہوا ہے بغزوہ تبوک پر روانہ ہونے سے پہلے اور وہاں سے واپس آنے کے بعد منافقین نے جو جملے بہانے بنائے اور اہل ایمان کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی کوشش کی، اللہ نے اس کا ذکر کیا کہ دیکھیں یہ لوگ آپ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے راضی ہو جاؤ۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر تم اُن سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ اُن سے راضی نہیں ہوگا۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں جس طرح شہروں میں منافق لوگ ہتے تھے اسی طرح وہ دیہات میں بھی آباد تھے۔ مدینہ شہر کے منافقوں کا ذکر مختلف انداز سے ہو چکا ہے اور آگے بھی آرہا ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے بعض دیہاتی منافقین کے قبیح کارنامے بیان کر کے اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ البتہ سارے لوگ ایک سے نہیں ہوتے دیہات میں جہاں نفاق و کفر میں شدید تر لوگ ہتے تھے وہاں اچھے اور مخلص مسلمان بھی تھے اللہ نے اُن کی تعریف کی ہے اور اُن کا انجام بھی بیان فرمایا ہے۔

ابتداء میں دیہاتی منافقین کا ذکر ہوتا ہے الْأَعْرَابُ۔ یہ لفظ دیہات میں رہنے والے گنوار یا اُجدِ قِسم کے لوگوں پر بولا جاتا ہے۔ اعراب اسم جمع ہے اور اس کا مفرد عَرَبِیٌّ آتا ہے۔ یہ لفظ عرب میں رہنے والے یعرب ابن قحطان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے افراد پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ لوگ العرب بھی کہلاتے ہیں۔ تو عربی تعریف کا لفظ ہے

اعراب کے معانی

یعنی مکہ عرب کا رہنے والا، عربی زبان بولنے والا شائستہ اور مذہب آدمی۔  
اس کے علاوہ اعرابی میں الف داخل ہونے سے تحقیر کا پہلو بھی نکلتا ہے  
اور اس سے مراد ایسا شخص ہوتا ہے جو دیہات یا بادیرہ کا رہنے والا ہو اور شہر  
ماحول اور تہذیب و تمدن سے دور ہو اس کی جمع اعراب اور اعراب بھی  
آتی ہے اور عربی کی جمع بھی اعراب آتی ہے، تاہم یہاں پر یہ لفظ اعرابی  
کی جمع کے طور پر آیا ہے جس کا معنی دیہاتی، گنوار یا اجہ آدمی ہوتا ہے۔

شہری اور  
دیہاتی میں  
افراز

ارشاد ہوتا ہے **الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَفِئًا** دیہاتی یا گنوار  
زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں شہریوں کی نسبت، وجہ یہ ہے کہ شہری لوگوں  
کو نسبتاً اچھا ماحول میسر آجاتا ہے، ان کو اچھی مجلس اور اس کے نتیجے میں تہذیب  
شائستگی حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے دیہات میں اچھی سوسائٹی اور  
علم و عرفان کی مجالس نصیب نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے وہاں کے لوگ پرانہ  
اور تہذیب و تمدن سے عاری ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ جس ماحول میں عقلی  
جہالت زیادہ ہوگی اتنا ہی وہاں کے لوگوں میں گنوار پن ہوگا، اسی لئے  
حضور علیہ السلام نے دیہات کی زندگی کو پسند نہیں فرمایا۔ **الْبُورُ دُورٌ وَمَدَنِيٌّ قَرِيبٌ**  
کی روایت میں حضور علیہ السلام کی حدیث ہے **لَسْتُ سَكَنَ الْبَادِيَةِ**  
حَقًّا یعنی دیہات میں رہنے والا آدمی اجڑا اور غیر مذہب ہوگا۔ نیز فرمایا  
**مَنْ اتَّبَعَ الصَّيْدَ لَهَى** جو شخص شکار کا پیچھا کرے گا وہ غفلت میں  
پڑ جائیگا۔ شکار کے تعاقب میں اکثر لوگ فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں۔  
**وَمَنْ آتَى سَلَا أُنْثَيْنِ** جو بادشاہ کے پاس جائے گا وہ غصے میں ڈالا  
جائے گا۔ جو بادشاہ کے دروازے پر جائے گا، وہ ضرور بادشاہ کے کہنے پر غلط  
فتویٰ دیگا اور آخر کار کہیں نہ کہیں پھنس کر رہیگا۔

بہر حال حضور علیہ السلام کے ان تین فرامین میں سے ایک یہ ہے کہ جو  
دیہات میں حکومت اختیار کرے گی، وہ قدرتی طور پر سخت مزاج، آنکھڑا اور اجڑا ہوگا

کیونکہ وہ تہذیب و تمدن کی زندگی سے دور ہو گا۔ شر والوں کو تو پھر بھی کبھی نہ کبھی اچھی مجلس، وعظ و نصیحت حاصل کرنے کا موقع مل جاتا ہے مگر دیہاتی عام طور پر محروم رہتے ہیں لہذا وہ زیادہ سنگدل ہوتے ہیں۔ تجربے سے بھی ثابت ہے کہ دیہاتی لوگ عموماً چودھڑا ہٹ کے چکر میں پڑے رہتے ہیں، آپس میں لڑائی جھگڑا، مخالفت، ضد، عناد ان کا معمول ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ یہ کفر و نفاق میں بھی بہت سخت ہیں۔

حدود اللہ  
کی پاسداری

اللہ تعالیٰ نے دیہاتی منافقین کے متعلق فرمایا ہے وَاجْدَرُ  
الَّا يَعْزَمُوا حَدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ اور یہ زیادہ لائق  
ہیں اس بات کے کہ نہ جانیں وہ حدود جنہیں اللہ نے اپنے رسول پر نازل  
فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ علم کی مجال سے دور رہنے والے لوگ جاہل ہی ہوں  
گے لہذا انہیں حدود اللہ کا کیا علم ہو سکتا ہے۔ وہ تو نہیں جان سکتے کہ اللہ  
نے اپنے نبی پر کون سے احکام نازل فرمائے ہیں۔ چونکہ انہیں یہ چیز حاصل  
نہیں اس لیے بہتر ہے کہ وہ ان کو نہ ہی جانیں۔ فرمایا وَاللَّهُ عَلَيْهِ  
حَكِيمٌ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے خدا تعالیٰ  
کا علم تمام انسانی طبقات پر محیط ہے، وہ ہر ایک کی استعداد کو جانتا ہے  
شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اعراب کی طبیعت میں نافرمانی، خود غرضی اور  
جمالت شدید تر ہوتی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی یہ ہوتی ہے کہ  
وہ ان سے مشکل کام نہیں لیتا اور درجے بھی بلند نہیں کرتا ایسے لوگوں سے  
واجبی سی باتیں ہی مطلوب ہوتی ہیں۔ ان میں زیادہ گہری باتیں جاننے کی  
صلاحیت نہیں ہوتی۔ لہذا فرمایا کہ ان کے لیے حدود اللہ سے لاعلمی ہی  
زیادہ بہتر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی سوسائٹی خدا تعالیٰ کا بہت بڑا انعام  
ہے جو شہری لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اچھے لوگوں کی مجلس سے انسان کی

پھی سائی  
کی برکت



اخلاقی تربیت ہوتی ہے، اس کے علم، تقویٰ اور سمجھ میں اضافہ ہوتا ہے اور انسان مذہب بنتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ موجودہ دور میں اچھی سوسائٹی کا حصول بہت مشکل ہو گیا۔ یہ اچھی سوسائٹی کا اثر ہوتا ہے کہ سنگدل انسان بھی تہذیب یافتہ بن جاتے ہیں، اُن کے علم و عرفان میں اضافہ ہوتا ہے اور اُن کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ مار مار ڈیو لک پچھتال انگریز تھا، وہ جاسوسی کے لیے جبری کیا، وہاں اُسے اچھی سوسائٹی حاصل ہو گئی، اُس وقت کے شیخ الاسلام کی مجلس میں سات سال تک بیٹھنے کا موقع ملا تو کایا پلٹ گئی اور مسلمان ہو گیا۔ اُس نے قرآن پاک کا انگریزی میں نہایت اچھا ترجمہ کیا ہے۔ گویا سوسائٹی کے اثر سے عقائد بدل جاتے ہیں، بڑی دور ہو کہ نیکی شامل حال ہو جاتی ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا بھی ملتی ہے **وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ** اے مولا کریم! اپنی مہربانی سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہوں۔ اگرچہ میں خود نیک نہیں ہوں مگر خدا تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بھی نیکی نصیب کر دے۔ نیک لوگوں سے محبت رکھنا اچھی سوسائٹی کی علامت ہے۔ اگر یہ چیز نہیں ہوگی تو معاشرے میں انتشار پیدا ہوگا، بد اخلاقی، بد تہذیبی، عریانی اور فحاشی کا دور دورہ ہوگا۔ جس معاشرے میں یہ چیزیں پائی جائیں گی اُس معاشرے کے لوگ کفر اور نفاق میں شدید تر ہوں گے۔

گمراہی  
کی خواہش

فَرَمَاوَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا  
اور بعض دیہاتی گنوار ایسے ہیں کہ جو چیز خرچ کرتے ہیں اُسے نادان سمجھتے ہیں۔ جہاد یا کسی دوسرے نیکی کے کام میں مال خرچ کرنا پڑے تو انہیں سخت ناگوار گزرتا ہے اور وہ اسے ڈنڈ یا چوٹی سمجھتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت

ہیں آتا ہے کہ آخری دور میں ایسا زمانہ بھی آئے گا جب لوگ زکوٰۃ کو نادان سمجھنے لگیں گے اور اس کی ادائیگی سے گریز کریں گے۔ حالانکہ یہ فرض ہے اور فرض کی ادائیگی سے خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق بخشی ہے پھر فرمایا بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں وَيَكْتُمُ الصَّدَقَاتِ كَمَا كَتَمُوا الْوَيْحَ الْمَلِكُ لے بارے میں گردشوں کا انتظار کرتے ہیں وہ انتظار کر رہے ہیں کہ کب مسلمانوں پر زوال آتا ہے اور یہ نیت و نابود ہوتے ہیں مگر اللہ نے فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَٰؤُلَاءِ فَسَيَمْلِكُوا فِي الْأَرْضِ مومن ہی رہیں گے کیونکہ یہ قاعدہ ہے مَنْ حَفِظَ مَا آتَاهُ اللَّهُ فَقَدْ وَقَعَ بِهِ جُورٌ اِذَا كَانَ مِنْ عَمَلِهِ خُشْيَ اللَّهِ وَتَوَاضَعَهُ رَاقِبَتُهُ اس میں گرتا ہے۔ نیز یہ بھی کہ مَنْ ضَحَّكَ ضَحْكًا جَوْكِيًّا ہنسی اڑاتا ہے، اس کی بھی ہنسی اڑائی جاتی ہے یہ قانون قدرت ہے کہ اوسے کا بدلہ مل کر رہتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ مسلمانوں کے متعلق منافق لوگ بِئْسَ الْأَعْدَىٰ لِمَا يُوعَدُونَ مگر فی الواقع زوال انہی کو آئے گا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے عزت و زلت، کامیابی اور ناکامی سب خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ سچے ایمان والوں کی عزت افزائی کرے گا اور منافقوں کو ذلیل و خوار کر دے گا۔ جس طرح ہر فرقے اور جماعت میں سب لوگ یکساں نہیں ہوتے اسی طرح دیہات کے سارے لوگ بھی گنہگار ہی نہیں ہوتے بلکہ وہاں پر بعض لوگ تہذیب یافتہ، عقلمند اور مخلص مسلمان بھی ہوتے ہیں۔ سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے لَيْسُوا سَوَاءً یعنی سب کے سب برابر نہیں ہوتے۔ یہاں بھی ارشاد ہوتا ہے وَمِنَ الْأَعْرَابِ اور دیہاتیوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ جو اللہ اور قیامت کے دن پر صحیح ایمان رکھتے ہیں۔ وَيَتَّخِذُوا

قریب  
الہی

يَذْفِقُ مِنْ رُبِّهِ سِدْرًا مَلَكًا اور جس چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔  
 اُسے قربت الہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 کا ارشاد ہے کہ میرے عابد کردہ فرشتے کو ادا کرنے والے کو زیادہ سے زیادہ  
 قرب الہی حاصل ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اخلاص کے ساتھ نفلی عبادت  
 بجالاتے ہیں، میری محبت اس طرح اُن کے شامل حال ہو جاتی ہے کہ  
 اُن کے اعضاء و جوارح بھی میری مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں یعنی اُن کے  
 ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور کان وغیرہ میری رضا کے خلاف نہیں چلتے۔

فرمایا کہ اہل ایمان لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو ایک تو تقرب  
 الہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور دوسرے وَصَّ كَوَاتِ الرَّسُولِ اپنے اس عمل  
 کو اللہ کے رسول کی دعاؤں کا ذریعہ بھی جانتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص زکوٰۃ یا  
 صدقات کا مال حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا آپ اس کیلئے  
 دعا کرتے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب ابی اوفیٰ زکوٰۃ لے کر  
 حضور کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ سَلِّ عَلٰی اَبِيْ اَوْفٰی  
 اے اللہ! ابی اوفیٰ کے خاندان پر رحمتِ کاملہ نازل فرما۔ تو فرمایا بعض  
 دہیا ت مخلص اور سچے مسلمان ہیں، وہ اللہ کی وصایت اور قیامت کے  
 دن پر یقین رکھتے ہیں اور جو مال خرچ کرتے ہیں اُسے تقرب الہی اور  
 نبی کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

فرمایا، اَلَا سَمِعُوْا اِنَّہٗ اَقْبَبَہُمْ لَہُمْ بِیْہِمْ یہ چیز اُن کے لیے  
 تقرب الہی کا ذریعہ ہے کیونکہ جو شخص عقیدے کی درستگی اور سچے دل  
 کے ساتھ ایمان لاتا ہے، اُسے اللہ کا قرب حاصل ہو گا اور اللہ کا رسول  
 بھی اُس کے لیے دعائیں کریگا۔ ایسے لوگوں کے متعلق من فرمایا  
 سَمِیْعٌ خَلِیْمٌ اللّٰهُ فِی رَحْمَتِہِ اللّٰہ تعالیٰ ایسے لوگوں  
 کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کریگا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی خاص رحمت

نبی کی  
 دعائیں

فرمائے گا اور نیکی کرنے والے لوگوں سے اگر کوئی چھوٹی موٹی غلطی سرزد بھی ہو جائے گی تو فرمایا اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ عَفُوْنَ رَحِیْمٌ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی موٹی غلطیوں کو دیکھ ہی درگزر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا قرب نصیب کرے گا بہر حال دیہاتی منافقوں کی اللہ نے مذمت بیان فرمائی اور خوش نصیب مخلص مومنوں کی تعریف بھی کی ہے۔

التوبة ۹

يعتذرون ۱۱

آیت ۱۰۰ ۱۰۱

درس سی و چہار ۳۴

وقت پڑھو

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ  
 اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ  
 وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ  
 فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ⑩ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمُ  
 مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ  
 مَرَدُّوا عَلَى النَّفَاقِ لَا يَعْلَمُهُمْ ۖ فَخَنُّ نَعْلَمُهُمْ  
 سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ  
 عَظِيمٍ ⑪

ترجمہ :- اور سبقت کرنے والے سب سے پہلے  
 مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جنہوں نے اُن کا اتباع  
 کیا نیکی کے ساتھ ۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی  
 ہوئے ۔ اور تیار کیے ہیں اللہ نے اُن کے لیے باغات ، جاری  
 ہیں جن کے سامنے نریں ، ہمیشہ بہنے والے ہوں گے ان  
 میں ، یہ ہے کامیابی بڑی ⑩ اور بعض تمہارے ارد گرد دیہاتوں کے  
 بہنے والے لوگ منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ میں سے جو اڑے  
 ہوئے ہیں نفاق پر ۔ آپ ان کو نہیں جانتے ، ہم ان کو جانتے  
 ہیں ۔ ہم ان کو سزا دیں گے دوبار ۔ پھر لوٹائے جائیں گے  
 وہ بڑے عذاب کی طرف ⑪

غزوہ تبوک کے سلسلے میں منافقین کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔  
 گذشتہ درس میں شہری منافقوں کے ساتھ ساتھ دیہاتی منافقوں کی بھی مذمت  
 بیان ہوئی اور فرمایا کہ دیہات میں بعض مخلص مومن بھی رہتے ہیں جن کی  
 اللہ نے تعریف بیان کی اور ان کے انعامات کا ذکر کیا۔ اب آج کی  
 پہلی آیت اپنا الگ مضمون رکھتی ہے اور اس کے بعد پھر منافقین کی  
 مذمت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس درمیانی آیت میں اللہ تعالیٰ  
 نے نیکی میں سبقت کرنے والے مخلص مہاجرین اور انصار کا ذکر کیا ہے  
 اور باقیوں کے لیے انہیں بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ چاہل مقصد یہ ہے کہ  
 اللہ کے راستے میں دین کی اقامت کے لیے اس جماعت کو مرکزیت  
 حاصل ہے۔ باقی لوگ ان کے پیروکار ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ  
 اللہ سے راضی ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے انعامات کا وعدہ  
 کیا ہے۔

اس آیت کے بعد دس مزید آیات چھوڑ کر ایک اور آیت ہے جس  
 کے متعلق مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں آیتیں آپس میں مربوط ہیں  
 اس آیت میں بھی مخلص مومنوں کی تعریف بیان کی گئی ہے اور اس آیت میں بھی  
 اس قسم کا مضمون ہے ان آیات میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جہاد کے لیے  
 دو قسم کی جماعتیں کار کر رہی تھیں۔ پہلی جماعت وہ ہے جو اس آیت میں بیان  
 ہوئی ہے۔ اور اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور دوسری جماعت وہ ہے  
 جس کے اوصاف اگلی آیت میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ دونوں قسم کی جماعتیں  
 مل کر جہاد کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دے سکتی ہیں۔ ان دونوں آیات  
 کے درمیان منافقین ہی کا تذکرہ کر کے مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تلقین کی  
 گئی ہے۔ منافقین وہ لوگ ہیں جو نہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت  
 کرتے ہیں۔ نہ اللہ کے رسول کی اور نہ ہی مسلمانوں کی مرکزی جماعت کی۔

ایسے منافقین اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں رہتے ہیں لہذا ان سے خبردار رہنا چاہیئے اور ان کے جھانے میں نہیں آنا چاہیئے۔

اولین مسافین  
(۱) مہاجرین

یہاں اس آیت میں مرکزی جماعت المسلمین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔  
وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ سَبَّابُونَ  
کرنے والے جو مہاجرین میں سے ہیں، اور مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لیے ہجرت کی۔ یہ حضور علیہ السلام کی قوم کے لوگ قریش تھے اور بعض دوسری اقوام میں سے بھی تھے۔ کچھ آزاد لوگ تھے اور کچھ غلام۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، یہ اولین مہاجرین شمار ہوتے ہیں۔ مکی زندگی میں نبوت کے تیرہ سال حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے بہت تکالیف اٹھائیں مسلمانوں کے لیے یہ پریشان کن زمانہ تھا۔ چونکہ مشرکین کے ظلم و ستم کی وجہ سے مسلمانوں کا دل ہل رہا تھا اور ہوا گیا تھا، اس لیے آپ نے ایک جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا کیونکہ وہاں کا بادشاہ سبغاشی منصف مزاج تھا اور اُمید تھی کہ وہاں اہل ایمان کو خدائے وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئیگی۔ چنانچہ پہلے ایک جماعت حبشہ پہنچی اور پھر دوسری جماعت بھی گئی۔ باقی ماندہ لوگ مکہ ہی میں قریش کی تکالیف برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم آگیا۔ مدینہ طیبہ کو اللہ نے مرکزی اسلام قرار دیا اور حضور علیہ السلام اور بہت سے صحابہؓ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اہل ایمان میں سے یہ اولین مہاجرین ہیں اور یہی مرکزی جماعت ہے۔

(۲) انصار

مرکزی جماعت میں مہاجرین کے علاوہ وَالْآخِرُونَ مِنَ الْأَنْصَارِ مدینہ بھی شامل ہیں۔ یہ بھی اسلام میں داخل ہونے والے اولین لوگوں میں سے ہیں۔ ان میں بھی آگے دو گروہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی ہجرت مدینہ سے تقریباً ڈیڑھ سال قبل سات آدمیوں کی ایک جماعت موسم حج میں مدینہ سے مکہ آئی اور آپ علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اگلے سال پھر موسم حج میں

ستر آدمیوں کی جماعت مدینے سے آئی جنہوں نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ نبی علیہ السلام کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت بھی دی اور یقین دلایا کہ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو ہر طرح کا آرام و آسائش جمیا کیا جائیگا اور دین اسلام کی تبلیغ میں وہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ یہ ستر آدمی نقبا کہلاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ان انصار مدینہ کی دعوت کو قبول فرمایا اور خود ہجرت کرنے سے پہلے بعض مسلمانوں کو مدینہ روانہ کیا جن میں مصعب بن عمیرؓ بھی شامل تھے جو جنگ احد میں شہید ہوئے۔ یہ لوگ مدینہ پہنچ کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے تا آنکہ خود حضور علیہ السلام بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے اس آیت کریمہ میں انہی مہاجرین اور انصار کو سب سے پہلے سبقت کرنے والے کہا گیا ہے۔

اولین دور

مہاجرین اور انصار کا اولین دور کب تک شمار ہوتا ہے اس میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ فتح مکہ تک جو لوگ اسلام میں داخل ہو گئے، خواہ وہ مہاجر تھے یا انصار، سب اولین سبقت کرنے والے ہیں۔ کیونکہ فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہو گئی تھی۔ بعض دوسرے مفسرین صلح حدیبیہ تک کے دور کو اولین دور شمار کرتے ہیں اور بعض دیگر کا خیال ہے کہ اولین سابقین وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام کے پیچھے دونوں قبلوں یعنی بیت المقدس اور بیت اللہ تشریف کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں۔ ظاہر ہے کہ مدینہ پہنچ کر بھی نبی علیہ السلام سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے، لہذا اولین دور ہجرت سے سترہ ماہ بعد تک کا شمار ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں بعض دیگر اقوال بھی ملتے ہیں، تاہم شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ، اور امام بیضاویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ جو لوگ بدر کی لڑائی تک ایمان لا چکے تھے، وہ اولین جماعت المؤمنین شمار ہوتے ہیں کیونکہ جنگ بدر نے کفر کا زور توڑ دیا تھا اور اسلام کے قیام کی توقع پیدا ہو گئی تھی۔ بہر حال یہ مختلف اقوال ہیں جن کے مطابق اولین



جماعت کی تشکیل ہوتی ہے۔ ان میں مہاجرین بھی شامل ہیں جنہوں نے کفار کی اذیتیں برداشت کیں اور پھر گھر بار چھوڑنا پڑا۔ اور اس جماعت میں وہ انصار مدینہ بھی شامل ہیں جنہوں نے مہاجرین کی امداد میں اپنی ہر چیز پیش کر دی۔

فرمایا پسلا دور تو مہاجرین اور انصار کا ہے اور دوسرا دور وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے اولین جماعت کی نیکی کے ساتھ اتباع کی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ دوسرا دور کے لوگوں میں وہ صحابہ کرام شامل ہیں جنہوں نے اولین جماعت کی پیروی کی۔ البتہ بعض دوسرے فرماتے ہیں کہ ان سے مراد تابعین ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کی پیروی کی، ان کے نمونے پھر چلے اور نیکی میں اُن کی اتباع کی۔ وہ سب کے سب اس دوسرے دور کی جماعت میں داخل ہیں۔ فرمایا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ یہ لوگ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہوا، معلوم ہوا کہ مہاجرین اور انصار کی یہ مرکزی جماعت ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا گیا اور یاقین کو ان کے پیچھے چلنے کا حکم ہے کہ وہ نیکی میں اولین جماعت کا اتباع کریں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے ساتھ اپنی رضا کی تصدیق کر دی ہے، لہذا جو لوگ ان کے متعلق بدگمانی کریں گے جیسے بدعتی اور رافضی وغیرہ وہ گمراہ تصور ہوں گے یا منافق سمجھے جائیں گے۔ ایسے لوگ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے مکمل ادوار اور پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال پوری امت مسلمہ کے لیے معیار ہیں۔ چھ سال کے بعد پھر امت میں اختلافات پیدا ہو گئے، بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر اعتراضات کیے اور جھگڑے شروع ہو گئے۔ اگرچہ خلافت راشدہ کا دور حضرت علیؓ کے زمانہ تک کا ہے مگر مرکزی حیثیت خود حضور علیہ السلام کے دور کے

دوسرا دور

بعد حضرت صدیقؓ، حضرت فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی چھ سالوں کو حاصل ہے۔ اس دور میں تمام مسلمان متفق تھے، کوئی فرقہ بندی نہیں تھی، لہذا یہی دور قیامت تک کے لیے نمونہ ہے۔ جس کے مطابق کام کرنا کامیابی کی ضمانت ہے۔ یہی اسلام کی مرکزی کھیلٹی ہے، انہی کے فیصلے باقی لوگوں کے لیے قابل تقلید ہیں۔ بہر حال یہ مہاجرین اور انصار کا گروہ ہے، ان کے بعد آنے والے ان کے نقش قدم پر چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمات کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اعلان فرمایا ہے۔

مخلوق کی  
رضا خاتی پر

اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر رضا کا معاملہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کی خدمات کو قبول فرمایا، دین کے لیے اُن کی سعی بار آور ہوئی اور پھر اللہ نے اُن کو اجر و ثواب بھی عطا کیا۔ البتہ بندوں کا اپنے مالک سے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے دین کے راستے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور قرآن کے پروگرام کو غالب کرنے کے لیے، نیز خدا اور رسول کی محبت میں جتنی بھی تکالیف اٹھائیں اُن کو اپنے لیے راحت جانا، گویا وہ اللہ تعالیٰ سے ہر حالت میں راضی ہو گئے۔ چنانچہ جنگ احد کے واقعہ میں اُس خاتون کا ذکر ملتا ہے جس کا خاوند، باپ، بھائی اور بیٹے شہید ہو گئے تھے۔ جب اُسے ان کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو کہنے لگی مجھے یہ بناؤ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہے؟ پھر جب اُسے بتایا گیا کہ نبی علیہ السلام بخیر و عافیت ہیں تو صحیح روایت کے مطابق اُس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کُلُّهُم بِدَلَّةٍ بَعْدَ ذَلِكَ یعنی اگر حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارک صحیح سلامت ہے تو پھر ہمارے لیے ہر مصیبت اور تکلیف بیچ ہے، ہمیں کسی تکلیف کی کوئی پروا نہیں۔ رَضُوا عَنْهُمْ کا یہی مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر رضا پر راضی ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ ان کے لیے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔

رضی اللہ عنہ کا جملہ صحابہ کرامؓ کے لیے مخصوص ہے یعنی اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ صحابہ کے علاوہ امت کے باقی صاحبین کے لیے رحمہ اللہ کے لفظ استعمال کرنے چاہئیں۔ صحابہ کرامؓ جن کے متعلق اللہ نے اپنی رضا کا اعلان کر دیا ہے اُن پر کتبہ جیتی کرنا یا انہیں تنقیص کا نشانہ بنانا گمراہی کا باعث ہے حتیٰ کہ اگر اُن کے آپس کے جھگڑے تنازعات کو کوئی شخص اچھا سمجھے گا۔ تو وہ بھی گمراہی سے نہیں بچ سکے گا، رافضی خارجی وغیرہ اسی مرکزی جماعت سے بغض رکھنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ صحابہ کا اتباع کرنا چاہیے اور تعریف ہی کہہنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا وَأَعَدَّ لَهُمْ جَدَّتْ جَنَّتِي تَحْتَهَا الْأَنْفُسُ اللَّهِ تَعَالَى نے اُن کے لیے بہشت تیار کر رکھے ہیں جن کے سامنے نرس بہتی ہیں حَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وہ ان میں ہمیشہ رہیں گی ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس سے بڑی کامیابی کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مرکزی جماعت کا ذکر کیا ہے۔ پھر دوسری جماعت کا ذکر دس آیات کے بعد آئے گا اور درمیان میں منافقین کا مزید حال بیان کر کے اُن سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

بعض  
شہری اور  
دیہاتی بچے  
منافع

ارشاد ہوتا ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ اور تمہارے گرد و پیش دیہاتیوں میں سے بعض منافق ہیں وَمِنَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ اور اہل مدینہ میں بھی بعض منافق موجود ہیں مَرَدُّوْاْ عَلٰی الْإِفْاقِ جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا اے پیغمبر! لَا تَعْلَمُهُمْ آپ اُن کو نہیں جانتے فَنَحْنُ نَعْلَمُهُمْ بلکہ ہم انہیں جانتے ہیں۔ سورۃ قاتل میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ان کے چہرے کے نشانات اور بات کرنے سے پہچان لیں گے، مگر بعض ایسے گمراہ منافق بھی ہیں جو ان نشانیوں سے بھی نہیں پہچانے جاتے، لہذا آپ اُن کو نہیں جانتے۔

جب تک کہ وحی الہی کے ذریعے ان کو ظاہر نہ کر دیا جائے، یہاں سے حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے فرما دیا ہے کہ آپ بعض دیہاتی اور شہری منافقوں کو نہیں جانتے، بلکہ صرف ہم ہی انہیں جانتے ہیں۔

منافقین  
کے لیے  
سزا

فرمایا سَعْدِ بَعْثُهُمْ مَرَّتَيْنِ عَنْ قَرِيبٍ ہم ان منافقوں کو دوبار سزا دیں گے۔ بعض فرماتے ہیں مَرَّتَيْنِ کا مطلب صرف دو دفعہ نہیں بلکہ اس سے بار بار مراد ہے اس کی مثال سورۃ ملک میں ”ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَىٰ كَرَّتَيْنِ“ میں ہے۔ یہاں پر نشانات قدرت کی طرف بار بار نگاہ کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو ان کے نفاق اور دوسری بد اعمالیوں کی بدولت بار بار سزا دے گا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منافقین کو ایک سزا نفاق کی وجہ سے ملے گی اور دوسری ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے، یا پھر یہ بھی کہ سب سے پہلے انہیں ایک سزا اس دنیا میں ذلت و رسوائی کی صورت میں ملے گی اور دوسری سزا عالم برزخ میں۔ اس دنیا میں بھی منافقین کو بڑے بڑے حوادث پیش آئیں گے روایت میں آتا ہے کہ بعض کے جمہول پر ایسے ہلکے پھوڑے نکلے کہ ان کی وجہ سے مر گئے۔ یہ ایسے پھوڑے تھے جو سینے پر نکلے تھے تو ان کی جلن پشت پر محسوس ہوتی تھی۔ بعض اندھے ہو گئے اور بعض دیگر مصائب میں مبتلا ہوئے۔ اور پھر مرنے کے بعد برزخی زندگی میں ان کے لیے دوسری سزا شروع ہو جائے گی جن میں قبر کا عذاب قابل ذکر ہے۔

فرمایا تَحَّ يُرَدُّونَ اِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ پھر لوٹے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف۔ اس دنیا اور برزخ کے بعد تیسرا عذاب آخرت کا ہو گا اور یہ سب سے بڑا اور ہمیشہ سننے والا ہو گا۔ جس میں یہ منافقین مبتلا ہوں گے۔ اسی لیے ایسی جماعت سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ان کے

مزید حالات بھی آگے بیان ہو رہے ہیں۔ پھر دس آیات کے بعد مومنین کی دوسری جماعت کا ذکر ہو گا۔ یہ وہی جماعت ہے جو جہاد کے ذریعے اللہ کا دین بلند کرنا چاہتی ہے۔ اللہ نے ان کے اوصاف اور ان کے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔

---

وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا  
 وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنْ  
 اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ①۰۲ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً  
 تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيَهُمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ  
 صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ①۰۳  
 أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ  
 وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ①۰۴  
 وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ  
 وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ  
 فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ①۰۵ وَآخِرُونَ  
 مُرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ  
 عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ①۰۶

ترجمہ :- اور بعض دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اقرار  
 کیا ہے اپنے گناہوں کا ۔ انہوں نے ملایا ہے نیک عمل اور  
 کچھ دوسرا برا ۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کئے  
 گا، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت  
 ہی مہربان ہے ①۰۲ (اے پیغمبر! آپ لے لیں ان کے

مالوں میں سے صدقہ، پاک کردیں ان کو اور تزکیہ کریں ان کا اس (صدقے) کے ساتھ اور دُعا کریں ان کے لیے بیشک آپ کی دُعا ان کے لیے باعثِ تکمیل ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے (۱۰۳) کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں سے اور قبول کرتا ہے صدقات۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے (۱۰۴) اور (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے (اے لوگو!) عمل کرو! پس عنقریب اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا تمہارے اعمال کو اور اس کا رسول بھی اور مومن بھی۔ اور تم لوٹائے جاؤ گے اُس ذات کی طرف جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پس وہ بتلا دے گا تم کو جو کام تم کیا کرتے تھے (۱۰۵) اور بعضے لوگ وہ ہیں جو مؤخر کیے گئے ہیں اللہ کے حکم سے پھر یا تو اللہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے (۱۰۶)

گزشتہ آیات میں اللہ نے غزوہ تبوک اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا ربطِ آیات اور جہاد سے گریز کرنے والے منافقین کی شدید مذمت بیان فرمائی منافقین کی کوتاہیوں غلطیوں اور سازشوں کا حال بیان فرمایا۔ پھر دیہاتی منافقوں اور دیہاتی مومنوں کا تذکرہ کیا اللہ نے جہاد کے لیے سرکشی جماعت کا ذکر بھی کیا جو کہ پوری امت کے لیے معیار ہے اور جس کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے۔ یہ پہلی جماعت کا ذکر تھا۔ اس سلسلے کی دوسری جماعت کا ذکر آگے آئیگا۔ اللہ نے منافقین کا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ مشرک کی طرح دیہات میں بھی منافقین موجود ہیں جو نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کا حال آپ نہیں جانتے بلکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں۔ پھر فرمایا

کہ یہ لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہم انہیں دنیا اور بزرخ میں دوسرے  
منزادیں گے اور آخرت کا تیسرا عذاب تو بڑا دردناک ہے۔ اللہ نے ایسے  
موزی لوگوں سے بچنے کی تلقین کی اور ان کی دوستی سے منع فرمادیا۔ اب  
آج کے درس میں دوسرے گروہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایماندار  
ہیں مگر ان سے کوتاہی اور غلطی سرزد ہوئی ہے۔ سب سے بڑی غلطی یہ تھی جو غزوہ  
تبوک میں شریک نہ ہو سکے حالانکہ یہ اللہ کا حکم تھا اور اللہ کے نبی نے اس  
کے لیے قبل از وقت اعلان فرمادیا تھا۔ آج ایسے خطاکاروں کا حال بیان  
ہو رہا ہے۔

مخلص  
خطاکار  
مسلمان

ارشاد ہوتا ہے وَ الْآخِرُونَ اَنْ تَرْفُوا بِذُنُوبِهِمْ اور بعض  
دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے۔ پہلے خالص منافقوں  
کا ذکر ہو رہا تھا۔ جو جہاد میں شریک بھی نہ ہوئے اور جھوٹے حیلے بہانے بنا  
کر بچ گئے۔ اور اب دوسرے گروہ ان مخلص مسلمانوں کا ہے جو اپنی کوتاہی  
اور سستی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے اور انہوں نے کوئی حیلہ بہانہ  
بھی نہیں بنایا بلکہ اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کر لیا کہ ان سے یہ کوتاہی ہوئی ہے  
اب اس جماعت کے پھر دو گروہ ہیں جن میں سے ایک کا تذکرہ ہو رہا ہے اور  
دوسری جماعت کا حال آگے آئیگا۔ تو بہر حال یہ پہلی جماعت المسلمین جو غزوہ تبوک  
میں شامل نہیں ہو سکی اس میں ابو لبابہ رضی اللہ عنہ، عبد المذکر، اور اس کے ساتھی  
شامل ہیں جن کی تعداد پانچ، چھ، سات یا نو بتائی جاتی ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ  
دس آدمی تھے تاہم سات کی تعداد زیادہ مشہور ہے۔ حضور علیہ السلام ان لوگوں  
کی جہاد میں عدم شرکت کی وجہ سے ناراض تھے اور یہ لوگ اپنی کوتاہی پر خود  
بھی نادم تھے۔ جب نبی علیہ السلام کی واپسی کی خبر آئی تو ان لوگوں نے آپ  
کے واپس پہنچنے سے پہلے ہی سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے  
ساتھ باندھ دیا۔ ان کا خیال تھا کہ جب حضور علیہ السلام واپس پہنچ کر انہیں اس حال



میں دیکھیں گے تو معاف فرما کر انہیں کھلوا دیں گے۔ ابولبابہؓ نے قسم اٹھائی کہ جب تک اللہ کا رسول انہیں نہیں کھولے گا، وہ از خود آزاد نہیں ہوں گے، خواہ ہمیں ہلاک ہو جائیں۔ چنانچہ ان لوگوں کو نماز کی ادائیگی کے لیے ستونوں سے کھول دیا جاتا اور نماز ادا کرنے کے بعد پھر باندھ دیا جاتا۔

یہ لوگ انصارِ مدینہ کے معززین میں سے تھے۔ جب حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے اور ان لوگوں کو اس حال میں دیکھا تو فرمایا، بخدا میں از خود ان کو نہیں کھولوں گا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ آجائے۔ اس کے بعد اللہ نے مہربانی فرما کر یہ آیت نازل فرمائی۔ اس میں ان کی توبہ کی قبولیت کا اشارہ موجود تھا لہذا آپ علیہ السلام نے انہیں اپنے دستِ مبارک سے آزاد کر دیا۔

اعترافِ جرم  
اور معافی

فرمایا کہ بعض ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور جرم یہ تھا خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا کہ انہوں نے نیک اور بُرے اعمال کو ملا دیا۔ وہ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے تھے اور نیکی کے دوسرے کام بھی انجام دیتے تھے، مگر جہاد سے پیچھے رہ کر انہوں نے ان اچھے کاموں میں برائی کو بھی داخل کر دیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اُن پر مہربانی فرمائی اور فرمایا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے لے گا کیونکہ إِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور ارحم مہربان ہے اس سے یہ اشارہ مل گیا کہ اپنی کوتاہی کے اقرار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں اپنے ہاتھ سے کھول کر آزاد کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اچھے اور بُرے دونوں طرح کے کام کرتے ہیں اُن کے متعلق بارگاہِ رب العزت سے یہی اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ ان کے اچھے اعمال کو قبول فرمائے گا اور بُرے اعمال کو معاف کر دے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں بخاری شریف میں حضور علیہ السلام کی حدیث موجود ہے آپ نے فرمایا اَنَا نَبِيُّ الْكَیْلَةِ اَتیانِ یعنی رات کو خواب میں میرے پاس دو آنے والے آئے۔ یہ اللہ کے فرشتے تھے، انہوں نے مجھے خواب سے بیدار کیا اور اپنے ساتھ لے چلے۔ ہم ایک شہر میں پہنچے جہاں تعمیر میں ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی استعمال کی گئی تھی۔ وہاں ہم نے بعض لوگ دیکھے جن کا آدھا جسم نہایت خوبصورت اور آدھا حصہ بالکل بدصورت تھا۔ میرے ساتھ والے فرشتوں نے ان لوگوں کو کہا کہ اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔ جب وہ نہا کر واپس آئے تو ان کی بدصورتی دُور ہو چکی تھی اور سارا جسم خوبصورت بن چکا تھا۔ ان دو شخصوں نے حضور علیہ السلام کو بتایا کہ جہنم ہے۔ اور آپ کا مقام یہیں ہے۔ فرشتوں نے یہ بھی بتایا کہ جن لوگوں کو نہر میں غسل دیا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں نیک و بد دونوں قسم کے کام انجام دیے۔ ان کے نیک کاموں کا اثر یہ ہوا کہ ان کے آدھے جسم نہایت خوبصورت اور توانا ہو گئے اور بُرے اعمال کی وجہ سے باقی آدھے جسم قبیح صورت ہوئے۔ اب اللہ نے انہیں معاف کر دیا اور نہر میں نہانے کے بعد وہ پاک ہو گئے ہیں۔ یہ اسی آیت کی تفسیر ہے جس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ نیکی اور بُرائی دونوں قسم کے اعمال انجام دینے والوں کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت معاف فرمادے گا۔

جب ابولبابہؓ اور ان کے ساتھیوں کو معافی مل گئی تو انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے مالوں کی وجہ سے ہم پر ابتلا آئی ہے، ہم اس میں سے کچھ حصہ صدقہ کما چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیگیا۔ تم اپنے مال اپنے پاس ہی رکھو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُ الْبَالُومَ آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیں۔ مولانا شیخ الحدادؒ اس سے زکوٰۃ مراد لیتے ہیں کہ ان لوگوں سے

صدقہ کی قبولیت

زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم ہوا تھا، تاہم دیگر مفسرین اُسے عام صدقات پر محمول کرتے ہیں۔ گویا ہر قسم کا صدقہ واجب انقلی وغیرہ وصول کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ صدقہ کہ صدقہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ایماندار کی صدقات کی نشانی ہوتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ان سے صدقہ لے لیں تُطَهَّرُ بِهِ وَتَزَكَّيْهِ۔ بھانا کہ اس صدقہ کے ذریعے آپ ان کو پاک کر دیں اور ان کا تزکیہ کر دیں۔ یعنی ظاہری طور پر بھی ان کی تطہیر ہو جائے اور ان کا باطن بھی پاک ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں ان کا جسم بھی پاک ہو جائے اور مال بھی پاک ہو جائے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَصَلِّ عَلَيْهِ آپ ان کے لیے دُعا بھی کریں مفسرین کہہ رہے ہیں کہ گناہوں کی معافی تو پہلے ہی ہو چکی تھی جب پہلی آیت میں إِنَّ اللَّهَ شَفِيعٌ رَّحِيمٌ آگیا۔ تاہم صدقہ لینے کی وجہ سے جو کہ ورت وغیرہ کے اثرات باقی تھے وہ بھی اللہ نے معاف کر دیے۔ حدیث شریف میں آتا ہے إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتَدْفَعُ عَصَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ الشُّوْءِ یعنی صدقہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور بری موت کو مٹاتا ہے توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور صدقہ کرنے سے یہی سہی کہ ورت اور میل بھی صاف ہو جاتی ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ آپ ان سے توبہ قبول کر لیں تاکہ ان کی ظاہری اور باطنی طہارت ہو جائے۔ فرمایا آپ ان کے لیے دُعا بھی کریں، کیونکہ إِنْ صَلَّوْاكَ سَكُنَ لَٰهُمُ آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہوگی۔ ویسے بھی جو شخص زکوٰۃ کا مال حضور کی خدمت میں پیش کرتا، آپ اُس کے لیے دُعا فرماتے۔ بہر حال حضور علیہ السلام کی دُعا تو ہر شخص کے لیے ہے اور جس کے حق میں ہوگی، اس کے لیے تسکین کا باعث ہوگی۔ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے فرمایا لَا يَكْمُؤُاْ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ وَ

يَا خُذْ الصَّدَقَاتِ اور ان سے صدقات بھی قبول کر لے وَأَنَّ  
اللَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ بیشک اللہ ہی تو بہ قبول کرنے والا  
اور مہربان ہے۔

اعمال کا  
محاسبہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے پیغمبر! وَقُلْ اعْمَلُوا آپ ان سے  
کہ دیں کہ عمل کرو فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ پس غمگین اللہ تمہارے  
عمل کو دیکھ لے گا یعنی اس کو ظاہر کر دے گا، اور پھر وَرَسُولُهُ اُس کے  
رسول کو بھی تمہارے اعمال کا علم ہو جائے گا، اس سے اُمید پیدا ہوگی کہ  
تم آئندہ ایسی غلطی نہیں کرو گے۔ پھر اس کا علم وَالْمُؤْمِنُونَ عام مؤمنین  
کو بھی ہو جائے گا کہ تم نے سچے دل سے توبہ کی جو اللہ نے قبول فرمائی ہے  
اور آئندہ کے لیے تم محتاط ہو جاؤ گے۔ فرمایا اس بات کا آخری نتیجہ یہ  
ہوگا۔ وَسَتَرُدُّونَ إِلَيْهِ الْعِثَابَ وَالشَّهَادَةَ ثم غمگین  
اُس ذات کی طرف لوٹنے جاؤ گے جو عظیم کل ہے۔ غائب اور حاضر  
کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ تم سب اُسی کے دربار میں پیش ہو گے  
فَيَبْلُغُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ پھر وہ تمہارے کردہ تمام  
اعمال تمہارے سامنے رکھ دے گا اور بتا دے گا کہ تم دنیا میں یہ کچھ کرتے  
ہے ہو۔ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی آتا ہے إِنَّمَا  
هِيَ أَعْمَالُكُمْ أَحْصَيْتُهَا لَكُمْ اے ابن آدم! یہ ہیں تمہارے  
اعمال جن کو میں نے شمار کر رکھا ہے۔ اگر یہ اعمال اچھے ہیں تو اللہ تعالیٰ  
کا شکر ادا کرو اور اگر یہ بُرے ہیں تو اپنے آپ کو ملامت کرو۔ یہ تمہارے  
ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ بہر حال یہ اُس گمراہ کا حال بیان ہوا ہے جو  
مسلمان تھے مگر ان سے کوتاہی سرزد ہوئی۔

ان سات یا دس آدمیوں کی جماعت کے علاوہ تین آدمیوں کا ایک  
دوسرا گروہ بھی تھا۔ ان کی غلطی بھی یہی تھی کہ محض سستی کی وجہ سے غمزدہ ہو کر

دوسرا  
گروہ

سے پیچھے رہ گئے، وگرنہ ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں تھا۔ پہلے گمروہ کو تو اللہ نے معافی دیدی مگر اس دوسرے گمروہ کے متعلق فرمایا وَآخِرُونَ مَرَجُونَ لَأُمَرِ الْمَلِكِ کچھ اور لوگ بھی ہیں جن کو اللہ کے حکم سے مؤخر کیا گیا۔ یہ بھی عظیم المرتبت لوگ تھے۔ ان کے نام کعب ابن مالکؓ، ہلال ابن امیہؓ اور مرارہ ابن ریثؓ تھے۔ جب لشکر اسلام تبوک کی طرف روانہ ہو گیا تو یہ بھی آجکل کمرے تھے۔ کعبؓ کہتے تھے میرے پاس دو سواریاں ہیں میں جلد ہی قافلے سے جا ملوں گا۔ اسی سوچ بچار میں ایک ماہ گزر گیا، اور حضور علیہ السلام کی واپسی کی خبریں آنے لگیں۔ اس پر یہ لوگ سخت پریشان ہوئے اور منرا کے طور پر اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فیصلہ مؤخر کر دیا حتیٰ کہ یہ سچاس روز تک اس مصیبت میں مبتلا رہے انہوں نے سخت ذہنی تکلیف اٹھائی۔ تمام مسلمانوں نے ان کا بالیکاٹ کر دیا حتیٰ کہ بیویاں بھی علیحدہ ہو گئیں۔ ان کے متعلق فرمایا إِنَّمَا يَعِدُّ لَكُمْ وَأَمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ یا تو ان کو سزا دیگا یا پھر ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ آخر سچاس روز کے بعد اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔ یہاں پر اس گمروہ کا اشارتاؤ مذکور آیا ہے، اگلی آیات میں ان کی تفصیل آئے گی۔ فرمایا وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ يَكْفُرُ اللَّهُ تَعَالَى سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ ہر شخص کی استعداد کو جانتا ہے اور پھر اپنی حکمت کے مطابق اس کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے۔

يعتذرون ۱۱

التوبة ۹

درس پیش ۳۶

آیت ۱۰ تا ۱۱

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ  
 الْمُؤْمِنِينَ وَارْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ  
 قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ  
 أَنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠﴾ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لِمَسْجِدٍ  
 أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ  
 تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ  
 يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿١١﴾ أَفَمَنْ أُسِّسَ بُنْيَانُهُ عَلَى  
 تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أُسِّسَ  
 بُنْيَانُهُ عَلَى شَفَا جُرْفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ  
 جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٢﴾ لَا  
 يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ  
 إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٣﴾

۱۳

ترجمہ :- اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد ضارہ

(ضرر پہنچانے کے لیے) اور کفر کرنے کے لیے اور ایمان والوں

کے درمیان تفریق ڈالنے کے لیے اور گھات لگانے کیلئے

اس شخص کے واسطے جس نے اللہ اور اس کے رسول کے حق

لڑائی کی ہے اس سے پہلے۔ اور البتہ یہ لوگ تمہیں اٹھائیں گے

کہ ہم نے نہیں ارادہ کیا مگر نیکی کا۔ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں (۱۷) آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی بھی۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دین سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ زیادہ ممتاز ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں پاک ہونے کو اور اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے طہارت حاصل کرنے والوں کو (۱۸) بھلا وہ شخص کہ جس نے بنیاد رکھی ہے اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ پر اور خوشنودی پر، وہ بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی ہے اپنی عمارت کی ایک کھائی کے کنارے پر جو گمراہ والی ہے، پھر وہ اس کو لے کر گمراہی جہنم کی آگ میں اور اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا ان لوگوں کی جو ظلم کرنے والے ہیں (۱۹) ہمیشہ رہیگی ان کی عمارت جو انہوں نے تعمیر کی تھی تردد اور کھٹکا ان کے دلوں میں مگر یہ ہے کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے (۱۱۰)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کا حال ذکر کیا تھا جو کوتاہی اور ربط آیات سستی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ ان میں سے ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔ انہوں نے اعتراف گناہ کر کے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرما کر ان کی معافی کا اعلان کر دیا۔ تین آدمیوں کے دوسرے گروہ پر کڑی آزمائش تھی لہذا ان کا معاملہ اللہ نے مؤخر کر دیا، یہاں پر بھی ان کا بیان بعد میں آئیگا۔ اب آج کی آیات میں بھی یکے منافیہ ہیں کا ذکر ہو رہا ہے، جن کے دل میں ایمان نہیں تھا، اور وہ طرح طرح کی سازشیں کر کے اہل ایمان

کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ ایسے ہی منافقوں نے مدینہ میں ایک خاص سازش تیار کی مگر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے اس کو ظاہر فرمایا اور مسلمانوں کو اس کے نقصان سے بچالیا

الوعار  
راہب

مدینہ کا ایک آدمی الوعار راہب بڑا معزز آدمی تھا، پہلے اس نے یہودیت اختیار کی پھر عیسائی ہوا۔ بڑا عابد، زاہد آدمی تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا جب حضور علیہ السلام مدینہ تشریف لے آئے تو اس شخص نے اسلام قبول نہ کیا بلکہ عیسائیت پر اڑا رہا۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دریافت کیا حضور! آپ کیا چیز پیش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں ملت حنیفیہ کو پیش کرتا ہوں۔ الوعار کہنے لگا کہ میں تو پہلے ہی اس ملت پر ہوں لہذا مجھے آپکا اتباع کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ شخص ملتِ ابراہیمی پر قطعاً نہیں تھا بلکہ اس ملت کی گجڑی ہوئی شکل عیسائیت کا پیروکار تھا۔ اُس نے حضور علیہ السلام کے متعلق سخت قسم کے الفاظ استعمال کئے اور دُعا کی کہ ہم میں سے جو آدمی جھوٹا ہے اللہ اسے غریب الوطنی اور بے کسی کی حالت میں ہلاک کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُعا پر آمین کہا۔ یہ شخص مشرکوں کے ساتھ مل کر اسلام اور اہل اسلام کی کھلی مخالفت کرتا تھا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جنگِ احد کے موقع پر اس شخص نے دونوں شکمہ ول کے درمیان بہت سے گڑھے کھدوائے تھے تاکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جاسکے۔ انہی گڑھوں میں سے ایک گڑھ میں خود حضور نبی کریم علیہ السلام بھی دورانِ جنگ گمے گئے تھے اور آپ کو سخت چوڑیں آئی تھیں۔ بعد میں جنگِ خندق کے موقع پر بھی اس نے مشرکین کی مدد کی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا حتیٰ کہ جنگِ حنین تک یہ شخص مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتا رہا۔ پھر جب یہ اپنے تمام منصوبوں میں ناکام ہو گیا، مشرکوں کے خلاف مسلمانوں کا پلہ بھاری ہوتا



چلا گیا تو شخص بھاگ کر ملک شام چلا گیا۔ جاتے وقت کہ گیا کہ میں رومی بار شاہوں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک بڑا لشکر لے کر آؤں گا۔ اور انہیں شکست فاش دوں گا۔

مسجد ضرار  
کی سازش

ابو عامر نے مدینہ کے منافقین سے ساز باز کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ بنی سالم کے محلہ میں مسجد قبا کے علاوہ ایک اور مسجد تعمیر کریں جسے منافقین تخریب کے لیے اڑے کے طور پر استعمال کر سکیں۔ ابو عامر کا خیال تھا کہ وہ خود یا اس کا کوئی آدمی باہر سے آئے گا تو مسجد میں ہی ٹھہر کر پیغام رسانی کا کام کرے گا۔ اور کسی کو اس قسم کی سازش کا علم نہیں ہو سکے گا۔ لوگ سمجھیں گے کہ کوئی مسافر ہے اور عبادت و ریاضت کے لیے مسجد میں مقیم ہے۔ جب یہ مسجد تیار ہو گئی تو منافقین حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ موجودہ مسجد قبا ہم سے دور ہے۔ بارش، تاریکی اور طوفان وغیرہ میں ہم وہاں نہیں پہنچ سکتے، اس لیے ہم نے اپنے محلہ میں ایک اور مسجد تیار کی ہے، آپ سے درخواست ہے کہ آپ وہاں چل کر نماز ادا کریں تاکہ ہمیں خیر و برکت حاصل ہو۔ چونکہ اُن ایام میں حضور علیہ السلام غزوہ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے لہذا آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو میں فارغ نہیں ہوں تبوک سے واپسی پر انشاء اللہ تمہارے ہاں آؤں گا۔ مگر واپس مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس سازش کو بے نقاب کر دیا۔ اللہ نے آیات نازل فرما کر ظاہر کر دیا کہ یہ نام نہاد مسجد اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس سے مقصود کفر کا فروغ اور مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنا ہے۔ جب کچھ مسلمان مسجد قبا میں نہیں جا سکیں گے تو ان کا رابطہ مخلص مسلمانوں سے کٹ جائیگا اور وہ دین کی تعلیمات سے کما حقہ استفادہ نہیں کر سکیں گے اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا ہونے کا احتمال ہوگا۔

یاد رہے کہ مسجد قبا اسلام کی اولین مسجد ہے جب حضور علیہ السلام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے تو بنی سالم کے محلہ میں آپ نے چودہ دن تک قیام فرمایا تھا اور اسی دوران اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ احادیث میں اس مسجد کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص انیس کے ساتھ مسجد قبا میں ایک نماز ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے ایک عمرے کا ثواب عطا کرے گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام خود ہفتے میں دو بار کبھی پیدل اور کبھی سوار اس مسجد میں تشریف لاتے اور نماز ادا کرتے۔

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَهَلَكًا جنہوں نے بنائی ہے مسجد ضرار یعنی ضرر یا تکلیف پہنچانے کے لیے۔ حقیقت میں مسجد تو اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت اور اعتکاف کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے مگر منافقین نے جو مسجد ایک سازش کے تحت تیار کی تھی اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانا مقصود تھا۔ وَكُفِّرُوا اس مسجد کی آڑ میں وہ کھنکریاں بکھری گئی تھیں اور اسلام کو مغلوب کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک مقصد یہ بھی تھا وَتَفَرِّقُوا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ کہ مومنوں کے درمیان تفریق ڈال دی جائے۔ یہ مختلف گروہوں میں بٹ جائیں، کچھ ایک مسجد میں جائیں، کچھ دوسری میں اور اس طرح ان کا آپس میں رابطہ کٹ جائے اور یہ آسانی سے منافقین کی سازشوں کا شکار ہو سکیں۔ ابو عامر کی سکیم کے مطابق اس مسجد کو سازش کا اڈا بنانا مقصود تھا وَلَا رِصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ یعنی جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ پہلے ہی لڑتا رہا ہے اس کے لیے یہ مسجد کھنکھاہٹ کا کام نہ دے سکے۔ وہ خود یا اس کے آلہ کار آدمی یہاں بکھڑ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بنا سکیں۔ اس سے مراد وہی ابو عامر راہب ہے جو شام کی طرف جاتے وقت یہ ساری سکیم بنا گیا تھا حقیقت یہ ہے کہ اس نظر بے کے تحت تیار کی گئی مسجد مسجد کھلانے کی ممتحن ہی نہیں بلکہ

اُس کے لیے تو کفر گڑھ کا نام زیادہ سموزوں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ابو عامر جس قدر دشمن اسلام تھا، اس کا بیٹا حضرت خظلمہؓ اسی قدر پکا مسلمان تھا۔ یہ وہی حضرت خظلمہؓ ہیں جنہیں غیل لائیکہ کا لقب حاصل ہوا۔ جنگ اُحد کا موقع تھا۔ جب جنگ کا ہجوم زیادہ ہوا تو یہ صحابی رسولؐ فراگھر سے ہتھیار پہن کر نکلا، جہاد میں شامل ہوا اور شہید ہو گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے زمین اور آسمان کے درمیان دیکھا ہے کہ فرشتے حضرت خظلمہؓ کو غسل دے رہے ہیں۔ بعد میں آپؐ کی بیوی نے اس بات کی تصدیق کی کہ انہیں غسل کی حاجت تھی مگر جلدی میں بغیر غسل کیے ہی جنگ میں شریک ہو گئے اور شہادت پائی۔ بہر حال اس کے باپ دشمن دین ابو عامر کو اس کی اپنی بد دعا لگی اور وہ دیار غیر میں بے کسی کی حالت میں مرا۔ جب غزوہ تبوک برپا تھا تو یہ شخص اس وقت ملک شام میں تھا اور وہیں غریب الوطنی میں نہایت بے کسی کی حالت میں اسے موت آئی۔

فرمایا کہ منافقین نے مسجد تو غلط مقصد کے لیے بنائی ہے مگر وَ لِيُخْلِفُنَّ إِنْ أُوذُوا أَلَّا يَحْسَبُوا يَحْسَبُنَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۚ (سورہ اہزاب ۲۶)۔ ہم چاہتے ہیں کہ بارش وغیرہ میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور وہ آسانی سے یہیں نماز ادا کر لیا کریں۔ اللہ نے فرمایا وَاللّٰهُ يَكْشِفُ عَنْهُمْ كَذِبُهُمْ ۚ كَذِبُكَوْنِ اللّٰهُ تَعَالٰی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ان کی بات پر یقین نہیں کرنا۔ یہ زبان سے کچھ کہتے ہیں اور دل میں کچھ اور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا، لَا تَقْصُوفِيْهِ اَبَدًا کہ آپؐ اس مسجد ضرار میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ یہ منافق لوگ آپؐ کو دہاں نماز پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ مگر وہاں جانا ہرگز آپؐ کے شایان شان نہیں ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس مسجد کو جلا دیا جائے اور گرا دیا جائے، چنانچہ صحابہؓ گئے اور اس

حکم کی تعمیل کر ڈالی۔

تعمیر مسجد  
کا مقصد

اس آیت سے متبادر ہوتا ہے کہ مساجد کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کے لیے ہی ہو سکتی ہے۔ جو مسجد ریاکاری یا کسی غلط مقصد کے لیے تعمیر کی جائیگی وہ بظاہر تو مسجد ہی ہوگی مگر حقیقت میں کچھ اور ہی ہوگی۔ لاگت بازی، ریاکاری اور محض چوہ رابست کے لیے تیار کی جانے والی مسجد کو مسجدِ ضرار کا نام ہی دیا جاسکتا ہے اور یہ حقیقت میں نقصان کا باعث ہوگی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو موجودہ زمانے میں بہت سی مسجدیں اسی حکم میں آتی ہیں۔ اسی طرح ہر چھوٹی بڑی مسجد میں نماز جمعہ کا اہتمام اسلام کی ترقی کے لیے نہیں بلکہ یہ اسلام کے زوال کی علامت ہے۔ نماز جمعہ کا اجتماع تو مسلمانوں کی اجتماعیت کا ذریعہ تھا مگر آج چھپے چھپے مجمعہ کی ادائیگی نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ جمعہ کے اس قسم کے اجتماعات تعصیب، تنگ نظری اور غلط نظریات کے پھیلانے کا باعث بن رہے ہیں۔ اس سے تفریق بین المسلمین ہو رہی ہے۔ اپنے اپنے فرقے کی اشتہار بازی کے لیے مسجدوں کو اڈے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے اور دوسروں کو گالی گلوچ اور فتوے بازی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ دین کی خدمت نہیں بلکہ دین کے خلاف تخریب کاری ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے منافقین نے مسجدِ ضرار بنادنی تھی۔ مگر اللہ نے حضور علیہ السلام کو وہاں جلنے سے روک دیا۔ اس مسجد کو منہدم کر دیا گیا اور وہ جگہ کوڑا کھرکٹ ڈالنے کے لیے استعمال ہونے لگی۔

مسجدِ ضرار کے مقابلے میں اللہ نے حقیقی مسجد کی تعریف فرمائی کہ مسجد

أَسَّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ يُوحَىٰ أَنْ تُقَامَ فِيهِ جُمُعَةٌ  
روزِ اول سے تقویٰ کی بنیاد پر تعمیر ہوئی ہے، اس میں آپ کے کھڑے ہونے کا زیادہ حق ہے۔ مسجدِ تقویٰ سے مراد مسجدِ نبوی اور مسجدِ قبا دونوں میں

مسجد  
علیٰ التقویٰ

ایسے کہ دونوں کی بنیاد حضور علیہ السلام نے پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی تھی۔ پھر مسجد نبوی کی خصوصیت تو یہ ہے کہ وہاں پر اخلاص کے ساتھ ایک نماز ادا کرنے کا ثواب سچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد قبا میں بھی ایک نماز ایک عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ فرمایا آپ اس مسجد میں کھڑے ہوں فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وہاں پر ایسے مرد ہیں جو پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ اور اللہ تعالیٰ طہارت حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اللہ نے اہل محلہ کی تعریف بیان کی ہے کہ صفائی پسند لوگ ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ ان کو پسند کرتا ہے حضور علیہ السلام نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تم کو نماز عمل کرتے ہو، جکی وجہ سے اللہ نے تمہاری تعریف کی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم طہارت کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ استنجہ پاک کرنے کے لیے ہم پہلے ڈھیلے استعمال کرتے ہیں اور پھر پانی حضور نے فرمایا، اس عمل کو قائم رکھنا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ طہارت صرف ظاہری مراد نہیں بلکہ کفر، شرک، نفاق، بعقیدگی، ترک جہاد وغیرہ سے باطنی طہارت بھی مراد ہے، بہر حال فرمایا کہ مسجد قبا کی بنیاد روزِ اول سے تقویٰ پر رکھی گئی اور وہاں کے لوگ بھی طہارت پسند ہیں۔

آداب  
مساجد

فرمایا اَقَمْنَ اسْتَسْ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانِ ختم کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی مسجد کی بنیاد خوفِ خدا اور اس کی خوشنودی پر رکھی اَمَّنْ اسْتَسْ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ یادہ شخص اچھا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کھائی کے کنارے پر رکھی جو گرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی رضا کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں۔ البتہ آخری دور کے متعلق حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مَسَاجِدُ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدَىٰ ظاہری طور پر تو مسجدیں

آباد ہوں گی۔ مگر ہمایت سے خالی ہوں گی۔ مساجد میں کفر و شرک کا چہرہ چاہو گا، نعت خوانی اور غزل خوانی ہوگی، فرقہ بندی کے حق میں تقریریں ہوں گی شرک اور بدعات کی باتیں ہوں گی، قرآنی ہوگی اور رسومات ادا ہوں گی بعض اوقات تو ظاہری ادب بھی ملحوظ نہیں رکھا جائے گا جتنی کہ مسجدوں میں گیس لگائی جائیں گی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کی لٹنیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دلوں سے خشوع اڑ جائے گا۔ ایک مسجد میں پانچ سو نمازی ہوں گے مگر خشوع سے سب خالی ہوں گے۔ حضور نے فرمایا مسجدیں جنت کے باغ ہیں، وہاں جا کر لوگوں کو چمک لینا چاہیے۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا مسجدوں میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کیا کرو، یہ جنت کے پھل کھانے کے مترادف ہے۔ وہاں پر اعتکاف بیٹھو، تلاوت قرآن کرو، استغفار کرو، دین کی تعلیم چل کرو۔ اس کے برخلاف فضول حرکات مت کرو۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ مسجد کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور اس کی رضا پر ہے۔

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ شفا کا معنی کنارہ ہے جُزْء دریا یا ندی کے اس کنارے کو کہتے ہیں جو پانی کی وجہ سے کاٹا جا رہا ہو۔ یہ کنارہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ معمولی سے دباؤ سے بھی گہر پڑتا ہے ظاہر ہے کہ جو عمارت اس قدر کمزور جگہ پر بنائی جائیگی وہ یقیناً گر جائے گی۔ تو فرمایا مسجد ضرار کی مثال ایسی عمارت کی ہے جو کمزور ترین کنارے پر بنائی گئی ہو جو گہر نے والا ہو اور جس کے منہدم ہونے کا ہر وقت خطرہ لاحق ہو۔ فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب ایسی کچی جگہ پر بنائی گئی عمارت گریگی فَإِنْ هَارَ بِهِ فِي نَارٍ جَهَنَّمَ پھر وہ بنانے والے کو بھی جہنم کی آگ میں گمے لگے گی تو فرمایا بجلالہ مسجد اچھی ہے جس کی بنیاد تقویٰ اور خوشنودی الہی پر ہے یا وہ اچھی ہے جو گہر نے کے قریب ہے اور وہ تعمیر کرنے والے کو بھی لے ڈوبے گی۔ ظاہر ہے کہ مسجد وہی بہتر ہے جو اللہ کی

نیت کی غرابی

رضا کی خاطر تعمیر کی جائے اور خالص اللہ کی عبادت کے لیے استعمال ہو،  
 فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے  
 والے لوگوں کی راہنمائی نہیں کرتا۔ منافق چونکہ بد نیت تھے انہوں نے مسجد کی  
 تعمیر تخریب کاری کے لیے کی تھی، فرمایا ایسے لوگ راہِ راست پر کبھی نہیں  
 آسکتے۔ ایسے بد نیت لوگوں کو اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

فرمایا لَا يَزَالُ بُنِيَ اَنْهُمْ الَّذِي بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ  
 ان کی تعمیر کردہ عمارت ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ انہیں اس بات  
 کا کھٹکا لگا ہے گا کہ ہم نے تو کچھ اور حکیم بنائی تھی مگر ہو کچھ اور گیا۔ وہ ہمیشہ  
 اس تہ و دو میں پڑے رہیں گے اَلَا اَنْ كُتِّعَ قُلُوْبُهُمْ مگر یہ کہ ان  
 کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں یعنی وہ مرجائیں۔ گویا مرتے دم تک ان  
 کے دل میں کھٹکا موجود رہے گا اور ان کی یہ مسجد نفاق کی علامت ہی رہے گی  
 وہ اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے، اس کے لیے  
 انہوں نے بڑی گری سازش کی مگر اللہ نے ان کا سارا منصوبہ ناکام بنا دیا۔  
 فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے  
 والا اور حکمت والا ہے۔ مالک الملک اخلاص کو بھی جانتا ہے اور نفاق  
 اور سازش بھی اس کے علم میں ہے۔ وہ ہر غلط منصوبے کو ناکام کرنے  
 پر قادر ہے، چنانچہ اس نے منافقین کا یہ منصوبہ بھی ناکام بنایا اور اپنے نبی  
 کو مسجد ضرار میں جانے سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے کہ اس کا ہر کام  
 حکمت پر مبنی ہے۔

يعتذرون ۱۱

التوبة ۹

درس سی و ہفت ۳۲

آیت ۱۱۱

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ  
بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعُذًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي  
التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ  
مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ  
وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۱۱۱

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں ایمان والوں کی جانیں  
اور ان کے مال کہ اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔  
وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، پس وہ قتل کھاتے ہیں  
(دشمنوں کو) اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ یہ وعدہ ہے اس کا سچا  
تورات میں، انجیل میں اور قرآن میں۔ اور کون زیادہ پورا کرنے والا  
ہے عہد کو اللہ تعالیٰ سے۔ پس خوشی مناؤ اپنی اس بیع پر جو تم  
نے بیع کی ہے اس کے ساتھ، اور یہی ہے بڑی کامیابی ۝۱۱۱

رہنمایاں

غزوہ تبوک سے گریز کرنے والے منافقین کی اللہ نے مذمت بیان فرمائی۔  
پھر درمیان میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو اللہ کے راستے میں اُس کے دین کی بقا کی خاطر  
ہر قسم کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے پہلی جماعت کا ذکر تیرہویں رکوع کی  
ابتدائی آیت وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ..... الآية  
میں ہو چکا ہے یہ مہاجرین اور انصار پر مشتمل پہلی مرکز می جماعت تھی۔ اب اس آیت



میں اسی سلسلہ کی دوسری جماعت کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے جو پہلی جماعت کے اتباع میں اللہ کے راستے میں نیکی کی خاطر دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوتے ہیں تو آج کی آیت کرمیہ میں اللہ نے جانی اور مالی قربانی پیش کرنے کی حکمت بیان فرمائی ہے اور پھر اگلی آیت میں اس جماعت کے اوصاف بیان ہوں گے۔

جان و مال  
کا سودا

مذکورہ دو جماعتوں میں سے پہلی جماعت جو اولین مہاجرین اور انصار پر مشتمل تھی، وہ تو ختم ہو گئی۔ انہوں نے اپنے دور میں دین حق کے لیے بہترین خدمات انجام دیں۔ اللہ کی راہ میں ہر چیز کی بازی لگا دینے کا نمونہ چھوڑ گئے۔ پھر ان کے نقش قدم پر چلنے والے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہیں، تو سب سے پہلے اللہ نے بالفعل جہاد کی حکمت بیان فرمائی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنْ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِثَبَاتٍ اللّٰهُ تَعَالٰی نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں بِاَنْ لَّهُمْ الْجَنَّةُ اس کے بدلے میں کہ ان کے لیے جنت ہے، گو یا جنت مومنوں کی جان و مال کا معاوضہ ہے۔

جس خرید و فروخت کا یہاں ذکر ہوا ہے وہ حقیقی خرید و فروخت نہیں بلکہ مجاز کے پیرائے میں حقیقت کو سمجھایا گیا ہے۔ دراصل خریداری کی ضرورت کسی شخص کو اس چیز کی ہوتی ہے جبکہ وہ ضرورت محسوس کرے اگر اس کے قبضے میں نہ ہو۔ یہاں پر مومنوں کے جان و مال کا خریدار اللہ ہے حالانکہ کائنات کی ہر شے اس کی پیدا کردہ ہے، اس کی حقیقی ملکیت میں ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ تمام انسانوں کو جسم و جان اور مال اللہ ہی نے عطا کیا ہے، البتہ ان کا عارضی قبضہ انسانوں کو ملے دیا ہے کہ یہ تمہارا جسم ہے اور یہ تمہارا مال ہے۔ عارضی طور پر تم اس کے مالک ہو اور اپنی مرضی سے اسے تصرف میں لاسکتے ہو، تاہم میں جب چاہوں گا ان نعمتوں کو واپس لے لوں گا۔ تو ہر چیز کا حقیقی مالک اور قابض ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے

عارضی مالک اور قابض سے ازراہ شفقت و مہربانی سودا کیا ہے کہ یہ جان اور مال جو تمہارے پاس ہے یہ مجھے دے دو اور اس کے بدلے میں مجھ سے دائمی جنت لے لو۔

نفع بخش  
اور غیر نفع  
بخش تجارت

منافقوں کی تجارت کے متعلق سورۃ بقرہ میں آتا ہے "فَمَا رَجَعَتِ  
تِجَارَتُهُمْ اِلٰی تِجَارَتٍ" انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ ان لوگوں نے ہدایت  
کے بدلے میں گمراہی خریدی لہذا انہوں نے خسارے کا سودا کیا۔ جان و مال  
جیسی قیمتی پونجی کے بدلے کافروں نے کفر اور مشرکوں نے شرک خریدا۔ اللہ نے  
انسان کو عمر جیسی عظیم پونجی عطا کی تھی تاکہ اسے کسی اچھے کام میں صرف کرے اور اسے  
فائدہ ہو مگر اس کی حالت یہ ہے یَفْذُوْا فَبَاٰعَ نَفْسِهٖ فَمُتَّعْتُهَا  
اَوْ مَوْبِقُهَا انسان رات گزار کر جب صبح کرتا ہے تو اپنے نفس کو یا تو آزاد  
کر لیتا ہے یا ہلاک کر لیتا ہے۔ اگر اس نے اپنے نفس کو نیکی کی بات میں  
لگایا تو اسے خدا کے غضب اور جہنم کی آگ سے آزاد کر لیا اور اگر اسے کفر،  
شرک، نفاق اور بدعتی کے کام میں لگا دیا تو وہ ہلاک ہو گیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ  
نے جان اور مال جو عارضی طور پر انسان کو خود ہی دیا ہے، اس کے متعلق فرمایا  
کہ اُوْا اِسْءَالَہٗ مِمَّا تَمْلٰکُہٗ مِنْ نَفْسِہٖ لَہٗ رِجَالٌ مِّمَّنْ یٰۤاٰمَنُوْا اِذَا رَکِبُوْا فَاُثْقَلُوْا  
عَمَلًا کَرِہًا ہوں، پھر بھی انہیں میری راہ میں غرق کر کے بہشت حاصل کر لو۔ یہ  
زندگی تو بہر حال ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے، اس کے بعد  
دائمی راحت کا مقام حاصل کر لو۔ یہی نفع بخش سودا ہے۔

فرمایا جان و مال کا سودا یہ ہے کہ جو سچے مومن ہیں وہ یَقَاتِلُوْا  
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ کے راستے میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔  
فَیَقْتُلُوْا اَوْ یُقَاتَلُوْا وہ دشمن کو قتل کرتے ہیں یا قتل ہو جاتے ہیں اور خود بھی شہید  
ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص جنگ کے لیے نکلتا ہے تو وہ اپنی جان کو  
ہتھیلی پر رکھ کر نکلتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ دشمن کو قتل بھی کر سکتا

ہے اور خود بھی قتل ہو سکتا ہے۔ اور مومن کے لیے تو دونوں صورتوں میں نفع ہی نفع ہے۔ اگر وہ دشمن کو مغلوب کر کے اسلام کا کلمہ بلند کرتا ہے تو غازی ہے اور اگر دین حق کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے تو شہید ہے۔ اسے دونوں صورتوں میں نفع ہی نفع ہے۔

سورۃ صفت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کو تجارت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اے ایمان والو! هَلْ اَدْلُكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ اُوْىٰی تَمِيْنٍ ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے بچالے اور وہ تجارت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وَ تِجَارَةٌ هٰكُوْنٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اس آیت کریمہ میں بھی اسی تجارت کی طرف اشارہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کے عوض میں ان کی جانیں اور مال غریہ لیے ہیں اور یہ کسی انسان کے لیے نہایت ہی نفع بخش سودا ہے۔

جہاد کی ضرورت

جہاد سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ دین اسلام کی مخالفت کرتے ہیں اللہ کے کلمہ کو پست نہ کرنا چاہتے اور کفر و شرک کے پروگرام کو غالب بنانا چاہتے ہیں ان کے خلاف جنگ کی جائے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اصطلاح میں ایسے لوگ درندہ صفت انسان ہوتے ہیں جن کا راستے سے ہٹانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مثال انسانی جسم میں پھوٹے کی ہے۔ اگر پھوٹے کے فاسد مادہ کو آپریشن کے ذریعے جسم سے علیحدہ نہ کر دیا جائے تو خطرہ ہوتا ہے کہ جسم کے دوسرے حصے بھی اُس سے متاثر ہو کہ ضائع ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے بعض اوقات کسی شخص کا ہاتھ، پاؤں یا ٹانگ کاٹنی پڑتی ہے تاکہ کسی ایک جگہ پر نکلنے والا پھوٹا یا کینسر جسم کے دوسرے حصے کو بھی متاثر نہ کر دے۔ یہی حال سوسائٹی میں کافر، مشرک، ہنافئ

اور دیگر بے دین کا ہے۔ جب تک سوسائٹی کو اس گندے عنصر سے پاک نہیں کیا جائے گا۔ سوسائٹی کے مزید خراب ہونے کا خطرہ موجود ہے گا۔ یہ لوگ انسانی سوسائٹی میں پھوڑا ہیں جنہیں جہاد کے ذریعے کاٹ ڈالنا ہی سوسائٹی کے حق میں بہتر ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا ہے اور اس عظیم کام کے لیے جنت جیسی اعلیٰ، ارفع اور دائمی نعمت کی پیش کش کی ہے۔

عبداللہ بن رواحہ  
کا بیان

حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری مدینہ میں جلیل القدر صحابی ہیں۔ ہجرت مدینہ سے پہلے مدینہ سے دو جماعتیں مکہ آئیں اور انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ پہلے سال تھوڑے لوگ تھے، پھر دوسرے سال زیادہ تعداد میں لوگ آئے اور اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔ یہ بیعت عقبہ کہلاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی اس بیعت میں شامل تھے۔ جب وہ حضور کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو عرض کیا کہ حضرت! اس بیعت کو آپ جس شرط کے ساتھ مشروط کریں گے، ہم اُسے پورا کریں گے انہوں نے خاص طور پر دریافت کیا کہ اس بیعت میں اللہ تعالیٰ کے لیے کیا شرط ہے اور خود آپ کے لیے کیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ رَبِّیَّ اللّٰہُ کے لیے شرط یہ ہے اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تَشْرِكُوْا بِہٖ شَیْءًا کہ تم صرف اُسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ پھر فرمایا اس معاملہ میں میری شرط یہ ہے کہ جس طرح تم اپنی جان و مال کی حفاظت کرتے ہو۔ اسی طرح اگر میں ہجرت کر کے تمہارے پاس آ جاؤں تو میری بھی حفاظت کہنا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جواب دیا۔ حضرت! ہمیں یہ دونوں شرائط منظور ہیں۔ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور اپنی جان سے بڑھ کر آپ کی حفاظت کریں گے۔ پھر انہوں نے دریافت کیا، حضور! جب ہم یہ شرائط پوری کر دیں گے۔ تو ہمیں کیا حاصل ہوگا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اللہ نے تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے، وہاں تمہیں دائمی سکون و راحت نصیب ہوگی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے لکھے، ہمیں یہ بیع منظور

ہے کہ اس سے بہتر کوئی بیع نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ عارضی اور فانی وجود اور مال کے بدلے اگر ہمیشہ کی کامیابی اور لازوال عزت حاصل ہو جائے تو اس سے بہتر کوئی سودا نہیں ہو سکتا۔

جہاد کی  
قسمیں

دین کی سر بلندی کے لیے مختلف طریقوں سے جہاد کیا جاتا ہے جہاد کی ایک صورت بالفعل لڑائی ہے جس کے ذریعے معاشرے کے دشمنوں کو جہانی پھوڑے کی طرح کاٹ کر بھینک دیا جاتا ہے۔ اور اس کی دوسری صورت جہاد بالمال ہے۔ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر لڑائی میں شریک ہونے سے معذور ہے تو مالی امداد کر سکتا ہے۔ جہاد ہی کی ایک قسم زبان کے ساتھ جہاد ہے۔ اگر کسی کے بیان، تقریر یا تبلیغ کے ذریعے کوئی دوسرا شخص اسلام میں داخل ہو جاتا ہے، کفر و شرک کی غلاطی سے نکل جاتا ہے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو جہاد کے لیے روانہ کرتے وقت فرمایا لا ینھدی اللہ بک رجلاً واحداً خیر لك من الناس او مما طلع علیہ الشمس اگر تمہاری وجہ سے کسی ایک انسان کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے تو یہ تمہارے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے یعنی کسی شخص کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا تمہارے لیے قیمتی سے قیمتی چیز سے بھی بہتر ہے۔ اسی لیے زبان اور قلم کے ساتھ تعلیم و تبلیغ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر کوئی شخص اخلاص کے ساتھ کوئی کتاب یا مضمون لکھتا ہے جسے پڑھ کر لوگوں کا کفر، شرک اور جہالت دور ہوتی ہے، تو یہ بہت بڑا جہاد ہے۔

فرمایا مجاہدین کو دو ہی صورتیں پیش آتی ہیں، یا تو وہ دشمن کو قتل کر دیتے ہیں اور یا خود شہید ہو جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اللہ نے ان کے لیے

اللہ کا  
سچا وعدہ

جنت کی بشارت دی ہے اور یہی مخلوق کی بات نہیں بلکہ وَعْدًا عَلَیْکُمْ  
 حَقًّا اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ وہ مال و جان کے بدلے جنت عطا کرے گا، بالکل  
 برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے اپنے ذمے لے لیا ہے  
 کہ وہ ایسے لوگوں کو ضرور جنت میں داخل کرے گا اور یہ وعدہ فی التَّوْرَةِ  
 اللہ کی عظیم کتاب تورات میں بھی ہے۔ موجودہ بائبل کے پہلے پانچ باب  
 تورات کا حصہ ہیں اور کل انتالیس صحائف ہیں سے آخری چار انجیلیں ہیں۔ کچھ  
 انبیاء کے صحائف اور کچھ خطوط بھی ہیں۔ اگرچہ ان میں بہت کچھ رد بدل ہو چکا ہے  
 تاہم تورات میں موجود ہے کہ اے اسرائیل! تم اپنے پورے مال و جان کے  
 ساتھ خدا تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو اور اس کی فاداری  
 کرو۔ اس کے بدلے میں اللہ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔

فرمایا یہ وعدہ نہ صرف تورات میں ہے بلکہ وَآلِہٖ جَمِیْلٌ اللہ کی کتاب  
 انجیل میں بھی ہے۔ تورات کا معنی قانون ہے جبکہ انجیل کا معنی بشارت ہے  
 اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی بعثت کی خوشخبری بھی عطا فرمائی۔ فرمایا اللہ کا یہ وعدہ وَالْقُرْآنِ قرآن پاک  
 میں بھی موجود ہے قرآن کا معنی کثرت سے پڑھی جانے والی کتاب ہے،  
 چنانچہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن حکیم ہے۔ ان  
 تمام آسمانی کتابوں میں اللہ کا یہ وعدہ موجود ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے  
 والوں کو اللہ تعالیٰ جنت کی ابدی نعمتیں عطا فرمائے گا۔

فرمایا وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدے  
 کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ سب سے سچا وعدہ تو اللہ ہی کا ہے۔  
 اُس کا اعلان ہے "إِنَّهُ لَا يَخْلِفُ الْمَعْیَا" کہ وہ وعدہ کے خلاف  
 کبھی نہیں کرتا۔ انسان تو وعدہ خلافی بھی کر جاتے ہیں مگر اللہ جل شانہ کا وعدہ  
 ہمیشہ سچا اور پکا ہوتا ہے، لہذا اُس کی طرف سے مجاہدین کے لیے جنت

کے وعدے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اہل ایمان  
کے لیے  
بشارت

فرمایا، اے ایمان والو! فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ  
بِہٖ پس تم خوش ہو جاؤ اس سوداگری پر جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کی ہے۔ تم نے  
مال و جان کے بدلے جنت خرید لی ہے، یہ بڑا نفع مند سودا ہے، لہذا اس پر  
خوشی مناؤ۔ یہ کافروں کی تجارت نہیں ہے جس نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا  
بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سودا ہے جس میں نفع ہی نفع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
انسان کو یہ عمر پونجی کے طور پر دی ہے جو ہمیشہ گھٹتی رہتی ہے۔ اگر اس نے  
اس پونجی سے فائدہ اٹھایا تو ہمیشہ کے لیے ناکام ہو گیا۔ سعدی صاحب بھی  
تو فرماتے ہیں کہ انسان کی عمر برف کی ڈلی کی مانند ہے اور اُمید پر سے بھاؤں  
کی سخت دھوپ بھی لگ رہی ہے۔ اگر اس عمر کو جلدی جلدی ٹھکانے لگالیکا  
اس سے کوئی اچھی تجارت کر لے گا تو کامیاب ہو جائے گا۔ اور اے کام  
میں نہ لایا تو یہ برف کی ڈلی کی مانند خود بخود ضائع ہو جائے گی اور پھر انسان ناکام  
ہو جائے گا۔

فرمایا اس عارضی جان و مال کے ذریعے جنت کا سودا کر لینا وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ  
الْعَظِيمُ اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ سابقین اولین و حاضرین اور انصار کے  
متبعین سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ خدا کی رضا کے لیے جان و مال  
کی قربانی پیش کریں گے آگے ان کی صفات بھی بیان کی گئی ہیں۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْعِبَادُونَ الْحَمْدُونَ السَّاجِدُونَ الرَّائِعُونَ  
السَّجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ⑪۲

ترجمہ :- (اور ایمان والے) توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اللہ کی تعریف

کرنے والے ہیں، مباحات کرنے والے ہیں، ارکوع کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں  
نیک بات کا حکم دینے والے ہیں اور بُری بات سے منع کرنے  
والے ہیں اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں

اور آپ خوشخبری سنا دیں ایمان والوں کو ⑪۲

گزشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی حکمت بیان فرمائی اور مجاہدین کا  
ذکر فرمایا کہ اللہ نے اُن کے مال اور جانیں جنت کے عوض میں خرید لی ہیں۔ یہ ایمان  
والے لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، کبھی دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور کبھی خود شہید ہو  
جاتے ہیں۔ فرمایا، اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے کہ اللہ نے اُن کی حقیر جانوں اور مال کے  
بدلے میں انہیں ابدی اور لازوال نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے جس کے مقدّر  
میں ہو جائے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی سات صفات  
بیان فرمائی ہیں۔

رابط آیات

(۱) توبہ کرنے  
والے

مومن مجاہدین کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی ہے اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ کہ وہ توبہ کرنے

والے ہیں۔ توبہ سے مراد کفر، شرک، معاصی اور دیگر خطاؤں سے توبہ ہے۔ اہل ایمان

توحید کو اختیار کر کے کفر اور شرک سے تو پہلے ہی تائب ہو چکے ہیں، البتہ روزمرہ زندگی

میں جو گناہ اور کوتاہیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں، اُن سے بھی توبہ کرتے رہتے ہیں۔ ابن جریر





ہے۔ اسی طرح پانی پیا تو اللہ کی تعریف کی، لباس پہنا تو تعریف بیان کی، کوئی انعام ملا یا کوئی مصیبت ملی تو اللہ کی تعریف کی، غرضیکہ ایمان والوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کرتے ہیں، اس لیے ان کا نام الحمد و ذی ہے۔ سورۃ یونس میں اہل جنت کے متعلق آتا ہے  
 "وَاجْزِدْ عِبَادَهُمْ إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" کہ ان کا آخری قول یہ ہوگا کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہر کام کی ابتداء اور انتہاء پر خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا سنت ہے۔ شمالی ترمذی میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کسی مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے اور کسی مجلس کو ختم نہیں کرتے تھے مگر اللہ کے نام پر اور اللہ کے ذکر کے ساتھ۔ سورۃ انعام میں بعض لوگوں کا ذکر آتا ہے جن کے بُرے اعمال کو شیطان آراستہ کر کے دکھاتا تھا۔ پھر جب انہوں نے اللہ کی نصیحت کو فراموش کر دیا تو ان پر انعامات کے دروازے کھل گئے اور وہ خوش ہو گئے۔ پھر اللہ نے اُن کو اچانک پکڑ لیا، وہاں آتا ہے  
 "فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا" اُس ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی  
 "وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ہم جانوں کا پروردگار ہے بہر حال فرمایا کہ یہ وہ مومن لوگ ہیں جو ہر موقع پر اللہ کی تعریف بیان کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے انہیں الْحَمْدُ وُن کا لقب دیا ہے۔

اہل ایمان مجاہدین کی اللہ نے چوتھی صفت السَّاجِدُونَ بیان فرمائی ہے مفسرین کرام نے اس کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی ہے۔ حضرت عکرمہ اور حضرت عطاء الساجدون کا ترجمہ علم حاصل کرنے والے طلباء کرتے ہیں۔ اس کا لغوی معنی توسیر و بیاحت کرنے والے ہیں مگر طلب علم کے لیے بھی چونکہ دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے، اس لیے مذکورہ اصحاب نے اس کا ترجمہ طالعلم کیا ہے۔ محدثین کرام نے بھی طلب حدیث کے لیے بڑے بڑے

(۴)  
بیاحت  
کہہ پڑا

سفر کے جب پتہ چلتا کہ فلاں ملک یا فلاں شہر میں کوئی حدیث رسول پڑھنا ہے یا کسی کے پاس کوئی حدیث ہے تو وہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے بھی وہاں پہنچتے۔ بعض روایا کیلئے چار چار، دس دس اور چالیس چالیس ہزار میل کے سفر کا ذکر ملتا ہے۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب سواری کے لیے گھوڑا، گدھ یا اونٹ ہونا تھا اور لمبا اوقات پیدل ہی سفر کرنا پڑتا تھا۔

بعض اوقات عبرت حاصل کرنے کے لیے بھی سیاحت کرنے کی پڑتی ہے جیسے سورۃ مومن میں ارشادِ ربانی ہے "أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كُيَاوَهُ زَمِينٍ مِّنْهُمْ لَا يَخِفُّونَ" تاکہ دیکھتے کہ پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ وہ سابقہ اقوام کی تباہی کے نشانات دیکھ کر ہی عبرت حاصل کرتے سفرِ جہاد کے لیے بھی ہوتا ہے اور حج و عمرہ کے لیے بھی، تجارت کی غرض سے بھی دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے جس کے ذریعے رزقِ حلال کی تلاش ہوتی ہے۔ تو ہر حال اس میں ہر نیک کام کے لیے سیاحت کرنے والے لوگ آجاتے ہیں اہل ایمان کی یہ چوتھی صفت ہے کہ وہ طلبِ حق کے لیے سفر کرتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں سیاحوں سے روزہ دارِ مرد لیے گئے ہیں۔ اس کا معنی بے تعلق بھی آتا ہے چونکہ روزہ دار آدمی کھانے پینے اور مباشرت سے کچھ وقت کے لیے بے تعلق ہو جاتا ہے، اس لیے اس لفظ کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے سَيَاحَةُ أُمَّتِي الْجَهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ یعنی میری امت کی سیاحت اللہ کے راستے میں جہاد ہے یہ الفاظ بھی آتے ہیں سَيَاحَةُ أُمَّتِي الصِّيَامُ میری امت کی سیاحت روزہ ہے۔ سیاحت میں یہ سب چیزیں آجاتی ہیں اور ان صفات کے حاملین کی اللہ نے تعریف فرمائی ہے۔

(۵۱)  
رکوع و سجود  
کے نبولے

فرمایا پانچویں صفت الرَّكَعُونَ السَّاجِدُونَ ہے یعنی مومن لوگ رکوع و سجود کرتے ہیں۔ رکوع و سجود چونکہ نماز کے اہم ارکان ہیں لہذا اس سے نماز مراد لی جاتی ہے، تو گویا نمازی ہونا بھی اہل ایمان کی ایک صفت ہے اور نماز کی فضیلت کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد سے الصلوٰۃ نور المؤمن یعنی نماز مومن کا نور ہے۔ الصلوٰۃ عماد الدین بھی فرمایا یعنی نماز دین کا ستون ہے۔ آپ نے فرمایا اقرب ما یكون العبد من ربه وهو ساجد سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے قریب ترین ہوتا ہے۔ اور پھر رکوع کی حالت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنی پشت پر ذمہ داری کا بوجھ محسوس کرتا ہے۔ ان دونوں حالتوں یعنی رکوع و سجود سے نہایت عاجزی اور انکساری کا اظہار ہوتا ہے اور یہی چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے، اسی لیے اللہ نے اپنے بندوں کی تعریف میں فرمایا کہ وہ رکوع اور سجود کرنے والے ہیں۔

(۶۱)  
اوامر و نواہی  
کے پابند

اللہ نے چھٹی صفت یہ بیان فرمائی ہے الْمُسْكِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ مومن آدمی نیک بات کا حکم کرتے ہیں اور بری بات سے منع کرتے ہیں۔ جب اور جہاں بھی انہیں موقع ملتا ہے۔ وہ نیکی کی خوبیاں اور برائی کی خرابیاں بیان کرتے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جن سلوک، دیانتداری، پابندی عہد، ذکر، شکر، توکل، تبلیغ، جہاد اور تعلیم وغیرہ کی تلقین کرتے ہیں۔ اور ہر برائی، مہیبت، کفر، شرک، بدعت، ظلم، زیادتی، فسق، قطع رحمی، بددیانتی، وعدہ خلافی، جھوٹ وغیرہ سے حسب استطاعت منع کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بُرائی کو طاقت سے روکو، اگر اس کی ہمت نہیں پاتے تو زبان سے روکو، اور یہ بھی سنیں کہ سکتے تو دل سے تو بُرا جانو کہ یہ ایمان کا ادنیٰ ترین درجہ ہے و لیس و لاء ذلک حبل خردل من الایمان اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی

نہیں رہتا۔ لہذا برائی سے روکنا مومن کی صفت ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ آجکل اس کا الٹ ہو چکا ہے۔ اب تو مومن ہی برائی کے داعی بنے ہوئے ہیں ان کا اپنا طرز عمل یہ ہے کہ اپنے قول، فعل، عمل، طرز سیاست، کاروبار، لین دین سے لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کرنے کی بجائے انہیں نیکی سے روک رہے ہیں کبھی وہ وقت تھا کہ مسلمان کا اخلاق، طرز عمل اور حسن سلوک دیکھ کر غیر مسلم ایمان لے آتے تھے مگر آج مسلمانوں کے رویہ کے پیش نظر لوگ اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ کے کچھ قلیل بندے آج بھی ہیں جو نیکی کا دامن تھامے ہوئے ہیں مگر اکثریت خود برائی میں ملوث ہو چکی ہے۔ اب برائی کو کون روکے گا۔ تو فرمایا مومن کی چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

(۷۱)  
محافظت  
بر حدود  
شرع

فرمایا ساتویں صفت یہ ہے وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ الْمِلَّةِ مومن لوگ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اہل ایمان کی یہ جامع صفت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہر مقررہ حد کی حفاظت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کو توڑنے نہیں۔ اسی چیز کو تقویٰ بھی کہتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تقویٰ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

”تقویٰ محافظت بر حدود شرع است یعنی شریعت کی قائم کی ہوئی حدود کی حفاظت کرنا ہی تقویٰ ہے۔ حدود کسی بھی معاملہ میں ہوں ان کی پابندی ضروری ہے مسئلہ حرام حلال کا ہو یا جائز ناجائز کا، شرک، کفر، بےعت یا برائی کا معاملہ ہو، صلح و جنگ، سیاسیات یا معاشیات کی کوئی بات ہو، کتاب و سنت میں جو حدود مقرر ہیں ان کو قائم رکھنا ایمان والوں کی صفت ہے۔ حدود کا پابن متقی ہوگا اور ان کو توڑنے والا کافر، فاسق یا ظالم ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ”وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ“ (طلاق) جس نے اللہ کی حدود کو توڑا اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا، کہیں فرمایا وہ جہنم

میں جا بٹے گا۔ بہر حال مومنوں کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔

غرضیکہ ان صفات کے حاملین مومنوں سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اللہ کے دین کے قیام و بقا کے لیے جہاد میں حصہ لیں گے۔ فَرَمَا وَكَبِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ایسے ایمان والوں کو بشارت سنا دیں کہ اللہ کے ہاں وہ کامیاب اور فائزہ المم ہوں گے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا  
لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ  
لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝۱۱۳ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ  
إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ  
لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۖ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ  
حَلِيمٌ ۝۱۱۴ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ  
حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ  
شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۱۱۵ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ  
وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۱۱۶

ترجمہ :- نہیں لائق نبی کے لیے اور اُن لوگوں کے  
لیے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ بخشش طلب کریں شرک  
کرنے والوں کے لیے اگرچہ وہ اُن کے قریبتدار ہی کیوں نہ  
ہوں ، بعد اس کے کہ واضح ہو چکا ہے اُن کے لیے کہ  
بیشک وہ دوزخ والے ہیں ۝۱۱۳ اور نہیں تھا بخشش  
مانگنا ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لیے مگر ایک وعدے  
کی بنا پر جو وعدہ انہوں نے اُس سے کیا تھا۔ پس جب

واضح ہو گیا ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے بیشک ابراہیم (علیہ السلام) البتہ نرم دل اور تحمل والے تھے (۱۱۴) اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسا کہ گمراہ کر دے کسی قوم کو بعد اس کے کہ اُس نے اُن کو ہدایت دی ہے، یہاں تک کہ بیان کر دے اُن کے لیے وہ باتیں کہ جن سے وہ بچتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۱۱۵) بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمان کی اور زمین کی۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی سرپرستی کرنے والا اور نہ کوئی مددگار (۱۱۶)

رابط آیات

گذشتہ سے پیوستہ درس میں اللہ نے مجاہدین کا ذکر فرمایا تھا کہ وہ اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہیں پھر یا تو دشمن کو قتل کرتے ہیں یا خود شہید ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کے ساتھ وعدہ ہے کہ انہیں بہشت میں مراتب عالیہ نصیب ہوں گے۔ پھر اللہ نے اہل ایمان مجاہدین کے اوصاف بھی بیان فرمائے کہ وہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے توبہ کرتے رہتے ہیں اور ہر وقت خدا تعالیٰ کی عبادت میں منہمک رہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور علم و عبادت کے لیے سیاحت کرتے ہیں، بے تعلق رہتے ہیں یا روزہ رکھتے ہیں۔ فرمایا وہ رکوع اور سجود کرتے رہتے ہیں یعنی انہیں نماز سے خاص شغف ہے وہ اہل ایمان نیکی کا حکم کرتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں ان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود کی حفاظت کرتے ہیں ایسے مومنوں کے لیے یقیناً بشارت ہے۔

اب آج کی آیات میں حدود اللہ ہی سے متعلق ایک یہ منہ بھی بیان فرمایا

شرکین کیلئے  
تغفار کا لہ



گیا ہے کہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِيَّ أَرْحَامٍ لِلَّهِ الْبُطْلَانُ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَعْبُدُ مَا كُنَّا يَافِكُونَ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَعْبُدُ مَا كُنَّا يَافِكُونَ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَعْبُدُ مَا كُنَّا يَافِكُونَ

یہ لائق نہیں ہے کہ وہ شرک کرنے والوں کے لیے بخشش کی دعا مانگیں اگرچہ وہ ان کے قریب رہیں ہی کیوں نہ ہوں۔ گویا یہ چیز بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود میں شامل ہے کہ کسی مشرک کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے چچا عبد مناف جن کی کنیت ابوطالب تھی اور وہ حضرت علی کے والد تھے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو حضور علیہ السلام اپنے چچا کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں دعوت دی کہ تم اپنی زبان سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہو تاکہ قیامت کے دن میں تمہارے حق میں گواہی دے سکوں۔ اُس وقت ابوطالب کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ ابن امیہ جیسے اکابر مشرکین بھی موجود تھے۔ ابو جہل نے ابوطالب سے مخاطب ہو کر کہا، کیا تو آخری وقت میں اپنے اباؤ و اجداد کا دین چھوڑ دے گا، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اس پر ابوطالب نے کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو اپنے باپ عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔ اگرچہ کسی ایک حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں ہے، تاہم مختلف احادیث کو جمع کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ابوطالب کا انکار سن کر حضور علیہ السلام دہاں سے تشریف لے گئے۔ پھر پھرتی ریلوے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اِنَّ عَمَّاكَ شَيْخُ الصَّلَاةِ قَدْ مَاتَ، یعنی آپ کے چچا بوڑھے گمراہ قیامت ہو گئے ہیں۔ جب آپ علیہ السلام کو ابوطالب کی فوتیہ کی خبر ملی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا، جاؤ جا کر اُسے زمین میں داب دو۔ کسی نے گفتگو نہ کرنا اور دفن کرنے کے بعد میرے پاس آجاؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور علیہ السلام ابوطالب کے کفن دفن میں شریک نہیں ہوئے۔ پھر جب باپ کو دفن کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت

میں حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت علیؑ کے حق میں دُعا فرمائی۔ البوطالب چونکہ حضور نبی کریم کا پرورش کنندہ تھا، اُس نے آپ پر احسان کیسے کئے، اس لیے آپ کو اُس کے ایمان نہ لانے کا بڑا صدمہ ہوا، تاہم فرمایا کہ میں تمہارے لیے بخشش کی دُعا کرتا رہوں گا۔ جب تک کہ مجھے روک نہ دیا جائے مگر اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (القصص) بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے، چکو چاہیں بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اس طرح گویا آپ علیہ السلام کو البوطالب کے حق میں دُعا کرنے سے روک دیا گیا، لہذا آپ نے اس کے لیے دعائے مغفرت نہ فرمائی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھا دی ہے کہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دُعا مانگنا حرام ہے، چاہے باپ ہو یا بیٹا، بھائی ہو یا کوئی دوسرا عزیز نہ ہو۔ کافر اور مشرک جب تک دنیا میں موجود رہے اس کے لیے ہدایت کی دُعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ایمان کی توفیق بخش کرے۔ مغفرت کا اہل بنائے مگر مرنے کے بعد اُن کے لیے بخشش کی دُعا مانگنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا ہے اور مشرکوں کے متعلق قطعی فیصلہ کر دیا اِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء) اللہ تعالیٰ مشرک کو ہرگز نہیں بخشتے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے معاف کرے۔ مغفرت کی دُعا صرف ایمان والوں کے لیے روا ہے، چنانچہ مکتب اہل ہدی کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اَلَمْ يُؤْمِنِ بِمَنْ يَشَاءُ کی بخشش کی دُعا مرنے والے مومنوں کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی غلطیوں کو معاف فرمائے اور اُن کو جنت الفردوس اور اعلیٰ مرتبہ عطا فرمائے۔ اور دوسری مسئلہ بات یہ ہے کہ صدقہ خیرات کمرے مومن کو ایصالِ ثواب کرنے سے مرنے والے کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے تاہم

مشرک کے لیے دُعائے مغفرت ہرگز جائز نہیں۔

مشرک کا معلوم ہونا یا تو وحی الہی سے ہو گا یا پھر مشرک وہ ہو گا۔ جو اعلانیہ طور پر کفر و شرک کے کام کرتا ہو اور اسی پر اُسے موت آئی ہو امر نے سے پہلے اُس نے معافی بھی نہیں مانگی تو ظاہری قرینہ یہی ہے کہ ایسا شخص مشرک ہے ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی اور مومنوں کے لیے لائق نہیں کہ وہ کسی مشرک کے حق میں بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں مَنْ كَفَرَ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ كَفَرٌ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو چکا ہو کہ یہ لوگ جہنم والے ہیں مطلب یہ کہ جب قرآن سے واضح ہو جائے کہ فلاں شخص مشرک کا از کتاب کر رہا ہے اور وہ بغیر معافی مانگے مر جائے تو اس کے لیے بخشش کی دعا کرنا حرام ہو گا۔

اس فیصلہ کے بعد کہ کسی مشرک کے لیے دُعائے مغفرت کی اجازت نہیں فہم فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جانا ہے کہ انہوں نے بھی تو اپنے مشرک باپ کے لیے بخشش کی دعا کی تھی بلکہ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کی بناء پر بعض مسلمان بھی اپنے مشرک قرائنداروں کے لیے دُعائے مغفرت کرتے تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو بتوں کی پرستش سے روکنے کی ہر چند کوشش کی، اسے سمجھایا کہ تم ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اس کے جواب میں باپ نے ابراہیم علیہ السلام کو دھکے دیکر گھر سے نکال دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اچھا تم تو میری بات نہیں مانتے مگر سَأَسْتَغْفِرُكَ لَكَ رَجَاءٌ إِنَّكَ كَانَ لِحُبِّ حَفِيَّتَا دُرِّمِيمٍ میں تمہارے لیے اپنے پروردگار سے بخشش کی دعا کروں گا کیونکہ میرا پروردگار میرے ساتھ بڑا ہی

باپ کے لیے  
ابراہیم علیہ السلام  
کی دعا

مہربان ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے حق میں دعا اسی وعدے کے مطابق تھی جس کو اللہ نے یہاں بیان فرمایا ہے۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لِدٰبِّهِ رَآءِ الْاٰنَانِ مُمْتَدًّا وَّعَدَہَا اَیَّاکَ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت ایک وعدے کی بنا پر تھی۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَہٗ اَنَّهُ دَرُ لِّلّٰہِ تَکْرًا مِّنْہٗ مَکْرَجٌ اَنْہٗیْہِمْ وَاَضَحَّہٗ لَہٗ اَنَّهُ کَا بَابٍ دُشْمٰنٍ فَاَسٰہٗ تُوْا بِہٖ اَسَہٗ بَیْزَارَہٗ ہونے یا استغفار کرنے سے بری ہو گئے۔ پھر اس کے بعد باپ کے لیے دعائیں کی۔ بہر حال اگر مہندہ کا مرجع ابراہیم علیہ السلام کے باپ کی طرف ہو تو معنی ہو گا کہ آپ اپنے باپ سے بیزار ہو گئے، اور اگر مہندہ کا مرجع استغفار کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے حق میں دعا کرنے سے ترک گئے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی تعریف بیان کی ہے کہ انہوں نے باپ کے حق میں دعا کرنے کا عندہ اپنی نرم دلی اور رفق القلبی کی بنا پر کیا تھا اِنَّ اِبْرٰهٖمَ لَکَا حٰدِیٌ بِشَکِّ اِبْرٰهٖمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ نرم دل اور تحمل دالے تھے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھا دی ہے کہ یہ بات حدود اللہ میں سے ہے کہ کسی مشرک کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں خواہ وہ کسی کا باپ ہو، بیٹا، بھائی ہو یا کوئی دوسرا عزیز ہو۔

مختصر علیہ السلام کے چچا ابو طالب کا حال تو معلوم ہے مگر آپ کے والدین کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ اہم سیوطی نے ایک مستقل رسالہ میں دونوں پر لکھا ہے اور بعض دوسرے اصحاب نے بھی کتابیں لکھی ہیں جن میں ثابت کیا گیا کہ آپ علیہ السلام کے والدین ایمان دالے اور اچھے تھے۔ لیکن بعض دوسرے مفسرین اور محدثین نے بعض روایات سے ثابت کیا ہے کہ وہ مشرک میں ملوث تھے جیسا کہ اس زمانے کے عام

مختصر  
کے  
والدین

لوگ تھے۔ یہ دونوں قسم کی متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔ تاہم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا فتویٰ یہ ہے اَللّٰہُ کَوْنٌ اَوَّلٰی یعنی اس معاملہ میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ شیخ الاسلام بھی اس مقام پر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے والدین کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے انہیں مؤمن اور ناجائز ثابت کرنے کے لیے رسائل لکھے ہیں اور بعض شراح حدیث نے محدثانہ اور متکلمانہ مباحث کیے ہیں مگر احتیاط اور سلامت روی کا طریقہ یہی ہے کہ اس مسئلہ میں زبان بند رکھی جائے اور ایسے نازک مسئلہ میں غور کرنے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ حقیقت حال تو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے اور وہی تمام مسائل کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔ جب بھی کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے بارے میں کوئی سوال کرے تو خاموش رہنا بہتر ہے۔ کیونکہ اُن کے متعلق کوئی بات قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور کے والد نے چوبیس سال کی عمر میں وفات پائی اور آپ کی والدہ نے بھی کوئی زیادہ عمر نہیں پائی۔ یہ فترت کا زمانہ تھا، لہذا اُن کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ بہر حال علمائے دیوبند کا مسلک میں نے عرض کر دیا بلکہ اس مسئلہ کا ذکر ابھی تجاذز میں داخل ہے۔

اتمام حجت

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات بیان فرمائی ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ ۚ اللّٰهُ تَعَالٰی کسی کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا حَتّٰی يَبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ط جب تک کہ اُن کو ان چیزوں سے آگاہ نہ کر دے جن سے انہیں بچنا چاہیے۔ پھر جب وہ لوگ غلطی پر اصرار کرتے ہیں تو قوم گمراہ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کو گمراہ قرار دے دیتا ہے۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنا نبی اور شریعت بھیجے بغیر اور تمام باتوں کی وضاحت کیے بغیر ان پر گمراہی کی مہر لگائے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ

ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کا احسان ہے کہ وہ کفر، شرک، بدعت اور معاصی وغیرہ سب کو بیان کر دیتا ہے تاکہ لوگ ان قبیح چیزوں سے بچ جائیں۔ پھر جب وہ جاننے کے باوجود ان سے باز نہیں آتے تو گمراہی میں جا پڑتے ہیں اور اللہ بھی ان کی گمراہی کی تصدیق کر دیتا ہے۔ غرضیکہ اتمام حجت کے بغیر اللہ تعالیٰ کسی قوم پر گنہگار کی چھاپ نہیں لگاتا۔

ہر ملک  
ملک خدا  
است

فرمایا یہ بھی سن لو، اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
بیشک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے یُحْيِیْ وَیُمِیْتُ  
موت و حیات کا مالک بھی وہی ہے۔ اہل ایمان کا خدا کے منکرین سے  
جہاد کسی ذاتی غرض کے لیے نہیں ہوتا، نہ وہ اپنی ملوکیت قائم کرنا چاہتے  
ہیں بلکہ مسلمان تو اللہ کے دین کی سر بلندی، اُس کے کلمہ کی سر بلندی اور  
دنیا میں اس کے منشاء کو جاری کرنے کے لیے جان و مال کی قربانی پیش کر  
دیتا ہے۔ جب لوگ خالص اللہ کی رضا سے دست کش ہو جائیں گے  
تو پھر دنیا میں ملوکیت اور امپر بیڈ نہ کم کا دور دورہ ہوگا، شہنشاہیت قائم ہوگی  
و فیہ شرب الیگی، دنیا عدل و انصاف سے محروم ہو جائیگی اور بالآخر اس  
کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ مسلمان ہمیشہ اللہ کے دین اور  
بنی نوع انسان کی بھلائی کے لیے تگ و دو کرتے رہے۔ یاد رکھو! آسمان  
وزمین کی بادشاہی صرف اللہ کی ہے۔ وہی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے  
حتیٰ کہ موت و حیات بھی اُسی کے قبضہ قدرت میں ہے لہذا ہمیشہ  
اسی کی بات کو بلند کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

حمایت و  
نصرت  
خداوندی

فرمایا، یاد رکھو! اگر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر دو گے، اگر ٹر دکھاؤ گے،  
کفر اور شرک کا راستہ پکڑو گے، بدعت اور معاصی کو اپنائو گے، خدا تعالیٰ  
کے احکام کی خلاف ورزی کر دو گے وَکَآلَکُمْ مَّوَدُّ دُونِ اللّٰهِ

مِنْ وَلِيِّيَ وَلَا نَصِيْبٌ لِّكَ اللَّهُ کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ  
 مددگار۔ جب اس حامی و ناصر خدا تعالیٰ ہی کی نافرمانی کرنے لگو گے تو  
 پھر تمہیں اس کے غضب سے کون بچا سکے گا۔ ہر مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ کی  
 مہربانی، شفقت اور عفویت ہی تمہارے کام آسکتی ہے۔ اور وہ جہی حاصل  
 ہوگی جب تم صحیح راستے پر گامزن ہو جاؤ گے۔ اگر ادھر ادھر غلط راستے اختیار  
 کر دو گے، قرآن پاک کے پروگرام کی بجائے باطل نظام کو اختیار کر دو گے، کفر،  
 شرک، بدعات اور معاصی کا ارتکاب کر دو گے۔ قرآنی تعلیم کے خلاف عمل  
 کر دو گے، دنیا میں شیطانی نظام رائج کرنے کی کوشش کر دو گے تو تمہیں اللہ  
 تعالیٰ کی حمایت اور نصرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ خدا کی حمایت تو اس وقت  
 حاصل ہوگی جب قرآن کے نظام کو رائج کرنے کی کوشش کر دو گے۔ یاد رکھو  
 اللہ کے دین کی مخالفت کر دو گے تو خدا کے ہاں سے تمہیں بچانے والا  
 کوئی نہ ہوگا۔ تمہارا کوئی دلی، سرپرست، حمایتی یا دوست نہیں ہوگا۔

يعتذرون ۱۱۰

التوبة ۹

در سہیل ۴۰

آیت ۱۱۷ ۱۱۹

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ  
الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا  
كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ  
عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رُءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝۱۱۷ وَعَلَى  
الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ  
الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ  
وَزَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ  
عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝۱۱۸  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ  
الصَّادِقِينَ ۝۱۱۹

۱۱۷  
۱۱۸  
۱۱۹

ترجمہ :- البتہ تحقیق مہربانی سے رجوع فرمایا اللہ تعالیٰ  
نے اپنے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے نبی کا  
اتباع کیا تنگی کی گھڑی میں بعد اس کے قریب تھا کہ ان میں سے  
ایک گروہ کے دل پھہراتے - پھر اللہ نے مہربانی فرمائی  
ان پر - بیشک وہ ان کے ساتھ شفقت کرنے والا اور  
مہربان ہے ۝۱۱۷ اور اللہ نے مہربانی فرمائی اُن تین آدمیوں  
پر جو پیچھے رکھے گئے تھے یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی



اُن پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں اُن پر اُن کی جانبیں بھی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے مگر اللہ کی طرف - پھر اللہ نے مہربانی سے رجوع فرمایا اُن پر تاکہ وہ رجوع کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے توبہ قبول کرنے والا اور مہربان (۱۱۸) اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ (۱۱۹)

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے دو گروہوں کا ذکر فرمایا ربط آیات تھا۔ پہلا گروہ مہاجرین اور انصار کی مرکزی جماعت ہے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور دوسرا گروہ اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے پہلے گروہ کی اتباع کی، اللہ تعالیٰ نے اُن کے مال اور جانبیں جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ کبھی دشمن کو قتل کرتے ہیں اور کبھی خود جہاد شہادت نوش کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے اُن کی صفات بھی بیان فرمائیں۔ اُن میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قیام حدود ہی کے سلسلے میں مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرمادیا چاہے وہ کسی کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے مشرک باپ کے لیے دعائے مغفرت کی یہ وجہ بیان کی کہ وہ ایک وعدے کی بنا پر بھٹی جو ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، مگر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ اُن کا باپ اللہ کا صریح دشمن ہے تو انہوں نے بنیاری کا اعلان کر دیا اور پھر کبھی باپ کے لیے دُعا نہیں کی کیونکہ اس کی موت شرک کی حالت میں ہی واقع ہوئی۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بھی بتلادیا کہ خدا تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ نہیں ٹھہراتا جب تک وہ تمام باتیں ظاہر نہ کر دے جن سے بچنا ضروری ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام اور آپ کے متبعین مہاجرین و انصار کی خوبیاں

بیان فرمائی ہیں اور ساتھ ساتھ ان سے سرزد ہونے والی معمولی کوتاہیوں کی معافی کا اعلان بھی کیا ہے۔

مخلفین  
تبوک

جنگ تبوک میں شامل نہ ہونے والے منافقین کا حال تو بیان ہو چکا ہے کہ ان میں سے بعض نے روانگی سے پہلے جھوٹے چلے بہانے کر کے حضور علیہ السلام سے رخصت لے لی اور بعض نے واپس آنے کے بعد عذر پیش کر کے معافی حاصل کر لی۔ ان کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی تھے جو اپنی کوتاہی کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہوئے، تاہم انہوں نے صاف صاف اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ ان میں سے سات آدمیوں کا ذکر گذشتہ آیات میں ہو چکا ہے جن میں ابولبابہ، عبداللہؓ بھی شامل تھا، انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو ان کو حضور علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے آزاد کر دیا۔ ایسے ہی مخلص مسلمانوں میں سے تین آدمیوں کا ایک دوسرے گمراہ تھا جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوا۔ یہ لوگ بھی مخلص تھے مگر ان پرستی غالب آگئی انہوں نے بھی جھوٹے چلے بنانے کی بجائے اپنی غلطی کا واضح اعتراف کیا حضور علیہ السلام نے ان کا قضیہ مؤخر کر دیا کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہو گا اس کے مطابق عمل کیا جائیگا۔ چنانچہ ان تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی کرمی آزمائش میں ڈالا اور پھر بچاؤ کے بعد ان کی توبہ قبول فرمائی۔ آج کی آیات میں انہی لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

نبی کی  
ذات

اس توبہ میں خود حضور علیہ السلام اور تین مخلفین کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ریحؓ اور ہلال بن امیہؓ کا ذکر آتا ہے۔ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کی ذاتِ باریکات کو اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ آپ نے انہی کے قریب فہم کے کو جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیدی تھی۔ انہوں نے جھوٹے چلے بہانے بنائے مگر حضور علیہ السلام نے ان پر شفقت کرتے ہوئے

انہیں رخصت دی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا پہلا حکم بھی گزر چکا ہے جس میں آپ کو تنبیہ فرمائی گئی "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذْنْتَ لَهُمْ" اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے کیوں ان کو رخصت دی؟ آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو ان کا نفاق کھل کر سامنے آ جاتا کیونکہ یہ جہاد میں شریک ہونے والے بہرگز نہ تھے، اب انہیں آپ کی طرف سے اجازت کا بہانہ ہاتھ آگیا ہے اور یہ اسے جواز کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ اللہ نے مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اپنے نبی پر۔ تاکہ کا لفظی معنی رجوع کرنا ہوتا ہے اور اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی ہوتا ہے اور بندوں پر بھی۔ جب یہ اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ اللہ نے مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا، اور جب اس کا اطلاق بندوں پر کیا جاتا ہے تو مطلب ہوتا ہے کہ بندے نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اسے ترک کر دیا ہے اور اب اللہ کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ چنانچہ گذشتہ آیت میں ایمان والوں کی سب سے پہلی صفت اَلَّذِيْنَ يَتُوبُونَ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔

مہاجرین  
اور انصار

تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اپنے نبی پر وَاللّٰهُ يَجِزِي وَالْاَنْصَارِ اور مہاجرین اور انصار پر بھی اللہ نے مہربانی فرمائی۔ مہاجرین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مشرکین کی ایذا، رسانیوں سے تنگ آ کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں زیادہ تر قریش خاندان کے لوگ اور بعض دوسرے قبائل کے لوگ تھے جو دوسرے مقامات سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آ گئے۔ اور انصار مدینہ طیبہ کے رہنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور پھر دین کی خاطر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی پیش کی اور مہاجرین کی ہر طرح دل جوئی، ہمدردی اور مدد کی۔

اپنی مہاجرین اور انصار کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے الَّذِينَ  
 اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ۖ وَبَينَ جُنُودِ الْغَنِيِّ وَالْعُسْرَةِ ۚ  
 اتباع کیا تنگی کی گھڑی سے غزوہ تبوک مراد ہے کیونکہ غزوہ تبوک کا ایک نام ذات  
 العسرہ یعنی تنگی کے زمانے کا جہاد بھی ہے۔ اس کو تنگی کا زمانہ اس لیے کہا گیا ہے  
 کہ گرمی کا زمانہ تھا کھجوروں کا فصل پک چکا تھا اگرچہ قحط کے زمانے کی وجہ سے  
 فصل کی حالت اچھی نہ تھی۔ مجاہدین کے لیے خوراک اور دوسرا سامان بالکل قلیل  
 تھا۔ سواریوں کی حالت یہ تھی کہ دس دس آدمیوں کے لیے ایک ایک سواری میسر  
 آئی تھی راستہ بڑا کٹھن اور دور دراز کا تھا۔ ایک مہینہ جانے کے لیے اور ایک  
 مہینہ آنے کے لیے درکار تھا۔ پھر راستے میں خوراک کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور  
 ایسا وقت بھی آیا جب دو دو آدمیوں کے حصے ایک ایک کھجور آتی تھی۔  
 جب یہ بھی ختم ہو گئیں تو مجاہدین کھجور کی گٹھلیاں چوس کر اگر تھوڑا بہت پانی  
 مل جاتا تو پی کر گزارہ کرتے۔ پھر پانی بھی بالکل ختم ہو گیا اور ایسا وقت بھی آیا کہ  
 اونٹ زنج کیا اور اس کی اوجھڑی کے لائش شدہ پانی سے اپنی زبان کو تر کیا۔  
 ان تمام تکالیف کے علاوہ ایک منظم طاقت کے ساتھ مقابلہ تھا جس کی  
 باتا عدہ فوج دو تین لاکھ تھی۔ اور اوصاف مسلمان مجاہدین کی تعدد و مختلف روایات  
 کے مطابق تیس ہزار سے لیکر ستر ہزار کے درمیان تھی۔ انہی حالات کی بناء پر  
 تنگی کی گھڑی کہا گیا ہے۔

فرمایا وہ مہاجرین اور انصار جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں اپنے بنی کا ساتھ  
 دیا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ اِذْ يَزِيحُ فِیْ قُلُوْبٍ فَرِیقٍ مِّنْهُمْ ۚ بَعْدَ اِذْ  
 کے کہ قریب تھا کہ ان میں سے بعض آدمیوں کے دل کچھ ہو جاتے بعض  
 لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ یہ تو بڑا کٹھن سفر ہے، لہذا اس  
 سے بچنا ہی چاہیے مگر اللہ نے ان کے دلوں کو سہارا دیا۔ جنگ احد کے  
 موقع پر بھی ایسا ہی ہوا تھا جب بنی سلمہ اور بنی حارثہ کے لوگوں نے بزدلی کا

ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں سہارا دیدیا۔ بہر حال فرمایا کہ اتنی سختی کا زمانہ تھا کہ قریب تھا کہ بعض کے دل پھر جلتے اور وہ غزوہ سے رہ جاتے مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا اور ان کی کوتاہیوں کو دُور کیا۔ اِنَّ رَبَّہٗمَّ رَءُوفٌ رَّحِیْمٌ بیشک وہ ان کے ساتھ شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔

تین مخلصین  
کی آزمائش

عام مسلمانوں کی بات تو ہو گئی کہ جن سے چھوٹی موٹی لغزش ہو گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا۔ اس سے پہلے ان سات آدمیوں کی معافی کا ذکر بھی ہو چکا ہے جو محض سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے اور انہوں نے جیلے ہلنے بنانے کی بجائے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا تھا اب ان تین مخلص مسلمانوں کا ذکر ہے جو رہا ہے جنہیں چھپے رہ جانے کی وجہ سے سخت ابتلا سے گزرنا پڑا۔ یہ تین آدمی کعب بن مالکؓ، مرہ بن ریعؓ اور ہلال بن امیہؓ تھے۔ اپنی کاہلی کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہوئے۔ پھر جب حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے تو ان لوگوں نے اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کیا۔ ان میں سے مرہؓ اور ہلالؓ بدری عجبائی ہیں جب کہ کعبؓ معرکہ بدر کے سوا ہر جہاد میں شریک ہوتے رہے، ہجرت سے پہلے مکہ جا کر ایمان لائے اور حضور علیہ السلام کو مدینہ کی طرف ہجرت کی دعوت بھی دی۔ جب یہ لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے کعب بن مالکؓ سے فرمایا کہ تمہارے پاس تو سواری بھی موجود تھی، پھر تم جہاد میں کیوں شریک نہ ہوئے؟ عرض کیا، حضور! میرے پاس ایک چھوٹا دو سواریاں تھیں مگر مجھ پر سستی غالب آئی اور یہ میری غلطی ہے، میرا کوئی عذر نہیں ابتدا میں تو میں نے خیال کیا کہ کوئی بات نہیں لشکر روانہ ہو گیا تو تیز رفتار سواری پر چل کر ان سے جا ملوں گا۔ اس طرح اچانک کہ تاراجی کہ آپ کی واپسی کی خبریں آنے لگیں۔ بہت متفکر ہوا مگر دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ ساری بات سچ سچ کہ

دوں گا۔ کوئی حیلہ بہانہ نہیں کروں گا۔ یہ سارا واقعہ کعب بن مالکؓ نے خود اپنی زبان میں بیان کیا ہے جو صحیح ستہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ بہر حال آپؐ کعبؓ کی بات سن کر انہیں فارغ کمرہ دیا اور فرمایا کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تین آدمیوں کے بائیکاٹ کا اعلان دیا اور حکم دے دیا کہ کوئی شخص ان سے سلام کلام یا لین دین نہ کرے ان میں سے دو آدمی تو ضعیف تھے وہ گھروں میں بیٹھ گئے، البتہ کعبؓ مسجد میں نماز کے لیے آتے رہے۔ کسی سے سلام کرتے تو کوئی جواب نہ دیتا۔ راستے چلتے کوئی کلام کرنے کو تیار نہ تھا جب اس مقاطعہ کو چالیس دن گزر گئے تو حضور نے حکم دیا کہ ان تینوں کی بیویوں سے بھی کہ دو کہ ان سے الگ ہو جائیں۔ ان کی اس حالت کا اشارہ قرآن پاک میں موجود ہے، ان کو اس قدر پریشانی لاحق ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بعض دیگر اکابر صحابہ بھی پریشان ہو گئے۔ حضرت کعبؓ خود فرماتے ہیں کہ اگر اسی مقاطعہ کے دوران میری موت واقع ہو جاتی تو کوئی مسلمان میرا جنازہ تک نہ پڑھتا بلکہ مجھے کافر ہی سمجھتے۔

مفسرین اور محدثین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی کا مقاطعہ کرنا جائز ہے، البتہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ کسی آدمی سے تین دن سے زیادہ رنجش رکھنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اگر ایسا کرے لگاتار آدمی گناہگار ہوگا۔ البتہ اس مسئلہ میں مقاطعہ پچاس دن تک جاری رہا مفسرین کرام اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں، کہ کسی دنیاوی معاملہ میں تو مقاطعہ یا بائیکاٹ تین دن سے زیادہ روا نہیں، لیکن دینی معاملہ میں مقاطعہ کی کوئی حد نہیں، یہاں توبہ بائیکاٹ صرف پچاس دن تک جاری رہا مگر ضرورت کے مطابق یہ سال، دو سال بلکہ ساری عمر کے لیے بھی بڑھایا جاسکتا ہے لہذا دینی معاملہ میں تین دن والی حدیث کا اطلاق نہیں ہوتا۔

مقاطعہ کا شرعی حکم

توبہ کی  
قبولیت

بہر حال جب اسی حالت میں پچاس دن گزر گئے اور ان لوگوں کی حالت  
بہت غراب ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ  
خَلَفُوا بِهِنَّ پھر ان تین شخصوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی  
جو پیچھے رہ گئے تھے اور جن کا عذر قبول نہیں کیا گیا تھا۔ حتیٰ إِذَا ضَاقَتْ  
عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ بیان تک کہ کثرت کی وجہ سے باوجود جب ان پر  
زمین تنگ ہو گئی۔ کعبہ فرماتے ہیں کہ میری حالت واقعی اس آیت کے مصداق  
تھی۔ میرے دل میں سخت گھٹن تھی، مجھے زمین تنگ نظر آرہی تھی اور میری سخت  
پریشانی کے عالم میں تھا وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور خود ان کی جانب  
بھی ان سے تنگ ہو گئیں۔ انہیں خود اپنی ذات پر بھی تنگی محسوس ہونے لگی۔  
وَقَالُوا إِنَّا لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ اور انہوں نے یقین کر لیا  
کہ خدا تعالیٰ کے سوا ان کے لیے کہیں کوئی جائے پناہ نہیں۔ تَمَّ تَابَ  
عَلَيْهِمْ لیکن پھر اللہ نے ان پر مہربانی کے ساتھ رجوع فرمایا تاکہ یہ  
لوگ بھی اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے تائب ہو جائیں۔ اور آئندہ ایسی غلطی  
نہ کریں۔ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ بیشک اللہ تعالیٰ وہی ہے  
مہربانی کے ساتھ رجوع کرنے والا اور نہایت مہربان اُس نے ان لغزش کرنے  
والوں پر بھی اپنی مہربانی فرمائی اور انہیں معاف کر دیا۔

سچائی کی  
برکت

اب اگلی آیت میں تمام لوگوں کو اُس اصول کی طرف دعوت دی جا  
رہی ہے جس پر قائم رہ کر یہ تین آدمی کامیاب ہوئے۔ یہ سچائی کا اصول ہے  
ان لوگوں نے کوئی حیلہ بہانہ نہ بنایا اور نہ کوئی عذر پیش کیا بلکہ سچائی کو اختیار  
کرتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تو اسی اصول کے متعلق ارشاد ہوتا  
ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ اے ایمان والو! اللہ سے  
ڈرتے رہو۔ خدا تعالیٰ کی گرفت اور اس کی سزا بڑی سخت ہے، ہمیشہ سچ  
بولو وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔ کیجو!

ان تین آدمیوں نے سچائی کا راستہ اختیار کیا تو بالآخر کامیاب ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اُن کی غلطی معاف فرمادی۔ اسی طرح اگر تم بھی سچائی پر قائم رہو گے، سچے لوگوں کا ساتھ دو گے تو تمہیں بھی فلاح نصیب ہوگی۔ لہذا ہمیشہ صادق القول والفعل بننے کی کوشش کرو۔

حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں ارادہ کیا کہ میں ہمیشہ سچائی ہی کو اختیار کروں گا کیونکہ اس ابتداء سے مجھے میری سچ گوئی نے ہی بچایا ہے۔ چنانچہ عام اہل ایمان کو بھی اللہ تعالیٰ نے سچائی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اَلصِّدْقُ سَيَجِي وَالْكَذِبُ يَهْلِكُ سچائی کے ذریعے انسان نجات حاصل کرتا ہے اور جھوٹ کے ذریعے ہلاک ہوتا ہے جھوٹ بول کر وقتی طور پر تو منافقین بچ گئے۔ مگر آخر کار تباہ و برباد ہوئے، اور سچے لوگوں نے اگرچہ وقتی طور پر تکلیف اٹھائی مگر بالآخر وہی کامیاب ہوئے۔



مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نِيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝۱۲۰ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝۱۲۱

ترجمہ :- نہیں لائق تھا مدینہ والوں کے لیے اور نہ ان لوگوں کے لیے جو ان کے ارد گرد رہتے ہیں دیہاتوں میں سے کہ وہ پیچھے رہتے اللہ کے رسول سے ۔ اور نہ یہ بات ان کے لیے مناسب تھی کہ وہ ترجیح دیں اپنی جانوں کو اس کی جان پر ۔ یہ اس لیے کہ بیشک ان لوگوں کو نہیں پہنچے گی پیاس اور نہ تھکاوٹ اور نہ بھوک اللہ کے راستے میں اور نہ وہ روزیں گے روزنا (یا نہیں روزیں گے روزنے کی جگہ کی)

جو کافروں کو غصہ دلائے، اور نہیں پائیں گے وہ دشمن سے کچھ پانا مگر یہ کہ ان سب کے بدلے میں لکھا جائے گا اُن کے لیے نیک عمل۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا نیکی کرنے والوں کے بدلے کو (۱۲۰) اور نہیں یہ خرچ کریں گے کوئی خرچہ چھوٹا اور نہ بڑا۔ اور نہیں یہ طے کریں گے کسی وادی کو مگر لکھا جائے گا ان کے لیے تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے ان کو بہتر اُس کام کا جو وہ کرتے تھے (۱۲۱)

رابط آیات

سابقہ سورۃ انفال اور یہ سورۃ توبہ دونوں جہاد کے احکام پر مشتمل ہیں۔ جو غزوہ تبوک پیش آیا تھا، اُس کی بھی کافی تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ اس ضمن میں اللہ کے نبی اور ایمانداروں کی محنت، لگن اور جانفشانی کا ذکر ہوا ہے اور دوسری طرف منافقین کی بزدلی، چال بازی اور سازشوں کی نشاندہی بھی ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ تیسری اہم چیز اُن مخلص مسلمانوں کو تنبیہ ہے۔ جو غزوہ تبوک میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ اللہ نے ان کے دو گنہگاروں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلا گنہگار سات آدمیوں کا تھا، جنہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا۔ اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں معاف کر دیا۔ دوسرے گنہگار وہ تین عظیم المرتبت آدمی تھے۔ یہ بھی نہایت مخلص مسلمان تھے۔ مگر اپنی سستی کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ گئے۔ ان کا معاملہ اللہ نے مؤخر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انکو سخت ابتلاؤں ڈالا، سائے مسلمانوں نے ان کا مکمل بالیکاٹ کر دیا جو کہ متواتر پچاس روز تک جاری رہا حتیٰ کہ وہ خود اپنے آپ تک آگئے۔ پھر اللہ نے آیتیں نازل فرما کر ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان بھی فرمایا۔ پھر انہوں نے وہ مال بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا جو اُن کے لیے جہاد میں عدم شرکت کا باعث بنا تھا۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم رفاقت



کو تیار تھا۔ حسین جمیل بیوی نے دہاں پانی کا چھڑکا دیا تاکہ ابو خنیثمہ دہاں آرام کریں۔ جب وہ بلخ میں پہنچے تو آرام و سکون کی جگہ کو دیکھ کر انہیں بیکرم خیال آیا کہ میں یہاں سائے میں اپنی بیوی کے ہمراہ بیٹھا ہوں مگر اللہ کا رسول دھوپ اور گرمی کی تکالیف برداشت کر رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سورج کہ مجھ پر بجلی سی گئی، میں نے سب کچھ وہیں چھوڑا، سواری لی اور تنہا ہی حضور علیہ السلام کے پیچھے چل پڑا۔ قافلہ بہت دور جا چکا تھا۔ راستے میں ایک جگہ بڑا اونٹنا تو میں بھی قریب پہنچ گیا۔ اُوھر جب حضور علیہ السلام نے دور سے گردوغبار اُڑتا دیکھا تو اپنے نور بصیرت سے فرمایا کہ آنے والا ابو خنیثمہ ہونا چاہیے اور حقیقت میں الیا ہی تھا۔

کعب بن مالک کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، وہ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے۔ جب قافلہ روانہ ہو گیا تو وہ خیال کرتے رہے کہ آج چلا حائل گا، کل روانہ ہو جاؤں گا، اسی طرح پندرہ بیس دن گزر گئے اور وہ روانہ نہ ہوئے پھر انہیں ندامت ہوئی اور انہوں نے واپسی پر حضور کے سامنے ساری بات سچ سچ کہ دی جس پر اللہ نے انہیں سخت ابتلا میں ڈالا اور پچاس دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ مطلب یہ کہ ان کے لیے یہ بالکل مناسب نہیں تھا کہ حضور تو سفر پر روانہ ہوں اور یہ گھر میں آرام سے بیٹھے رہیں۔

حضرت خدیبؓ کا واقعہ طبقات ابن سعد میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ جب مشرکین آپ کو سولی پر لٹکا رہے تھے تو انہوں نے کہا، اے خدیب! اس وقت تو رقم ضرور دل میں خیال کرتے ہو گے، کاش کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تمہاری جان بچ جاتی حضرت خدیبؓ نے جواب دیا، ظالمو! خوب سن لو! اگر میری تلواریں بھی ہوں اور وہ ایک ایک کر کے اللہ کی راہ میں قربان ہو جائیں تو مجھے کبھی یہ بھی گوارا نہیں ہو گا کہ میرے آقا کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے، تم کس خیال

میں ہو؟ وجہ ظاہر ہے کہ وہ لوگ نبی کی جان کو اپنی جان پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو دجانہ کا احد والا واقعہ بھی طبری میں موجود ہے۔ جب دشمن کی طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی تو انہوں نے اللہ کے نبی کے سامنے اپنی پشت کو ڈھال بنا رکھا تھا۔ اُن کی پشت پر چوڑی تیر لگے اتنی تکلیف اٹھائی مگر یہ نہ پسند کیا کہ اللہ کے نبی کو کوئی تکلیف پہنچے۔ تو یمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ نبی کی ذات کو اپنی ذات پر ترجیح دے نہ کہ اپنی جان کو نبی کی جان پر ترجیح دے۔

جہاد کا  
اصرو ثواب

فَمَا يَذَلَّتْ جِهَادٌ فِي شَرِّكَتِ كَابِتٍ بَظَافِئِهِ هِيَ بِأَنَّهُمْ  
لَا يُصِيبُهُمْ ظَمًا وَلَا تَصَبٌ وَلَا فُحْصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
کہ مجاہدین کو اللہ کے راستے میں جو بھی پیاس، تھکاوٹ اور بھوک پہنچے وَلَا  
يَصْلُوْنَ مَوَاطِنًا اور جس روندنے کی جگہ کو بھی وہ روندیں يَغِثُ الْكُفَّارَ  
جس سے کافر غصہ میں آئیں۔ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ لَّهُ اور جو  
کچھ بھی وہ دشمن سے پائیں إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ  
تو ان سب چیزوں کے بدلے میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جائیگا یہاں  
پر اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی چیزوں کا ذکر کیا ہے جو ایک مجاہد کو عام طور پر  
پیش آتی ہیں مثلاً سب سے پہلے بھوک پیاس اور تھکاوٹ کا ذکر ہے۔  
پہلے بیان ہو چکا ہے کہ غزوہ تبوک کے ضمن میں اسلامی لشکر کو کس قدر بھوک  
اور پیاس برداشت کرنا پڑی، خمر راک کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور پھر دو دو مجاہدین  
کو ایک ایک کھجور پر گزارا کرنا پڑا۔ جب پانی بالکل ختم ہو گیا تو اونٹ کی اور بھڑکی  
کے الائش شدہ پانی سے حلق کو تر کرتے رہے۔ اس سفر میں سوار یوں کی کمی کی  
وجہ سے اکثر صحابہ کو یہ سرفرہیل طے کرنا پڑا جس کی وجہ سے تھکاوٹ کا ہو  
جانا بھی فطری تھا۔

کسی جگہ کو پاؤں سے روندنے کا مطلب یہ ہے کہ دور دراز کا سفر

کمر کے دشمن کے علاقہ میں جانا ہوتا ہے۔ مَوَدَّاءُ اگر طرف کے طور پر استعمال ہو تو معنی ہوگا روندنے کی جگہ اور اگر یہ مصدر سمجھا جائے تو مطلب روندنا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ محاذ جنگ پر پہنچنے کے لیے راستے کی جتنی بھی تکالیف برداشت کریں گے جو کفار کو غصہ دلائیں، ظاہر ہے جب کسی دوسرے ملک کی زمین کو پاؤں سے روند جائے گا تو وہ ضرور غضبناک ہوگا اور اُسے غصہ آئے گا، لہذا دشمن کی طرف سے غصے کا اظہار اور اُس سے حاصل ہونے والی ہر چیز خواہ وہ مال کی صورت میں ہو یا اسلحہ کی صورت میں، خوراک کا ذخیرہ ہو یا موتی ہوں۔ جزیرہ ہو یا پھر دشمن کے لوگ قیدی بنائے جائیں، جو کچھ بھی حاصل ہو، فرمایا ان تمام چیزوں کے بدلے یعنی مجاہدین اسلام کے ہر ہر عمل کے بدلے اللہ تعالیٰ ان کے نامہ اعمال میں نیک عمل کھیتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ کے راستے کے گھوڑے کی لید، پٹاب اور اس کا اچھلنا کوئی بھی نیکیوں میں درج ہو جاتا ہے اور قیامت کے دن ان تمام چیزوں کا اجر عظیم حاصل ہوگا کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا بلکہ انہیں ہر نیک عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے۔

مال خرچ  
کرنے کا اجر

یہ تو اللہ نے ذاتی محنت و کوشش کا اجر و ثواب بیان فرمایا اب آگے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بیان ہو رہی ہے۔ وَلَا يَنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً يَهْ مَجَاهِدِينَ جَوْ بھي خرچ کریں گے غھوڑا یا زیادہ۔ اللہ کے راستے میں حسبِ حیثیت خرچ کر نیکی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ صاحبِ مال صحابہ میں سے تھے۔ انوں نے ہر ضرورت کے موقع پر بدل کھول کر خرچ کیا۔ صدیق اکبرؓ نے اس غزوہ کے موقع پر گھص کا سارا اثاثہ لاکر پیش کر دیا۔ دریافت کرنے پر بتایا کہ گھص میں صرف اللہ اور

اُس کے رسول کا نام چھوڑا آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے نصف مال لاکھ پیش کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس قدر خرچ کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اگر آج کے بعد عثمانؓ کوئی نیکی بھی نہ کرے تو کامیابی کے لیے اس کا یہی عمل کافی ہے۔

اللہ کے راستے میں خرچ کر کے عام قانون یہ ہے کہ ایک روپیہ خرچ کرنے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ دس گنا ثواب عطا کرتا ہے مگر جہاد کے سلسلے میں اتفاق فی سبیل اللہ کا کم از کم اجر سات سو گنا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ جتنا عطا کرے اُس کی کوئی حد نہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے ایک اونٹنی بیع کجاوہ اور پالان جہاد کے لیے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا، بہت اچھا، اللہ تمہیں اس کے بدلے میں قیمت کے دن اسی طرح کی کسی کائی سات سو اونٹیاں دے گا۔

فرمایا وہ جو بھی کم یا زیادہ خرچ کرے وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا اور جہاد کے لیے کوئی بھی وادی یا میدان طے کرے إِلَّا كُتِبَ لَهُ تَوْأْنٌ کے لیے لکھ دیا جاتا ہے لِيَجْزِيََهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ تاکہ اللہ ان کو بہتر بدلہ دے ان کاموں کا جو وہ انجام دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر کام سے مراد نیکی کے کام ہیں کیونکہ برائی کے کام پر تو اچھا بدلہ نہیں ملتا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بعض کام حسن ہوتے ہیں اور بعض احسن، مگر جزائے عمل ہمیشہ احسن ہوتی ہے خواہ نیکی کا عمل معمولی نوعیت کا ہو یا اعلیٰ درجے کا۔ اللہ تعالیٰ اچھے کام کے لیے بہتر سے بہتر اجر عطا فرماتا ہے۔

بہر حال ان آیات میں جہاد کی فضیلت اور اس سے ہونے والے نفع کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اللہ کے راستے میں نکلنے والے مجاہدین کا ہر ہر فعل اور ان کے راستے میں آنے والی ہر مشکل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا کرے گا۔ اسی طرح جہاد کے لیے خرچ کر کے نہ کا اجر، خواہ فقیر یا خیر کیا گیا ہو یا زیادہ، ہمیشہ بہترین ہی ہوگا۔

يعتذرون ۱۱

التوبة ۹

درس چہل و دو ۴۲

آیت ۱۲۲

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ  
 مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي  
 الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ  
 يَحْذَرُونَ ۚ

۱۵  
۴۲

ترجمہ :- اور یہ مناسب نہیں کہ سارے کے سارے ہی  
 مومن کوچ کر جائیں (جہاد کے لیے) پس کیوں نہ نکلے ہر گروہ  
 میں سے ایک حصہ تاکہ وہ سمجھ حاصل کریں دین میں ، اور تاکہ  
 وہ واپس اپنی قوم کو جس وقت کہ اُن کی طرف واپس لوٹ  
 کر آئیں تاکہ وہ لوگ سچ جائیں (۱۲۲)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت  
 بیان فرمائی تھی کہ مدینہ اور اطراف میں رہنے والوں کے لیے یہ کسی طرح مناسب  
 نہیں تھا کہ وہ جہاد سے گریز کرتے۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ جہاد کے سفر میں رسول خدا  
 کے ساتھ رفاقت اختیار کرتے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہل ایمان کو چاہیے تھا کہ وہ  
 نبی کی جائے کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اللہ کے راستے میں بھی  
 تکلیف ، پریشانی یا مشقت برداشت کرنی پڑے گی ، اللہ تعالیٰ ہر ایسی بات کے لیے  
 میں نیکی دیکھے گا۔ اور اس کا بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ نے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی بار بار مذمت بیان فرمائی  
 تو بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا کہ ہر مسلمان کی ہر جہاد میں شرکت لازمی ہو گئی ہے اور

تقسیم کار



اس سے کسی صورت میں بھی گمراہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اعلانِ جہاد کے ساتھ ہی سب کے سب لوگ اس کے لیے نکل کھڑے ہوں خواہ باقی امور دنیا کو نظر انداز ہی کرنا پڑے۔ چونکہ یہ بات منشاءِ خداوندی کے مطابق نہیں تھی لہذا آج کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تقسیمِ کار کی تعلیم دی ہے کہ تمام لوگ صرف ایک ہی کام کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں بلکہ کچھ لوگ جہاد میں جائیں تو بعض دوسرے دیگر امور کا کام سنبھالیں تاکہ اجتماعی زندگی میں کسی قسم کا تعطل نہ پیدا ہو جائے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت جہاد کے متعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق دین کی تعلیم حاصل کرنے سے ہے۔ آیت کے ظاہری الفاظ بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ اگر آیت کا یہ معنی لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ تعلیم دین کے حصول کے لیے سب کے سب لوگ ہی گھروں سے نہ نکل جائیں بلکہ ہر جماعت، اگر وہ خاندان یا قبیلہ میں کچھ آدمی اس کام کی طرف متوجہ دیں اور باقی لوگ اپنے اپنے کاروبار کی طرف متوجہ رہیں۔ کوئی زراعت یا تجارت کا کاروبار کرتا ہے صنعت و حرفت میں مشغول ہے یا ملازمت اختیار کیے ہوئے ہے، تو وہ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف رہیں تاکہ بحیثیت مجموعی نظامِ زندگی کسی تعطل کا شکار نہ ہو جائے۔ اور جو لوگ تعلیم دین کی طرف متوجہ ہوں، وہ علم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے خاندان، اگر وہ یا قبیلے میں واپس آکر باقی لوگوں کی دینی امور میں رہنمائی کریں تاکہ وہ بھی اچھاٹی اور برائی میں تمیز پیدا کر کے برائیوں سے بچ سکیں۔

مفسرین کہہ فرماتے ہیں کہ عام حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت کے لیے لازم ہے کہ وہ جہاد کے لیے ہر وقت مستعد رہے اور باقی لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف رہیں۔ اس طرح جہاد کا فریضہ سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

اور اگر پوری جماعت المسلمین میں سے کوئی شخص بھی جہاد کے لیے تیار نہ ہو تو پھر پوری کی پوری جماعت گنہگار ہوگی۔

البتہ خاص حالات میں جہاد فرض عین بن جاتا ہے۔ جب دشمن مسلمانوں کے علاقے میں حملہ آور ہو جائے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں ہر مسلمان مرد، عورت، بچے اور بوڑھے پر جہاد فرض عین ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بھی پیچھے نہیں رہ سکتا بلکہ ہر ایک کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جہاد میں حصہ لینا لازمی ہو جائے گا۔ لیہو ان آگے محاذ پر دشمن کا مقابلہ کریں گے جب تک بوڑھے لوگ سامان مہیا کرنے یا شہری نظام کو چلانے کے ذمہ دار ہوں گے، اگر زخمیوں کی عیادت وغیرہ کے لیے یا خوراک بہم پہنچانے کے لیے عورتوں کی خدمات درکار ہوں گی تو وہ بھی اپنے حصے کا فریضہ انجام دیں گی۔ غرضیکہ ضرورت کے وقت ہر فرد پر جہاد فرض ہو جائے گا۔

فریضہ علم

جس طرح جہاد کے دو حصے ہیں۔ اسی طرح حصول علم دین بھی دو حصوں میں منقسم ہے۔ علم دین کا بعض حصہ فرض کفایہ اور بعض حصہ فرض عین ہے۔ فرض عین وہ حصہ ہے جو ہر مرد اور عورت کے لیے حاصل کرنا لازم ہے۔ حضور کا بیٹھی شریف میں فرمان موجود ہے **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ** یعنی ہر مسلمان مرد و عورت پر علم کا حصول فرض ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ اس میں عقیدے کی درستگی، توحید کا جاننا، شرک کا پہچاننا، رسالت پر ایمان، قیامت پر ایمان وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ایسی بنیادی چیزیں ہیں جن پر دین کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ لہذا اس علم کا حاصل کرنا ہر عاقل بالغ کے لیے ضروری ہے۔ اس سے کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ فرضی عبادات کے متعلق علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے۔ نماز اور روزہ کے مسائل کا جاننا، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی، واجبات اور منکرات کا علم وغیرہ فرض عین میں داخل ہے۔ اسی طرح حلال و حرام کی تمیز، سود اور تجارت میں

اتنا نہ کرنا، حقوق العباد کا علم ہونا وغیرہ سب کے لیے ضروری ہے۔ جو شخص محض لاعلمی کی بناء پر کسی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا تو وہ مجرم ہوگا۔

علم دین کا دوسرا حصہ اسلام کی جزئیات، DETAILS پر مشتمل ہے اور فرض کفایہ میں آتا ہے۔ اس میں شریعت کے تفصیلی مسائل آتے ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے تفصیلی مسائل، نکاح، طلاق، وراثت، صلح و جنگ وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن پر عبور حاصل کرنا ہر شخص کے لیے ضروری نہیں بلکہ قوم میں سے بعض لوگ بھی اگر تفصیلی علم دین حاصل کر لیں گے اور بوقت ضرورت دوسرے لوگوں کی رہنمائی کرتے رہیں گے تو یہ فرض ادا ہو جائے گا۔ اور اگر کسی حلقے میں کوئی بھی شخص تفصیلی علم حاصل نہ کرے تو سب کے سب گنہگار ہوں گے، وجہ یہ ہے کہ بوقت ضرورت ایک عام آدمی کس سے مسئلہ دریافت کرے گا؟ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اگر تمہیں کسی چیز کا علم نہیں ہے تو علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔ اور اگر پوری بستی میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو لوگوں کی رہنمائی کر سکے، ان کو حق و باطل اور حرام و حلال سے آگاہ کر سکے، ان کے نکاح طلاق اور وراثت کے مسائل حل کرے، ان کو زکوٰۃ اور حج کی تفصیلات بتا سکے تو پھر اس لاعلمی کا وبال سب پر پڑے گا۔ یہ ایسا ہی فرض کفایہ ہے جیسے میت کی کچھنر و کھفین اور اس کا جنازہ وغیرہ اگر یہ کام بعض مسلمان انجام دے لیں گے تو سب کی طرف سے فرض ادا ہو جائیگا اور اگر کوئی شخص بھی انجام نہیں دے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔

یہاں پر چونکہ علم دین کی بات ہو رہی ہے تو مطلب یہ ہے کہ کسی شہر یا بستی کے سارے کے سارے لوگ ہی علم حاصل کرنے کے لیے تو نہیں جا سکتے۔ بلکہ نظام زندگی کو چلانے کے لیے کسی کو مزدوری کمنا ہے کسی کو کھیتی باڑی کا کام انجام دینا ہے، کوئی تاجر ہے، کوئی صنعت کار ہے سب کو اپنا

ایسا کام انجام دینا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دوسرے آدمی کے ساتھ شرکتی کاروبار کرتے تھے چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے **عَنِ النَّبَا وَبِہِم دُولُوں نَوْبِتِ نَبَوْبِتِ** یعنی باری باری حضور کی خدمت میں آتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا اور میرا شریک کار بکریوں کو سنبھالتا، اُن کو پانی پلاتا اور کھیتی باڑی پر توجہ دیتا۔ میں دن بھر حضور علیہ السلام کی مجلس میں جو کچھ سنا وہ اپنے ساتھی کو جا کر بتا دیتا۔ پھر اگلے دن میں کام کاج کی نگرانی کرتا اور میرا ساتھی دن بھر حضور کی خدمت میں حاضر رہتا، جو آیت نازل ہوتی یا نبی علیہ السلام کی طرف سے حکم جاری ہوتا تو وہ مجھے آگے بتا دیتا۔ اس طرح ہم نے باری مقرر کر رکھی تھی کیونکہ اگر دونوں علم حاصل کرنے کے لیے چلے جاتے تو کاروبار کرنا ممکن نہیں رہتا تھا۔

اس آیت کہ میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً اور اہل ایمان کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ سارے کے سارے ہی نکل جائیں کیونکہ اس طرح تو بولہ نظام زندگی ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔ اسی۔ فَرُفِقَةُ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ پس کیوں کوچ نہیں کیا ہر فرقے یا جماعت میں سے ایک گروہ نے۔ ہر برقی، خاندان یا قبیلہ سے کچھ آدمی حصول علم کے لیے یا جہاد کے لیے چلے جاتے اور باقی لوگ زندگی کے بقیہ امور انجام دیتے۔ جہاد کے ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس گھر میں دو آدمی ہیں اُن میں سے ایک جہاد کے لیے چلا جائے اور دوسرے گھر کا کام سنبھال اسی طرح ہر گھر یا برقی یا خاندان میں کچھ لوگ حصول علم کے لیے جائیں اور باقی دنیا کے کام انجام دیتے رہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا لِيَتَّقُوا فِي الدِّينِ تاکہ دین کا علم حاصل کرنے والے لوگ دین میں سمجھ پیدا کریں وَلِيَسْزِرُوا

قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ نَاكِرٌ بِهِ وَأَلَيْهِمْ يَرْجِعُونَ۔ اپنے علم کی روشنی میں انہیں نیکی اور برائی کی تمیز کرانی۔ اور ہر بڑے عمل کے نتائج سے آگاہ کر دیں جس سے وہ ڈر جائیں اور برائی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف راغب ہو جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ کہ وہ لوگ دنیا و آخرت کی ناکامی اور سزا سے بچ جائیں گے۔ جب دین کی تعلیم عام ہوگی، لوگوں کو اچھے کام کی طرف رغبت ہوگی اور برے کام سے نفرت پیدا ہو جائیگی تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائیں گے۔

علم کا حصول کوئی معمولی کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑتا ہے اور سخت محنت کرنی پڑتی ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں انما العلم بالتعلم یعنی علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ یونہی گھرنیٹھے بٹھائے نہیں مل جاتا بلکہ استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑتا ہے۔ علم کے حصول کے لیے محدثین کو امام نے بڑی بڑی تکالیف عطا کیں۔ امام بخاریؒ، امام محمدؒ، مصنف عبد الرزاقؒ وغیرہم کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حصول علم کے لیے سفر طے کیے۔ راستے کی صعوبتیں برداشت کیں، بھٹو کے اور پیاسے سے۔ اس کام کے لیے عمر کا قیمتی حصہ صرف کیا، تو تب جبکہ دین میں سمجھ پیدا ہوئی اصل علم دین کا علم ہے۔ جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ فوز و فلاح کا ضامن ہے۔ جہاں دین کو مؤخر کر کے دنیا اور پیٹ کو مقدم کیا جاتا ہے۔ وہاں ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ میں تفقہ سے مراد فہم، فہمست اور سمجھ ہے اور فقہ سے مراد وہ اسلامی قانون ہے جسے ائمہ مجتہدین نے قرآن و حدیث سے اخذ کر کے عام امت کے سامنے آسان صورت میں پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں امت پر سب سے زیادہ احسان لے بخاری ص ۱۶ ج ۱ (فیاض)

امام ابو حنیفہؒ کا ہے جنہوں نے قرآن و سنت سے ریسرچ کر کے اس علم کو مرتب کیا۔ باقی رہی یہ بات کہ بحیثیت انسان ہر شخص سے غلطی بھی ہو سکتی ہے، کوئی بھی شخص غلطی سے پاک نہیں۔ اس بنا پر فقہ میں بھی بعض غلطیاں ہو سکتی ہیں مگر ان محدود غلطیوں کی وجہ سے ساری فقہ کو نفرت کا نشانہ بنا دیرست نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فقاہت کی تعریف فرمائی ہے مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اُسے دین میں سمجھ اور فقاہت عطا کرتا ہے۔ دین کی تعلیم کو ہمیشہ اولیت حاصل ہے جب کہ دنیا کے علوم و فنون کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کا علم محض اسباب معاش پر مبنی ہے جب کہ آخرت کی کامیابی کا انحصار علم دین پر ہے۔ اگر دین کا علم صحیح نہیں ہوگا تو گمراہی پیدا ہوگی، فرقے پیدا ہوں گے، لوگ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

بہر حال فقہ ایک قابل تعریف چیز ہے جسے فقہائے کرام نے قرآن و سنت سے اخذ کر کے پیش کیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقہ کی تعریف یہ ہے معرفۃ النفس ما لها وما عليها یعنی انسانی نفس کے لیے اُن چیزوں کی پہچان جو اُس کے حق میں مفید یا مضر ہیں۔ ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ منافق آدمی میں دو ہیں کہی نہیں پائی جاتیں حَسَنٌ خُلُقٌ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّينِ ایک چیز خوش اخلاقی ہے جو منافق میں نہیں ملتی، وہ ہمیشہ گالی گلوچ، غیبت، ابد زبانی، ایذا رسانی وغیرہ پر آمادہ رہتا ہے۔ اور دوسری چیز تفقہ فِي الدِّينِ ہے منافق کو دین کی سمجھ بھی حاصل نہیں ہوتی۔ دین کی سمجھ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور یہ اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے۔

محنت کی  
ضرورت

دین کے اصول اور فروع کو جاننے کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا مقولہ ہے **اَلْعِلْمُ لَا يُعْطِيكَ بَعْضُهُ حَتَّى تُعْطِيَهُ كُلَّهُ** جب تک تو علم کے لیے اپنا سب کچھ وقف نہیں کر دے گا۔ اس وقت تک علم اپنا بعض حصہ بھی تمہیں نہیں دے گا۔ علم کے حصول کے لیے مال، وقت، توانائی خرچ کرنا پڑتی ہے سلف صالحین نے اس کام پر عمریں صرف کر دیں۔ محض اخبارات اور رسائل پڑھ کر کوئی شخص مجتہد نہیں بن سکتا اور نہ ریسرچ کے نام پر کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر کا نام دے سکتا ہے، صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دینا علم نہیں بلکہ حماقت ہے ایہ تو بے دینی اور نفاق کی علامت ہے۔ ایسا کمزراغیر اقوام کی تقلید کا نتیجہ ہے، اسے علم نہیں کہہ سکتے۔ علم کے لیے تو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے سلف مفسرین اور محدثین باعمل لوگ تھے۔ انہوں نے دین کے لیے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں، کتابیں لکھیں اور لوگوں کو تعلیم دی اور اس طرح دین کے پورے کی آبیاری کی۔ انگریزی نظام تعلیم میں نہ تو استاد کا احترام ہے اور نہ شاگرد کو اپنے فرائض کا علم ہے، یہاں تو لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان اور استادوں اور شاگردوں کے درمیان معاشقے چلتے ہیں۔ گپیں لگائی جاتی ہیں، عریانی کا دور دورہ ہوتا ہے، یہاں ادب و احترام کا لحاظ کہاں ہوتا ہے؟ اس کے برخلاف دینی علم کے اساتذہ اور طلباء میں ہر درجے کا ادب و احترام اور شفقت و محبت دیکھنے میں آتا ہے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے جمعیۃ العلماء نے ہند کی میٹنگ میں حضرت مولانا شیخ الاسلام بیہدینیؒ کی موجودگی میں فرمایا تھا کہ میرے گھٹنوں میں درد ہوتا تھا مگر میں شیخ کے سامنے بیٹھ کر چار چار گھنٹے ٹیک گھٹنا تبدیل نہ کرتا کہ یہ خلاف ادب تھا۔ یہ تو ہمارے دور کے بزرگوں کا حال ہے۔ ان میں جس قدر ادب تھا ویسا ہی انہوں نے فیض بھی جاری کیا۔

یہ زمانہ سخت انحطاط کا زمانہ جا رہا ہے جس میں علم دین کی طرف رغبت ہی باقی نہیں رہی۔ جب تک صحیح علم نہیں ہوگا لوگوں کی مشکلات کا حل کیسے پیش کیا جاسکے گا۔ ۱۹۴۰ء میں سیانکوٹ کی طرف پیدل سفر کرتے ہوئے ظہر کی نماز کے لیے ایک گاؤں کی مسجد میں پہنچے تو پتہ چلا امام صاحب، نہیں ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس علاقے کے سات گاؤں کا ایک ہی امام ہے جو ہفتہ میں ایک دن ہر گاؤں میں جاتا ہے اور ایک آدھ نماز پڑھا دیتا ہے۔ البتہ نکاح، جنازہ، ختم وغیرہ کے لیے ضرورت ہو تو مولوی صاحب کو بلا لیا جاتا، انحطاط کی انتہا ہے کہ بستیوں کی بستیاں علم دین سے خالی ہیں۔ لوگ دنیا کی طرف راغب ہیں، تفقہ فی الدین کون حاصل کرے گا؟ پنجاب کے آسودہ حال زمینداروں، تاجروں، صنعتکاروں اور وکلا کو دیکھ لیں۔ آج کون ہے جو اپنی اولاد کو تعلیم دین کے لیے وقف کرتا ہے سب دنیاوی تعلیم کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ یہ تو پس ماندہ علاقوں کے غریب غریب لوگ مدرسوں میں آتے ہیں۔ ان میں کچھ مفاد پرست اور خود غرض ہوتے ہیں، تاہم اللہ انہی میں سے بعض کو توفیق عطا کرتا ہے اور کسی حد تک تعلیمی غریبوں کی پوری ہوتی ہے ورنہ عام طور پر یہ میدان خالی نظر آتا ہے۔



يعتذرون ۱۱

التوبة ۹

درس چل دسہ ۴۳

آیت ۱۲۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ  
الْكَفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَأَعْلَمُوا أَنَّ  
اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! لڑتے رہو اُن لوگوں سے  
جو تمہارے قریب ہیں کافروں میں سے۔ اور چاہیے کہ وہ  
پائیں تم میں سختی۔ اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں  
کے ساتھ ہے ﴿۱۲۳﴾

اس سورۃ میں زیادہ تر قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے، اور اس سلسلے میں منافقین کی ربط آیات  
بہت سی مذمت بیان کی گئی ہے کیونکہ وہ جہاد سے پیچھے ہٹتے تھے۔ اس کے ساتھ  
ساتھ اُن اہل ایمان کو تنبیہ کی گئی ہے جو محض سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک  
نہیں ہو سکے تھے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے جہاد اور حصولِ علم کی فرضیت کا ذکر  
بھی کیا۔ عام حالات میں یہ دونوں چیزیں فرض کفایہ ہوتی ہیں۔ اگر مسلمانوں میں مجاہدین  
کی ایک ایسی جماعت موجود ہو جو جہاد کے لیے ہر وقت مستعد ہو تو باقی مسلمانوں کی طرف  
سے بھی یہ فریضہ ادا ہو جائے گا، اور اگر کوئی بھی مسلمان جہاد کے لیے تیار نہ ہو تو پھر  
سائے کے سائے مسلمان گنہگار ہوں گے۔ حصولِ علم بھی اسی طرح فرض کفایہ ہے  
اگر ان میں سے کچھ لوگ حصولِ علم دین کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ فریضہ سب کی طرف  
سے ادا ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی علم دین حاصل نہ کرے اور لوگ امور دین سے  
بے بہرہ ہی رہیں تو پھر سب گنہگار ہونگے مقصد یہ ہے کہ دنیا کا نظام بھی قائم ہے اور  
جہاد اور علم کے تقاضے بھی پورے ہوتے رہیں۔ جہاد اور تعلیم بعض اوقات فرض عین بھی

بن جاتے ہیں۔ جب دشمن حملہ آور ہو تو ضرورت کے مطابق ہر مسلمان عورت مرد، چھوٹے، بڑے کو اپنی اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق جہاد میں حصہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح علم کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک فرض عین اور دوسرا فرض کفایہ، انسان کے بنیادی عقائد اور اس کے ذمہ فرائض کا جانتا فرض عین ہے۔ جب کہ شریعت کی جزئیات کا علم فرض کفایہ میں داخل ہے۔

جہاد کی  
مختلف  
صورتیں

جہاد کی مختلف صورتیں ہیں جن میں علم کا حصول اور پھر اس کی تبلیغ بھی شامل ہے۔ تبلیغ زبان کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور کتب کی اشاعت کے ذریعے بھی۔ اس کے علاوہ مال کے ذریعے بھی جہاد ہوتا ہے۔ اور سب سے اہم صورت جہاد میں بنفس نفیس شرکت ہے۔ جہاد کبھی دفاعی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی اقدامی شکل میں۔ جب دشمن ہجوم کر جائے تو پھر ملکی دفاع کے لیے ہر چھوٹا بڑا اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ جہاد کی یہ دونوں صورتیں داہیں اور اہل اسلام کیلئے ضروری ہیں۔ اگر اہل ایمان جہاد سے غفلت برتن گے تو ملت پر زوال آئے گا اور قوم ترقی کی بجائے تنزل میں چلی جائے گی۔ جب تک مسلمانوں میں جذبہ جہاد زندہ رہا ان کو ترقی نصیب ہوتی رہی۔ مگر جب یہ جذبہ کمزور ہونا شروع ہو گیا تو ملت انحطاط کا شکار ہو گئی۔

مسلمان اور  
فرضیہ جہاد

اس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں کا کوئی مرکز نہیں۔ دنیا میں سچاس کے قریب اسلامی ریاستیں ہیں مگر مرکزیت نہ ہونے کی وجہ سے باہمی ربط مفقود ہے اس کے برخلاف عیسائیوں، یہودیوں اور دہریوں کے مضبوط مرکز موجود ہیں جو منظم طریقے سے مسلمانوں کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ریاستیں اتنی کمزور ہو چکی ہیں کہ وہ کسی بڑی طاقت کے خلاف نبرد آزما نہیں ہو سکتیں۔ جہاں کی اہمیت کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَخُزْ وَلَمْ يَخُذْ بِهٖ نَفْسُهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنَ الرَّفَاقِ

لے مسلمہ ص ۱۷۲ (فیاض)

جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ نہ تو اس نے بالفعل جہاد کیا اور نہ اس کے بارے میں اپنے دل میں کوئی بات سوچی تو ایسا شخص لفاق کے شعبے پر مرا۔ ایک مقام پر ایسے شخص کے متعلق آتا ہے مَاتَ صِلَتَ الْجَاهِلِيَّةِ یعنی ایسا شخص جاہلیت کی مریت مرا۔ کسی نہ کسی شکل میں ہر مسلمان پر جہاد کی تیاری کرنا فرض ہے جس دن مکہ فتح ہو گیا، فرمایا آج ہجرت تو ختم ہو گئی۔ البتہ جہاد اور اس کی نیت کا سلسلہ نزولِ مسیح تک جاری رہے گا۔ اگر کسی کو موقع نہیں مل سکا کہ وہ جہاد میں شریک ہو تو کم از کم اس کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ جب بھی موقع ملا وہ بلا چون و چرا جہاد میں حصہ لے گا۔

مرکزیت  
اسلام

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ مسلمانوں کی مرکزیت نہ ہونے کی وجہ سے دنیا میں ان کی حالت بہت کمزور ہے۔ ایک امید پیدا ہوئی تھی کہ پاکستان پوری دنیا کے لیے مرکزِ اسلام بن جاتا مگر افسوس کہ اب تک مسندِ اقتدار پر آنے والے سربراہاں میں سے کسی نے بھی اس کام کو اولیت نہیں دی۔ اسلام کا نام تو ہر آنے والے نے لیا کیونکہ پاکستان کے پچانوے فیصد باشندے نسلی طور پر مسلمان ہیں اور اسلام کے دعویدار ہیں۔ تقسیم ملک کی وجہ سے مسلمان اس خطر میں اکٹھے بھی ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حکمران اسلام کا نام لینے پر اس لیے مجبور ہیں کہ عوام کی غالب اکثریت اسلام کے خلاف ایک لفظ تک سننا گوارا نہیں کرتی بلکہ حاکمانِ وقت نے نفاذِ اسلام کی ذمہ داری آج تک پوری نہیں کی۔ اب ہمارے افکار بھی مستعار ہیں، سیاست مغلوب ہے، کوئی اشتراکیت جیسے لعنتی نظام سے متاثر ہے اور کوئی امریکی اور برطانوی سرمایہ داری نظام کا گردیدہ ہے۔ یہ نظام بھی ملعون ہے کیونکہ اس نظام میں صرف دولت اکٹھی کی جاتی ہے، نہ تو ذرائع آمدنی کی حلت و حرمت کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ اخراجات پر کوئی پابندی ہوتی ہے ایسی وجہ ہے کہ فلم انڈسٹری، کھیلوں کے فروغ اور عمارات کی تعمیر پر بے دریغ روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔

نے بڑے بڑے مینار تعمیر کئے سرمایہ داری کا اظہار کیا تھا اور آج ہم بڑے بڑے  
 سیکریٹریٹ، قصر صدر است اور اسمبلی ہالوں پر کڑیوں روپے خرچ کر کے عوام  
 کی غربت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس نظام کو تو اللہ نے اپنے آخری نبی کے  
 ذریعے ختم کیا تھا، مگر آج وہی نظام سرمایہ داری پھر عود کر آیا ہے۔

اسلامی  
 نظام معیشت

نیز قرآن کے زمانے میں دو بنیادی نظامائے معیشت رائج تھے اُس  
 وقت قیصر و کسری کی دو سرطاقتوں میں سے کسری ایشیا اور یورپ کے کچھ حصے  
 پر مسلط تھا جب کہ قیصر کی ماتحتی میں یورپ کا اکثر حصہ اور مشرق وسطیٰ کے علاقے  
 تھے۔ اُس زمانے میں نظام معیشت بھی دو طرح کے تھے ایک امریکہ اور  
 بھارت جیسا نظام سرمایہ داری تھا جس کے ذریعے ہر جائیداد اور ناجائز ذرائع  
 سے دولت اکٹھی کر کے اُسے من مانے طریقے پر خرچ کیا جاتا تھا۔ دوسری  
 طرف اشتراکیت کا نظام تھا جس میں خدا کا سرے سے انکار ہی کر دیا گیا  
 تھا۔ آج بھی دین کا تمسخر اڑایا جاتا ہے اور اُسے ایفون سے تعبیر کیا جاتا ہے  
 اس نظام میں شخصی ملکیت کو ختم کر کے تمام ذرائع پیداوار حکومت کی تحویل  
 میں لے لیے جاتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ  
 تعالیٰ کی مشیت میں یہ بات تھی کہ ان دونوں نظاموں کو نبی عربی کے ذریعے ختم  
 کر دیا جائے۔ شاہ صاحب کی اصطلاح میں ابا حیت یعنی حلال و حرام کا امتیاز  
 دونوں نظاموں میں نہیں ہے، یہ صرف اسلامی نظام معیشت ہے  
 جو حلال و حرام کی تمیز رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا صحیح تصور پیش  
 کرتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو واضح کرتا ہے۔ اشتراکیت کے  
 برخلاف اسلام نے ذاتی ملکیت کو ختم نہیں کیا کیونکہ یہ فطرت کے خلاف  
 ہے، اسلام نے حق ملکیت کو تسلیم کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تفاوت  
 درجات کو بھی مانا ہے۔ اسلام میں کسی عساکر یا غیر مسلم کو بنیادی حقوق سے محروم نہیں  
 رکھا جاسکتا۔ اسلام کا یہ ذریعے اصول ہے کہ ہر شخص کو مکان، لباس، خوراک، صحت

اور تعلیم کی بنیادی سہولتیں ملنی چاہئیں مگر یہ سب کچھ اُسی وقت ممکن ہے ۔ جب مسلمانوں کو دنیا میں کہیں اجتماعیت حاصل ہو۔ جب مسلمانوں کو اپنے وسائل پر مکمل کنٹرول نہ ہو اور انہیں استعمال کرنے کی استعداد نہ ہو، اسلامی فلاحی نظام کیسے قائم کیا جاسکتا ہے؟ آج تو حالت یہ ہے کہ ہمارے تمام ترقیاتی پروگرام بیرونی ماہرین تیار کرتے ہیں۔ کہیں کھیل تماشے کی ترقی کے لیے ٹیکس بن رہی ہیں تو کہیں فلم انڈسٹری کو ترقی دی جا رہی ہے میرحیت کی وزارتیں بنتی ہیں اور پھر ان پر کروڑوں روپے کے پلان غیر ملکی ماہرین تیار کرتے ہیں۔ اس انحطاط کی وجہ یہ ہے کہ عرب و عجم میں کہیں بھی مسلمانوں کو مرکزیت حاصل نہیں۔ برسرِ اقتدار لوگوں کو اپنے اقتدار کی فکر رہتی ہے کہ وہ قائم رہنا چاہیے نام نہاد جمہوریت کے نام پر ہویا مارشل لا کے ذریعے سے۔ اسلام کا نام لینے سے اقتدار ملتا ہویا سوشلزم کا پرچار کرنے سے۔ اسلام بہر حال ایسے تمام باطل نظاموں کے خلاف ہے۔

درحقیقت ملتِ حنیفیہ کا سرگز نہانہ کعبہ تھا مگر وہاں پر مشرکوں کے غلبے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کو ہجرت کرنا پڑی اور اس دوران اللہ نے اپنے نبی کے شہر مدینہ طیبہ کو مرکزِ حیثیت دیدی۔ تمام احکام اسی مرکز سے جاری ہونے لگے۔ چنانچہ جہاد کے متعلق جو حکم جاری ہوا وہ یہ تھا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ لَعَلَّ إِيْمَانُ وَالْوَلَا کفار میں سے ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو تمہارے نزدیک ہیں۔ اس آیت میں اللہ نے جہاد کا طبعی اصول بتایا ہے کہ دین کے غلبے کے لیے جنگ اپنے گھر سے شروع کرو جب تک تمہارے اپنے ملک کے لوگ ایمان نہیں لے آئیں گے یا مغلوب نہیں ہو جائیں گے اس وقت تک تمہارا پروگرام بیرون ملک کامیاب نہیں ہو سکا۔ اگر قریب والوں کو چھوڑ کر دور والوں سے مقابلہ شروع کر دیا جائیگا تو یہ ایک غیر طبعی فعل ہوگا۔ چنانچہ

جہاد کی  
طبعی ترتیب

حضور علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے خاندان اور ملک کے لوگوں یعنی قریش  
 مکہ سے جہاد کا آغاز کیا ۲؎ میں انہیں بدر کے مقام پر شکست دی۔ ۳؎  
 میں احد کے میدان میں اگرچہ مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا مگر قریش بھی اس سے  
 کوئی سیاسی مفاد حاصل نہ کر سکے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو پے درپے کامیابی  
 حاصل ہوئیں اور بالآخر ۸؎ میں مکہ فتح ہو گیا، پھر اگلے سال یعنی ۹؎  
 میں حرم مکہ کو مکمل طور پر مشرکین سے پاک کر دینے کا اعلان کر دیا گیا، مدینہ کے  
 اطراف میں یہودیوں اور عیسائیوں نے بڑی سازشیں کیں اور اسلام کو زک  
 پہنچانے کی کوشش کی، اہل اسلام نے ان کے خلاف بھی جہاد کیا، پھر دیگر  
 قبائل عرب کو شکست دی اور اس طرح پورا خطہ عرب کفر اور شرک سے  
 پاک ہو گیا۔ جب قریب والوں سے معاملہ صاف ہو گیا تو پھر ۹؎ میں  
 ہی آپ نے بیرون ملک رومی سلطنت کی طرف توجہ کی اور غزوہ تبوک  
 کے لئے تشریف لے گئے جس کے تفصیلی حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں  
 غرضیکہ جہاد کی ابتدا اپنے قریب والوں سے کر کے اس کا دائرہ بتدریج  
 وسیع کیا گیا اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلفائے راشدین نے  
 اس مشن کو جاری رکھا۔

جہاد  
بالنفس

صاحب تفسیر حنفی نے امام ابن عربیؒ کے حوالے سے اس آیت کی تفسیر  
 میں لکھا ہے کہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو انسان سے قریب ترین  
 اُس کا اپنا نفس ہے لہذا اس آیت کی رو سے سب سے پہلے اپنے  
 نفس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ عَدُوُّكَ الَّذِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ  
 نَفْسُكَ یعنی تمہارا دشمن تو تمہارے پیلو میں بیٹھا ہے۔ یہ تمہارا نفس امارہ ہے  
 سب سے پہلے اس کے خلاف جہاد کرو۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا  
 ہے اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ یعنی مجاہد وہ ہے جس نے اپنے  
 نفس کے ساتھ جہاد کیا۔ اگر تم نے اپنے نفس کو کنٹرول کر لیا تو تم ثالثہ  
 لہ ترمذی ۲۵۲ (فیاض)

انسان بن جاؤ گے، اور اگر تمہارا نفس ہی تمہارے بس میں نہیں تو پھر وہ کسی قانون کا پابند نہ ہوگا۔ وہ تو بد معاشی، فحاشی، ظلم، زیادتی اور برائی پر ہی مائل ہوگا، ایسا نفس انصاف کو قائم نہیں رکھ سکتا، لہذا پہلے اپنے نفس کو ٹھیک کر دو جو تمہارے لیے قریب ترین ہے، پھر اس کے بعد دوسروں سے جہاد کرو۔

فرمایا کافروں کے ساتھ جہاد کا اثر یہ ہونا چاہیے وَلَيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔ جب دشمن کے ساتھ ڈبھیٹر ہو جائے تو پھر اُن کے ساتھ نرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اُن کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ وہ تم میں واضح طور پر سختی کو محسوس کریں۔ سورۃ فتح میں موجود ہے۔

”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ أَوْ رَأْسُ الْكُفَّارِ“

ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا اِذْ لَقِيَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ آيَةُ رَبِّهِمْ اَلْكَافِرِينَ (المائدہ) مومنوں کے لیے بڑے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہیں۔ اسی سورۃ میں بھیچے گزر چکا ہے ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ“ اے نبی علیہ السلام! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کریں اور اُن پر سختی کریں۔ کفار کے ساتھ مادی سختی اور منافقین کے ساتھ زبانی سختی کا حکم ہے۔ ایک حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے اَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ نَبِيُّ الْمِلْحَمَةِ میں رحمت والا نبی ہوں اور میں جنگ والا نبی ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا اَنَا ضَوْءٌ الْقِتَالِ میں مہنس مکھ بھی ہوں لیکن لڑنے والا بھی ہوں۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ ایمان والوں میں سختی بھی ہونی چاہیے جسے کفار محسوس کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے مگر آج ہم مسلمانوں کی حالت دیکھ رہے

ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے ساتھ نرمی اختیار کرتے ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کے حق میں بڑے سخت اور تند خو ہیں۔ اب تو سارا معاملہ ہی الٹ ہو چکا ہے۔ اگر آپس میں کوئی اختلاف بھی پیدا ہو جائے تو اسے احسن طریقے سے طے کر لینا چاہیے نہ کہ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن جائیں۔ آپ کی دشمنی انفرادی طور پر بھی پائی جاتی ہے اور حکومتی سطح پر بھی۔ دو مسلمان ملک ایران اور عراق لئی سالوں سے ایک دوسرے کے خلاف بد سربکار ہیں۔ ہزاروں جاہل، اسلحہ اور جہاز تباہ ہو چکے ہیں جو بحیثیت مجموعی عالم اسلام کی کمزوری کا باعث بن رہے ہیں مگر دونوں فریق اپنی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور ساری دنیا کے مسلمان مل کہہ بھی ان کا تصفیہ نہیں کر سکے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم موجود ہے کہ اگر دو مسلمان طاقتوں کے درمیان جنگ ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرادو اور اگر ان میں سے کوئی فریق زیادتی کرتا ہے تو اس کے خلاف کاروائی کرو "حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ" (المحجرات) یہاں تک کہ وہ اللہ کی بات کی طرف لوٹ آئے۔ مگر یہاں کیا ہو رہا ہے میٹنگیں ہوتی ہیں، مشورے ہوتے ہیں، کمیٹیاں بنتی ہیں مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلتا ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ قرآنی پروگرام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ جب تک اس پروگرام پر عمل نہیں ہوگا۔ اصلاح احوال ممکن نہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک ہونا چاہیے جس سے وہ سمجھ جائیں کہ مسلمان بڑے سخت ہیں اور ان کے خلاف ہماری کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اور پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ سختی کسی ذاتی غرض کے لیے نہیں بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ تمہارے دل میں کوئی توسیع پسندانہ غرور یا ہوس ملک گیری نہیں ہونی چاہیے، نہ ہی کسی سے مال چھیننا یا کسی کو ذلیل کرنا مقصود ہو۔ حضور علیہ السلام نے مجاہدین کو یہ دعا سکھائی تھی۔ اَللّٰهُمَّ هَازِمِ الْاَحْزَابِ



وَمَنْزِلَ الْكِتَابِ وَخُجْرَى السَّحَابِ اِهْزِمْهُمْ وَانصُرْنَا عَلَيْهِمْ اے لشکروں کو شکست دینے، کتاب کو نازل کرنے اور بادلوں کو چلانے والے خدا، کافروں کو شکست دے اور ہمیں اُن پر غلبہ عطا کر۔ ہم تو تیری نازل کردہ کتاب کے پروگرام کو جاری کرنا چاہتے ہیں۔ جب کہ یہ لوگ تیرے دین کو مٹانا چاہتے ہیں، لہذا اِن کے خلاف ہماری مدد فرما۔ ہماری اس میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔

فرمایا یاد رکھو! وَاَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ بیشک اللہ تعالیٰ متقین کے لیے بشارت کی رفاقت، معیت، توجہ اور مہربانی متقیوں کے ساتھ ہے۔ اور متقی وہ شخص ہے جو سب سے پہلے اپنے آپ کو کفر، شرک اور لُغَا سے پاک کر لے گا۔ پھر شکوک و شبہات کو دور کرے گا، اللہ کی مہربانی اسی صورت میں اُس کے شامل حال ہو سکتی ہے۔ اور اللہ کی مدد بھی جیسی ہوگی جب کوئی شخص قرآن کے پروگرام کو صحیح طور پر چلائیگا۔ منافقوں کی طرح ظاہر و باطن میں تضاد کا حامل شخص نصرت الہی کا مستحق نہیں ہوگا۔ جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد ہو، وہ نہ تو اللہ کے احکام کو اس کے بندوں پر نافذ کر سکتا ہے اور نہ اللہ کی رحمت اور اس کی امداد کا مستحق بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد شروع کرنے کے لیے ترغیبات کا تعین فرمایا ہے کہ پہلے قریب والوں کو صاف کرو اور پھر قدم بدم قدم آگے بڑھتے جاؤ۔ تمہارے اندر واضح طور پر سختی ہونی چاہیے جسے دشمن محسوس کرے نیز تقویٰ کی راہ اختیار کرے کیونکہ خدا کی معیت متقیوں کو ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

وَإِذَا مَا أَنْزَلَتْ سُورَةً فَمِنْهُمْ مَنُ يَقُولُ آيُكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيْمَانًا فَمَا الَّذِينَ آمَنُوا فزادتهم إِيْمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٣﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿١٢٤﴾ أُولَٰئِكَ يَفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ ﴿١٢٥﴾ وَإِذَا مَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرِيكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ :- اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ تو بعض ان منافقین

میں سے وہ ہیں جو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کس کا زیادہ کیا ہے

اس نے ایمان بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے پس یہ سورۃ ان کے ایمان

کو زیادہ کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں ﴿۱۲۳﴾ اور بہر حال وہ لوگ

جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے ، پس زیادہ کرتی ہے یہ

سورۃ ان کے لیے گندگی کو ان کی گندگی کے ساتھ اور وہ مرتے

ہیں اس حال میں کہ وہ کفر کرنے والے ہوتے ہیں ﴿۱۲۴﴾ کیا یہ

(منافق لوگ) نہیں دیکھتے کہ بیشک ان کو فتنے میں ڈالا جاتا ہے

ہر سال ایک دفعہ یا دو دفعہ ، پھر یہ توبہ نہیں کرتے اور نہ

یہ نصیحت پکڑتے ہیں ﴿۱۲۵﴾ اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی

ہے تو ان میں سے بعض بعض کی طرف دیکھتے ہیں کہ کیا تم کو کوئی دیکھ رہا ہے۔ پھر یہ پلٹ جاتے ہیں وہاں سے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے (۱۲۷)

سورۃ توبہ میں زیادہ تر جہاد اور قتال کے متعلقات کا ذکر ہے منافقین کا ذکر ربط آیات بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ یہ لوگ جہاد میں عدم شرکت کے لیے حیلے بہانے بناتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اسی سورۃ میں ضمناً بعض دوسرے مسائل بھی آگئے ہیں۔ اب آخر میں بھی منافقین ہی کی قباحتوں کا ذکر ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اہل ایمان ان کی سازشوں سے خبردار رہیں کیونکہ یہ خطرناک گروہ ہے اور اُنہی سرگرمیاں مسلمانوں کے حق میں سخت مضر ہیں۔

شاہ عبدالغفری دہلوی فرماتے ہیں کہ دین اسلام کے چار دشمن ہیں جن میں سے دو ظاہری اور دو باطنی ہیں۔ باطنی دشمنوں میں نفس اور شیطان ہیں، جو انسان کو ہمیشہ برائی پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے مقابلے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ اور بیرونی دشمنوں میں کافر اور منافق ہیں۔ کافر لوگ تو کھلے عام دین اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں، لہذا مسلمان بھی ان سے بچنے کی تدابیر کرتے ہیں۔ بلکہ جوابی حملہ کے لیے بھی سرگرم رہتے ہیں۔ البتہ منافقوں کا گروہ سخت خطرناک ہے کیونکہ یہ لوگ علی الاعلان اسلام کے مقابلے پر نہیں آتے بلکہ خفیہ سازشیں کر کے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخری دور کی سورۃ توبہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دیگر سورتوں میں بھی منافقین کا حال تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے خبردار کر کے اپنا دفاع کرنے کی تلقین کی ہے۔

اعتقادِ منافقوں کا نفاق تو آسانی سے معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ان کی قلم سرگرمیاں درپردہ ہوتی ہیں۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ان کا پردہ چاک کر دیتا

تو عام مسلمان بھی ان کی حرکات سے آگاہ ہو جاتے۔ اب چونکہ سلسلہ وحی ختم نبوت کے ساتھ بھی بند ہو چکا ہے لہذا اب ان کے نفاق کا اظہار مشکل ہو گیا ہے۔ اس کے برخلاف عملی منافق ہر دور میں رہے ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے اگرچہ یہ لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے خصائل منافقوں جیسے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو ایماندار کہتے ہیں مگر ایمان سے خالی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی جماعت کو منافقوں سے پاک رکھیں آج کے درس میں بھی اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی بعض بُری خصلتوں

ایمان میں  
اضافہ

کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ جب قرآن پاک کی کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ تو ان میں سے منافقین کہتے ہیں آيَاتُكُمْ زَادَتْهُ هُدًى ایماناً تم میں سے کون ہے جس کا ایمان اس نازل ہونے والی سورۃ نے زیادہ کیا ہے؟ یہ بات وہ تمسخر طعن اور طنز کے طور پر کہتے ہیں۔ سورۃ انفال کی ابتدا میں گزر چکا ہے کہ مؤمن لوگ وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا اور جب ان کے سامنے آیات الہی کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے ایمان بڑھ جاتے ہیں۔ مگر منافقوں کا حال یہ ہے کہ کوئی نئی آیت یا سورۃ سن کر ایک دوسرے سے کن انکیوں سے باتیں کرتے ہوئے استغناء کہتے ہیں کہ بھلا اس سورۃ سے کس کا ایمان بڑھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا جو لوگ حقیقت میں ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان واقعی بڑھ جاتا ہے وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ اور وہ خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فائدے کے لیے کوئی نئی سورۃ نازل فرمائی ہے۔ نئی سورۃ میں ایسے احکام ہوں گے جن پر عملدرآمد کرنے سے اہل ایمان کو دنیا و آخرت

میں فائدہ حاصل ہوگا، یا ایسے احکام ہوں گے جن میں بعض قبیح چیزوں سے بچنے کی تلقین ہوگی۔ بہر حال ایمان ملے لوگوں کے دلوں میں جذبہ عمل بیدار ہوگا اور وہ نئی سورۃ پر عمل کر کے مزید فائدہ حاصل کرنے کی وجہ سے خوش ہو جائیں گے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اگر اہل ایمان کے دلوں میں پہلے سے کوئی کھٹکا ہوتا ہے اور وہ نئی سورۃ کے نازل ہونے سے دور ہو جاتا ہے تو یہ چیز بھی مسلمانوں کے لیے خوشی کا باعث بنتی ہے۔

اللہ نے فرمایا نئی سورۃ کے نزول پر منافقوں کی حالت یہ ہوتی ہے وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ بہر حال جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا مرض ہوتا ہے، کفر، شرک، الحاد اور شک کی طرح نفاق بھی روحانی بیماری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے زخم میں پریپ ٹپ جلائے جب خون پیپ میں تبدیل ہونا شروع ہو جائے تو انسانی جسم تازہ خون سے محروم ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفاق ایک مرض ہے جس سے انسان کی روح خراب ہو جاتی ہے۔ لہذا جن کے دلوں میں نفاق کی غلاطت ہے تو نئی سورۃ هَٰذَا دَنِّهِمْ رَجَسًا إِلَىٰ رَجْسِهِمْ ان کی گندگی میں اضافہ کر دیتی ہے ان کی پہلی گندگی کے ساتھ۔ ان کے دلوں میں پہلے ہی غلاطت ہوتی ہے تو نئی سورۃ اس میں مزید اضافہ کر دیتی ہے وَمَا تَوْأَمَهُمْ كُفْرًا اور کفر ہی کی حالت میں ان کی موت واقع ہوتی ہے۔

بہر حال ہر سورۃ ایک طرف اہل ایمان کے لیے علم، ایمان اور ہدایت میں اضافہ کا باعث بنتی ہے تو دوسری طرف منافقوں کے نفاق کی غلاطت میں اضافہ کرتی ہے سورۃ حَمَّ السَّجْدَةِ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشَفَاءٌ قرآن پاک اہل ایمان کے لیے ہدایت اور شفا ہے وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِتْنَةٌ اذ انہیں وَقُرْءَانٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى

اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں بہرہ پن ہوتا ہے اور قرآن اُن کے اندھاپن میں اضافہ کرتا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب تک انسان میں نفاق کی گندگی موجود ہوتی ہے، وہ قرآن پاک اور پیغمبر کی ذات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ جب تک گندگی دور نہ ہو قرآنی آیات فائدہ نہیں پہنچا تیں، اسی لیے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ پہلے تخلیہ اور ترقیہ ضروری ہے۔ انسانی ذہن کفر، شرک، الحاد، نفاق اور شک سے پاک ہوگا، اس کی گندگی دور ہوگی تو اس میں نیکی، توحید اور ایمان کی بات پہنچے گی۔ اطبا بھی یہی کہتے ہیں کہ جب تک انسانی جسم میں گندے مواد موجود ہوتے ہیں، اچھی سے اچھی غذا بھی مفید ثابت نہیں ہوتی۔ جوں جوں غذا استعمال کرے گا۔ جسم میں گندگی میں اضافہ ہونا چلا جائیگا۔ جب گندے مادے خارج ہو کر جسم صاف ہو جائے تو پھر اچھی غذا بھی مفید ثابت ہوگی۔ اسی طرح انسانی روح کے لیے قرآن و سنت صالح غذا ہے مگر یہ اسی وقت مفید ثابت ہوگی جب انسان کا دل و دماغ نفاق کے گندے مادے سے پاک ہو جائے گا۔ بہر حال اللہ نے نفاق کو گندگی سے تعبیر کیا ہے۔ اسی سورۃ میں پیچھے گزر چکا ہے ”فَاعْرِضْهُمْ عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رَجِسٌ“ یہ منافق گندے لوگ ہیں، آپ ان سے درگزر کریں۔ کامیابی کا مدار تو اعتقاد اور فکر کی پاکیزگی پر ہے اگر دل پاک نہیں تو پورا انسان ناپاک ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ نئی سورۃ منافقین کی غلاطی میں اضافہ کا باعث بنتی ہے اور وہ کفر کی حالت میں ہی مر جاتے ہیں۔

فرمایا اَوَّلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّسْرَةً اَوْ مَرَاتَيْنِ کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ سال میں ایک یا دو دفعہ ان منافقوں کو فتنے میں ڈالا جاتا ہے۔ کبھی جہاد میں شرکت پر ان کی آزمائش ہوتی تو کبھی مال خرچ کرنے کے موقع پر۔ کبھی کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے، کوئی افتاد پڑ جاتی

منافقین کی آزمائش

ہے تو منافقین کی آزمائش ہو جاتی ہے اور ان کا اتفاق ظاہر ہو جاتا ہے۔  
حقیقت میں یہ چیزیں تازیانہ ہوتی ہیں۔ اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ تازیانے  
پہنچتے پہنچتے ہیں۔ اگر آدمی کی فطرت صحیح ہو تو بڑے کام سے باز آ جاتا ہے  
اور توبہ کر لیتا ہے۔ اور اگر باز نہیں آتا تو اپنی صلاحیت کو ضائع کر بیٹھتا ہے  
اور بالآخر ناکام ہو جاتا ہے۔ آزمائش انسان کے لیے تقسیم ہوتی ہے کہ اب  
بھی منجھل جاؤ۔ ان منافقوں کو سال میں ایک دو بار ضرور تنبیہ بھی ہوتی ہے مگر  
یہ ایسے بد وضع لوگ ہیں کہ اپنی قبیح حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ ثُمَّ  
لَا يَتَوَلَّوْنَ یعنی توبہ کر کے اسلام کے خلاف سازشوں سے باز نہیں آتے۔  
وَلَا هُمْ يَذْكُرُونَ اور نہ ہی وہ تازیانے سے نصیحت پکڑتے ہیں۔  
جب آزمائش آئے تو انسان کو عبرت حاصل کرنی چاہیے مگر ان لوگوں پر کچھ  
اثر نہیں ہوتا۔

فرمایا منافقوں کی ایک قباحت یہ بھی ہے وَلَا ذَمًّا اَنْزَلْتُ  
سُورَةً فَظَلَّ بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ طُجِبَ کوئی نئی سورۃ نازل ہوتی ہے  
تو نبی کی مجلس میں موجود منافقین ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں اور خیال  
کرتے ہیں هَلْ يَرٰكُمْ مِّنْ اَحَدٍ کیا تمہیں کوئی دیکھ رہا ہے ؟  
ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجلس میں موجود مخلص مسلمانوں میں سے اگر انہیں کوئی  
دیکھ رہا ہے تو بادلِ نخواستہ بیٹھتے رہتے ہیں اور اگر سمجھتے ہیں —  
کہ مسلمان ان کی طرف متوجہ نہیں ہیں ثُمَّ اَنْصَرَفُوْا لَوْ كُھَسَ جاتے ہیں۔  
یہ اُن کی بد بختی کی علامت ہے کہ اتنی اچھی اور پاکیزہ مجلس سے فرار کی راہ تلاش  
کرتے ہیں۔

فرمایا حقیقت یہ ہے صَوَفَ اللّٰهُ قُلُوْبُهُمُ اللّٰہ نے اُن کے  
دلوں کو پھیر دیا ہے۔ انہیں اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ نبی کی پاک محفل میں بیٹھ  
کر فیض حاصل کر سکیں۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں

کو ایمان سے پھیر دیا ہے، اُن کے دلوں میں نفاق کی شدت، اس قدر ہے کہ وہ کبھی توحید، نیکی اور ایمان کی طرف نہیں آسکتے بلکہ وہ برائی کی طرف ہی جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب انسان برائی پر اصرار کرتا ہے تو اللہ اس کی نیکی کی صلاحیت ہی ختم کر دیتا ہے پچھلی سورۃ میں گزر چکا ہے ”وَأَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَمْحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَوَقْلِهٖ“ (الانفال) یاد رکھو! اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور پھر اس کی نیکی کرنے کی توفیق ہی سلب کر لی جاتی ہے۔ لہذا انسان کو توبہ کرنے اور پھر نیکی پر عمل درآمد کرنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے۔ تو فرمایا کہ اللہ نے اُن کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ اُن کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ یہ مخلص مسلمانوں کا منہ سحر اڑانے ہیں اور پھر مجلس میں بیٹھ کر بھی فائدہ نہیں اٹھاتے، لہذا اللہ نے انہیں نیکی، ایمان اور اپنے نبی کی مجلس سے ہی پھیر دیا ہے۔

فرمایا اُن کی یہ بے نصیبی اس وجہ سے ہے بَاثْقَسُ قَوْمٍ لَا يَفْقَهُوْنَ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے ہی نہیں۔ جو شخص اپنے فائدے اور انجام کو نہ پہچان سکے، اس سے زیادہ بے سمجھ کون ہوگا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ منافق آدمی کو دین کی سمجھ نہیں ہوتی، وہ رسم و رواج میں ہی پھنسا رہتا ہے۔ منافق کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کا اخلاق اچھا نہیں ہوتا اور دین میں سمجھ نہیں ہوتی جس شخص کا اخلاق اچھا ہے، دین کی باریک باتوں کو سمجھ کر ان پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اُس کے ضرور شامل حال ہوگی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی قباحتیں بھی بیان کر دیں تاکہ اہل ایمان اُن کی سازشوں سے خبردار رہیں اور اُن پر اعتقاد نہ کریں۔ یہ گروہ اسلام کے حق میں سخت مضر ہے، لہذا مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ اُن سے فریب میں آکر کہیں دین میں نقصان نہ کر بیٹھیں۔

بے سمجھ  
لوگ



يعتذرون ۱۱

التوبة ۹

درس چل و پنج ۴۵

آیت ۱۲۸ ۱۲۹

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ  
 حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ①۲۸  
 فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ  
 تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ①۲۹

ترجمہ :- البتہ تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول تم  
 میں سے ۔ گراں گزرتی ہے اس پر وہ چیز جو تمہیں مشقت  
 میں ڈالے ۔ وہ تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور ایمان والوں  
 کے ساتھ نہایت شفقت کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ①۲۸  
 پس اگر یہ لوگ منہ پھیریں تو آپ کہہ دیجئے ، کافی ہے  
 میرے لیے اللہ تعالیٰ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں  
 اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا  
 مالک ہے ①۲۹

سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کفر اور شرک کہنے والوں کے لیے آیات  
 بیزاری کا اظہار فرمایا اور پھر جہاد کا حکم دے کہ اُس سے متعلقہ قوانین بھی نازل فرمائے  
 اللہ نے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ فریضہ جہاد سے کوئی ذاتی اغراض مقصود  
 نہیں بلکہ یہ سارا سلسلہ اقامت دین کے لیے وضع کیا گیا ہے ۔ اور اگر یہ لوگ کفر اور شرک  
 کو چھوڑ کر دین کو اختیار کر لیں تو مقصد پورا ہو جاتا ہے چنانچہ سورۃ ہذا کے دوسرے رکوع  
 میں گزر چکا ہے ”فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِذَا هُمْ فِي الدِّينِ“

یعنی اگر وہ نائب ہو جائیں، نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، اب ان سے کوئی لڑائی جھگڑا نہیں۔

مضامین  
سورۃ توبہ کوئی نیکی نہیں بلکہ یہ بالواسطہ نیکی ہے۔ جہاد کے ذریعے اقامتِ دین ہوتی ہے اور توحید کی اشاعت ہوتی ہے، اس واسطے یہ نیکی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ میں جہاد کے قوانین کے علاوہ نماز، زکوٰۃ اور مصارفِ زکوٰۃ کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ جہاد ہی کے ضمن میں غزوہ تبوک کا اہم حصہ سورۃ میں بیان ہوا ہے۔ منافقین کی ریشہ دوانیوں کا ذکر کر کے ان کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی جماعتی تنظیم اور مرکزیت کا ذکر آیا ہے۔ مساجد کی حیثیت اور مسجدِ ضرار کا ذکر بھی آیا ہے، جہاد کو انفرادی اعمال منسوخ کیا ہے۔ فرضیتِ جہاد کی دو صورتیں یعنی فرضِ کفایہ اور فرضِ عین کا ذکر ہوا ہے ایمان والوں کے خصائل بیان ہوئے ہیں جن لوگوں سے کوتاہی ہو گئی تھی ان کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، ان کی آزمائش اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق رخصتے والے معاملات اور ان کی اصلاح کا پروردگار نے بتلایا گیا ہے، اور اب آخر میں رسالت اور توحید کا بیان آرہا ہے۔

عظیم الشان  
رسول  
آج کی آخری دو آیتوں میں پہلے رسالت کا بیان ہے نبی کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ دین کا پورا پروردگار نبی کی معرفت ہی ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول کی حیثیت کو بالکل واضح کر دیا ہے تاکہ کسی کو کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ  
الذی تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول۔ لفظ رَسُولٌ نکرہ ہے اور اس سے مراد بڑی شان اور عظمت والا رسول ہے یعنی اے لوگو! تمہارے پاس عظیم المرتبت رسول آیا ہے۔ اور وہ رسول کون ہے؟ مِنَ الْفَسَادِ

تمہاری جانوں میں سے ہے یعنی تمہاری ہی جنس بشر یا انسانوں میں سے ہے۔ اللہ کے تمام رسول بشر یا انسان تھے مگر کامل درجے کے انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اخلاق اور اعمال کا انتہائی درجہ رکھا تھا، گویا بشریتِ انبیاء کا اقرار بھی ضروری ہے۔ "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ" (المکہت) میں یہ الٰہی طور پر تمہاری طرح انسان ہوں لیکن میری طرف وحی آتی ہے۔ اللہ نے نوح انسانی کے لیے اپنے انبیاء علیہم السلام کو نمونہ بنایا تاکہ سب لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر کامیابی کی منزل تک پہنچ جائیں۔ اگر اللہ کے نبی نوح انسانی کے علاوہ کسی دوسری جنس سے ہوتے تو انسان ان سے کما حقہ استفادہ نہ کر سکتے۔ مثال کے طور پر اگر ملائکہ یا جنات کو انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا جاتا تو انسان ان سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکتے، لہذا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف انہی کی جنس سے ان کی طرف رسول مبعوث فرمائے تاکہ وہ ان کا اتباع کر سکیں یہاں بھی فرمایا کہ تمہیں میں سے تمہاری طرف ایک عظیم الشان رسول آیا ہے یہاں پر مِنْ أَنْفُسِكُمْ کے الفاظ آئے ہیں، بعض دوسرے مقامات پر هُمْ یعنی تم میں سے اور فِيكُمْ یعنی تم میں کے الفاظ بھی آتے ہیں مطلب یہی ہے کہ اے اولین مخاطبین یعنی قریش مکہ! اللہ کا عالیشان رسول تمہارے ہی خاندان کا فرد ہے، تم اسے پہچانتے ہو، اس کے حسب نسب سے واقف ہو، اس کے اخلاق و اطوار کو جانتے ہو۔ هُمْ أَنْفُسِكُمْ میں یہ ساری باتیں آگئی ہیں۔ البتہ تم میں اور رسول میں یہ واضح فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی نازل فرما کر اس کے مرتبہ کو بہت بلند کر دیا ہے اور پھر اُسے معصوم یعنی ہر قسم کی غلطیوں سے پاک رکھا ہے۔ اُسے گارنٹی حاصل ہے کہ اُس سے غلطی کمزور نہیں ہوتی۔ اگر کوئی معمولی سی لغزش ہو جائے تو فوراً گرفت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیتا ہے

بعض مفسرین اَنْفُسِ کُور کی بجائے اَنْفُسِ کُور پڑھتے ہیں۔ اَنْفُسِ  
 نفس کی جمع ہے جس کا معنی جان ہے کہ تمہاری ہی جانوں یعنی خاندانِ بقیدہ  
 وغیرہ میں سے آیا ہے اور اَنْفُسِ نفیس کا معنی دیتا ہے اور اس طرح معنی  
 یہ بنتا ہے کہ اللہ نے تم میں سے نہایت شریف خاندان سے غلامِ المرتبت  
 رسول مبعوث فرمایا ہے۔ خاندانِ قریش دنیا بھر میں اشرف خاندان تسلیم کیا جاتا  
 ہے اور حضور علیہ السلام کی بعثت اسی خاندان میں ہوئی۔ آپ علیہ السلام کا اپنا  
 ارشاد مبارک بھی ہے کہ اللہ نے خاندانِ قریش کو تمام قبائل اور خاندانوں پر  
 فضیلت بخشی ہے۔ پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو اللہ نے فضیلت عطا کی  
 اور اسی خاندان سے آپ کو اٹھایا اور سب سے برگزیدہ بنایا۔ بہر حال پہلی تفسیر یعنی  
 تمہاری جانوں میں عظیم الشان رسول آیا ہے، زیادہ تسلیم کی جاتی ہے۔

خیر خواہ  
 رسول

فرمایا اُس عظیم المرتبت رسول کی خصلت حمیدہ یہ ہے۔ عَزَّوَجَلَّ  
 مَا عِنْدَهُ اَمْسٍ پر تمہاری تکلیف گراں گزرتی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ تم کسی  
 تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ، اسی لیے اُس رسول کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ تم دائرہ  
 اسلام میں داخل ہو کر ابدی تکلیف سے بچ جاؤ۔ مَا عِنْدَهُ میں مَا  
 مصدہ یہ ہے کہ اس کو موصولہ بنائیں تو پھر ہی اس کا معنی ایسی بنتا ہے، کہ  
 وہ چیز جس کی وجہ سے تم مشقت میں مبتلا ہو جاؤ، اُس رسول اعظم پر شاق گزرتی  
 ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی طریقے سے تمہیں تکلیف نہ پہنچے اور تم اس دنیا  
 میں بھی اور آخرت میں بھی آسانی میں رہو۔ دنیا کی تکلیف سے بچ جاؤ، اور  
 آخرت کے عذاب سے چھٹکارا حاصل کر لو۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دوسرے  
 کے ساتھ بھی آسانی پیدا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔  
 يَسِّرُوا وَلَا تَعْسِرُوا آسانی پیدا کرو اور مشکل پیدا نہ کرو۔

فرمایا اُس نبی کی دوسری صفت یہ ہے حَرِّضَ عَلَيْكُمْ  
 وہ تمہاری بہتری کے لیے بڑا حریص ہے، تمہاری خیر خواہی کے لیے اس

کے دل میں تڑپ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ میری اور لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے جنگل میں آگ جلائی اور اس پر پتے جمع ہو گئے۔ وہ پروانے آگ میں گرے ہیں مذکورہ شخص اُن کو بچانے کی کوشش نہ کر رہا ہے مگر وہ زبردستی آگ میں گرے ہیں۔ حضور نے فرمایا، میری اور تمہاری مثال بھی ایسی ہے — اَنَا اخذُكُمْ بِمِجْنَزِكُمْ وَأَنْتُمْ تَقْعُونَ فِي تَمِيٍّ دُونَ خَيْرٍ مِّمَّيْ سَجَا جَانِبًا هُوَ مَكْرَمٌ زَبَدُ سَبْتِ جَنَّةٍ مِّنْ كَمَا يَأْتِيهِ هُوَ — اِسْمِي لَی اللّٰہُ نے فرمایا کہ تمہارے پاس وہ عظیم رسول آیا جو تمہارے فائدے کے لیے بہت عریض ہے۔ فرمایا اُس قول کا تیسرا وصف یہ ہے بِالْمُؤْمِنِينَ رَوْفٌ رَّحِيمٌ کہ وہ ایمان والوں کے لیے نہایت شفیق اور بڑا مہربان ہے۔ آپ علیہ السلام کی شفقت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ" (الحج) آپ اپنا شفقت کا بازو مومنوں کے لیے ہمیشہ پھیلائے رکھیں اور اپنے متبعین کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آئیں۔ سورۃ آل عمران میں ہے "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ" اللہ کی رحمت سے آپ اُن کے لیے نرم دل ہیں "وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ" اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد سے پراگندہ ہو جاتے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعریف بیان فرمائی کہ وہ مومنوں کے لیے نہایت شفیق اور بڑا مہربان ہے، لہذا اہل ایمان کو چاہیے کہ اس کا اتباع کریں، وہ انہیں خیر خواہی کی بات ہی بتائے گا اور اسی میں اُن کی بہتری ہوگی، آپ کے حکم سے روگردانی نہ کریں گے تو ناکام ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی حیثیت کو واضح کرنے کے بعد فرمایا "فَإِنْ تَوَلَّوْا أَعْرَضْنَا عَنْكُمْ" اگر تم روگردانی کر گے۔ تمہارے پاس ایسا عظیم المرتبت رسول آیا ہے جو تمہارا بہترین خیر خواہ ہے اور اس نے تمہارے لیے بہترین پروگرام دیا

ہے۔ مشرکین سے برأت کا اظہار پہلے ہو چکا ہے، قانونِ صلح و جنگ بھی بیان ہو گیا۔ کفر و شرک کی قباحتوں اور منافقت کی خرابیوں کو بھی واضح کر دیا گیا۔ پھر اہل ایمان کی خوبیاں اور ان کی صفاتِ حسنہ کا ذکر ہوا۔ تو فرمایا کہ ان تمام حقائق کو جان لینے کے بعد بھی اگر یہ لوگ آپ سے منہ پھیریں فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ تو آپ کہہ دیں کہ میرے لیے تو اللہ تعالیٰ کافی ہے، مجھے کسی دوسرے کا خوف ہے نہ پرواہ، کیونکہ جس کی کفایت اللہ کے ذمے ہو اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چنانچہ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ پر کمال اعتماد کا ذکر بھی آگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا تذکرہ بھی آگیا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اُس خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ علیم کل، محتار مطلق، قدرتِ تامہ کا مالک، نافع اور ضار صرف وہی ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر قسم کی قویٰ فعلی اور بدنی عبادات کے لائق صرف وہی ہے۔

توکل  
علی اللہ

فرمایا جب اللہ تعالیٰ ان صفات کا حامل ہے تو آپ صاف صاف اعلان فرمادیں عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ میں نے اُسی پر بھروسہ کیا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا فَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق) جو اللہ پر بھروسہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی کفایت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کمال ایمان کی علامت ہے۔ ایمان والوں کو یہی تعلیم دی گئی ہے وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (آل عمران) ایمان والوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کریں اور نیکی کے کام میں مشغول رہیں، قلت و کثرت کو خاطر میں لائے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی اعتماد کریں۔ وَهُوَ دَيْتٌ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ اللہ تعالیٰ ہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ ظاہر ہے کہ جو ذات عرش جیسی بڑی چیز کا مالک ہے تو باقی چھوٹی چیزیں تو خود ہی اُس کی ملکیت میں آجاتی ہیں میاں پر عرشِ عظیم کا ذکر کر کے اللہ نے ہر چیز پر اپنی ملکیت کو واضح کر دیا ہے۔

پرانے ریاضی دان کہتے ہیں کہ سورج ہماری زمین کی نسبت بہت بڑا ہے وسعت کائنات جدید ماہرین فلکیات کی تحقیق یہ ہے کہ زمین اور سورج میں ایک اور تیرہ لاکھ کی نسبت ہے یعنی سورج زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ مگر جب زمین سے مشاہدہ کرتے ہیں تو سورج حقوڑی سی جگہ میں محدود نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آسمانی دنیا کا پھیلاؤ کتنا وسیع ہے۔ اسی طرح ایک آسمان سے دوسرے تیسرے حتیٰ کہ ساتویں آسمان کی وسعتوں کا اندازہ لگائیں۔

حضور علیہ السلام نے کمری کی عظمت کے متعلق فرمایا کہ ساتوں آسمان اس کے سامنے ایسے ہیں جیسے صحرایں ایک چھوٹا سا چھلا پڑا ہو۔ اس سے آپ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کی نسبت کا حساب لیں۔ پُرانی ریاضی دانے کہتے ہیں کہ ساتوں آسمانوں سے اوپر جو فلک الافلاک ہے، وہی عرش عظیم ہے۔ گویا ساتوں آسمانوں اور آکٹویں کمری کے اوپر عرش ہے جو ان سب کو گھیرے ہوئے ہے اس طرح گویا عرش عظیم کی وسعت کا اندازہ لگایا ہی نہیں جاسکتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ فلک الافلاک کا اندرونی نصف قطر ساڑھے دس کروڑ میل ہے اور ظاہر ہے کہ پورا قطر اس سے دوگنا یعنی اکیس کروڑ میل ہوگا۔ یہ تو اندرونی حصے کی پیمائش کا اندازہ ہے، بیرونی حصے کی تو کوئی انتہا نہیں، بہر حال عرش عظیم کے مالک اللہ نے ہر چھوٹی بڑی چیز کی ملکیت اور اس پر اپنے تصرف کو واضح فرمادیا ہے فرمایا، وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ تمام چیزوں کا اقتدار اور اختیار اُسی کے قبضے میں ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے قرآنی پروگرام کی اشاعت کریں۔ پھر اگر کوئی ردِ دانی کرتا ہے تو اُسے کرنے دیں اور کسی کی پرواہ نہ کریں، جہاد کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد آخر میں توحید کا ملکہ بیان کر دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں باہم مربوط ہیں۔ جہاد کی تمام مشکلات اللہ کی وحدانیت اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے برداشت کی جاتی ہیں۔

تاکہ لقر شرک سے بچ کر ہمیشہ کے نقصان سے بچ جائیں۔ یہ دونوں سورتیں انفال اور توبہ ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اللہ نے ان میں قانون صلح و جنگ نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ عزرائل کا فلسفہ بھی بیان کر دیا ہے اور پھر ان احکام پر عمل درآمد کی بھی ترغیب دی ہے۔ اب اگلی سورۃ میں قرآن پاک کے بارے میں بات چیت ہوگی۔

عمرہ کی ادائیگی اور زیاراتِ حرمین شریفین کے لیے جانے والے خواتین و حضرات کے لیے انمول تحفہ

## احکامِ عمرہ

مع

زیاراتِ مکہ المکرمہ و مدینہ المنورہ



تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت

۱۸/- روپے



صفحات

۹۶

ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر النوالہ



# مباحث کتاب الایمان مع تسہیل و توضیح مقدمہ صحیح مسلم

صحیح مسلم شریف، علم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرن سوم سے آج تک متداول و معمول ہے۔ اس میں کتاب الایمان کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلم نے سب سے پہلے درج کیا ہے اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض مباحث اسکے نہایت اہم و قیہ اور ضروری ہیں۔ ان مباحث کی توجیہ و تعبیر درسیات کی تعلیم کے طریق پر اس سالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر دلنشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و مشکلات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں نیز مقدمہ میں امام مسلم نے علم اصول حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فہم حدیث میں بہت کالم ہیں خصوصاً مسلم شریف کی احادیث میں بے حد مفید و نفع بخش ہیں مقدمہ اپنی عبارت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اسکی تسہیل و توضیح مختصر طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے۔ علم حدیث کے طلبکاروں کے لیے بہت نافع ہوگی اور اسکے پڑھنے سے بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ مصنف، حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی، عمدہ کتابت و طباعت، قیمت ۳۵ روپے

ناشر: مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہرانوالہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
شمال و خصال پر مستند ترین کتاب

# شمال ترمذی

اردو ترجمہ و تشریح

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ  
بانی مدرسہ نصرۃ العلوم و جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب:

الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

مقدمہ ، اضافہ ، حاشیہ

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

ضخامت جلد اوّل : ۵۰۸ صفحات ، قیمت -/۱۳۰ روپے

ضخامت جلد دوم : ۱۲۷ ، قیمت -/۱۶۰ روپے

ناشر

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

# نمازِ مسنون (خورد) مع اذکار و ادعیه سنونہ مرتب:

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامِ مجید ہم

پاکٹ سائز کے ۱۴۲ صفحات پر مشتمل بابرکت رسالہ جو چھوٹے بچوں کی نماز کی تعلیم کے لیے مرتب کیا گیا ہے لیکن بڑے حضرات نے بھی اس کو خوب فائدہ اٹھایا ہے اور اٹھا سکتے ہیں۔ نماز کے بنیادی ارکان، واجبات، سنن و مستحبات کا ذکر اور مستند حوالہ جات کے ساتھ نماز کے ضروری مسائل کے علاوہ اذکار و ادعیه جن کا یاد کرنا ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری اور مناسب ہے۔

ساتھ ہی چالیس احادیث مبارکہ جو عقائد کی اصلاح اور ضروری اعمال سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی درج کر دی گئی ہیں۔ جمعہ وعیدین کے ضروری خطبات بھی درج کر دیئے ہیں۔ الغرض کہ بچوں کے لیے اور بڑے حضرات کے لیے بھی ایک گراں قدر تحفہ ہے۔ جس کے اٹھارہ ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں اب انیسواں ایڈیشن عمدہ کتابت و نفیس طباعت کے ساتھ ادارہ نشر و اشاعت مدِ نصرۃ العلوم نے طبع کرائی ہے۔ قیمت ۵/۵ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ دروس القرآن

محکمہ فاروق گنج گوجرانوالہ

# نمازِ مَسْنُونِ کلاں

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی دامت برکاتہم

نمازِ مَسْنُونِ خورد کے بعد نمازِ مَسْنُونِ کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوع پر جامع کتاب ہے جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتابِ سنت، احادیثِ صحیحہ، تعاملِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعینِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مضبوط اقوال سے مزین ہے جس میں طہار، اذان، اوقاتِ نماز، فرائض، سنن و مستحبات، مکروہات و مفسدات کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری حکمت اور ضروری مباحث درج ہیں۔ جمعہ و عیدین، نمازِ جنازہ اور نوافل وغیرہ کے حیلہ اہم مباحث اور اسکے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔

عام قارئین کے علاوہ علماء کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً طلباء علم دین کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے جس کا اندازِ بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔

عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، معیاری جلد بندی، طبع دہم

قیمت : ایک سو پچھتر روپے (-/۱۷۵)

ناشر: مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر انوالہ

# حَجَّی عَلَی الْفَلَاحِ

از

حضرت مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی  
مُدَرِّس مدرسه نصرة العلوم گوجرانوالہ  
نماز مسنون کلاں مصنفہ حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان صاحب  
سواتی مدظلہ قرآن کریم، احادیث مبارکہ، تعامل صحابہ کرامؓ، تابعینؓ،  
تابع تابعینؓ، سلف صالحینؓ اور اہل السنۃ والجماعۃ اخاف کے  
مسک کے مطابق ایک اہم ترین جامع اور مثبت دلائل سے مزین  
کتاب ہے۔ اہل حدیث (غیر مقلدین) نے اسکی شہرت اور مقبولیت  
خالف ہو کر اسکی اہمیت کو کم کرنے کے لیے نماز مسنون کے  
بعض مسائل پر بے جا اعتراضات کر دیئے جو کہ ”حَجَّی عَلَی الصَّلٰوۃ“  
نامی کتاب کی صورت میں شائع ہوئے تھے ان اعتراضات کے مدلل  
جوابات آپ کو اس کتاب ”حَجَّی عَلَی الْفَلَاحِ“ میں ملیں گے اور غیر مقلدین  
کی کذب بیابانیاں اور خیانتیں واضح ہوں گی۔

ضخامت : ۹۶ صفحات ، قیمت : ۱۸ روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

# معالم المعارف - دُوسر القرآن

انادات

مفسر قرآن صوفی عبد الحمید سواتی صاحب  
حضرت مولانا

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

صائب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مجاہد اشاعت قرآن

ساز انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

منزل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

ملا انجمن

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (نور اللغات)

محمد منیر صاحب Ph: 221943

مکتبہ دُوسر القرآن گوجرانوالہ

معالم العرفان فی دروس القرآن مکمل ۲۰ جلدوں میں  
افادات

مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین ایم۔ اے علوم اسلامیہ لاہور

زیر انتظام انجمن مہمان اشاعت القرآن

صدر انجمن شیخ محمد یعقوب عاجز صاحب

جنرل سیکرٹری بابو غلام حیدر صاحب

الحاج محمود انور بٹ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ خزانچی مکتبہ دروس القرآن

ناظم مکتبہ دروس القرآن محمد منیر صاحب فون: 4221943

بسم الله الرحمن الرحيم  
الحمد لله رب العالمين

والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

وبعد

فإن من جملة ما

أمر الله تعالى

بأن يكون له من الدين

ما لا يقدر على

الوفاء به

فإن الله تعالى

أمر أن يكون له من الدين

ما لا يقدر على الوفاء به